سلسلۂ نصاب درسیٔ علوم جامعہ عثمانیہ

تاریخ معاشیات

تصنیف

ڈاکٹر کیلس انگرام ایل۔ ایل۔ ڈی، رفیق ٹرینٹی کالج ڈبلن

جس میں

ولیم۔ اے۔ اسکاٹ ایل۔ ایل۔ ڈی، پروفیسر معاشیات جامعہ وسکانسن نے

ایک باب کا اضافہ کیا اور

جس پر

رچرڈ ٹی۔ ایلی، پروفیسر معاشیات جامعہ وسکانسن نے تمہید لکھی

ترجمہ

مولوی رشید احمد صاحب بی۔ اے، ایف۔ آر۔ ای۔ ایس

رکن شعبۂ تالیف و ترجمۂ جامعۂ عثمانیہ

1965-66

محرم سنہ ۱۳۵۱ھ — سنہ ۱۳۴۱ف — سنہ ۱۹۳۲ء

۲۰۸۲

منصور حیدر راجہ

دار الطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

سلسلۂ نصابیاتِ علمیہ جامعہ عثمانیہ

تاریخ معاشیات

تصنیف

ڈاکٹر کیلس انگرام، ایل۔ ایل۔ ڈی، رفیق ٹرینٹی کالج، ڈبلن

جس میں

ولیم۔ اے۔ اسکاٹ، ایل۔ ایل۔ ڈی، پروفیسر معاشیات جامعۂ وسکانسن نے

ایک باب کا اضافہ کیا اور

1965-66

جس پر

رچرڈ ٹی۔ ایلی، پروفیسر معاشیات جامعۂ وسکانسن نے تمہید لکھی

ترجمہ

مولوی رشید احمد صاحب بی۔ اے، ایف۔ آر۔ ای۔ ایس

رکن شعبۂ تالیف و ترجمہ، جامعۂ عثمانیہ

سنہ ۱۳۵۱ھ م سنہ ۱۳۴۱ف م سنہ ۱۹۳۲ء

۲۰۸۲

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

فہرست مضامین تاریخ معاشیات

(الگرام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

نوشتۂ

ڈاکٹر رچرڈ ٹی۔ ایلی

پروفیسر معاشیات جامعۂ وسکانسن

ڈاکٹر انگرم نے اپنے خاص معاشی فلسفے میں چند ایسے اصول پیش کئے ہیں جن سے معاشی خیالات کی تاریخ میں ڈاکٹر موصوف کا درجہ قائم کرنے میں ہمیں مدد ملتی ہے۔ سب سے اوّل یہ کہ ڈاکٹر انگرم آگسٹ کونت کا پیرو تھا۔ مگر عالم معاشیات ہونے کے لحاظ سے وہ جرمنی کے تاریخی مسلک والوں سے یعنی روشر کنیز شمولر سے اور جرمنی اور دوسرے مقامات کے اُن مصنفین سے، جو ان علما نے جرمنی کے ساتھ مربوط تھے بہت زیادہ ہمدردی رکھتا تھا۔ جہاں تک ان مصنفین سے اُسے اختلاف تھا اس اختلاف کی وجہ زیادہ تر وہی کہی جا سکتی ہے جس کا ذکر ابھی ابھی آچکا ہے کہ وہ سب سے پہلے کونت کا پیرو اور مذہب انسانیت کا (جس طرح سے کہ اُسے کونت کی پیروی کرنے والے ایکا بیٔین نے پیش کیا تھا) دلدادہ تھا۔ انگرم کے فلسفۂ اجتماع و معاشیات کا اساسی اصول زیادہ تر اُس خیال سے ہے جس کو ۹۰ سال سے زیادہ مدت قبل کونت نے

اسی وضاحت کے ساتھ ظاہر کیا تھا کہ جس وضاحت کے ساتھ وہ اسکے بعد سے پیش کیا جاتا رہا ہے۔ مگر اس خیال ارتقا میں اضافیت کا تصور بھی مضمر ہے یعنی یہ کہ ادارات کو ان کے مقام اور زمانے کے ماحول کو پیش نظر رکھ کر جانچنا چاہیے اور یہ کہ انسان کو اس وقت تک صحیح طور پر نہیں سمجھا جا سکتا جب تک کہ اس کے وطن اور اس کے زمانے کی زندگی کے حالات سے اس کا تعلق معلوم نہ ہو۔ پس انگرم کو بحیثیت ایک آئرش باشندے کے جانچنا چاہیے جو ۱۸۲۳ء میں پیدا ہوا تھا اور معاشیات میں جس کی خاص تصنیف کا محور ۱۸۸۰ء کے کچھ آگے پیچھے ہے جسے سرسری طور سے ۱۸۷۵ تا ۱۸۸۵ء کا عشرہ سمجھنا چاہیے۔

علمائے معاشیات ڈاکٹر انگرم سے سب سے پہلے ۱۸۷۸ء میں روشناس ہوئے جبکہ اس نے "معاشیات کی موجودہ حالت اور آیندہ توقعات"[1] پر اپنا خطبہ پڑھ کر سنایا۔ یہ دراصل ایک تمہیدی خطبہ تھا جو برطانوی انجمن ترقی علوم[2] کے شعبۂ معاشیات و اعداد و شمار کے جلسے میں بمقام ڈبلن پڑھا گیا تھا۔ ڈاکٹر انگرم اس وقت آئرلینڈ کی عددی و معاشری تحقیق کرنے والی انجمن[3] اور برطانوی انجمن ترقی علوم کے شعبۂ معاشیات و اعداد و شمار کا صدر نشین تھا۔ انگرم نے اپنے خطبے کے ابتدائی حصے میں انگلستان کی اس زمانے کی معاشیات کی حالت پر نظر ڈالی۔ اور جہاں تک اس بیان کے عام خاکے کا تعلق ہے کوئی شخص اس کی کھینچی ہوئی تصویر کی صحت سے کامیابی کے ساتھ معارضہ نہیں کر سکتا۔ یہ عام طور پر تسلیم کیا جاتا تھا کہ عامۃ الناس کے نزدیک معاشیات کی قدر و وقعت بہت ہی کم تھی۔ اور یہ امر کہ عالموں کا حلقہ بھی اس کے دائرۂ علم میں داخل ہونے کے استحقاق

---

[1] The present position and prospects of Political Economy.

[2] British Association for the Advancement of science.

[3] Statistical and Social Inquiry Society for Ireland.

کو شبہ کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اس واقعے سے ثابت ہے کہ برطانوی انجمن ترقی علوم میں معاشیات کو داخل کرنے کے متعلق سخت مخالفت ہوئی تھی۔ اسی مخالفت و معارضے نے معاشیات کے اس انجمن میں جگہ حاصل کرنے کے استحقاق کے جواز کو جانچنے کی طرف انگرم کی رہبری کی۔ اب سے ربع صدی پیشتر معاشیات کو عوام کا اعتماد حاصل تھا۔ اور جہاں تک اساسی معاشی اصول کا تعلق تھا اکثروں کا خیال تھا کہ معاشیات تکمیل کو پہنچ رہی ہے۔ لیکن سنہ ۱۸۷۰ء میں مزدوری پیشہ طبقے اور اس کے نمایندوں اور ترجمانوں کی شدید مخالفت کا اس کو مقابل ہونا پڑا تھا اور عالموں کی عام جماعت بھی اس کو بنظر شک وشبہہ دیکھتی تھی۔
ڈاکٹر انگرم معاشیات کی غیر اطمینان بخش حالت کی تشریح کرنے اور اصلاحی تدابیر بتانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اپنے استاد کونت کی تقلید کرکے یہ ثابت کرتا ہے کہ علوم عمرانی سے معاشیات کی علحدگی ہی معاشیات کی ظاہری ناکامی کا سبب ہے۔ اور یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ اس ناکامی کا صحیح علاج یہ ہے کہ معاشیات کو علوم عمرانی یا بالفاظ دیگر عمرانیات کا محض ایک شعبہ قرار دیا جائے لیکن یہ عمرانیات جس کا معاشیات کو محض ایک باب ہونا چاہیے ارتقائی عمرانیات ہوتی۔ سوسائٹی یا قوم کی نشو و ترقی میں ایک منزل کے بعد دوسری منزل نمودار ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ ضروری ہے کہ جو اصول ہر ایک منزل کی مناسبت سے قائم کئے جائیں وہ دراصل سوسائٹی کی زندگی کا آئینہ ہوں۔ معاشیات میں "مطلقیت" یا "قطعیت" کا عنصر بہت زیادہ بلکہ حد سے زیادہ تھا۔ چنانچہ انگلستان میں علمائے معاشیات نے جو معاشی اصول قائم کئے تھے ان کے متعلق خود ان کا یا ان کے پیرؤں کا یہ خیال تھا کہ یہ اصول تمام ممالک اور تمام زمانوں پر یکساں طور سے منطبق کئے جا سکتے تھے۔ عام اور مسلمہ خیالات کے مطابق تجارت آزاد کا اصول صحیح تھا۔ اور اس کے مقابلے میں تجارت محصولی کا طریق ناقص تھا۔ اس کے برعکس تاریخی مسلک کے نقطۂ نظر کے مطابق یہ فیصلہ کرنا دشوار تھا کہ ان دونوں

اصول میں سے کونسا صحیح اور کونسا غلط تھا۔ صحیح اصول عمل وہی ہو سکتا تھا جو کسی خاص ملک کے حالات اور اُس کے ارتقا کی خاص منزل کی مناسبت سے ترتیب دیا جاتا۔ اور یہ محض مشتے نمونہ از خروارے متعدد مثالوں میں سے ایک مثال ہے۔

معاشیات کے متعلق انگرم کا جو عام نقطۂ نظر تھا اسی کا یہ ضروری نتیجہ تھا کہ وہ معاشیات کی بہت زیادہ تجریدی اور استخراجی نوعیت کو علم کے ناقص ہونے کا ایک سبب قرار دیتا تھا۔ اگرچہ وہ طریق استخراج کے استعمال کا مخالف نہ تھا مگر اُس کی دانست میں معاشی دُنیا کو سمجھنے کے لئے بقول رچرڈ جونس "مشاہدہ و مطالعہ کرنا" ضروری ہے۔ یعنی یہ اشد ضروری ہے کہ زمانۂ حال و گزشتہ کے واقعات کا مطالعہ کیا جائے۔ اور بمقابلہ (استخراجی) طریق کے طریق استقرا کو زیادہ ترجیح دی جائے۔

انگرم نے معاشیات کو جس طرح کہ وہ اُس زمانے میں پیش کی گئی تھی ایک حد تک خشک اور غیر دلچسپ پایا۔ گویہ معاشیات کے طریق تحقیق ہی کا لازمی نتیجہ تھا۔ چونکہ معاشیئین حقیقی حالات سے دور جا پڑے تھے انھوں نے عوام کی ہمدردی کھودی اور اُن کے خیالات عوام کے مقاصد و اغراض کے مخالف تصور کئے جانے لگے۔

۱۹۱۰ء کے کم عمر معاشیئین کے لئے ۱۸۸۰ء کے حقیقی حالات کا سمجھنا دقت طلب ہے۔ لیکن جب تک ان حالات کا علم نہ ہو انگرم کے اعلیٰ خدمات کی قدر و وقعت کا جاننا مشکل ہے۔ امریکہ میں اُس وقت تک معاشی خیال کی تحریک جدید شروع نہ ہوئی تھی۔ مگر انگلستان میں انگرم اور اُس کا رفیق کار کلف لزلی اس تحریک کی روح رواں و رہبر بنے ہوئے تھے۔ لزلی آئرلینڈ ہی میں، انگرم سے چار سال بعد پیدا ہوا اور انگرم کی طرح چرچ آف انگلینڈ کے ایک پادری کا بیٹا تھا۔ یہ تحریک جو اس وقت تاریخی مسالک سے (جیسا کہ اُس زمانے میں اُس کو اس نام سے موسوم کیا جاتا تھا) قریبی تعلق رکھتی تھی، امریکہ میں انگلستان سے

پانچ سال بعد اُس وقت ظاہر ہوئی جبکہ متعدد امریکن نوجوان طلبہ جرمنی سے فارغ التحصیل ہوکر اپنے وطن کو واپس آئے اور اُنھیں کے مماثل خیالات کی اشاعت وتبلیغ شروع کردی۔ انگلستان میں جو حالت موجود تھی اس قسم کی حالت امریکہ میں بھی نمودار ہوئی انیسویں صدی کے آٹھویں عشرے کے اوائل میں امریکہ کے میعادی رسالوں کے بحث مباحثوں پر نظر ڈالو تو عجیب وغریب عالم نظر آتا ہے۔ جو عالمان معاشیات انگرم سے عمر میں بیس پچیس سال چھوٹے تھے اُن کا خیال تھا کہ معاشیات، جیسا کہ اُس وقت اُس کے سربرآوردہ علما اُس کو پیش کرتے تھے، علمی اور انسانی دونوں قسم کی ترقیوں سے تخالف رکھتی تھی۔ اب یہ امر صاف طور پر ثابت ہوچکا ہے کہ آدم اسمتھ اور ریکارڈو جیسے جلیل القدر اساتذہ کے پیش کردہ اُصول ترقی میں اس قدر مزاحم نہ تھے جس قدر کہ وہ چیز جس کو ہم بنظر سہولت "اسمتھ پرستی" اور "ریکارڈو پرستی" کہہ سکتے ہیں، اگرچہ یہ کوئی عمدہ اصطلاح نہیں ہے۔ بعد کے زمانے میں چھوٹے درجے کے مصنفین نے ان جلیل القدر اساتذہ کی طرف چند دقیق مسائل اور تعلیمات منسوب کرکے اُن کے نظریات سے بے تکے نتائج اخذ کیے۔ علمی اعتبار سے سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ بقول بیج ہیٹ ایک قسم کا زنگ پیدا ہوگیا تھا جو معاشیات کی کل کو آگے بڑھانے کی راہ میں حائل ومزاحم تھا۔

راقم الحروف انھیں نوجوان معاشیئین کے زمرے میں تھا جو عمر میں انگرم سے بیس پچیس سال چھوٹے تھے اور جو اُس وقت جبکہ انگرم نے اپنا صدارتی خطبہ ۱۸۷۸ء میں پڑھا، جرمنی میں تحصیل علم کر رہا تھا۔ جرمنی میں اُسکے خطبے کا جو اثر ہوا تھا وہ راقم الحروف کو اچھی طرح یاد ہے۔ امریکہ میں بھی اسی قسم کا اثر چند سال بعد ظاہر ہوا اگرچہ یہاں خطبے کے مخالفین کی تعداد بہ نسبت جرمنی کے بہت زیادہ تھی۔ یہ خیال کیا جاتا تھا

کہ اس خطبے سے ایک حقیقی ترقی پذیر تحریک کی ابتدا ہوتی تھی۔ اور جرمنی اور دوسرے ممالک میں جو کام ہو رہا تھا اس خطبے میں اُسکا بہت زیادہ گرمجوشی اور انصاف کے ساتھ اعتراف کیا گیا تھا۔ جامعۂ ہالکنے کے پروفیسر جے کانراڈ نے، جس کے امریکن طلبہ کی تعداد بہ نسبت جرمنی کے کسی دوسرے پروفیسر کے بہت زیادہ تھی، اس خطبے کا ترجمہ کرانے کا مشورہ دیا۔ ڈبلن کے خطبے کا ترجمہ ڈاکٹر وان شیل کی تمہید کے ساتھ ۱۸۷۹ء میں شائع ہوا۔ اسی سال کوپن ہیگن میں بھی ڈینش زبان میں اس کا ترجمہ شائع ہوا۔

اس کے بعد اُس خطبے کی طرف توجہ کرنی چاہئے جو انگرم نے ستمبر ۱۸۸۰ء میں ڈبلن کی انجمن اتحاد تجارت[1] کے سامنے پڑھا۔ اس خطبے کا عنوان "کام اور مزدور"[2] تھا۔ ڈاکٹر انگرم کی تحریرات کے متعلق ایک تفصیلی یادداشت میں، جس کو ڈبلن کے قومی کتاب خانے کے مہتمم ٹی۔ ڈبلیو لسٹر نے آئرلینڈ کی ادبی انجمن[3] کے لئے مرتب کیا تھا اور جو اُس انجمن کے رسالے میں شائع ہوئی تھی، اُس خطبے کے متعلق حسب ذیل مختصر تبصرہ ہے :-

"محنت کا حقیقی انسانی تصور قائم کرنے کی استدعا"

محنت کوئی آزاد اور مطلق شے نہیں ہے جو مزدور کی شخصیت سے علیحدہ کی جا سکے، محنت غلہ یا روئی کی مانند کوئی جنس نہیں ہے۔ انسانی عامل، اُس کی انسانی ضرورتوں، انسانی فطرت اور جذبات واحساسات، ان سب کو ملحوظ و پیش نظر رکھنا چاہئے۔ اس قضیے سے ڈاکٹر انگرم نے

---

[1] Indian Trade Union Congress.

[2] Work and The Workman.

[3] Literary Association of Ireland.

متعدد نتائج کا استخراج کیا ہے: (۱) مزدور کو کافی اجرت ملنی چاہیئے۔ (۲) اُس کی گھریلو زندگی منتظم اور امن چین کی ہونی چاہیئے۔ اور فرصت کا کافی وقت ملنا چاہیئے۔ (۳) اُس کی تعلیم و تربیت کا باقاعدہ انتظام ہونا چاہیئے۔ اور وہ آخر میں اس طرح مختصر و جامع بیان کرتا ہے:۔ جو چیز مزدور کے لئے ضروری و اہم ہے وہ یہ نہیں ہے کہ اُس کی برادری میں سے چند لوگ بہ نسبت دوسروں کے سربرآوردہ حالت پر پہنچ جائیں۔ اس سے تو بعض اوقات بحیثیت مجموعی پوری جماعت کو نقصان پہنچتا ہے کیونکہ جماعت کے زیادہ مستعد اور چالاک افراد اُس سے چھن جاتے ہیں۔ جماعت کا حقیقی فائدہ اُس وقت ہوگا جبکہ پوری جماعت کی مادی خوش حالی اور بہبود میں اضافہ ہو اور اس سے زیادہ وہ عقلی اور اخلاقی تعلیم میں ترقی کریں۔

انگرم نے تاریخ معاشیات پر جو مضمون لکھا تھا وہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا[۱] کی نویں اشاعت میں ۱۸۸۵ء میں شائع ہوا۔ اور ۱۸۸۸ء میں نظر ثانی کے بعد کتاب کی شکل میں علیحدہ شائع ہوا۔ لیکن کتاب کی شکل میں شائع ہونے سے قبل ہی جامعۂ ہارورڈ کے پروفیسر ٹاسگ[۲] کے مشورے سے ان سائیکلوپیڈیا والا مضمون طلبہ کے استعمال و استفادے کے لئے امریکہ میں علیحدہ شائع ہو چکا تھا۔ یہ کتاب موجودہ زمانے کی متعدد یورپی زبانوں میں نیز جاپانی زبان میں بھی ترجمہ ہوئی۔ ڈاکٹر انگرم کا اثر اُس وقت بہت عام اور وسیع ہو گیا تھا۔ خواہ معترضین کا کچھ بھی خیال ہو یہ ظاہر ہے کہ انگرم نے دنیا کو ایک نیا پیغام پہنچایا۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں اس چیز کو، جس کو کسی قدر مبالغے کے ساتھ "معاشیات جدید" کہا جاتا تھا، جو قوتیں اُبھار رہی تھیں

۱ـ Encyclopaedia Brittanica.

۲ـ Proffessor Taussig

انھیں قوتوں میں سے ایک انگرم بھی تھا۔ ہم کمسن معاشئین کو یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ گویا ہمارے ہی ساتھ کام کررہا ہے۔ اُس نے ایسی قوتوں کو حرکت میں لانے میں مدد دی جو ۱۸۸۵ء میں امریکہ کی انجمن معاشیات[1] کے قیام کی صورت میں منتج ہوئے اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے معاشی خیال کی تاریخ کا یہ ایک نہایت اہم واقعہ تھا۔ انگرم اس قدر مُسن ہو چکا تھا کہ اس انجمن کے بوڑھے بانیوں سے بھی وہ عمر میں بہت بڑا تھا۔ لیکن ہم محسوس کرتے تھے کہ بلحاظ جوش وخروش وہ ہمارا ہمسن اور ہماری طرح نوجوان تھا۔ یہ انجمن چار دانگ عالم کی توجہ کی جالب بن گئی اور اس نے دوسرے ممالک میں بھی اسی قسم کی انجمنیں قائم کرنے کی جانب رہبری کی چنانچہ برطانیہ کی انجمن علم المعیشت[2] کا قیام جو پانچ سال بعد میں عمل میں آیا ایک حد تک اسی کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔ امریکہ کی انجمن معاشیات نے انگرم کے خدمات کا مناسب طریقے سے اعتراف کیا اور اُس کو ۱۸۹۰ء میں اپنا اعزازی رکن مقرر کیا۔ تمہید نگار اُس وقت امریکہ کی انجمن معاشیات کا معتمد تھا اور وہ جانتا ہے کہ جب انگرم کو اُس کی اس عزت افزائی کی خبر ملی تو وہ سن کر کس درجہ مسرور ہوا۔ اس میں کلام نہیں کہ بحر اطلانطک کے اُس پار والے ہم چشم علمائے معاشیات نے جو حوصلہ افزائی کی ڈاکٹر انگرم نے اُس کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا۔

اس مختصر سے تبصرے میں بھی یہ تبلانا ضروری ہے کہ انگرم نے انسائکلوپیڈیا کے نویں ایڈیشن کے لئے معاشی مباحث پر اور معاشئین پر متعدد مضامین لکھے۔ ان میں سے سب سے اہم

---

[1] American Economic Association.

[2] British Economic Association.

اور مشہور مضمون "غلامی" پر ہے جو نظر ثانی کے بعد اور کسی قدر اضافے کے ساتھ بعنوان "غلامی اور سرفیت کی تاریخ"[1] شائع ہوا۔

ڈاکٹر انگرم کی زندگی کے تفصیلی حالات کے بیان کرنے کا یہ کوئی موقع نہیں۔ تمہید نگار کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس تصنیف کے جلیل القدر مصنف کے خدمات کے متعلق محض چند باتیں بیان کرے۔ ایک عالم معاشیات کی حیثیت سے انگرم نے جو کتابیں تصنیف کیں صرف ان کی قدر و وقعت معلوم کرنے کے لئے یہ چند تمہیدی ریمارک ضروری معلوم ہوئے۔ انگرم نے علم معاشیات کے دائرے کو وسیع کر دیا۔ چنانچہ معاشیات کی عام وسعت کے متعلق ہم خواہ کچھ کہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ انگلستان اور امریکہ اور دوسرے مقامات میں معاشیات کی وسعت میں بڑی حد تک اضافہ ہو گیا ہے۔ معاشی تحقیق کے جو حدود پہلے قائم کئے گئے تھے ہم میں سے اکثر مصنفین کی دانست میں وہ غیر فطری حدود تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ حدود بظاہر ہم کو ٹھیک اسی مقام پر روک دیتے تھے جہاں سے ہماری تحقیقات حقیقت میں نتیجہ خیز اور بار آور ہونا شروع ہوتی تھی۔ جس وقت ہم نے مسئلہ محنت، اصلاح مکانات اور ترقی یافتہ معاشی حالات کا مطالعہ شروع کیا تو ہم پر ہمیشہ یہ الزام قائم کیا گیا کہ ہم معاشیات کے حدود سے تجاوز کر رہے ہیں، لیکن ہم موجودہ زمانے میں ان مصنوعی حدود کے بغیر جو پہلے ہماری راہ میں مزاحم معلوم ہوتے تھے آزادی کے ساتھ تحقیقات کا کام کر سکتے ہیں اور اس کے لئے ہم بڑی حد تک ڈاکٹر انگرم کے رہین منت ہیں، اس لئے کہ انگرم نے معاشیات کے دائرے کو وسیع کرنے میں رہبری اور پیشوائی کی۔

[1] The History of Slavery and Serfdom

معاشی تحقیق کی حقیقی وسعت کے بارے میں موجودہ علمائے معاشیات
کے جو خیالات ہیں اُن کا بیان کرنا سردست غیر ضروری ہے اس لئے
کہ وہ ہمارے موضوع سے متجاوز ہوجاتا ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ
معاشیات کو عام طور سے علم عمرانی تسلیم کر لیا گیا ہے اور دوسری طرف
یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ جدید علمائے معاشیات نے ڈاکٹر انگرم
کے اس مشورے پر عمل نہیں کیا ہے کہ معاشیات کو عمرانیات کی صف
ایک شاخ قرار دینی چاہیے ترقی کرنے والی جماعت کا رجحان بھی بحالت موجودہ یہ ہے کہ
عمرانیات کو معاشیات سے علٰحدہ قرار دیا جائے تاکہ ہر علم کا اُس کا اپنا جداگانہ تحقیق
کا میدان ہو۔ مگر اسی کے ساتھ معاشی تحقیقات کا دائرہ عمرانی میلان کی
بنا پر بہت وسیع ہو گیا ہے۔ معاشیات، اخلاقیات اور دیگر عمرانی علوم
سے جو علاقہ رکھتی ہے اُس کو تسلیم تو کر لیا گیا ہے مگر معاشیات کی تحقیق
کا میدان جداگانہ قرار دیا گیا ہے۔ اس مقام پر ہم کو آدم اسمتھ کا قول
یاد آتا ہے کہ "اگر شاخ ایک ہی طرف کو جھک پڑے تو اُس کو
سیدھا کرنے کے لئے دوسری طرف بھی اسکو اسی قدر جھکانا ضروری ہے"۔

انگرم اُس گروہ کا سردار تھا جس نے معاشیات میں انسانیت
کا عنصر داخل کیا۔ اس موقع پر یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ اس عنصر کو داخل
کرنے میں کس شخص نے کتنا حصہ لیا۔ لیکن امریکہ اور انگلستان کی حد تک
انگرم ہی نے بڑی حد تک اس کام کو انجام دیا اور نہایت دلیری اور مردانگی
کے ساتھ انجام دیا۔ انگرم کو جو کامیابی حاصل ہوئی اُس کا ثبوت مارشل
کے "اصول" کی پہلی کتاب باب یکم سے بہم پہنچتا ہے جس میں معاشیات
کی بایں الفاظ تعریف کی گئی ہے کہ وہ دولت کا مطالعہ اور انسان کے
مطالعے کا ایک شعبہ ہے اور جہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ "یہ سوال کہ آیا
افلاس ضروری ہے معاشیات کی دلچسپی میں عظیم ترین اضافہ کرتا ہے"۔
انگرم آئرلینڈ کی انجمن معاشری و عددی تحقیق[1] کے بانیوں میں سے

[1] Statistical and Social Enquiry Society.

ایک تھا۔ اس حیثیت سے اُس کی خواہش تھی کہ معاشری اصلاح کو ترقی دینے کے لئے اعداد و شمار کے استعمال کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ عددی تحقیق کی دلچسپی کو بڑھانے میں اور انگلستان اور امریکہ میں اعداد و شمار کے مطالعے کو ترقی دینے میں جو حقیقی خدمت انجام دی گئی وہ انگرم کی طرف منسوب کی جاسکتی ہے۔ جو لوگ معاشی تاریخ کے میدان میں تگ و دو کرنے کا میلان رکھتے تھے اُن پر بھی انگرم کا ایسا اثر پڑا جو اُن کے حوصلوں کو بڑھاتا تھا۔ گزشتہ نسل میں انگلستان و امریکہ کے اکثر قابل علمائے معاشیات کی توجہ معاشی تاریخ کی طرف منعطف ہوئی اور ڈاکٹر انگرم نے اُن کے لئے ایک موافق معاشری ماحول پیدا کرنے میں بڑی مدد دی۔

انگرم کا مبلغ علم بہت وسیع تھا اور اُس نے تصنیف و تالیف کے متعدد و مختلف شعبوں میں مسلمہ حیثیت اور مرتبہ حاصل کیا۔ وہ ایک قابل ریاضی داں اور اعلیٰ درجے کا ماہر لسانیات تھا۔ اُس نے شکسپیر اور ٹینی سن پر شرحیں لکھیں اور خود بھی ایک بلند پایہ شاعر تھا اور اُس نے متعدد نظمیں لکھیں جو سخن شناسوں کے نزدیک قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ اُس نے لسانیات پر بھی متعدد مضامین تحریر کئے اور سنہ ۱۸۶۶ء میں جامعۂ ڈبلن میں یونانی زبان کا معلم اول مقرر ہوا۔ جن مختلف عہدوں پر وہ وقتاً فوقتاً مامور ہوتا رہا اور مختلف علوم و فنون میں اُس نے جو جو کتابیں لکھیں اُن کی تفصیل سے ہماری تمہید نامناسب طوالت اختیار کرلے گی۔ اُس کی وفات پر اُس کے اکثر رفقائے کار نے کہا کہ وہ غالباً دنیا کا سب سے بڑا اور جید عالم تھا۔

ان تمام باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انگرم جدید طرز کا ماہر خصوصی نہ تھا بلکہ قدیم طرز کا علامہ تھا۔ اگرچہ "تاریخ معاشیات" اس کی سب سے مشہور اور سب سے اہم تصنیف ہے اس کے علاوہ بھی اُس نے معاشیات نیز دوسرے مضامین پر کئی کتابیں تحریر کیں۔ لیکن محض

معاشیات ہی اُس کی ذہنی دل چسپی کا مرکز نہ تھی بلکہ مذہب سے بھی وہ شغف رکھتا تھا۔ وہ مذہب انسانیت کا، جس کی کونت نے بنیاد ڈالی تھی اور جس کو ایک بشین نے نشوونما دے کر مدون کیا تھا، زبردست پیرو تھا۔ یہاں کسی قسم کا مذہبی بحث مباحثہ بے موقع سا ہوگا۔ لیکن اتنا کہہ دینا ضروری ہے کہ علمائے معاشیات کا عام طور پر یہ خیال ہے کہ ڈاکٹر انگرم کے مذہب انسانیت میں اس دل چسپی کا اُس کی معاشی تصانیف پر بُرا اثر پڑا۔ بجائے اس کے کہ وہ کونت کی عمرانیات کو مبادی علم شمار کرتا جہاں سے آزادانہ نشوونما و ترقی کا آغاز کیا جاتا اسی کو اُس نے اپنا نصب العین قرار دے دیا۔ اس طرح بحیثیت مجموعی کونت کی تعلیم کا اثر یہ ہوا کہ انگرم کا معاشی فلسفہ محدود سا ہوکر رہ گیا۔ چنانچہ اس امر پر عام طور پر اتفاق کیا جائے گا کہ انگرم پر کونت کا جو اثر پڑا وہ علمی اعتبار سے اچھا نہ تھا۔

بہرحال نوع انسانی کے لئے انگرم کا جوش و خروش اُس کی زندگی کا ولولہ انگیز محرک تھا۔ وہ عام مرفہ الحالی کا ولولہ رکھتا تھا۔ اگرچہ اُس کے ملنے جلنے والوں کو وہ کسی قدر کج خلق اور بے مروت سا معلوم ہوتا تھا مگر ہم جانتے ہیں کہ اُس کے اعزہ و اقربا سے اُس کو کس قدر گہری محبت تھی اور یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ اپنے لواحقین سے گزر کر اپنے ہم وطنوں اور نوع انسانی سے کس درجہ اُنس رکھتا تھا۔ وہ ایک جید عالم اور بلند پایہ فلسفی تھا اور اس امر سے بخوبی آگاہ تھا کہ انسانی خوش حالی کے لئے مذہب ایک ناگزیر شرط ہے۔ مگر دنیا کے روایاتی مذاہب سے اُس کی تشنگی رفع نہ ہوئی۔ چنانچہ اُس نے کونت کے مذہب انسانیت کو شوق سے اور بصدق دل قبول کرلیا۔ اس لئے کہ اُس کی دانست میں اُس میں وہ چیز موجود تھی جو اُس کے نام سے عیاں تھی۔ وہ اس مذہب کے فلسفے پر فریفتہ تھا، اور یہ سمجھتا تھا کہ اس میں دلوں کو مسخر کرنے والی قوت موجود ہے۔ جن انجمنوں میں اُس نے کام کیا اور

جن کا اس کی ذات سے ذرا بھی تعلق تھا اُن میں اس کی سب سے بڑی خواہش اور کوشش رفاہ عام کے لئے ہی تھی۔ وہ اس علم کو فی نفسہ منزل مقصود نہیں سمجھتا تھا بلکہ انسانی مرفہ الحالی میں اضافہ کرنے کا محض ایک وسیلہ خیال کرتا تھا۔

ڈاکٹر انگرم کی زندگی کے حالات اور اُس کے عادات و خصائل اس قسم کے تھے کہ وہ کسی مذہب یا مسلک کا سرگروہ یا سردار نہیں بن سکتا تھا۔ معاشیات کے پیشہ ور عالموں اور ماہروں کی تعداد انگلستان میں کم ہے اور انگرم کے زمانے میں تو اور بھی کم تھی۔ اُس کی عمر نے اُس کو اتنا موقع نہ دیا کہ وہ بعد کی نسل کے نوجوان مصنفین معاشیات کے ساتھ جن سے اُس کو یقیناً ہمدردی ہوتی مل جل کر کام کر سکتا۔ اس کے علاوہ وہ ایک گوشہ نشین اور عزلت گزیں شخص تھا اور اپنی شخصیت منوانے کی قابلیت جو عام طور پر سرداروں میں پائی جاتی ہے اپنے میں نہ رکھتا تھا۔ اگر اُس کا تعلق کسی جدید جامعہ سے ہوتا جہاں نوجوان تشنگان علم کی ایک جماعت اُس کی رفیق کار ہوتی تو اُس کا کام مزید ترقی کر سکتا تھا اور اُس کو مزید شہرت حاصل ہو جاتی۔ پھر بھی اس میں کلام ہو سکتا ہے کہ آیا وہ موجودہ کام سے زیادہ کام انجام دیتا۔ اس کے اثر کو کسی طرح کم وسیع نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے کہ وہ بہت دور تک پھیلا ہوا ہے اور بالعموم نظر سے تقریباً پوشیدہ ہے۔ انگرم نے معاشی خیال اور انسانی ترقی کی عام رَو میں کافی اضافہ کیا۔ اور بلاشبہ یہی وہ شے ہے جس کو وہ اپنے لئے پسند کرتا۔

اس کا اندازہ قائم کرنا کہ انگرم کا آخری رتبہ کیا ہے ابھی بہت زیادہ قبل از وقت ہوگا۔ البتہ جدید معاشی خیال کی تاریخ میں اُس کو بڑا رتبہ حاصل ہے اس میں کچھ کلام نہیں ہو سکتا۔ معاشیات جدید اُس کی بے انتہا ممنون احسان ہے۔ یہ ممکن ہے کہ انگلستان کے اکثر علمائے معاشیات کو وہ غدار سرکش کی طرح معلوم ہوتا ہو۔ چنانچہ

ایسے اشخاص تھے اور غالباً اس وقت بھی ہیں جو یہ خیال کر سکتے ہیں کہ اس نے
انگلستان کے علمائے معاشیات پر بہت زیادہ سختی کے ساتھ حملے
کئے۔ ممکن ہے کہ وہ بعض سمتوں میں حدِ اعتدال سے تجاوز کر گیا ہو۔
لیکن وہ ایک کشمکش میں مبتلا تھا اور اُن لوگوں کو جو اس کشمکش پر
ایک فاصلے سے اور تاریخ کے دور سے نظر ڈالتے ہیں یہ معلوم ہوتا
ہے کہ یہ کشمکش نہایت ضروری تھی۔ اُس نے معاشیات کو اس طرح
سے بھی آگے بڑھانے میں مدد دی کہ انگلستان کے معاشی خیال کو
تنگ و محدود دائرے سے باہر نکال دیا۔ موجودہ زمانے میں دنیا کے
علمائے معاشیات پہلے سے بہت زیادہ تعاون و یکجہتی کے ساتھ
اسی کام میں منہمک ہیں اور اُن لوگوں کی صف میں جنھوں نے اس
عالمگیر تعاون و اشتراکِ عمل میں مدد دی انگرم کوئی حقیر درجہ نہیں رکھتا۔
غالباً یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ انگرم نے "اسمتھ پرستی" اور
"ریکارڈو پرستی" اور خاصکر موخرالذکر پر اعتراضات کر کر کے دنیا کے سامنے
حقیقی آدم اسمتھ اور حقیقی ریکارڈو کو پیش کرنے میں مدد دی۔ چنانچہ
علمائے معاشیات اب اس قابل ہو گئے ہیں کہ ان جلیل القدر
مصنفوں کو اُن افسانوں سے علیحدہ رکھیں جو اُن کے نام کے ساتھ
منسوب کئے جاتے ہیں۔ پھر بھی ریکارڈو کے متعلقہ افسانوں کا اثر
اس وقت بھی کہیں کہیں پایا جاتا ہے جو اصلاح کی راہ میں حقیقی رکاوٹ
ہے۔ اس کی ایک عجیب و غریب مثال ۱۹۱۳ء میں ملتی ہے جبکہ
بیت العوام انگلستان کی ذیلی کمیٹی کے روبرو چلٹن ہم گلوسسٹرشائر
کے متصل مقام ایلسٹون ہارڈوک کی بے باڑ کی قابل کاشت زمینوں
کی احاطہ بندی کے متعلق احکام جاری کرنے کا مسئلہ زیر غور و بحث تھا۔
احاطہ بندی کے لئے بہت اطمینان بخش انتظامات کئے گئے تھے اور
ہر کاشتکار متعلقہ حدبندی کرانے کے لئے بیچین تھا۔ راقم الحروف
بھی زبانی گفتگو کی بنا پر جانتا ہے کہ کاشتکاروں میں اس بارے میں

کسی قسم کا اختلاف آراء نہ تھا۔ حالات اس قسم کے تھے کہ جن سے کھیتی باڑی کرنے والوں کے حوصلے پست ہو رہے تھے چنانچہ ہر کاشتکار یہ سمجھتا تھا کہ احاطہ بندی کرنے سے اُس کا فائدہ ہوگا پھر بھی کمیٹی میں "ریکارڈو پرستی" نمودار ہوئی اور احاطہ بندی میں مزاحم ہوئی۔ بار بار سوال کیا جاتا تھا کہ "کیا احاطہ بندی، زمینوں کی قدر وقیمت میں اور نتیجۃً لگان میں جو کاشتکار ادا کرے گا اضافہ نہ کردے گی"؟ خیال یہ تھا کہ اگر معاشی لگان میں اضافہ ہوا تو احاطہ بندی سے زمیندار کا نفع ہوگا اور کاشتکار خسارہ اُٹھائے گا حالانکہ واقعہ یہ تھا کہ گو کہ معاشی لگان میں اضافہ ہوتا لیکن کاشتکاروں کے لگان میں اس مناسبت سے اضافہ نہ کیا جاتا۔ اس میں شک نہیں کہ انگلستان کے حقیقی حالات کے تحت یہ خیال کرنے کے کافی وجوہ تھے کہ سب سے پہلے کاشتکاروں کو نہ کہ زمینداروں کو زرعی حالت کی اصلاح سے، جو احاطہ بندی کا نتیجہ ہوتی، فائدہ حاصل ہوتا۔ اب اس معاملے میں ریکارڈو کی تعلیم کے خلاف کوئی چیز نہیں ہے۔ لیکن بعض قوتیں اور اثرات جن پر ریکارڈو نے غور نہیں کیا تھا وہ کمیٹی کی تحقیقات میں بھی نظرانداز کردئے گئے تھے۔ انگرم نے انگلستان اور دوسرے ممالک میں جدید معاشیات کو زیادہ مبنی برحقیقت بنانے میں مدد دی۔ اگرچہ ریکارڈو کی طرف منسوب کردہ افسانے اب اس قدر شدید خرابیاں نہیں پیدا کررہے ہیں جس قدر کہ ۱۸۷۸ء میں وہ پیدا کر رہے تھے جبکہ انگرم نے اپنا خطبۂ صدارت پڑھا تھا۔ پھر بھی اُن کا اثر اب بھی کہیں کہیں باقی ہے۔

اسی سلسلے میں انگرم نے "معاشیات کے مسلک جدید" کے جو خصوصیات پیش کئے ہیں اُن کا مطالعہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ ان خصوصیات کو چار حصوں میں تقسیم کرکے اُس نے بحث کی ہے:۔

(الف) علوم کے عام نظام میں معاشیات کے رتبے کا

جہاں تک تعلق ہے یہ مسلک قرار دیتا ہے کہ سطاو دولت کو بہ استثنائے چند عارضی صورتوں کے دوسرے معاشری مظاہر سے علیٰحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کہ انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے تعلقات اور باہمی عمل و اثر کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ سچ پوچھو تو حقیقت میں معاشیات، وسیع علم عمرانیات کا محض ایک باب ہے اور اسباب کا دوسرے بابوں سے قریبی علاقہ رکھنا ضروری ہے۔"

• (ب) یہ مسلک بتاتا ہے کہ معاشیات کا عمرانیات کی طرح بقول کونت صرف سکونی رہنا ہی ضروری نہیں ہے بلکہ حرکی رہنا بھی ضروری ہے۔ معاشیات میں قوم کی ایک معین اور مستقل حالت فرض نہ کرلینی چاہیئے۔ اور یہ فرض نہ کرنا چاہیئے کہ معاشیات توریث و تسلسل کے قوانین کو نظر انداز کرتی ہے اور محض ہمعصری کے قوانین سے بحث کرتی ہے۔ یہ امر اب عام طور سے تسلیم کرلیا گیا ہے کہ قومیں نشو و ارتقا کے عمل کے تابع ہیں اور یہ نشو و ارتقا بے قاعدگی اور بے ترتیبی کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ باقاعدہ طور پر عمل میں آتا ہے اور یہ کہ کوئی معاشری واقعہ اس کی تاریخ کے مطالعے سے الگ کر کے اچھی طرح سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اسی لئے قدیم مسلک کے علما کے مقبول "خود ساختہ اُصول و ضوابط" جن کے متعلق یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ تمام حالات پر صادق آتے ہیں اور تمام سوالات انھیں سے حل ہو سکتے ہیں، اس وقت اتنی قدر و وقعت نہیں رکھتے جتنی کہ پیشتر کسی زمانے میں اُن کو حاصل تھی۔ چنانچہ معاشیات اپنے طریق کے اعتبار سے "تاریخی" بن گئی ہے۔ اور یہ خیال کیا جانے لگا ہے کہ معاشری ارتقا کے مختلف منازل مختلف خصوصیتیں رکھتے ہیں اور انھیں مختلف منازل اور خصوصیتوں کے لحاظ سے معاشرت کی اصلاح کے وقتاً فوقتاً جداگانہ طریقے اختیار کرنے ضروری ہیں۔"

•(ج) اگرچہ معاشیات میں دوسرے عمرانی مباحث کے مثل طریق استخراج کو جو حقیقی اور قابل لحاظ مرتبہ حاصل ہے، اس کو مسلک جدید تسلیم کرتا ہے مگر استقرائی طریق تحقیق کو غالب رکھنا ضروری سمجھتا ہے بجائے ایک مجرد "معاشی انسان" کو فرض کرنے کے، قوم کے تمام معاشی مظاہر میں اس انسان کو چند اصول عمل کا پابند بنانے کے اور اس کے چند اصول عمل سے نتائج کا استخراج کرنے کے ہم کو چاہیے کہ معاشری واقعات کی تحقیق کریں جیسا کہ دوسرے ایجابی علوم میں ہوتا ہے۔ اور جب یہ تحقیق ختم ہولے تو پھر یہ پتا چلانے کی کوشش کرنی چاہیئے کہ خارجی عالم کے نظام سے، انسانی فطرت سے اور قوم کے معاصر حالات سے ان واقعات کا کیا تعلق ہے۔ اور تحقیق کا سب سے قیمتی آلہ استقرا کی وہ خاص شکل ہونی چاہیے جس کو "مقابلہ" کہا جاتا ہے اور "جو تاریخی ربط و تسلسل" کی تحقیق کے لیے سب سے زیادہ موزوں ہے۔"

•(د) ان ذہنی تحریکات کے ساتھ نئے نئے اخلاقی اور جذباتی رجحانات متحد و مربوط ہو گئے ہیں۔ فرانس کے مسلک جدید کے سب سے قابل نمایندے جیڈ کا قول ہے کہ اب حالات بہت کچھ تحلیل ہو گئے ہیں اور سختی کی بجائے لچک پیدا ہو گئی ہے۔ قدیمی پھیکاپن اور خشکی، جس کی بنا پر بہترین دل و دماغ معاشیات کے مطالعے سے متنفر تھے اور اسی وجہ سے معاشیات کو "تاریک اور غیر دلچسپ علم" کا لقب ملا تھا، اب معدوم ہو چکی ہے۔ اس کی بجائے انسانی ہمدردی کا رنگ اور فرحت افزا جذبات ہمارے علم کی تہ میں نظر آنے لگے ہیں۔ خاصکر ادنیٰ طبقوں کا اور مزدوروں کی موجودہ اور مستقبل حالت کا مسئلہ قوم کے جذبات اور ذہنوں پر چھایا ہوا ہے۔ اور گزشتہ زمانے کی نسبت اس وقت زیادہ ہمدردانہ رنگ میں اور زیادہ مستعدی کے ساتھ ان مسائل کی تحقیق کی جاتی ہے۔"[1]

---

[1] دیکھو انگرم کی تمہید "مقدمہ معاشیات" از آر۔ ٹی۔ ایلی پر۔ صفحہ ۴ تا ۱۶۔

یہ امید کی جاتی ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ انگرم کی "تاریخ فلسفۂ معاشیات" کا موجودہ نظرثانی کردہ ایڈیشن، جس میں پروفیسر ولیم۔ اے۔ اسکاٹ نے ایک زائد باب کا اضافہ کر کے علم کی حال کی ترقیوں کا بھی ذکر کر دیا ہے، اس سے انگرم کا عظیم الشان کام جاری رہے گا اور اس میں اضافہ ہو جائے گا۔

یہ اشاعت ہمارے اس ممنونیت کے احساس کی تجدید کرتی ہے جو ہم اُس قائد کے متعلق، جس نے کامیاب جنگ کی، رکھتے ہیں۔ اس کتاب کے مطالعے سے طلبہ کی آئندہ نسلیں مفید معلومات حاصل کریں گی اور اُن کی طبیعت میں جولانی پیدا ہوگی۔

رچرڈ۔ ٹی۔ ایلی

جامعۂ وس سانس میڈیسن
جولائی ۱۹۱۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاریخ معاشیات

پہلا باب

تمہید

(۱) تاریخ معاشیات کی اہمیت۔ (۲) نظری معاشیات اور معاشی واقعات کی تاریخ کا باہمی فرق و تعلق (۳) عمرانیات اور دیگر علوم سے معاشیات کا تعلق۔ (۴) تاریخ معاشیات کی سنوی تقسیم و ترتیب (۵) معاشیات میں طبیعی و عمرانی طریق تحقیق کا استعمال۔

1

علم المعیشت کی موجودہ حالت میں نئی اصولی کتابیں تالیف کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ معاشیات کی ایسی متعدد کتابیں موجود ہیں جو ہر شخص کی دسترس کے اندر ہیں اور جن میں جزئیات کے کم و بیش اختلاف کے ساتھ اس چیز کی تشریح کی گئی ہے جو "قدیم" یا "معتبر" نظام کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن اس نظام کے خلاف انگلستان اور دیگر ممالک میں عام بے اطمینانی پھیلی ہوئی ہے۔ اور معاشیات کے

اُصول و طریق دونوں کے بارے میں بے انتہا اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ فی الواقع اس امر کے باور کرنے کے لئے معقول وجہ موجود ہے کہ معاشری نظریئے کے اس شعبے نے تعلیمی دور میں قدم رکھا ہے اور وہ زمانہ بہت قریب ہے جب کہ اُس میں بڑی حد تک تغیر و تبدل ہو جائے گا۔ لیکن نئے خیالات کا مجموعہ، جو قدیم خیالات کا جانشین بننے والا ہے یا کم از کم اُن میں ترمیم و تغیر کرنے والا ہے، اُس نے ابھی تک مکمل او معین شکل اختیار نہیں کی ہے۔ ان حالات کا اقتضا یہ معلوم ہوتا ہے کہ توقف کیا جائے اور پچھلے معاملات پر اوّل ایک نظر ڈالی جائے۔ معاشی مسظاہر کے بارے میں خیالات کی جو رفتار رہی ہے اگر ہم اُس کا عام نظر سے تاریخ وار مطالعہ کریں، ان آرا پر غور کریں جو یکے بعد دیگرے ظاہر کئے گئے ہیں اور ان دوروں کے حالات کو علی الترتیب جانچتے جائیں جن میں یہ آرا قائم کئے گئے، تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ہماری موجودہ صورت حال بہت زیادہ واضح ہو جائے گی اور آیندہ بھی مزید ترقی میں سہولت پیدا ہوگی۔ چنانچہ اس کتاب میں اسی مقصد کے پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

موجودہ زمانے میں جو اعلیٰ ترین ذہنی رجحانات پیدا ہو رہے ہیں وہ بھی اس قسم کے تاریخی مطالعے کے موید ہیں، علیٰ ہذا تاریخی مذاق بھی، جو آج کل سب پر فائق نظر آتا ہے، اسی کا متقاضی ہے، یہ مذاق ہمارے طرز خیال میں اس درجہ دخیل ہو گیا ہے کہ علم کے ہر شعبے اور انسانی جدوجہد کے ہر پہلو اور آئین کے متعلق صرف یہی سوال نہیں پیدا ہوتا کہ اُس کی موجودہ حالت کیا ہے اور کیسی ہے بلکہ یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اُس کی ابتدائی بنیاد کیا تھی اور اُس میں جو تدریجی ترقی ہوئی وہ کس طرح سے ہوئی، جے۔ بی۔ سے کا یہ قول کہ؟ معاشیات کی تاریخ سے کوئی معتد بہ فائدہ نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اس کا بڑا حصہ محض مہمل و مسخ شدہ آرا کی یادگار ہے" اُن خیالات میں سے ہے جو بالکل متروک ہو چکے ہیں۔ چنانچہ سر دست اس کے ابطال کی کوئی ضرورت نہیں مگر یہ قول اس حد تک ضرور قابل لحاظ ہے کہ وہ ہم کو صحیح تاریخ دانی اور بیجا قدامت پرستی

2

میں امتیاز قائم کرنے کی ضرورت کی طرف متوجہ کرتا ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ جو امور زمانۂ قدیم میں کوئی خاص اہمیت نہ رکھتے ہوں، موجودہ زمانے میں اُن کا مطالعہ کرنا محض تحصیل حاصل ہے، اس لحاظ سے ہم کو اپنا تعلق صرف اُنھیں خیالات سے رکھنا چاہئے جو زمانۂ ماضی میں بکثرت شائع تھے اور سابقہ طرز عمل پر بڑی حد تک موثر تھے یا اُن خیالات پر غور کرنا چاہئے جن میں زمانۂ حال و مستقبل کے بیج مل سکتے ہیں۔

معاشیات کی تعریف

جب اس طرح پر ہمارا نقطۂ نظر تاریخی ٹھہرا، تو ابتدا ہی میں ہمارا معاشیات کی تعریف سے بحث کرنا یا اُس کے طریق کی مفصل تشریح کرنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہوگا کہ علم معیشت معاشری دولت کا نظریہ ہے یا بالفعل، بقول سے، یہ تسلیم کرلینا کافی ہوگا کہ ہمارا علم دولت کی پیدائش، تقسیم، اور صرف کے قوانین سے بحث کرتا ہے۔ اب ان کے علاوہ جو ضمنی خیالات قابل توجہ ہوں گے اُن کی طرف تبصرے کے سلسلے میں اشارہ کیا جائے گا۔ اور معاشی تحقیق کے صحیح طریق کی قطعی تعیین پر، اس علم کے تاریخی ارتقا کے خاص نتائج کے سلسلے میں بحث کی جائے گی۔

معاشیات کی نظری تاریخ اور معاشی واقعات کی تاریخ کا باہمی تعلق اور فرق

3

یہ تو ظاہر ہے کہ معاشیات کی تاریخ اور بنی نوع انسان یا کسی خاص قوم کی معاشی تاریخ، یہ دو بالکل جداگانہ چیزیں ہیں، معاشی مظاہر سے متعلق جو نظریات یکے بعد دیگرے قائم ہوتے رہے اُن کی بحث معاشی نظرئے کی تاریخ میں کی جاتی ہے اور انسان کی معاشی تاریخ میں، یکے بعد دیگرے آنے والے معاشی واقعات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اس کتاب میں صرف اوّل الذکر شے سے بحث کی گئی ہے، مگر یہ ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ تحقیق کے یہ دونوں شعبے ایک دوسرے سے علٰحدہ ہونے کے باوجود آپس میں گہرا تعلق رکھتے ہیں ان میں وہی باہمی تعلق ہے جو اُصول و عمل میں ہے، ہر زمانے میں جو جو معاشی اصول بنے وہ بیشتر اُسی زمانے کے عملی حالات

وضروریات اور عملی رجحانات کے مطابق بنے۔ جب کبھی تمدن میں کوئی اہم تبدیلی ہوئی، نئے نئے معاشی سوالات سامنے آتے گئے اور ہر زمانے میں جو اُصول مروّج رہے اُن کے اُس زمانے میں موثر ہونے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ اس وقت کے اہم مسائل حل کرنے کی کنجی تھے۔ پھر یہ کہ ہر ایک صاحب فکر ورائے خواہ وہ خاص خاص اعتبارات سے اپنے معاصرین سے آگے بڑھا ہوا یا بلند کیوں نہ ہو، پھر بھی اپنے زمانے ہی کا پروردہ ہوتا ہے، اس لئے ہم اس کو اُس معاشری فضا سے علیحدہ نہیں کر سکتے۔ جس میں کہ وہ رہتا سہتا ہے، وہ بھی اپنے ماحول سے یقیناً متاثر ہوگا اور خاصکر ان عملی ضرورتوں کو محسوس کرتا ہے جو اس کے ہم وطن کارپرداز محسوس کرتے ہیں۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اُصول وعمل کے اس تعلق میں فوائد وخطرات دونوں موجود ہیں، فائدہ تو یہ ہے کہ یہ تعلق نظری تحقیق کو ایک واقعی وقطعی صورت دیتا ہے مگر اس سے یہ خوف بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اُصول میں غلو پیدا کرے اور حقیقت کے کسی خاص پہلو کو نا واجب اہمیت دے یا نا پائدار حالات اور عارضی ضروریات کے متعلق یہ خیال پیدا کرائے کہ وہ عام اور معمولی حالتیں اور ضرورتیں ہیں۔

معاشیات کا عمرانیات اور دیگر علوم سے تعلق

معاشی مظاہر کی نسبت علمائے فن کی جو جو رائیں ہیں اُن کی نشوو ترقی کا حال دریافت کرتے وقت ہمیں دوسرے تعلقات کو نظر انداز نہ کرنا چاہیے کیونکہ عمرانیات کی متعدد شاخیں ہیں اور یہ سب شاخیں آپس میں اس قدر قریبی تعلق رکھتی ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کی تاریخ کو دوسروں سے علیحدہ کر کے خالصاً اسی کی بحث کرنا لغو سی بات ہوگی اگرچہ اس قسم کا جداگانہ مطالعہ بعض اوقات مناسب ہی نہیں ہوتا بلکہ عملی فائدے کی بنا پر ضروری بھی ہو جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں عام عمرانی مباحث میں جو عام طرز خیال مروّج رہا وہ اور طبائع کا عام رجحان بھی معاشی خیالات کی رفتار پر ہمیشہ پوری قوت کے ساتھ

اثر ڈالتا رہا ہے۔ کسی دور کے انسانی معاملات سے متعلق اُسی دور میں جن خیالات کا اظہار کیا جاتا ہے، اُن کی نوعیت ایک سی ہوتی ہے اور ان میں ایک طرح کی یک جنسی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ جب کبھی ہم اُس زمانے کے رنگ کا ذکر کرتے ہیں تو ہمارے ذہن میں اس یک جنسی کا موہوم سا خیال ضرور ہوتا ہے، عمرانیات اور اُسی کے ساتھ معاشی تحقیق بحیثیت عمرانی نظریے کا ایک شعبہ ہونے کے، نہ صرف فلسفیانہ طریق تحقیقات کے لحاظ سے بلکہ اصولاً بھی اُن علوم کے زیر اثر ہوتی ہے جو ارتقا کے مدارج میں عمرانیات سے پہلے آتے ہیں اور خاصکر نامیاتی علوم اور طبیعیات کے زیر اثر ہوتی ہے۔

معاشی تحقیق، خارجی حالات اور اُس زمانے کے خیالات کے دوسرے شعبوں سے جو گوناگوں تعلقات رکھتی ہے اُن کو پیش نظر رکھنا اس وجہ سے ضروری ہے کہ اُن کو پیش نظر رکھنے سے ہم کو اُن خیالات کے متعلق جن میں وقتاً فوقتاً تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں اور جو یکے بعد دیگرے قائم کئے جاتے رہے ہیں نہایت صحیح اندازہ قائم کرنے کا موقع مل سکے گا اور کسی مقررہ اُصول کے معیار کی مطابقت یا غیر مطابقت کی بنا پر ان خیالات کے صواب و خطا کا فیصلہ کرنے کے بجائے ہم اُن کو ایک منتظم سلسلے کے عناصر خیال کریں گے اور اُن کے باہمی ربط، اثرات اور مناسب وقت ہونے کے لحاظ سے اُن سے بحث کریں گے۔ مگر معاشیات کے اس نظری نشو ونما میں ہر نیا قدم جو آگے بڑھایا گیا اُس کا مطلب ہمیں یہ نہ لینا چاہئے کہ اس کی بنا پر تمام پچھلے خیالات غلط ثابت ہو جاتے ہیں، اس لیے کہ قدیم خیالات اُس زمانے کے حالات کے لحاظ سے ایک حد تک مناسبت و واجبیت رکھتے تھے اور یہ اس وجہ سے کہ وہ حقیقی اگرچہ محدود عملی تجربوں پر مبنی تھے یا ایک جداگانہ معاشری نظام اُن کے پیش نظر تھا۔ اسی کے ساتھ یہ امر ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ ہمارے جدید نظری

نتائج بھی قطعی نہیں ہو سکتے کیونکہ جس نظام حیات سے یہ متعلق ہیں وہ بھی تبدل پذیر ہے اور اُس میں کم و بیش تبدیلیوں کا ہونا ایک شدنی امر ہے جس میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ اس مختصر سی کتاب میں اُن تمام بحث طلب امور کی پوری اور مفصل تشریح تو ممکن نہیں، البتہ اُنکو پیش نظر رکھنے کی حتی الامکان کوشش کی جائے گی اور جن تعلقات کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا ہے، جہاں کہیں اُن کا اثر خاص طور پر دلچسپ اور اہم ہوگا وہاں اُن کی تشریح کر دی جائے گی۔

معاشی اصول کے ضمن میں جن متعدد فلاسفہ کے نام خصوصیت کے ساتھ لئے جاتے ہیں اُن کے خاص خاص حالات و رجحانات کا بھی اُن اُصول کی صورت و معنی پر اثر پڑا۔ یہ علما اپنے متقدمین سے جو خاص تعلق رکھتے تھے نیز اُن کی ابتدائی تعلیم و سیاسی رجحان اور اُن کے خلقی خصائل اور مذہبی توہمات، ان سب کا اثر قابل لحاظ ہے۔ اور ہم آیندہ ابواب میں انھیں خاص خاص اثرات کی طرف توجہ منعطف کرائیں گے۔ مگر ہمارے موجودہ مقصد کے لحاظ سے یہ اثرات بحیثیت مجموعی، محض ثانوی اور ادنیٰ درجے کے ہیں کیونکہ افراد کو جماعت پر ترجیح اور فوقیت نہیں دی جا سکتی بلکہ جماعت کو افراد پر فوقیت دینا اور نظریات کے بنانے والوں کو عام عقلی و معاشری تحریک کا محض ایک عضو سمجھنا ضروری ہے۔

5

سنوی تقسیم اور معاشیات میں طبیعی و عمرانی علوم کے طریق کا استعمال

تاریخ معاشیات کی تاریخ معاشیات عام طور پر تین بڑے عہدوں پر تقسیم ہے:- (۱) عہد قدیم (۲) قرون وسطیٰ اور (۳) دور جدید۔ پہلے دو عہدوں میں معاشیات کا وجود مثل دوسرے عمرانی علوم کے محض ابتدائی حالت میں ہو سکتا تھا کیونکہ جیسا کہ ظاہر ہے عمرانی نظریے کی ساخت پرداخت کے لئے دو شرطوں کا پورا ہونا ضروری ہے، ایک تو یہ کہ جن واقعات سے نتائج اخذ کئے جائیں وہ کافی وسیع پیمانے پر ظہور

میں آئیں تاکہ مشاہدے کے لئے کافی مواد میسر آسکے اور علمی کلیات استنباط کرنے کے لئے قابل اطمینان بنیاد موجود ہو، ظاہر ہے کہ یہ شرط ابتدائی عہد میں بمشکل پوری ہوسکتی تھی، دوسری شرط یہ ہے کہ جب ایسے واقعات رونما ہوں تو اُن کا مشاہدہ و مطالعہ کرنے والا بھی اپنے کام میں تربیت یافتہ اور تحقیق کے مناسب ساز و سامان سے آراستہ ہو، یعنی محقق کو سہل و سادہ علوم میں اس قدر دستگاہ ہونی چاہیے کہ اُن کی مدد سے وہ علمی نتائج کے ضروری مقدمات مہیا کر سکے اور تحقیقات کے صحیح طریقوں کا استعمال سیکھ جائے۔ بالفاظ دیگر عمرانیات کو اپنے مقاصد میں طبیعیات و حیاتیات کے نظریات کام میں لانے پڑتے ہیں، مگر ان مادّی علوم نے ابتدائی عہدوں میں اتنے وسیع پیمانے پر ترقی ہی نہ کی تھی کہ اُن سے عمرانیات کو کوئی بڑی مدد مل سکتی، نیز عمرانیات میں استدلال کے جو طریقے ہیں وہ استخراج، مشاہدے اور مقابلے کے طریقے ہیں اور یہ طریقے ریاضی وغیر نامیاتی علوم کے مطالعے اور مشق سے اخذ کئے گئے ہیں یا ایسے نامیاتی علوم سے اخذ کئے گئے ہیں جو عمرانیات کی نسبت کم پیچیدہ اور زیادہ سہل ہیں، زمانۂ قدیم میں ان طریقوں کو عمرانیات میں استعمال کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ یہ طریقے پہلے سے مرتب ہوتے مگر چونکہ اُس زمانے میں یہ علوم یا تو معرض وجود میں ہی نہ آئے تھے یا ان میں معقول ترقی نہ ہوئی تھی اس لیے ایسے طریقوں کی ترتیب وہم و گمان سے خارج تھی۔ یہ صحیح ہے کہ بعض ناگزیر اور شدید عملی ضروریات کی بنا پر علمی دماغوں نے ہر زمانے کے تمدن کے بارے میں چند قوانین یا رجحانات قائم کر لئے اور جو سوالات پیدا ہوتے گئے ان کے متعلق کوئی نہ کوئی تک لگا دیا مگر واقعہ یہ ہے کہ عمرانیات کا ایک حقیقی علم صرف ارتقائے ذہنی کی بہت ہی ترقی یافتہ حالت کی پیداوار ہوسکتا ہے اور یہ بات جس قدر دوسرے عمرانی علوم پر صادق آتی ہے اسی قدر

معاشیات پر بھی صادق آتی ہے، نظر بریں عہد قدیم و قرون وسطیٰ میں معاشی خیالات کا جو رنگ تھا اور جن حالتوں نے اس رنگ کے خیالات قائم کرائے، ہم اُن پر صرف ایک عام اور اجمالی نظر ڈالیں گے۔

———(۴)———

دوسرا باب

عہد قدیم

(۱) مذہبی حکومتیں (۲) قدیم و جدید قوموں کے تمدن اور معاشی جدّ وجہد کا فرق (۳) یونان قدیم (۴) افلاطون، زنوفن، ارسطو (۵) رومی فلاسفہ سیسرو، پلینی اعظم وغیرہ (۶) رومی مقنّن۔ نیری، کارلی، کیٹو وغیرہ (۷) زمانۂ قدیم میں معاشی تحقیقات کی عام حالت (۸) اہل ... اور جرمنی کے معاشئین کی اس بارے میں رائے۔

مشرق کی مذہبی حکومتیں اور اُس زمانے کا معاشری رنگ ڈھنگ

معاشی معاملات کے متعلق قدیم ترین خیالات جو اب تک باقی ہیں وہ ہم کو مشرق کی مذہبی حکومتوں سے حاصل ہوئے ہیں۔ اُس زمانے کی معاشری زندگی کا عام رنگ یہ تھا کہ نقالی کو تعلیم کا بنیادی اُصول خیال کیا جاتا تھا اور مختلف کاموں اور پیشوں کو موروثی قرار دے کر اپنے خام تمدن کو مستحکم کرتے تھے بلکہ ذات پات کے نظم ونسق سے بھی یہ مقصد حاصل کیا جاتا تھا اور وہ اس طرح کہ یہ ذاتیں بلحاظ نوعیت فرائض درجہ بدرجہ ایک دوسرے کے تحت ہوتی تھیں اور ان سب پر مقدس مذہبی جماعت کی اعلیٰ نگرانی ہوتی تھی۔ یہ مذہبی جماعت اس بات کی

ذمہ دار تھی کہ قدیم و روایتی خیالات و تصورات کی اشاعت کرے اور بہ اغراض انضباط تحت کی جماعتوں سے ان تصورات کی عملاً پابندی کرائے۔ چنانچہ اس جماعت نے ان قدیم قابل عمل خیالات کی بنا پر انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے لئے ایک کامل ضابطہ تیار کرنے کی کوشش کی۔ اُس زمانے کے معاشری نظام کا خاص کام تحفظ و پس اندازی تھا اور اُس کی سب سے نمایاں خصوصیت استقامت تھی جو بگڑ کر جمود کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ لیکن اس میں کلام نہیں کہ اُس زمانے میں فنون مفیدہ ایک مدت دراز تک اگرچہ بتدریج ترقی پذیر رہے اور بعد کی متمدن قومیں بھی جن میں ذات پات اور فرقہ بندی مثل قدیم قوموں کے موجود تھی انھیں فنون کی وارث بن گئیں، ہم دیکھتے ہیں کہ مذہبی حکومتوں کے ارباب حل و عقد نے صنعت و حرفت کی طرف کافی انہماک کے ساتھ توجہ کی۔ جنگ کے برعکس انتظام صنعت و حرفت میں اس قسم کا کوئی خطرہ نہ تھا کہ ایک حریف جماعت اُن کے مقابلے میں پیدا ہو کر اُن کی سیاسی عظمت اور اُن کے سیاسی اقتدار کو معرض خطر میں ڈال دے گی۔ اس لئے انھوں نے بحیثیت مجموعی تنظیم حیات کو اپنا مقصد اولیں قرار دے کر صنعتی تنظیم کے ذریعے سے یہ مقصد حاصل کرنا چاہا، اُن کے پیش نظر ہمیشہ معاشیات کا اخلاقی پہلو یا اخلاقیات کا معاشی پہلو (جو پہلی چیز سے مختلف ہے) رہا، مال و دولت کی حرص سے محترز رہنے کی انھوں نے بھی اُسی طرح ہدایت کی جس طرح کہ ہر زمانے کے فلسفہ و مذہب نے کی ہے۔ باہمی لین دین، اشیا کے ناپ تول اور معاہدات کی پابندی میں وہ ایمانداری اور دیانت سب سے زیادہ ضروری خیال کرتے ہیں، تمول سے جو تکبر و نخوت پیدا ہوتی ہے اُس کو اور اسراف اور تعیش کو نہایت مذموم قرار دیتے ہیں اور خدمتگاروں اور زیردستوں کے ساتھ منصفانہ اور فیاضانہ سلوک کرنے کی تاکید اکید کرتے ہیں۔ اگرچہ مذہبی عقیدے

7

کی بناپر دولتمندی اور تموّل کو قضاو قدر کے الطاف و عنایات پر محمول کرتے ہیں مگر اسی کے ساتھ ہی اکتساب دولت کے لئے ذاتی کوشش اور کفایت شعاری کو بھی نہایت ضروری خیال کرتے ہیں۔ ترقی یافتہ مذہبی حکومتوں میں بھی یہ رجحان دیکھا جاتا ہے کہ رائے اور مشورے کو بمنزلہ حکم کے خیال کرتے ہیں اور قوم کے ہر فرد کے تمام حرکات و سکنات کے اوقات، طور طریق، اور لوازم کو اس طرح سے بالتفصیل مقرر کرتے ہیں کہ اُن کی پابندی نہایت دقیق و دشوار ہو جاتی ہے۔ افراد قوم کے افعال و اقوال پر اس طرح جو نگرانی قائم کی جاتی تھی وہ محض روحانی و مادّی قوتوں کے اتحاد و اختلاط کا نتیجہ تھا، اسی لئے جو جو امور قوم کی فلاح و بہبود سے متعلق ہوتے تھے اُن کی براہ راست اوامر و نواہی سے پابندی کرائی جاتی تھی، اس کے برعکس موجودہ زمانے میں یہ چیزیں عام عقلی اور اخلاقی اثرات کے تفویض کی جاتی ہیں۔

قدیم و جدید قوموں کے تمدّن اور معاشی جد و جہد کا فرق۔

معاشیات کے عملی میدان میں قدیم یونانیوں اور رومیوں کی جو حوصلہ مندیاں رہی ہیں، اگر ہم خاص خاص مخالف اثرات سے قطع نظر بھی کرلیں، تو بھی وہ موجودہ زمانے کے کثرت وسائل اور کاموں کے پیمانے کی وسعت کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔ موجودہ زمانے میں مشینوں اور کلوں پر ساری صنعت اور پیدائش دولت کا مدار ہے مگر زمانۂ قدیم میں علوم طبیعی بہت ابتدائی اور غیر ترقی یافتہ حالت میں تھے اور طبیعی قوتوں کی موجودگی سے لاعلمی ہونے کا یہی نتیجہ تھا کہ پیدائش دولت میں پوشیدہ عاملین قدرت سے مدد نہ لیجاسکی یا مشینوں اور انجنوں کا استعمال وسیع پیمانے پر نہ ہوسکا۔ زمانۂ قدیم میں جغرافی معلومات بھی بالکل ادھوری تھیں اور ذرائع آمد و رفت اور وسائل باربرداری نامکمل و ناقص حالت میں تھے اسی سبب سے تجارت بین الاقوام کی ترقی میں رکاوٹیں پیدا ہوگئی تھیں ان رکاوٹوں کی وجہ ایک حد تک یہ بھی تھی کہ صنعتی جد و جہد بالکل بیجان اور ابتدائی حالت میں تھی اور صنعتی جد و جہد کی تنظیم یا اُس کی توسیع و ترقی

اس وجہ سے ناممکن تھی کہ عہد قدیم کے مخصوص اُصول اُسکی راہ میں حائل تھے، مگر بعض مصنف قدیم و جدید عہدوں کے فرق کو محض خیالی اور غیر اہم تصور کر کے اُس سے قطع نظر کرنا چاہتے ہیں اور جدید قوموں اور مشرق کی مذہبی حکومتوں میں جو نمایاں فرق ہے اُس کو نظر انداز کر کے یہ ثابت کرنیکی کوشش کرتے ہیں کہ قدیم اہل یونان و روما موجودہ زمانے کے مغربی باشندوں کے خیالات، جذبات اور اعمال سے نمایاں مشابہت رکھتے ہیں - یہ اُن کی ایک فاش غلطی ہے اور اس کی وجہ غالبًا یہ ہے کہ مقابلے میں محض علما و عقلا کا طبقہ ہی ان مصنّفوں کے پیش نظر ہے اور عوام نظر انداز کئے گئے ہیں - قدیم و جدید قوموں میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ قدما کا مذہب جنگ تھا اور اس کے برعکس جدید قوموں کا رجحان شروع ہی سے صنعت و حرفت کی طرف رہا اور صنعتی ترقی ان کا نصب العین ہے، مگر ان مختلف و متضاد حالات کو ان مصنّفوں نے بالکل نظر انداز کیا ہے، حالانکہ ان حالات کا جو گہرا اثر انسانی زندگی کے ہر شعبے پر پڑا یا پڑ رہا ہے وہ ایسا کم اہم نہیں کہ اُس کو بالکل نظر انداز یا دماغ سے محو کر دیا جائے، قدیم معاشری نظام میں جنگ اور غلامی دونوں لازم و ملزوم تھے اُس وقت اس قسم کا کوئی سوال ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ رسم غلامی سے معاشی و معاشری نقائص پیدا ہوں گے جیسا کہ حال میں جزائر غرب الہند اور امریکا میں پیدا ہوئے - بلکہ اُس زمانے میں رسم غلامی قوم کے طریق زندگی کے اس قدر مناسب حال تھی کہ بڑے بڑے فلاسفہ بھی اس کو ناگزیر خیال کرتے تھے، اور واقعہ بھی یہی تھا کہ رسم غلامی اگرچہ عارضی طور پر سہی مگر ایک حقیقی ضرورت کو پورا کرتی تھی، اور اس امر کا لحاظ کرتے ہوئے کہ اس کی عدم موجودگی کی صورت میں کوئی دوسری خرابی اُس کی جانشین ہو جاتی، من حیث المجموع اس رسم کو ایک حد تک جائز اور مناسب کہہ سکتے ہیں - لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ معائب سے پاک تھی بلکہ اس میں چند نقائص بھی موجود تھے چنانچہ اسی کا اثر تھا کہ شہریوں کے دلوں میں صنعت و حرفت سے تنفر پیدا ہوا، زراعت البتہ خفیف حد تک مستثنٰی تھی مگر

پیدائش دولت کے باقی سب شعبے آزاد خیال شہری کے شایانِ شان متصوّر ہوتے تھے، شریف پیشے صرف وہی خیال کئے جاتے تھے جن کا تعلق براہ راست خدماتِ عامّہ سے مثلاً فوجی ملازمت یا انتظام سلطنت وغیرہ سے تھا۔ جسمانی محنت عام طور پر ایک ذلت خیال کی جاتی تھی اور اس کو نیچ طبقوں کا پیشہ قرار دیا گیا تھا اور اگرچہ آزاد دستکاروں کو اُن سے زیادہ وقعت حاصل تھی پھر بھی اُن کا پیشہ ذلیل ہی سمجھا جاتا تھا۔ اس طرح پر تمام دولت کے پیدا کرنے والے ذہنی تربیت اور اعلیٰ تعلیم سے بے بہرہ رہے اور وہ دوسرے شہریوں کے خیالات، اغراض اور جدّوجہد میں شریک نہیں کئے جاتے تھے۔ اس وجہ سے اور نیز اُن کے پیشے اور ذاتی حیثیت کی وجہ سے اُن میں اختراع اور جدّت کے وہ اعلیٰ صفات و عادات پیدا نہ ہوسکے جو صنعتی ترقی کی جان ہیں، اس کے علاوہ عام بدامنی اور لوگوں کے جنگجویانہ عادات کی وجہ سے جان و مال خطرے میں رہتے تھے خصوصاً اندوختوں کی حفاظت کا انتظام معقول طریقے پر نہ ہوسکتا تھا۔ انھیں خرابیوں کی وجہ سے اصل کی کافی اور وافر مقدار فراہم نہ ہوسکتی تھی کہ اُس سے وسیع پیمانے پر کاروبار چلایا جائے اور نہ کاروباری اعتبار یا ساکھ کا قیام ممکن تھا، ان سب اسباب نے اور معلوماتِ عامّہ اور معاشری تعلقات کی ناقص و نامکمل حالت نے مل جل کر قدما کی زندگی کو بے انتہا محدود اور غیر تبدل پذیر بنا دیا تھا اور اسی لئے اُن کی زندگی موجودہ زمانے کی معاشی جدّوجہد کی گوناگوں وسعت، کثرتِ وسائل اور مختلف انواع سے بیّن تضاد و تخالف رکھتی تھی۔ کسی معاشری نظام میں دو متضاد و ناموافق خصوصیات کی موجودگی کا خیال قائم کرنا محض لغو ہے۔ جس نظام نے جو کام انجام دیا ہے محض اُسی کے لحاظ سے اس نظام کو جانچنا چاہئیے۔ اس اعتبار سے غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ قدما کے تمدن کی بنیاد جنگ پر تھی اور تاریخ بھی شہادت

دیتی ہے کہ اُن کا پیشہ جنگ تھا اور اُنھوں نے اپنی زندگی کی تنظیم صنعت کے ذریعے سے نہیں کی بلکہ جنگ کے ذریعے سے کی اور انجام کار جنگ وجدل سے ایسے حالات پیدا ہوئے جس سے اُس کا زور ٹوٹ گیا اور خود بخود ایک ایسے عہد کی بنا پڑ گئی جس کا مدار پُرامن صنعتی جدّ وجہد پر تھا۔

اہل یونان۔ اس پُرامن جدّ وجہد کے دور کی افتتاح رومیوں کے فتوح کے آخری نتیجے کی حیثیت سے رومۃ الکبریٰ کے ہاتھوں سے ہوئی۔ یونان کی مُلک گیریوں اور فوج کشیوں کا سلسلہ اگرچہ ایک مدّت دراز تک قائم رہا مگر سوائے اس مدافعانہ جنگ کے جو ایران سے ہوئی تھی اُس کی سب جنگیں اس معنیٰ میں بے نتیجہ ثابت ہوئیں کہ اُنھوں نے کوئی خاص معاشری خدمت انجام نہیں دی اور اس میں شک نہیں کہ محض فوجی زندگی اہل یونان کی فطری قابلیتوں کے اظہار کے لئے ناکافی تھی اس لیئے وہ اُس مُلک کے اعلیٰ دماغوں اور روشن خیال طبقے کو فتوح اور مُلک گیری کی طرف راغب نہ کر سکی بلکہ اُن کی کوششوں کو معقولات کی تحقیق کی طرف پھیر دیا۔ چنانچہ اسی ذہنی وعقلی جدّ وجہد کا نتیجہ تھا کہ جمالیات، فلسفے اور دوسرے علوم و فنون نے، جن کی تخم ریزی مذہبی حکومتوں نے کی تھی، اُن کے ہاتھوں ارتقائی مراحل طے کر کے باقاعدہ شکل اختیار کر لی۔

ہسیاڈ۔ اس طرح ہسیاڈ کے "ورکس اور ڈیز" میں معاشیات کے متعلق جو طرح طرح کے خیالات نظر آتا ہے وہ مذہبی حکومتوں کے طرز خیالات کے بہت مشابہ ہے۔ اس میں ایک طرف تو قضا وقدر کی قوت فیصل اور بزرگان دین کے بنائے ہوئے ضوابط و احکام کو تسلیم کیا گیا ہے اور دوسری طرف مشوروں اور مقولوں کی شکل میں عملی دانشمندی کا بھی اظہار کیا گیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مجرد خیال کا نشوونما تھیلس کے زمانے سے شروع ہوتا ہے اور شروع

10

ہوتے ہی یونانی تہذیب و تمدن کو اُس کی اصلی اور موجودہ کیفیت میں رنگ دیتا ہے، چنانچہ انسانی عقول کی تاریخ میں یہیں سے ایک نئے دور کی ابتدا ہوتی ہے۔

مجرّد خیال کی تحریک اور یونانیوں کی علمی مصروفیتیں۔

مجرّد خیال کی تحریک بنی نوع انسان کے مستقبل کو نئے سانچے میں ڈھالنے والی تھی اور جوں ہی یہ شروع ہوتی ہے مذہبی حکومتوں کے قدیم و موروثی نظام کی بنیادیں بتدریج کمزور ہو کر انجام کار اُن کا استیصال ہو جاتا ہے اور اُن کی جگہ تحقیقات کے سب شعبوں میں معقول و محقق نظریات قائم ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ یونان کے مشہور ترین حکما اور فلاسفہ ایک طرف تو ایجابی علم کی ترقی میں خاص طور پر دلچسپی لیتے ہیں اور ان میں سے اکثر صرف علم ہندسہ کی تحقیق و بحث میں مصروف نظر آتے ہیں اور صرف اسی علم کو حقیقی ایجابی علم تصوّر کرتے ہیں۔ لیکن جس طرح ہر زمانے میں بعض معاشری ضروریات ایسے ہوتے ہیں جو ہمیشہ اور پوری قوت کے ساتھ بڑے بڑے دماغوں کو متاثر کرتے رہتے ہیں اس زمانے میں بھی اعلیٰ دماغ اُن سے متاثر ہوئے۔ اسی لئے یونان کے بعض حکما اس قسم کے ضروریات سے متاثر ہو کر دوسری طرف معاشری زندگی کے حالات کی تحقیق و بحث میں بھی خاص طور پر مصروف و منہمک نظر آتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اس قسم کی علمی مصروفیتیں کسی قدر قبل از وقت تھیں کیونکہ عمرانیات یا اخلاقیات کے باقاعدہ طور پر مدوّن ہونے سے پہلے یہ ضروری تھا کہ حیاتیات اور غیر نامیاتی علوم کافی ترقی کر لیتے۔ لیکن ان مصروفیتوں کا اثر اتنا ضرور ہوا کہ اہل یونان کی عقلی و ذہنی جدّ و جہد میں نئی جان پڑ گئی اور تحقیقات کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا جس کی وجہ سے نہ صرف عوام کے معلومات میں اضافہ ہوتا رہا بلکہ بعض اس قسم کے انکشافات ہوئے جن کا مزید انحطاط نسل انسانی کے امکان

سے باہر تھا۔ دوسرے علوم کے ساتھ ساتھ معاشی تحقیقات کا سلسلہ بھی جاری رہا اور اس تحقیقات میں عقلی دلائل کام میں لائے جانے لگے، اوہام پرستی فنا ہوگئی اور مادّی و دُنیاوی اسباب مافوق العقل عاملین کے جانشین بن گئے۔ لیکن اس تحقیقات سے کوئی قابل لحاظ نتائج اس وجہ سے پیدا نہ ہوسکے کہ وہ عملی زندگی کی کسی وسیع بنیاد پر مبنی نہ تھے۔ فوجی نظام اور رسم غلامی دونوں لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے تھے اور جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے یہی رسم غلامی صنعت کی کم وقعتی اور بیقدری کا باعث ہوئی تھی۔ اگرچہ ان دونوں کی بحث کو فلاسفہ نے ترک کردیا مگر دوسرے سیاسی معاملات اُن کو متوجہ کرنے لگے۔ جتنا جتنا شہریوں کا رجحان استبدادی طریق حکومت کی طرف بڑھتا گیا اور فرقہ وارانہ کشمکش میں ان کی مصروفیت زیادہ ہوتی گئی، اُتنا اُتنا سیاسی سوالات کی اہمیت میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا حتیٰ کہ معاشری مسائل پر بحث کرتے وقت بڑے بڑے مصنّف سیاسی دستوروں کی جانچ اور اُن کا ایک دوسرے سے مقابلہ کرنے میں زیادہ توجہ صرف کرنے لگے اور اُن کا زیادہ وقت اس سوال کے حل کرنے میں صرف ہونے لگا کہ شہریوں کو کون سا طریق تعلیم بہترین پیمانے پر خدمات عامّہ کی انجام دہی کے قابل بنا سکتا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اُن کے تصانیف میں ہمیں معاشی معاملات کے متعلق کوئی باقاعدہ اور تفصیلی حالات نہیں ملتے، البتّہ کہیں کہیں کچھ اشارات یا چند ایسے خیالات دست یاب ہوجاتے ہیں جن کو مابعد تحقیق کا پیش خیمہ کہنا چاہئے۔

قدیم یونانیوں کا معاشی نقطۂ نظر۔

مثل دوسرے عمرانی مباحث کے معاشی سوالات کے متعلق ان لوگوں کا جو نقطۂ نظر تھا اُس میں مندرجۂ ذیل عام خصوصیتیں نظر آتی ہیں:۔ (۱) سلطنت کے مقابلے میں افراد قوم کا وجود بالکل تحتانی ہے، اور سلطنت ہی کی وساطت سے افراد کی فطرت صیقل پاکر مکمل بن سکتی ہے، اس لئے افراد کی تمام

کوششیں سلطنت کی خدمت اور اُس کے قیام وبقا کے لئے صرف ہونی چاہئیں۔ شہری دولت کا پیدا کرنے والا نہیں ہے بلکہ محض دولت کا مالک ہے لیکن دولت کی ملکیت محض نفس پروری اور عیش پسندی کا آلہ نہ ہونا چاہیے بلکہ اُس کی وساطت سے اعلیٰ اخلاقی اور رفاہ عام کے کام کرنے چاہئیں۔ جملہ سیاسی خیالات کا پہلا مقصد عمدہ شہری پیدا کرنا ہے اس لئے ہر معاشری سوال پر اخلاقی وتعلیمی نقطے سے نظر ڈالی جاتی ہے۔ (۲) بربنائے وجوہ متذکرہ بالا حکومت حق رکھتی ہے کہ معاشری زندگی کے ہر شعبے پر بشمول معاشی جد وجہد کے اپنی نگرانی قائم کرے اور افراد کے اعمال وافعال کو رفاہ عام کا مؤید وہم آہنگ بنانے کی غرض سے براہ راست انتظامات کرے۔ (۳) ان اساسی اصول کے علاوہ ایک رجحان یہ بھی ہے کہ آئین وقوانین کو ایک غیر محدود تاثیر سے متصف کیا جاتا ہے گویا کہ قوم کے فطری رجحانات کوئی چیز ہی نہیں ہیں بلکہ قوم کسی بھی خارجی اثرات ومحرکات کے سامنے سر تسلیم خم کردے گی، اگر وہ کافی قوت اور تسلسل کے ساتھ اثر انداز ہوں۔

افلاطون۔ عمرانیات کا ہر مشہور عالم بہ لحاظ اپنی بلند پروازی کے مملکت کا ایک نیا اور جداگانہ تصور قائم کرتا ہے جو بہ اعتبار اُس کے غور وفکر کی تنگی ووسعت کے حقیقت اور امکان سے دور یا نزدیک ہوتا ہے۔ ان خیالی نظاموں میں سب سے زیادہ مشہور نظام افلاطون کا ہے اس میں افراد کے سلطنت کے تابع وتحت ہونے کا خیال انتہائی شکل میں ظاہر کیا گیا ہے افلاطون ایک ایسی جمہوریت قائم کرنا چاہتا ہے جس میں اعلیٰ طبقے کے شہریوں میں اشتراک ملک واشتراک ازواج رائج ہو، اور اسی اصول کو قوم کی شیرازہ بندی کا سنگ بنیاد اور نیز ذاتی اغراض کے احساس کو دبانے اور افراد کو خدمات عامہ کے لئے وقف کردینے کا سب سے زیادہ مؤثر طریقہ قرار دیتا ہے۔ یہ خیال کہ افلاطون کی تجویز بالکل انوکھی اور قدیم تمدن کے لئے نامناسب اور

قابل عمل تھی غالباً صحیح نہ ہوگا اس لئے کہ قدیم قوموں کا ماحول اور اُن کے حالات ہی ایسے تھے کہ اس قسم کی اصلاح کو بہت جلد جگہ دی جا سکتی تھی، مگر صنعتی دور کے شروع ہونے کے بعد اس نظام کا قائم رہنا ناممکن تھا۔ بہرحال افلاطون کی تجویز کو موجودہ زمانے کے عبقریوں اور خیالی حکومتوں کے منصوبوں کا پیش خیمہ کہا جا سکتا ہے۔ علمی دماغ تو اس کو قبول کرنے سے رہے البتہ ادبی ذوق رکھنے والے محض مصنف کی جادو بیانی، اُس کی عبارت کی شگفتگی اور خوش اسلوبی کی وجہ سے، اُس کے دلدادہ معلوم ہوتے ہیں۔ افلاطون کی تصنیف میں دو قسم کے خیالات ہیں ایک تو وہ جن کو ہم وہمیات سے موسوم کر سکتے ہیں اور دوسرے دلچسپ اعلیٰ اخلاقی خیالات ہیں، ان کے علاوہ بعض صحیح معاشی تحلیلات بھی ملتے ہیں مثلاً تقسیم عمل اور اتحاد عمل کی جس طرح قوم میں ابتدا ہوتی ہے اُس کا صحیح خاکہ اُس نے پیش کیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ معاشری نظام کی تہ میں معاشی اغراض پوشیدہ ہوتے ہیں لیکن ہماری رائے میں محض معاشی اغراض کو معاشری نظام کی بنا قرار دے دینا زیادتی ہے، بے غرضانہ اور بے لوث معاشری جذبات و محرکات کا لحاظ بھی ضروری ہے اس لئے کہ ان سے انسانوں میں باہم اتحاد و محبت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن وہ اس کی تشریح کرتا ہے کہ افراد کے مختلف احتیاجات اور مختلف صلاحیتیں کس طرح آپس میں ایک دوسرے کے خدمات انجام دینے کا صرف موجب ہی نہیں ہوتی ہیں بلکہ اس کی طالب بھی ہوتی ہیں۔ اور یہ بھی تشریح کرتا ہے کہ کس طرح ہر شخص اپنی حیثیت قابلیت اور تعلیم و تربیت کے لحاظ سے کسی خاص پیشے کی موزونیت رکھتا ہے اور اس لحاظ سے

ا Utopias ۲ Republic

ہر فرد کے لیے پیشے کی تخصیص کر دینے سے سب کی ضرورتیں زیادہ عمدگی اور سہولت کے ساتھ پوری ہو سکتی ہیں۔

افلاطون، تمام واضعان قوانین کے انداز میں ایک ایسے مُلک کا خواہاں ہے جو اپنی ضرورتیں خود ہی پوری کر لے اور دوسرے مُلکوں سے کوئی سروکار یا واسطہ نہ رکھے اُس کی دانست میں غیر ممالک کے باشندوں کی آمد و رفت اور ان سے میل جول کا پیدا ہونا، مُلک کی اندرونی تنظیم میں رخنہ ڈالنے والی اور اہل مُلک کے عادات و اخلاق کو بگاڑنے والی چیز ہے۔ اس بنا پر وہ ممالک غیر سے تجارت کرنے کا مخالف ہے اور اسی غرض سے وہ اپنے خیالی مُلک کو سمندر سے کچھ فاصلے پر بساتا ہے اور اس مُلک کے حدود پر سخت نگرانی قائم کرتا ہے۔ افلاطون اس مُلک کی آبادی کے اضافے کو روکنے کی غرض سے کئی تدابیر پیش کرتا ہے مثلاً صغر سنی کی شادی کا انسداد اور موسمی شدائد میں بچوں کی بقا کی صلاحیت کی آزمائش کرنا نیز ہر کاشتکار کے پاس معین و مشخص قطعۂ زمین رہنے کا انتظام کرنا ضروری خیال کرتا ہے۔ افلاطون کو اس طرح کا کوئی خوف نہ تھا جس طرح کہ مالتھس کو ہوا کہ اضافۂ آبادی سے غذا کی قلت محسوس ہوگی بلکہ وہ محض سیاسی اور اخلاقی اسباب کی بنا پر یہ تدابیر پیش کرتا ہے۔ مُلک کے معمولی صنعتی پیشوں میں حتی الامکان املاک کی مساوات رکھنا چاہتا ہے اور اپنے زمانے کے رنگ اور مذاق کے مطابق اس طبقے کو حکمراں اور فوجی جماعتوں کی نسبت کسی قدر نظر حقارت سے دیکھتا ہے۔ افلاطون دستکاروں کے پیشے کو کام کی نوعیت کے لحاظ سے، دماغ کو ناکارہ اور جسمانی حالت کو کمزور کرنے والا خیال کرتا ہے، اسی لئے اُس کی دانست میں جو کوئی یہ پیشہ اختیار کرتا ہے، بحیثیت انسان اور شہری ہونے کے اعلیٰ فرائض کو انجام دینے سے قاصر رہتا ہے۔ افلاطون ادنیٰ

قسم کی محنت مزدوری کو غلاموں اور اجنبیوں کا پیشہ قرار دیتا ہے اور قدیم نظریئے کے انداز میں، قیمتی فلزات کو جہاں تک ممکن العمل ہو، داخلی تجارت میں استعمال نہ ہونے دینے بلکہ اُن کو ملک سے خارج کر دینے کا خواہاں ہے، وہ نہ صرف سود کے لین دین کا مخالف ہے بلکہ اصل قرضے کی رقم کے ادا کئے جانے کو بھی قرض گیر کی مرضی پر چھوڑتا ہے اور قرضۂ حسنہ کو رواج دینا چاہتا ہے، جملہ معاشی کاروبار کی نگرانی کو حکومت کا فریضہ قرار دیتا ہے اور اس نگرانی سے اُس کا منشا نہ صرف ظلم و فریب کا انسداد ہے بلکہ عیش پسندانہ عادات و اطوار کی روک تھام اور اہلِ ملک کے ضروریات حیات و راحت کا اعتدال و مناسبت کے ساتھ بہم پہنچانا ہے۔

زینوفن۔ افلاطون کی مبالغہ آمیز تصوریت کے بالمقابل زینوفن کی کسی قدر محدود مگر اعلیٰ عملی قابلیت ہے۔ اگرچہ زینوفن میں عملی جذبہ غالب ہے مگر عام طور پر یونانیوں میں تعمق خیال اور بلند پروازی کی جو صلاحیت ہوتی ہے وہ بھی اُس میں موجود ہے اُس کی تصنیف "اکنامیکس[1]" اس وجہ سے پڑھنے کے لائق ہے۔ کہ اُس میں اُس زمانے کی زندگی کے بعض شعبوں کی سحر نگار اور دلکش تصویر کھینچی گئی ہے، اور سسمنڈی کا یہ قول بالکل صحیح ہے کہ اُس میں ہمدردی اور نیک نیتی کی جھلک نظر آتی ہے۔ اگرچہ مصنف نے انتظام خانہ داری کی حد سے آگے قدم نہیں بڑھایا لیکن ان حدود کے اندر ہی اندر اُس نے اپنی عقل سلیم اور دانائی کا نہایت شائستہ پیرایے میں ثبوت دیا ہے۔ اُس نے معاشیات کے علم میں اضافہ نہیں کیا بلکہ محض شخصی مِلک کی عاقلانہ نگرانی کے متعلق بعض ضابطے مقرر کئے اور خاندان اور اُس کے متعلقین کے انتظام کے متعلق بعض

[1] Economicus

سنجیدہ مشورے دیے جن سے ہمیں سروست کوئی سروکار نہیں۔ مگر پھر بھی اس محدود حلقے کے اندر اور دائرۂ مقرون میں عموماً زینوفن کا اصلی حسن پوشیدہ ہے۔ جس طرح اُس کے دوسرے ہم وطن مصنّف زراعت کو دوسرے پیشوں پر بالعموم ترجیح دیتے تھے اسی طرح وہ بھی زراعت ہی کا طرفدار ہے، اپنی قوم کے لئے زراعت کو وہ اس وجہ سے پسند کرتا اور اُس کا سرگرم مدّاح ہے کہ یہ فن نہ صرف حبّ الوطنی اور مذہبیت کے احساسات کو اُبھارتا ہے اور افرادِ قوم میں ملک کی توقیر کا خیال پیدا کرتا ہے بلکہ قوم کو فوجی زندگی بسر کرنے کی بہترین طریقے پر تربیت دیتا اور معقولات وسیاسیات میں حصّہ لینے اور غور کرنے کا بھی کافی وقت اور موقع بہم پہنچاتا ہے۔ بایں ہمہ زینوفن اپنے عملی حِس کی بنا پر اکثر دوسرے یونانی مصنّفین سے زیادہ زراعت کے مقابلے میں دستکاری کو اور اس سے بھی بڑھ کر تجارت کو اہمیت دیتا ہے اور دستکاری وتجارت کی عام حالت اور اُن کی ترقی کے متعلق سوالات پر تفصیلی طور پر نظر ڈال کر حکومت سے اُن کی سرپرستی ونگرانی کی سفارش کرتا ہے۔ زر کی نوعیت کے متعلق اُس کے خیالات مبہم اور بعض اوقات غلط بھی ہیں، لیکن وہ یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ اشیا کے مبادلے میں زر کی برآمد کرنے سے قوم کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا اور نہ قومی دولت میں کمی ہوتی ہے، اور تجارت خارجہ کی ترقی کے لئے امن وامان کا قائم کرنا، اجنبی تاجروں کے ساتھ نیک اور باعزّت سلوک کرنا اور اُن کی قانونی چارہ جوئیوں کا مستعدی کے ساتھ منصفانہ فیصلہ کرنا وہ نہایت ہی ضروری خیال کرتا ہے۔ رسم غلامی کو قوم کے لئے مُضر نہیں تصوّر کرتا بلکہ اُس زمانے کے حالات کے اعتبار سے ضروری خیال کرتا ہے، عتیقہ کی مال گزاری میں اضافہ کرنے کی غرض سے حکومت سے یہاں تک سفارش کرتا ہے کہ کہ وہ غلاموں کو اجرت دے کر اُن سے معدنیات میں کام لے،

اگر غلام فرار ہونے کی کوشش کریں تو اُن کو داغے اور کاروباری منافع سے دوسرے غلام خرید کر تعداد میں اضافہ کرے۔

ارسطو

یونان میں شروع سے لے کر ارسطو کے زمانے تک جو نظام خیالات تھا تقریباً سب کو خود ارسطو ہی نے اپنی تصنیف میں پیش کیا ہے اور اس لحاظ سے اُس کی تصنیف کو بحرالمعارف کہنا بیجا نہ ہوگا۔ یوں تو ریاضیات اور علم ہیئت میں بعد میں چل کر ترقی ہوئی مگر عمرانیات کی بحث میں کوئی یونانی مصنف اس قدر محقق و متبحر نہیں معلوم ہوتا جس قدر کہ ارسطو، اور اس عالی مرتبت فلسفی کے تحریرات اُس کی زندہ شہادت ہیں، ارسطو کی خداداد قابلیت اور اُس کی زندگی کے حالات دونوں عمرانی تحقیق میں ممد و موثر ثابت ہوئے، اس فاضل میں باریک بینی کے ساتھ ساتھ قوت تعمیم اور زبردست قوت فیصلہ کے ساتھ رفاہ عام کا جوش، عدیم المثال طریقے پر موجود تھا، یونان کی سیاسی زندگی میں جو جو اہم اور اصلی چیزیں تھیں چونکہ ان سب کا ظہور اُس کے زمانے اور اُس کی آنکھوں کے سامنے ہوا تھا اس لیے اُس کو وسیع پیمانے پر گوناگوں تجربے کر کے صحیح نتائج اخذ کرنے کا موقع ملا۔ اُس زمانے کے عوام کی زندگی سے علیحدہ اور دور رہ کر اس نے تدبّر اور سنجیدگی کے ساتھ واقعات کا مشاہدہ کیا اور بے لاگ فیصلہ صادر کیا۔ اس میں شک نہیں کہ بعض متذکرۂ بالا وجوہ کی بنا پر عمرانی تحقیقات کو وہ اس درجہ کامل نہ بنا سکا جس درجے تک کہ وہ اب پہنچ گئی ہے کیونکہ اُس نے اس حد سے تجاوز ہی نہیں کیا جس کو آجکل سکونی عمرانیات کہتے ہیں اور وہ عمرانی مظاہر کے تاریخی نشو و نما کے قوانین کا تصوّر ہی نہ رکھتا تھا بجز اس کے کہ سیاسی جماعتوں کے یکے بعد دیگرے آنے والے حالات کے ارتقا کے قوانین کا کچھ علم رکھتا ہو۔ لیکن اسکی تحریروں سے

معاشری نظام کے اصول وعمل کے متعلق صحیح اور بیش بہا خیالات کا ایک ذخیرہ دستیاب ہوتا ہے۔ رہی معاشی مسائل پر کوئی خاص بحث تو وہ اس قدر مفصل اور وسیع نہیں ہے جو ہمارے مطالب کو پورا کر سکے۔ مثل دوسرے یونانی فلاسفہ کے وہ بھی صرف ایک نظریۂ مملکت کو تسلیم کرتا ہے جس کے تحت اخلاقیات، سیاسیات اور معاشیات بحیثیت مختلف شعبوں کے موجود ہیں اور آپس میں ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتے ہیں مگر ان مختلف شعبوں کے درمیان جو حدّ فاصل ہونی چاہیئے وہ بہت زیادہ نمایاں نہیں ہے۔ دولت سے بحث کرتے وقت وہ دولت کو بجائے خود ایک مقصد یا نصب العین نہیں قرار دیتا بلکہ معاشری زندگی کے اعلیٰ عناصر اور قریبی مقاصد کے لحاظ سے دولت پر نظر ڈالتا ہے۔

ارسطو نہایت معقول طریقے پر یہ ثابت کرتا ہے کہ قومیت کی ابتدا معاشی ضرورتوں کی بنا پر نہیں ہوئی بلکہ بنی نوع انسان کے جبلی معاشری جذبات اُس کے محرّک وموجب ہیں اور معاشری اتحاد کی نوعیت کو کچھ تو قدرتی اثرات اور کچھ انسانی آئین وقوانین پر مبنی قرار دیتا ہے، لیکن ان دونوں اثرات کو معاشری اتحاد کے قیام وتعین کے لئے ناگزیر خیال کرنے کے باوجود، افراد کو جدّوجہد میں آزادی حاصل ہونے کے خیال کا کافی احترام کرتا ہے، اور اسی بنا پر وضع آئین وقوانین میں انفرادی آزادی کا لحاظ رکھنا ضروری سمجھتا ہے اور افراد کو مملکت کا انتہائی دست نگر بنا کر اُن کی آزادی کو سلب کرنے اور اُن کی جدّت طبع کو دبانے کا سخت مخالف ہے، تاہم افلاطون کے مجوّزہ اشتراک اموال واشتراک ازداج کو وہ اپنی حکمراں جماعت میں رواج دینے کی اس بنا پر مخالفت کرتا ہے کہ اشتراک اموال قومی مفاد کے لئے مضرت رساں ہے اور اس سے امن عامّہ میں

رخنہ پڑتا ہے، شخصی ملکیت کے اُصول کو انسانی فطرت کا جزو لاینفک سمجھتا ہے۔ شخصی ملکیت کے نظام کی طرف جو خرابیاں منسوب کی جاتی تھیں اُن کو دراصل انسانی فطرت کی کمزوریوں یا دوسرے معاشری آئین و قوانین کی خرابیوں کا نتیجہ خیال کرتا ہے۔

قوم کی مادّی ضرورتیں پورا کرنے والے طبقے یعنی کاشتکاروں اور اہلِ حرفہ کو سرکاری عہدوں پر مقرر کرنے یا اُن کو نظم و نسق سلطنت میں کوئی حصّہ دینے کا ارسطو مخالف ہے اور اُن کو اس کام کا اس بناپر نااہل خیال کرتا ہے کہ اوّل تو اُن کو خود اپنے کاموں سے فرصت ملنا دشوار ہے اور دوسرے یہ کہ وہ اعلیٰ تعلیم و تربیت سے بے بہرہ ہوتے ہیں، اور اس کے علاوہ خود اُن کے پیشوں کی نوعیت ایسی ہوتی ہے کہ ان میں اعلیٰ دماغی کام انجام دینے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی۔ ارسطو ایک مقام پر رسم غلامی کے ایک نئے نظریئے کی توجیہ کرتا ہے اور اُس میں بتاتا ہے کہ غلامی کی بنیاد ایک طرف تو حکم اور اطاعت کے عام تعلق پر قائم ہے اور دوسری طرف اُس فطری تقسیم پر قائم ہے جس کی رو سے حاکم اور محکوم جماعتوں میں امتیاز پیدا ہوتا ہے۔ وہ غلام کو کسی آزاد رائے کا مالک نہیں تصوّر کرتا بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ غلام اپنے آقا کے ہاتھ میں محض "ایک جاندار آلہ" ہے، اس موقع پر وہ یہ رائے بھی ظاہر کرتا ہے کہ اگر آقا آرام کی زندگی بسر کرنا چاہیں اور اس "جاندار آلے" کو بھی آرام دینا چاہیں تو یہ ضروری ہے کہ نہایت دانشمندی کے ساتھ اُس پر قابو رکھیں۔ مگر یہ خیالات، جن سے موجودہ زمانے کے جذبات کو ٹھیس لگتی ہے، ارسطو کی ایجاد نہیں بلکہ یہ دراصل یونانیوں کی زندگی کے واقعات کا نظری پہلو ہیں اور ان سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ اس زمانے میں شہریوں کی ایک ایسی جماعت کے دوش بدوش جو نہایت تربیت یافتہ اور مہذّب تھی، ایک ایسا مظلوم طبقہ بھی موجود تھا جو ہیچ سمجھا جاتا تھا، اعلیٰ خدمات کی

انجام دہی سے محروم رکھا گیا تھا اور محض ایک خاص طبقے کی خدمتگزاری کے لیے وقف تھا۔

ارسطو معاشی اکتساب کے طریقوں کو دو حصّوں پر تقسیم کرتا ہے۔ ایک طریقہ ہے قدرتی پیداوار پر دسترس حاصل کرکے اُس سے روزمرہ کی ضرورتیں پوری کرنا، مثلاً شکار، ماہی گیری، گلّہ بانی اور کاشتکاری وغیرہ اور اس ابتدائی اور "قدرتی" طریقے کے برعکس دوسرا طریقہ وہ ہے جس کو ارسطو "معاشی طریق" کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ اس طریق میں زر کی وساطت سے پیداوار کا مبادلہ کیا جاتا ہے اور زر کمانے کے خیال سے مسابقت ومقابلہ کیا جاتا ہے، ارسطو موخرالذکر "مصنوعی" طریقے کو (جسے اوّل الذکر فطری طریق پیدائش کے برعکس اس نام سے موسوم کرنا زیادہ بہتر ہوگا) فطری طریق زندگی کے بعد آنے والا ضروری مرحلہ تصوّر کرتا ہے۔ اگرچہ وہ یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ یہ طریقہ کثرت کار وبار کا لازمی نتیجہ ہے اور اس کے ذریعے سے احتیاجیں کما حقہٗ پوری ہوتی ہیں لیکن اس طریقے کو ناجائز منافع حاصل کرنے کی غرض سے اور منافع کو بے اعتدالی کے ساتھ عیش میں اُڑانے کی نیّت سے وسیع پیمانے پر ترقی دینا بہت ہی مذموم خیال کرتا ہے اور اس لحاظ سے اس طریق کو اخلاق بگاڑنے والی چیز سمجھتا ہے۔ ارسطو نے اس سوال پر محض اخلاقی حیثیت سے نظر ڈالی ہے، مگر بعض قرائن سے پتا چلتا ہے کہ وہ بھی مثل اٹھارھویں صدی کے فطرائیّوں کے صرف زراعت (بشمول گلّہ بانی وغیرہ کے) ہی کو ایک حقیقت میں پیداآور اور منفعت بخش پیشہ خیال کرتا تھا اور زراعت کے علاوہ دوسری صنعتوں کو، جو قدرتی پیداوار کی شکل وصورت میں تغیّر پیدا کرتی ہیں یا جو اس پیداوار کو بطریق مبادلہ تقسیم کرتی ہیں، غیر منفعت بخش خیال کرتا تھا یعنی یہ کہ وہ قومی دولت میں اضافہ نہیں کرتیں خواہ

وہ بظاہر کتنی ہی آسان و مفید کیوں نہ ہوں۔

ارسطو زر کو دولت سے ایک بالکل جداگانہ چیز قرار دیتا ہے۔ اور اس کا یہ تصور بالکل صحیح ہے' زر اور دولت کے فرق کو اُس نے میڈاس کی حکایت سے واضح کیا ہے۔ ارسطو اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ گو زر کا استعمال رسم و رواج پر مبنی ہے۔ لیکن زر کیلیے کوئی ایسی شے قرار دینی چاہیئے جس میں ذاتی قدر موجود ہو۔ سود ی قرض کی مضرت ثابت کرنے میں اُس نے جو زبردست دلائل پیش کئے ہیں' اُن سے پتا چلتا ہے کہ اصل کا صحیح مفہوم اُس کے ذہن میں نہ تھا' سود کے لین دین کا وہ محض اس بنا پر مخالف ہے کہ "زر ایک بانجھ مرغی کی مانند ہے جو انڈے نہیں دے سکتی۔"

مثل یونان کے دوسرے علمائے عمرانیات کے ارسطو بھی حکومتوں سے اس امر کی سفارش کرتا ہے کہ وہ وسعت ملک اور آبادی کے مابین خاص تناسب کو ملحوظ رکھیں اور اس سلسلے میں ایک طرف تو یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ شہریوں کی تعداد معین و محدود رکھنے کی غرض سے تجرد اختیار کرنا' شادی بیاہ میں تاخیر کرنا اور طفل کشی یا دوسرے تدابیر سے شرح تولید کم کرنا ضروری ہے۔ وہیں یہ بھی کہتا ہے کہ آبادی کی افراط و تفریط دونوں علی الترتیب قیام امن و امان اور ملک کی آزادی کیلیے مضرت رساں اور خطرناک ہیں۔

رومی

ہر چند رومیوں کی طبیعت عملی' افادہ پسند اور حقیقی ضرورتوں کو سمجھنے والی تھی' مگر معاشی میدان میں اُنھوں نے کوئی کارنمایاں انجام نہیں دیا' جس طرح صنعتی کاروبار کی ترقی و وسعت میں اُنھوں نے کوئی حصہ نہیں لیا اسی طرح تجارت بھی اُن کی بے توجہی کا شکار رہی' اُن کی تاریخی خدمت محض جنگ اور سیاسیات کی حد تک تھی اور اُن کی کوششیں زیادہ تر فتوحات اور ملک کے نظم و نسق میں صرف ہوئیں۔ اس میں شک نہیں کہ رومی ابتدا ہی سے

زراعت سے دلچسپی رکھتے تھے اور وہ تمام بہادر اور جفاکش سپاہی جن کے ہاتھوں متعدد ممالک فتح ہوئے اسی پیشے سے تعلق رکھتے تھے مگر انقلاب زمانہ کے ساتھ ملک کے پیشہ ور کاشتکاروں نے بتدریج کھیتی باڑی بھی ترک کردی، اور اُن کی بجائے غلاموں کا انبوہِ کثیر جو رومیوں کے فتوح کے طفیل بڑھتا گیا، کھیتیوں میں اجرت پر کام کرنے لگا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چھوٹے چھوٹے قطعاتِ زمین کی بجائے بڑی بڑی زمینداریاں اور جاگیریں[1] قائم ہوگئیں اور بقول پلینی یہی جاگیریں انجام کار اطالیہ کی تباہی و بربادی کا اصلی باعث ثابت ہوئیں۔ رومی، صنعتی فنون و تجارت اور بالخصوص چھوٹی موٹی دکانداری کو رذیل پیشہ سمجھتے تھے اور اُن کو آزاد شہریوں کی شان سے گرا ہوا تصور کرتے تھے، یہی نہیں کہ صرف تنگ خیال اور جاہل طبقہ ہی ان پیشوں کو بنظرِ حقارت دیکھتا ہو بلکہ سسرو کا سا علامہ اور دوسرے سربرآوردہ فلاسفہ بھی انھیں کے ہم خیال تھے۔

بعض رومی مصنف۔ | رومیوں میں بلند پروازی اور اصلیت کے فقدان سے جیسی توقع ہوسکتی ہے، اطالیہ میں معاشی مباحث کے متعلق ہمیں کسی باقاعدہ اور سنجیدہ نظری تحقیق کا کہیں ثبوت نہیں ملتا۔ انھوں نے معاشی مباحث پر یا دوسرے عمرانی مسائل کے متعلق جو کچھ خیالات ظاہر کئے ہیں ان سب کا ماخذ یونان کے فلاسفہ ہیں۔ رومیوں میں سے اگر کسی نے معاشی معاملات کے متعلق تھوڑے بہت اصلی خیالات کا اظہار کیا تو وہ ایک تو گروہ فلاسفہ ہے، دوسرے وہ مصنف ہیں جنھوں نے دیہاتیوں کے حالاتِ زندگی قلمبند کئے، اور تیسرے مقنن ہیں۔ ان تینوں طبقوں کی مجموعی تحریرات پر نظر کرکے بعض اہل الرائے رومیوں کو معاشیات کی تاریخ میں

---

[1] Latifundia

خاص مرتبہ دینے کے مدعی ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے، جیساکہ ان تحریروں پر نظر غائر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان میں سوائے بین حقائق اور مبہم تعمیمات کے اور کچھ نہیں ہے۔

رومی فلاسفہ

سِسِرو، سے نیکا اور پلینی اعظم جیسے مشہور و معروف فلاسفہ نے (موخّرالذکر فلسفی ہونے کے اعتبار سے جس قدر شہرت رکھتا ہے اُس سے کہیں زیادہ لغوی اور مورّخ ہونے کی حیثیت سے مشہور ہے) صنعت کے زوال یا عوام کے اخلاق کی مبتذل حالت اور اپنے ہم وطنوں کی نفس پرستی اور عیش پسندی کے متعلق خیالات ظاہر کئے ہیں اور اُن کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں مفتوحہ قوموں کے معائب اور نقائص رومیوں کی فطرت ثانیہ بنے ہوئے تھے۔ ان تحریروں کے علاوہ اُس زمانے کی نظمیں اور مختلف تحریریں ملتی ہیں اُن سے زراعت کی تصنّع آمیز طرفداری اور دیہاتی زندگی اور قدیم رومی عادات و خصائل کی مبالغہ آمیز مدح سرائی ظاہر ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جس طرح روسو نے اپنے زمانے کی خرابیوں کے خلاف آواز بلند کی تھی اسی طرح متذکرۂ بالا تحریریں بھی رومیوں کے معائب و نقائص کے خلاف ایک طرح کی صدائے احتجاج تھیں، لیکن ان میں بھی مثل روسو کے تحریرات کے، مروجہ معاشی نقائص اور اُن کی اصلاح کے بارے میں نہ تو سنجیدہ خیالات کا اظہار کیا گیا ہے اور نہ کوئی تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ پلینی، روسو کے انداز میں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر تجارت و مبادلات میں زر کو استعمال کرنے کی مخالفت کرتا ہے اور اشیا کے اَدَل بَدَل کے طریق کو طریق مبادلہ پر اور استعمال زر پر ہر طرح فوقیت دیتا ہے، اور موجودہ زمانے کے تجارئین کے مثل زر کی برآمد کو روکنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے۔ پلینی کی آخری رائے کو سِسِرو اس قدر شد و مد کے ساتھ نہیں پیش کرتا مگر بظاہر اُس کا موید معلوم ہوتا ہے۔ کیٹو، ویرو، اور کالومیلا

نے صنعتی ترقی و معاشری خوش حالی کے عام حالات پر بحث کی لیکن اس سے زیادہ فن زراعت کے بارے میں انھوں نے مشورے دیئے۔ موخرالذکر دونوں مصنفوں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ آزاد مزدور کو غلام پر ہر طرح مرجح خیال کرتے ہیں اور کالو میلا، رومہ میں زراعت کی تنزل پذیری و انحطاط کو رسم غلامی کی طرف منسوب کرتا ہے، مگر تینوں اس امر پر متفق ہیں کہ فقط زراعت کی تجدید و تنظیم کے ذریعے سے رومیوں کی خوفناک اور روزافزوں اخلاقی خرابیوں کا سدباب کیا جا سکتا ہے، ان میں قدیم صفات پیدا کی جا سکتی ہیں، اور جمہوریت ایک مضبوط بنیاد پر قائم ہو سکتی ہے۔ ان تینوں کے خیالات اور فطرآئینوں کے خیالات میں اس لحاظ سے نمایاں مماثلت پائی جاتی ہے کہ فطرآئینوں نے بھی اپنے زمانے کی اخلاقی خرابیوں کی اصلاح کرنے اور معاشری نقائص کے دور کرنے کا طریقہ کاشتکاری اور زراعت کی اصلاح کو قرار دیا۔ یہ سوال کہ فوائد کے لحاظ سے زراعت بر پیمانۂ کبیر بہتر ہے یا پیمانۂ صغیر پر، جس طرح آجکل یورپ میں بحث طلب ہے اسی طرح رومی دنیا میں بھی حل طلب رہا۔ مگر کالومیلا زراعت بر پیمانۂ صغیر کا قطعی طور پر طرفدار معلوم ہوتا ہے۔

رومی مقنن۔ اُصول قانون اور معاشیات کے نقطۂ نظر میں بعض اوقات جو توافق و تطابق واقع ہوتا ہے اس کے لحاظ سے مقنن واقعات کو خاص ترتیب کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور ان میں کم و بیش دقیق فرق قائم کرتے ہیں، چنانچہ ان طریقوں کو موجودہ زمانے کے علمائے معاشیات نے یا تو مقننوں سے سیکھ کر اختیار کیا ہے یا خود اپنے طور پر ایجاد کر لیا ہے۔ بہرحال زر کی نوعیت کے متعلق مقننوں کے خیالات بظاہر صحیح معلوم ہوتے ہیں، مقنن تسلیم کرتے ہیں کہ زر میں قدر ذاتی موجود ہے، یہ قدر نہ رسم و رواج سے متاثر ہو سکتی ہے اور

نہ سرکاری قواعد وضوابط اس میں کوئی تبدیلی پیدا کر سکتے ہیں بلکہ یہ محض معاشی حالات کی بنا پر متعین ہوتی ہے، نیز ہی اور کارلی اس خیال کے موید ہیں، مگر بیک نیتی مخالف ہے۔ لیکن ہم اپنی توقع کے مطابق عام طور پر یہی دیکھتے ہیں کہ ان مصنفوں کی تحریریں، اصلی خیالات و آزادانہ تصورات پر مبنی نہیں ہیں بلکہ محض رومیوں کے واقعات زندگی کو بیان کرتی ہیں اور ان میں حکومت کی معاشی حکمت عملی پر تاریخی لحاظ سے روشنی ڈالی گئی ہے، اس آخری نقطۂ نظر سے یہ تحریریں نہایت دلچسپ ہیں، کیونکہ ملکیت و جائداد اور اُن کے قبضے کے متعلق وقتاً فوقتاً کیا قوانین نافذ کئے گئے، مسرفوں پر کونسی بندشیں عائد کی گئیں، غلاموں کا کیا درجہ رکھا گیا تھا اور بہبود عام اور دیگر امور کے لئے عہد بعہد کون کون سے قوانین وضع کئے گئے، یہ سب حال اُن تحریروں سے معلوم ہوتا ہے اور اسی ذریعے سے اُن حالات کا بھی بخوبی علم ہوتا ہے جن کا اثر ایک مدت دراز تک تاریخ روما میں اور اس کے بعد تاریخ یورپ میں قوی رہا۔ لیکن یہاں ان کی بحث بالکل فضول ہے اس لئے کہ ہمارا تعلق معاشیات کے اُصول کے ایک خاص اور محدود دائرے سے ہے۔ البتہ صرف ایک سوال یعنی زر قرض پر سود کے لین دین کا سوال قابل توجہ ہے کیونکہ اس کے متعلق نہ صرف وقتاً فوقتاً قوانین وضع کئے جاتے تھے بلکہ مشہور رومی مصنفوں نے بھی اس سے بحث کی ہے۔

شرح سود کا تعین اور سود کے لین دین کا سوال۔

پہلے تو دوازدہ الواح[1] کے قوانین کی رو سے شرح سود مقرر ہوتی رہی مگر بعد میں (۳۴۱ ق م) جینوسی قانون[2] کی رو سے سود پر قرض دینا قطعاً ممنوع قرار پایا۔

[1] Twelve Tables

[2] Genucian Law

جسٹی نیئن نے ایک قانون وضع کیا جس کی رو سے بلحاظ نوعیت معاملہ ۴ سے لے کر ۸ فی صدی تک سود جائز قرار دیا گیا۔ تجارتی اغراض کے لئے ۸ فی صدی سود جائز تھا مگر سود در سود کا لینا قطعی طور سے ممنوع تھا۔ جملہ رومی حکما اور محققین متفقہ طور پر سودی قرض کے لین دین کے مخالف معلوم ہوتے ہیں۔ بقول سسرو، کیٹو سود کا لین دین قتل عمد کے مساوی سنگین جرم سمجھتا تھا۔ سسرو، پلینی اور کالومیلا متحدہ طور پر سود کے لین دین کو مذموم قرار دیتے ہیں۔ اس امر کی توجیہ چنداں مشکل نہیں کہ ابتدائی عہدوں میں سود کا لین دین کیوں ناجائز قرار دیا گیا تھا، وجہ یہ تھی کہ ان عہدوں میں افراد قوم کی حالت عام طور پر خستہ و خراب تھی اور تمدن نے معقول ترقی نہ کی تھی مگر ایک ایسے دور میں جبکہ تاجرانہ کاروبار نے معقول ترقی کر لی ہو ان مصنفین کا سود کے لین دین کی برابر مخالفت کئے جانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اصل کی نوعیت اور اصیل کی کارگزاری کے متعلق ان کے خیالات بالکل ادھورے اور مبہم تھے مگر معلوم یہ ہوتا ہے کہ سود کے لین دین کے متعلق امتناعی قوانین اور قواعد وضع کئے جانے کے باوجود عوام نے اُن کی مطلق پروا نہ کی اور سود کا لین دین جاری رہا۔ تاریخ اور تجربے سے بھی اس بات کا ثبوت ملے گا کہ اگر عوام رضامند نہ ہوں اور مخالفت پر تلے رہیں تو قانون یا کسی اصول کی تعمیل اور پابندی کسی قدر مشکل ہی سے کرائی جا سکتی ہے خاصکر سود کے بارے میں رومیوں کی مثال اس سے مستثنیٰ نہ تھی، قانون مذکور کا کچھ بھی اثر نہ ہوا، انھوں نے زر کی تجارت کو برابر جاری رکھا، اور بازار کی حالت کے مطابق شرح سود میں تخفیف و اضافہ ہوتا رہا۔

معاشی سوالات کے بارے میں قدما کا نقطۂ نظر اور زمانۂ قدیم میں

قدیم معاشی تحقیقات کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ لمتی طریق پر نتیجہ نکالا جا سکتا ہے، کہ اس میدان میں یونانیوں اور رومیوں کی

معاشی تحقیقات کی عام حالت۔

حوصلہ مندیاں بہت ہی محدود تھیں۔ ڈمیورنگ کی یہ رائے کہ قدیم فلاسفہ نے معاشی سوالات پر بجائے حقیقی معاشی نقطۂ نظر کے سیاسی حیثیت سے نظر ڈالی بالکل صحیح ہے اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، مسئلۂ آبادی پر انھوں نے محض سیاسی نقطۂ نظر سے بحث کی۔ علیٰ ہذا تقسیم عمل کی بحث میں بھی یہی بات نظر آتی ہے۔ مثلاً اگرچہ افلاطون اور ارسطو نے تقسیم عمل کے مسئلے پر صرف جزوی حیثیت سے روشنی ڈالی، مگر دونوں کا نقطۂ نظر محض معاشری و سیاسی تھا یعنی وہ یا تو اصول تقسیم عمل کو معاشری جماعت بندیوں کا سنگ بنیاد قرار دیتے ہیں یا صرف اس حیثیت سے اس اصول کو پیش کرتے ہیں کہ گویا مختلف عملوں کے طبیعی اتحاد باہمی پر قومیت بنی ہے لیکن حقیقی معاشی نقطۂ نظر سے تقسیم عمل کے متعلق تین اہم قضیئے بیان کئے جا سکتے ہیں وھو ہذا:۔

(۱) پیدائش کے کسی شعبے میں تقسیم عمل کو وسیع پیمانے پر رواج دینے سے پیداوار ارزاں ہوتی ہے۔

(۲) تقسیم عمل کا مدار بازار کی وسعت پر ہے۔

(۳) بمقابلۂ زراعت صنعت میں عمل کی تقسیم زیادہ وسیع پیمانے پر ہو سکتی ہے لیکن ان قضیوں میں سے ایک بھی افلاطون وارسطو یا دوسرے قدیم مصنفوں کی تصانیف میں نہیں ملتا بلکہ قدیم تحریروں میں ان کا تلاش کرنا محض تحصیل حاصل ہے۔ البتہ صرف پہلا قضیہ ایک حد تک اُن کی بحثوں سے مستخرج ہوتا ہے۔

قدما کی تحقیقات کے بارے میں جرمنی کے معاشیین کی رائے

قدما نے علم معاشیات میں جو اضافہ کیا، اس اضافے کی وسعت اور اُس کے فائدے کو جرمانی علمائے فن بہت زیادہ مبالغے کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ ہم بھی اس بات کا یقین دلا سکتے ہیں کہ معاشی

ترقی کے کسی تاریخی تبصرے میں یونانی اور رومی مصنفین کو نظر انداز کرنا بڑی سخت غلطی ہے مگر یہ بھی بخوبی ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ یونانیوں اور رومیوں کی تحریروں سے معاشی حقائق کے متعلق محض ابتدائی معلومات اور سطحی اشارات حاصل ہوتے ہیں۔ معاشیات نے تو موجودہ زمانے میں علم کی شان حاصل کی۔ چنانچہ ہمیں آیندہ صفحات میں یہی دکھانا مقصود ہے کہ علم معاشیات درحقیقت کبھی دور جدید سے پہلے اپنی موجودہ حالت میں مدون ہی نہیں ہوسکتا تھا۔

(۱) قرون وسطیٰ کی اہمیت (۲) عہد قدیم کے تین دور (۳) جاگیری نظام (۴) کیتھولکیت (۵) صلیبی جنگوں کا اثر (۶) مذہبی معتقد (۷) سنت تامس اکوئناس (۸) مزدوروں کی آزادی، رسم غلامی کا انسداد (۹) صنعتی ترقی (۱۰) مجالس تجارت۔

قرون وسطیٰ کی اہمیت۔ 22 قرون وسطیٰ کو مثل یورپ کی عام تاریخ کے معاشی تاریخ میں بھی خاصی اہمیت حاصل ہے۔ اُس عہد میں انقلاب عظیم کا ظہور ہوا اور اُسی میں دَورِ جدید کے تخم بوئے گئے اگرچہ اُن کے نتائج بعد کے عہد میں چل کر نمودار ہوئے۔ یورپ جدید جن جن اہم تحریکات کا مظہر بنا رہا اُن میں کوئی ایسی بات نہیں ملتی جو قرون وسطیٰ میں موجود نہ ہو، اگرچہ وہ نہایت ہی ابتدائی اور غیر ترقی یافتہ حالت میں پائی جاتی ہے۔

ایک اعتراض اور اُس کا جواب۔ گزشتہ صدی کی آزاد خیال جماعتوں میں اس بنا پر عہد متوسط کی کوئی وقعت نہیں کی جاتی کہ اُس میں علم و ادب نے بہت کم ترقی پائی۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ بنی نوع انسان کے لیے ادبیات سے کہیں زیادہ دوسری چیزیں اہم ہیں۔ اگر عہد متوسط کے مشاہیر نے ادبیات کی طرف توجّہ نہ کی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرف متوجّہ رہے اور انھیں میں اُن کی تمام ترکوششیں صرف ہوئیں۔ کئی صدیوں تک اکثر بلند پایہ فلاسفہ اور عملی لوگ کیتھولک آئین و ضوابط کی تنظیم و ترقی میں مصروف رہے اور امن و امان کا تدریجی قیام و دوام جو مغربی سلطنت کی شکست و زوال کے بعد نہایت ضروری تھا، اُن کی پوری توجّہ کا مرکز بنا رہا۔

قرون وسطیٰ کے تین دور۔ (۱) پہلا دور سن ۴۰۰ء سے سن ۸۰۰ء (۲) دوسرا دور سن ۸۰۰ء سے سن ۱۱۰۰ء اور (۳) تیسرا دور سن ۱۱۰۰ء سے سن ۱۴۰۰ء تک۔ پہلے دور میں ایک نئے کلیسائی و معاشری نظام کی تاسیس و تکوین کی سخت پُرآشوب کشمکش جاری رہی۔ دوسرے دور میں اس نظام کو حملہ آور قوموں کی دست بُرد سے محفوظ و مصئون رکھنے اور اُس کو مستحکم کرنے میں کوششیں صرف ہوئیں۔ صرف آخری دور میں جبکہ مسلمانوں کے خلاف متّفقہ طور پر جنگی کارروائی کرنے کے خیال سے عیسائی قوموں میں اتحاد و یکجہتی پیدا ہوئی اُس وقت کہیں یورپ کے لئے سکون و اطمینان کی حالت نصیب ہوئی اور اُس دور کی اصلی خصوصیت رونما ہوئی اور بڑے بڑے صاحب کمال پیدا ہوئے۔

جاگیریت و کیتھولکیت۔ اس تمام عہد میں جاگیریت نشوونما پاتی رہی، اس نظام نے ابتدا میں مختلف جماعتوں کا زور توڑا اور سب کو درجہ وار تقسیم کرکے اُن پر جماعت وار نگرانی قائم کی۔ صرف دوسرے

دور میں اس کی تحریک شارل مین کے فائدہ رساں تسلط و مطلق العنانی کی وجہ سے عارضی طور پر معرض التوا میں پڑ گئی تھی لیکن آخری دور کی پہلی صدی سے قبل جاگیریت کامل طور پر منضبط و منتظم نہ ہوئی۔ علی ہٰذا آخری دور ہی میں کیتھولکیت کی تحریک بڑے پیمانے پر شروع ہوئی۔ اگرچہ کیتھولکیت کا تسلط قائم کرنے میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی لیکن اس کی سعی و کوشش ہمیشہ قابل داد و ستائش رہے گی۔

جاگیری نظام۔ جاگیریت کے کامل تسلط و عروج کے زمانے میں صنعت و تجارت کی ترقی کی کوشش ناممکن تھی۔ اگرچہ جیسا کہ فلسفۂ تاریخ کے اکثر علما کا قول ہے ' جاگیرداری نظام ' قیام امن و امان اور حفاظت عامہ کے لئے ناگزیر تھا اور اس کی بدولت عام تہذیب میں اہم عناصر کا اضافہ ہوا نیز ہم اس نظام کو اس زمانے کے لیے موزوں اور نفع رساں بھی تسلیم کر سکتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ہم اس بات کو مان لینے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں کہ اس نظام میں وہ تمام خوبیاں بھی موجود تھیں جو اس کی اصلی نوعیت اور اس کی تاریخی خدمت سے بہت بُعد رکھتی ہیں۔ بات یہ ہے کہ اس نظام میں جس جماعت کو غلبہ حاصل تھا وہ صنعت سے مطلقاً کوئی دلچسپی نہ رکھتی تھی، یہ جماعت دستکاروں کو اور ان کے پیشے کو حقارت سے دیکھتی تھی بجز ان پیشوں کے جو جنگ سے اور جاگیرداروں کے تفریحی مشاغل سے متعلق تھے۔ گویا افراد قوم کی معاشی زندگی کا مدار بیشتر جائداد غیر منقولہ کی ملکیت اور زراعت پر تھا۔ جاگیردار کی آمدنی کا ذریعہ اس کے کھیتوں کی پیداوار اور لگان تھا اور یہ آمدنی نہ صرف جاگیردار کی ضرورتیں پوری کرتی تھی بلکہ اس کے خدام کی خدمت کے معاوضے میں اور اس کے متوسلین کی پرورش میں صرف ہوتی تھی گویا اس طرح نہ تو صنعت و حرفت میں حصہ لینے ہی کی ضرورت تھی اور نہ ان کی کوئی گنجائش ہی باقی رہی اور تجارت میں تو اتنا موقع بھی نہ تھا۔ جاگیردار

اپنے اپنے کھیتوں پر صرف اتنی کاشت کرتے تھے جس سے اُن کے خاندانوں کی یا زیادہ سے زیادہ اُن کے گرد و پیش کی ضرورتیں پوری ہو جاتی تھیں، اسی لیے زرعی پیداوار کے بازار کے وسیع ہونے کی نوبت بہت کم آتی تھی۔ مختصر یہ کہ اس دور کی معیشت نہایت ہی سادہ اور خارجی محرکات کی عدم موجودگی کی وجہ سے غیر ترقی پذیر رہی۔

صلیبی جنگوں کا اثر۔ مگر قرون وسطیٰ کے آخری حصے میں بہت سے ایسے واقعات ظہور پذیر ہوئے جن سے متذکرۂ بالا حالات میں تغیر عظیم واقع ہوا۔ صلیبی جنگوں نے معاشی زندگی کو بڑی حد تک متاثر کیا۔ یعنی اکثر صورتوں میں یہ ہوا کہ جاگیرداروں کی جائدادیں اور املاک اُن کے ہاتھوں سے نکل کر اہل حرفہ کے ہاتھوں میں چلی گئیں۔ مختلف قوموں اور فرقوں کا باہمی ربط و اتحاد بڑھ جانے سے خیالات میں وسعت پیدا ہو گئی اور معلومات میں اضافہ ہوتا گیا۔ فن جہازرانی میں خاصی ترقی ہو جانے کی وجہ سے تجارت بین الاقوام کے جسد مردہ میں نئی جان پڑ گئی، شہروں کی آزادی اور شہری جماعت کی روز افزوں اہمیت نے جاگیرداروں کے لیے متوازن قوت کا کام کیا، اور اُن معاشی عناصر کو صنعت کے باقاعدہ انتظام سے مزید تقویت حاصل ہو گئی۔ دیہات میں تو جاگیری نظام مسلط رہا مگر شہروں میں اہل حرفہ کی جماعت غلبہ رکھتی تھی۔ حتیٰ کہ ہر طرف حرفتی و تجارتی جتھے قائم ہو گئے۔ شہروں میں جتنی جتنی زرعی پیداوار کی مانگ زیادہ ہوتی گئی آنا آنا دیہات میں کھیتی باڑی کی طرف پہلے سے زیادہ توجہ صرف ہونے لگی، اس طرح فن زراعت کی ترقی کے نئے دن آئے اور اس میں تحقیقات کا میدان وسیع ہوا۔ ان تمام تغیرات و ترقیات کے سلسلے میں وسائل باربرداری اور ذرائع آمد و رفت کی بھی بہت کچھ اصلاح و توسیع ہو گئی۔ مگر تجارتی حوصلہ مندیوں کا دائرہ ہر جگہ تنگ ہی رہا۔ لیکن خاص خاص مرکزوں میں جہاں تجارت کے لئے حالات موافق تھے تجارت و صنعت نے

البتہ ترقی کی۔ چنانچہ اطالوی جمہوریتوں کی یہی حالت رہی۔ لیکن یہاں بھی فوجی حوصلہ مندیوں نے ان تمام عادات و صفات کی ترقی میں جو صنعتی پیشے کے لئے ضروری ہیں رکاوٹیں پیدا کیں۔ کیونکہ دوسرے ممالک کے برعکس یہاں کے طبقۂ امرا کا دباؤ تجارتی طبقوں کی فوجی حوصلہ مندیوں کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

کیتھولک اصول اور ان کا اثر۔

انسان کے مستقبل اور اُس کے کردار کے اساسی اُصول کے متعلق خیالات میں جو انقلاب عظیم ہوتا ہے، مادّی اغراض پر اُس کا اثر پڑنا ضروری ہے، اسی لئے کیتھولکیت کی تحریک بھی اپنا اثر ڈالے بغیر نہ رہ سکی۔ چنانچہ مذہب کیتھولک نے قرون وسطیٰ کی معاشی زندگی کو بڑی حد تک متاثر کیا، اس مذہب نے جفاکشی، کفایت شعاری، دیانت اور حکومت وقت کی اطاعت وغیرہ خاص خاص معاشی محاسن کی تعلیم اپنے سے زیادہ قدیم مذہبوں سے بہتر طریقے پر تو غالباً نہ دی مگر زندگی کے اعلیٰ مقاصد کو ان مذہبوں سے زیادہ شد و مد کے ساتھ پیش کیا، اور زیادہ موثر طریقے پر سکھایا اور اس طرح مختلف معاشری تعلقات کو ایک سطح مرتفع سے دیکھنے کا موقع بہم پہنچایا اور گھر کی زندگی کے بہت سے نقائص دور کئے۔ اس مذہب نے انسانوں کو اُصول مساوات کا سبق سکھایا، مزدوروں کے وقار کو بڑھایا اور محبت، رحم، عفو اور غربا کے حقوق ملحوظ رکھنے کی خصوصیت کے ساتھ تعلیم دی۔ ان تمام معاشری اصلاحوں سے معاشی زندگی میں بہت کچھ اصلاح ہو گئی اور متعدد اہم معاشی نتائج پیدا ہوئے۔ چونکہ یہ نئے خیالات عام دل و دماغ کے سامنے مسلسل پیش ہوتے رہے اور ان پر کوئی معقول اعتراض بھی علما کے کسی گروہ یا کسی فرقے کی طرف سے نہ ہوا، اس لئے عوام کے قلوب پر

ان خیالات کا اخلاقی اثر پڑنا ایک ناگزیر امر تھا۔

کیتھولکیت کا معاشی مسئلہ۔

اس اثر کے علاوہ کلیسا کا بھی اثر پڑا، کلیسا ایک منتظم جماعت کی حیثیت سے مذہب کے اُصول کی تعلیم دینے اور اُن کی تعمیل کرانے کا ذریعہ تھا۔ مذہبی کتابوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ کلیسائی قوانین بھی "اہل ایمان" کی ہدایت کی غرض سے وضع کئے گئے تھے اور یہ ہدایت نہ صرف معاشرتی زندگی کی حد تک تھی بلکہ معاشی جدّوجہد بھی اس میں شامل کردی گئی تھی۔ اس طرح صدہا سال کی تیاری اور کوششوں کے بعد مذہبی قوانین کا ایک مجموعہ مرتب ہوا، اس میں دوسری بہت سی باتوں کے علاوہ ایک وہ چیز بھی ہے جسکو "کیتھولکیت کے مسئلۂ معاشی" سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔ یہاں "مسئلہ" سے مراد کوئی مدلل تشریح یا نظریہ نہیں ہے، بلکہ صرف ایسے خیالات عبارت ہیں جو طریق عمل کے متعلق تجاویز یا مشوروں کی حیثیت رکھتے ہیں؛ اس مسئلے میں زندگی پر روحانی فلاح وبہبود کے اعتبار سے نظر ڈالی گئی ہے اور انسانوں میں ایک حقیقی خدائی حکومت کا قائم و رائج کرنا اس کا مقصد معلوم ہوتا ہے۔

مذہبی محقق اور اُن کے معاشی خیالات۔

جذبات کا جہاں تک تعلق ہے، مذہبی محقق اشتراک اموال کے تصور کو اپنے پاس جگہ دیتے ہیں، اُن کا قول ہے کہ "اشتراک اموال نہایت خوش گوار چیز ہے" اگرچہ وہ ما و شما کے امتیاز کو ایسی رسم خیال کرتے ہیں جو حضرت آدمؑ کے خلد سے اخراج کی بنا پر ضروری ہوگئی ہے۔ لیکن اُن کی دانست میں ضرورت کے وقت حکومت قدیمی اشتراک کو دوبارہ قائم و رائج کرنے میں حق بجانب ہے، مفلسوں اور معذوروں کی دستگیری اور اعانت کو وہ کسی شخص کی مرضی اور اختیار پر نہیں چھوڑتے بلکہ اُن کی جملہ ضرورتوں کی بہم رسانی کے فرض کو ہر شخص پر قانوناً عائد کرنا چاہتے ہیں۔

اُن کے نزدیک لالچ بُت پرستی کے برابر ہے اور حرص خواہ اُس سے دوسروں کے اغراض کو صدمہ پہنچے یا نہ پہنچے، اُم الخبائث ہے اسی لیے وہ حرص و ہوا کا وجود مٹانا چاہتے ہیں۔ اُن کی نظر میں زراعت اور دستکاری ضروریات حیات پورا کرنے کا جائز اور حلال طریقہ ہے مگر وہ تجارت کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ اُس زمانے میں عام طور پر یہ بات ذہن میں بیٹھی ہوئی تھی کہ تجارت مکر و فریب اور ریاکاری کی تعلیم دیتی ہے، چنانچہ زراعت کے متعلق تو یہ کہا جاتا تھا کہ "خدا اس کو ناپسند نہیں کرتا" مگر تاجر کے بارے میں یہ کہا گیا تھا کہ "خدا کو اُس کی کارگزاری اچھی نہیں معلوم ہوتی" ہر فروشندہ قانوناً اس بات پر مجبور کیا جاتا تھا کہ اشیاء کی قیمت اُن کی اصلی لاگت اور صرفے کے حساب سے وصول کرے اور اُن کی قیمت بازاری شرح کے مطابق مقرر نہ کرے جیسا کہ قانون توازن طلب و رسد کی بنا پر قرار پاتی ہے، تاجر کے لئے اپنے مال تجارت کے نقائص کو خریدار سے پوشیدہ رکھنا اور خریدار کی ضرورت یا جہالت سے فائدہ اُٹھا کر واجبی قیمت سے زیادہ وصول کرنا قانونی جُرم تھا۔ سود کا لین دین بھی قانوناً ممنوع قرار دیا گیا تھا، بقول روشر سود خواری کی ممانعت مذہبی قانون کے پورے معاشی نظام کا مرکز تھی اور کلیسا کے قانون کا بیشتر حصہ اسی پر مبنی تھا۔ چونکہ سود خواری فریقین کی رضا و رغبت سے ہر لین دین میں ہو سکتی تھی اسلیے ایسے فعل کے قابل اعتراض ہونے نہ ہونے کے اعتبار سے اُس کی حرمت اور جواز کا فیصلہ صحیح معنوں میں کلیسا پر ٹھہرا، یعنی ایسے معاملات کا تصفیہ یا تو کلیسا کے مجتہد کرتے تھے یا کلیسائی عدالتیں۔

اس میں شک نہیں کہ مندرجۂ بالا اُصول و قوانین میں نہایت ہی اعلیٰ و ارفع مقصد پیش نظر تھا مگر بعض اوقات شدید مذہبی سختیوں کی وجہ سے یہی اُصول و قوانین صنعتی ترقی کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنے لگے، مثلاً اضافۂ آبادی کے ساتھ پیشوں اور کاموں کی تقسیم توسیع اور مستحکم ہو گئی

اور اس طرح مشاغل اصلی کے لیے نہایت وسیع میدان نکل آیا۔ اگر قوانین ربا اس قسم کی ترقی میں مزاحم بن گئے، پھر بھی ترقی کا قدرتی سیلاب ایسی کمزور مصنوعی بندشوں سے بھلا کب رُکنے والا تھا، ہر شخص نے قوانین کے خلاف عمل کرنا شروع کر دیا۔ کاروبار کی شکلیں بدل بدل کر اور قانونی گرفت سے بچ بچ کر سود خواری برابر جاری رکھی گئی۔ حتیٰ کہ بے شمار مستثنیات کے پیدا ہو جانے سے قانون اپنے منشا کی پابندی کرانے سے قاصر ہوتا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس قسم کے قوانین معاشری زندگی کے شروع شروع زمانے میں مرتب ہوئے تھے اور یہ تھے بھی اُسی زمانے کے لیے موزوں، اس لیے کہ اُس زمانے میں روپیہ یا تو تعیشات اور دوسرے خرافات میں خرچ کرنے کی نیت سے قرض لیا جاتا تھا یا جیسا کہ عیسائی رحم دلی کا مقصد ہو سکتا تھا، مستحقین اور معذورین کی امداد و خیرات کی غرض سے حاصل کیا جاتا تھا اور ان حالتوں میں ان قوانین کا نفاذ نہ صرف جائز و درست بلکہ ضروری بھی تھا۔ مگر ایسے دور میں کہ جس میں کاروباری اولوالعزمیوں کے لیے مزدوروں کی اجرت ادا کرنے اور اشیائے خام خریدنے کے لیے روپے کی شدید ضرورت ہو اور روپیہ قرض لیا جاتا ہو سود خواری کے بارے میں امتناعی قوانین کا وضع یا نافذ کرنا بالکل مہمل اور ناموزوں تھا۔ مذہبی پیشوا مثل دوسرے معاملات کے اس معاملے میں بھی زمانے کی رفتار اور رید لینے والے حالات کا ساتھ نہ دے سکے، اور یہ اُن کی خود رائی اور ہٹ دھرمی تھی کہ قوم کے تغیر یافتہ حالات کے مطابق عملی قواعد کا مرتب کرنا یا پہلے کے قواعد و ضوابط میں ترمیم کرنا وہ گوارا نہ کر سکتے تھے۔ اس معاملے میں تو ان علما اور پیشواؤں سے جاہل عوام ہی غنیمت تھے کیونکہ انھوں نے صنعتی زندگی کی اساسی ضرورتوں کو زیادہ بہتر طریقے پر سمجھ لیا۔

ذہنی گراگری کے آثار۔ سنٹ تامس اکوناس۔

یہ تو ظاہر ہے کہ قرونِ وسطیٰ کے بڑے حصے میں ذہنی و عقلی ترقی، معاشری مشاغل کی بنا پر رُکی رہی، مگر اس

عہد کے اختتام پر ذہنی گرماگرمی میں حیات تازہ کے آثار نمودار ہوئے اور انسانی معاملات کو بہتر اور معقول طریقے پر سمجھنے کی ضرورت محسوس کی گئی اور اس ضرورت کو بہترین یونانی نظریات کے نتائج کو بطور بنیاد تسلیم کر کے، پورا کیا گیا۔ چنانچہ سنٹ تامس اکوئیناس نے اپنی تحریروں اور تالیفوں میں ارسطو کے سیاسی و معاشی اصول کو کسی قدر ترمیم کے ساتھ پیش کیا ہے اور عیسائی مذہب کے نقطۂ نظر سے ان اصول میں اپنی طرف سے کہیں کہیں اضافہ یا تخفیف کی ہے۔ اکوئیناس اپنے اُستاد ارسطو کا کس حد تک معتقد تھا، اس بات سے نمایاں طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ اُس نے اپنی ایک کتاب[1] میں (اگر حقیقت میں یہ اُس کی تصنیف ہے) ارسطو کے نظریۂ غلامی کو بجنسہٖ تسلیم کیا ہے، حالانکہ خود اکوئیناس کے زمانے میں حکومتیں اور قومیں رسم غلامی کے باقی ماندہ نشانات کو یورپ کے ممالک سے مٹانے اور دور کرنے میں مصروف عمل تھیں۔

رسم غلامی کا انسداد اور مزدوروں کی آزادی۔ اس رسم کو مٹانے کی کوشش وہ یادگار کام ہے جس کو قرون وسطیٰ کا اہم ترین عملی نتیجہ کہنا چاہیے۔ چنانچہ اسی کوشش کا نتیجہ تھا کہ غلامی کے بدلے مزدوروں کو آزادی نصیب ہوئی جس سے صنعتی و معاشری زندگی میں عظیم انقلاب ہو گیا۔ مزدوروں کی آزادی کی تحریک میں سب سے پہلی منزل یہ تھی کہ حقیقی غلامی زرعی غلامی سے مبدل ہو گئی۔ زرعی غلام کی قسمت زرعی زمین کے ساتھ وابستہ تھی، زرعی غلام کی نقل و حرکت پر نگرانی قائم تھی، اُس کے خاندانی تعلقات نہایت محدود و مختصر تھے، اگرچہ اُس کو اتنی وقعت ضرور حاصل تھی کہ وہ قوم کی مذہبی زندگی میں شریک کیا جاتا تھا، مگر اُس کی زندگی کے عام حالات اُس سے زیادہ آزادی کے مقتضی تھے اور اُس

[1] De Regimine Principum.

زمانے کے خیالات وجذبات کا رجحان بھی اسی طرف تھا۔ بمقابلہ دیہات کے قصبوں میں زرعی غلامی کی رسم کا بہت جلد خاتمہ ہوا یعنی دوسری منزل میں تمام شہروں اور قصبوں سے زرعی غلامی ناپید ہوگئی۔ اور تیسری منزل میں دیہات سے بھی اس کا نام ونشان مٹ گیا۔ دیہات سے یہ رسم کیوں ناپید ہوئی، اس کو آدم اسمتھ ذاتی اغراض کی طرف منسوب کرتا ہے اور اُس کی رائے ایک حد تک معقولیت رکھتی ہے، اس لیے کہ ایک طرف تو مالکان زمین آزاد مزدوروں سے کاشت کروانا اور اُن سے محض اُجرت پر کام لینا اپنے ذاتی مفاد کے لیے زیادہ مناسب سمجھتے تھے کیونکہ اس طریقے پر پیداوار زیادہ مقدار میں اور اعلیٰ درجے کی حاصل ہوتی تھی اور دوسری طرف رؤسا اور بادشاہ وقت کے اغراض تھے۔ بادشاہ، جاگیرداروں کی روز افزوں قوّت سے خائف تھے اور اُن سے حسد رکھتے تھے، چنانچہ وہ نیچ طبقوں کو اُن کے خلاف اُکسا اُکسا کر جاگیرداروں کا اقتدار کم کرنے میں اُن کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ لیکن کلیسا نے جو عظیم الشّان حصّہ اس انقلاب میں لیا اس میں بظاہر کسی کو کلام نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ ایسا ہمیشہ ہوتا رہا ہے کہ اخلاقی جذبات نے سیاسی اور معاشی محرّکات کے ساتھ مل کر عمل کیا ہے۔ کلیسائی زمینوں پر زرعی غلاموں کے ساتھ نہایت عمدہ اور ہمدردانہ سلوک ہوتا تھا، اور شمالی فتوح کے بعد تو یہ حالت ہوئی کہ پادریوں کی جماعت نہ صرف اپنے منصب مذہبی کے اعتبار سے بلکہ اس زمانے کے حالات کے لحاظ سے بھی نیچ اور مظلوم طبقوں کی محافظ اور سرپرست قرار پاگئی۔

مزدوروں کی آزادی اور صنعتی وتجارتی کل چل۔

زرعی غلاموں کی آزادی سے موجودہ زمانے کی فرقہ بندی کے ابتدائی آثار آجر ومزدور کی شکل میں نمودار ہوئے۔ آزادی نے مزدوروں کے جسم مُردہ

میں نئی روح پھونک دی، اُن کے حوصلے بڑھا دیے اور اُن میں خودداری پیدا کر کے دولت پس انداز کرنے کی ترغیب دی۔ اس آزادی کے سلسلے میں مجالس تجارت معرض وجود میں آئے اور ان مجالس نے ملک میں امن و امان قائم کرنے کی غرض سے جو عمدہ انتظامات کیے اُن کا نتیجہ یہ ہوا کہ آمدورفتوں کی مقدار میں معتدبہ اضافہ ہو گیا اور اس طرح اصل داروں کی ایک مستعد جماعت قائم ہو گئی، اصل دار سب سے پہلے تجارت میں نمودار ہوئے، شہروں میں اشیائے تعیش کی مانگ کثرت سے تھی اور سرمایہ دار اُس کی تجارت میں فائدہ دیکھ کر ملک کی پیداوار کے مبادلے میں تعیشات اور قیمتی مصنوعات ممالک غیر سے خرید خرید کر شہروں میں فروخت کرتے تھے اور منافع سے اپنی جیبیں بھرتے تھے، ان تجارتی شہروں کے باشندے مختلف ممالک کے درمیان حمل و نقل کا کام بھی انجام دیتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تجارتی اولوالعزمیوں کے لیے وسیع گنجائش نکل آئی، ملک کی صنعت کو جو ترقی ہوئی وہ بقول آدم اسمتھ تجارت ہی کی بدولت نصیب ہوئی، اس کی وجہ اوّلاً یہ تھی کہ مصنوعات ممالک غیر میں فروخت کرنے کی غرض سے تیار کیے جاتے تھے، ثانیاً یہ کہ بعض بیرونی مصنوعات اس بنا پر درآمد کیے جاتے تھے کہ اُن کی نقل اتار کر ویسی ہی چیزیں ملک میں تیار کی جائیں، اور سوم یہ کہ ملک میں مصنوعات تیار کرنے کے لیے جو اشیائے خام درکار تھے وہ ملک میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے باہر سے طلب کیے جاتے تھے۔ یوں تو قرون وسطیٰ کے آخری حصے میں صنعتی ترقی کی ابتدا ہو چکی تھی، مگر اصل دار اور آجروں کی کوئی باقاعدہ جماعت حقیقی معنوں میں قائم نہ ہوئی، البتہ چودھویں اور پندرھویں صدی میں یہ کمی پوری ہوئی اور صنعت کو اچھا خاصا فروغ حاصل ہوا۔ مگر زراعت میں اتنی بھی ترقی نہ ہوئی۔ اس میں شک نہیں کہ زمیندار اور جاگیردار اپنے کو زرعی کاروبار کے منتظم اور آجر

بنانے کی طرف مائل تھے، مگر اُن کے جبلی عادات اور اُن کے "اعلیٰ" خیالات اس تحریک کے سدِّ راہ بن گئے اور زراعت میں ترقی کی رفتار دھیمی ہی رہی، پھر بھی زراعت میں جو کچھ ترقی ہوئی اُس کا محرک ایک تو جاگیرداروں کی یہ خواہش تھی کہ وہ غیر ممالک سے درآمد کردہ یا مقامی دستکاروں کے تیار کردہ اعلیٰ قسم کے مصنوعات حاصل کریں اور دوسرا محرک یہ تھا کہ شہر کے آجر اور اصل داروں نے صنعت و تجارت کے ذریعے سے اپنی جمع کردہ دولت زراعت کی ترقی میں صرف کرنا شروع کردی۔

مجالس تجارت اور اُن کے کام کی اہمیت۔

یوں تو بظاہر شہروں میں مدت مدید سے مجالس تجارت قائم تھے۔ لیکن اُن کو اصلی شہرت اُس وقت حاصل ہوئی جبکہ تیرھویں صدی میں اُنھیں قانوناً تسلیم کرلیا گیا اور اُن کی باضابطہ تنظیم عمل میں آئی۔ اکثر علمائے معاشیات، جو قرونِ وسطیٰ پر اٹھارھویں اور اُنیسویں صدی کے خیالات کا اطلاق کرنا چاہتے ہیں، ان مجالس کی طرف متعدد خرابیاں منسوب کرتے ہیں۔ ذرا سے غور کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اُن کا یہ خیال حق بجانب نہیں ہے۔ اس سے بلاشبہہ کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ مجالس اٹھارھویں اور اُنیسویں صدی کے لیے بالکل ناموزوں تھے اور اُن کا وجود بالکل فضول اور غیر ضروری معلوم ہوتا تھا، مگر قرونِ وسطیٰ میں تو اُن کا وجود مختلف حیثیتوں سے فائدہ بخش ثابت ہوا اس لیے کہ یہی مجالس نئی صنعتی قوتوں کا منبع اور مرکز تھے، اور انھیں کی بدولت ایسا فرقہ وارانہ جوشِ اتحاد پیدا ہوا جس نے نئی قوتوں کو محکم اور استوار بنیادوں پر قائم کردیا۔ یہی وہ مجالس تھے جنھوں نے ہر ایک مقام پر اشیا کو عمدگی اور انتہا درجے کی خوبصورتی کے ساتھ تیار کروانے کا خاص طور پر اہتمام کر رکھا تھا اور اس طرح سے نیز دوسرے تدابیر اختیار کرکے صنعتی

29

مہارت کا معیار بہت بلند اور اعلیٰ کر دیا تھا، چنانچہ سنٹ لوئی نے پیرس میں حرفتی جتھوں کی اصلاح و تنظیم کا کام محض صنعتی فنون کو فروغ دینے کی غرض سے شروع کیا۔ یہ بھی انھیں مجالس تجارت کے نظام عمل کا اثر تھا کہ مختلف پیشوں کے افراد کی خود بخود نگرانی اور اُن کی اخلاقی حالت کی اصلاح ہوتی رہی۔ مختصر یہ کہ انھیں مجالس نے ایک ایسے زمانے میں جبکہ ایک وسیع قومی جذبے کے وجود کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی ہر ایک پیشے کے اندر اعلیٰ معاشری اور فرقہ وارانہ جذبات پیدا کر دیے۔

چوتھا باب

عہد جدید

پہلا اور دوسرا دور

(۱۳۰۱ء سے ۱۷۰۰ء تک)

(۱) عہد جدید کے تین دور (۲) دور اوّل کے خصوصیات اور اُس کی التباسی نوعیت (۳) مسلک تجاریت اور بعض مصنّف۔

عہد جدید کی ابتدا۔ عہد متوسط کو پندرھویں صدی کے آخر تک شمار کرنا غلطی ہے بلکہ بقول کونت اصل یوں ہے کہ تیرھویں صدی کے ساتھ ہی عہد متوسط ختم ہوگیا اور چودھویں صدی کے آغاز سے عہد جدید شروع ہوا۔ عہد جدید میں بڑی بڑی معاشی ترقیات رونما ہوئیں، مگر مدارج ترقیات کے لحاظ سے عہد جدید میں تین نمایاں اور یکے بعد دیگرے آنے والے دور نظر آتے ہیں، اور یہ دور انجام کار وہ صورت حالات پیدا کرتے ہیں جو خود ہمارے زمانے کی نمایاں خصوصیت ہے۔

پہلا دور پہلا دور چودھویں صدی سے شروع ہو کر پندرھویں صدی

کے آخر میں ختم ہوتا ہے۔اس دور میں "کیتھولیکی و جاگیری" نظام بتدریج کمزور ہوتا جاتا ہے اور اس کی تباہی کا باعث خود اسی کے ارکان اعظم یعنی بادشاہ اور جاگیردار بنتے ہیں اور ان دونوں کی باہمی رقابت اور اُن کے باہمی اختلافات اس درجہ بڑھ جاتے ہیں کہ دونوں حرفتی جتھوں کی حوصلہ افزائی کرکر کے اور صنعتی شہروں اور قصبوں کو اپنی سرپرستی میں لے کر اپنی طاقتوں کو بڑھانا شروع کرتے ہیں اور اس طرح بالواسطہ جاگیری نظام کے توڑنے کے موجب بنتے ہیں۔اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس نظام کی شکستہ بنیادوں پر ایک نئے نظام کی عمارت تیار ہونے لگتی ہے، اُس زمانے کے تحریکات کا حال کسی معاصر معاشی تصانیف سے مطلقاً نہیں ملتا۔

دوسرا دور۔ دوسرا دور سولھویں صدی سے شروع ہوتا ہے اور سترھویں کے آخر میں ختم ہوتا ہے، جاگیری نظام کی تباہی کو ایک قسم کی خودکشی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ پہلے دور میں شروع ہو چکی تھی مگر سولھویں صدی کے آغاز میں اُس پر اس قدر مسلسل اور شدید حملے ہوئے کہ وہ بالکل منہدم ہو گیا۔ اس دور میں مرکزی حکومت کی بنیاد نہایت محکم ہو گئی اور اُس کے ذرائع نہایت وسیع ہو گئے، صنعت و تجارت کے عناصر جدید کو اپنے قابو اور نگرانی میں لے کر حکومت نے اُن کو ترقی دینے کی کوشش ایک تو اس وجہ سے کی کہ عوام کا رجحان انھیں کی طرف تھا اور اُنھیں کی ترقی کے لیے نہایت جوش و خروش ظاہر کیا جا رہا تھا۔ دوسری وجہ سیاسی تھی یعنی حکومت نے اس وجہ سے بھی صنعت و تجارت کی ترقی کو اپنا سیاسی آلہ بنا لیا کہ اسی ذریعے سے فوج کشی اور مُلک گیری کے لیے کافی دولت مہیا ہو سکتی اور ارباب حکومت کی شان و عظمت برقرار رہ سکتی تھی، انھیں عملی کوششوں کے ساتھ نیز اُن معاشری رجحانات کے ساتھ جن پر

یہ کوششیں مبنی تھیں، معاشیات کا مسلکِ تجاریت ایک خاص قریبی تعلق رکھتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یورپ کی حکومتیں اس نئی حکمت عملی پر کاربند ہوگئیں اور اس میں انھوں نے ایک حد تک کامیابی بھی حاصل کی، لیکن من حیث المجموع اُن کو ناکامی ہوئی، جو ایک لازمی امر تھا۔ اس لیے کہ اوّل تو بلحاظ اپنی ابتدا اور نوعیت کے صنعتی تحریک کی سرپرستی و رہبری کی وہ صلاحیت نہ رکھتی تھیں، اور دوم یہ کہ مذہبی نظام کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے حکومتوں کی قوت کمزور پڑ گئی اور اُن کا وہ اخلاقی اثر جاتا رہا جو کلیسا کی موجودگی اور اُس کے تعامل سے ممکن تھا۔

تیسرا دور

تیسرے اور آخری دور یعنی اٹھارھویں صدی کے دوران میں ایک بالکلیہ نئے معاشری اور مذہبی نظام کے قائم کرنے کا رجحان ظاہر ہوتا ہے۔ یہ رجحان پہلے تو اُس زمانے کے فلسفے اور عام ادبیات میں ظاہر ہوا اور اس کے بعد اُس نے فرانس کے عظیم الشان انقلاب کی عملی صورت اختیار کی۔ سابقہ دور میں پروٹسٹانٹزم کی تحریک نے ایک عام انتقادی اُصول کا اعلان کیا تھا اور یہ اُصول اُسی سابقہ دور کے آخر ہی میں انگلستان میں باقاعدہ طور پر مرتب ہو چکا تھا۔ اب فرانس کے مصنّفوں نے اس انتقادی اُصول کی اشاعت اور تبلیغ شروع کی۔ اس اُصول میں انفرادیت کا جذبہ پنہاں تھا اور وہ ضروریات وقت کے لحاظ سے مناسب و موزوں تھا، چنانچہ اُصول معاہدۂ معاشری اور اُصول غیر مداخلت کا جس جوش اور تپاک کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس زمانے کی یورپ کی قومیں انفرادی قوت اور آزادی کی خواہاں تھیں، نظریے اور عمل کے ایک نئے اور مستحکم نظام کے قائم ہونے سے قبل اس چیز کی سخت ضرورت تھی کہ شخصی قوت کافی وسیع ترقی کر لے، انفرادی جدوجہد میں زیادہ آزادی حاصل ہو، اور اجتماعی قوتوں کو

شخصی جدوجہد پر اس سے زیادہ اقتدار حاصل نہ ہو جو کہ بدامنی کو روکنے کے لیے ضروری ہے۔ حکومتوں سے مطالبہ کیا گیا اور وہ بالکل واجبی مطالبہ تھا کہ حکومتیں کسی معاشرتی تحریک میں براہ راست کوئی حصہ نہ لیں اور حتی الامکان اپنی مداخلت کو امن و امان کے قیام تک ہی محدود رکھنے کی کوشش کریں۔ یہ حکمت عملی بلحاظ اپنی نوعیت کے عارضی طور پر اختیار کی جا سکتی تھی لیکن چونکہ سلبی فرقے کا رجحان یہ تھا کہ وہ ہر عارضی چیز کو اور ہر استثنا کو مستقل اور عام قانون بنا دیتا تھا اس لیے اس نے اس حکمت عملی کو بھی مستقل اور معیاری قرار دے دیا۔ یورپ میں آزادئ عمل کی تحریک عام طور پر ہر طرف جاری تھی اور وہ بعض اوقات عوام میں زبردست جوش اور ہیجان کی صورت اختیار کرتی رہی۔ آزادی حاصل کرنے کے لیے مختلف اصول اور مختلف طریقہ ہائے عمل تھے اور ان کے لحاظ سے اس تحریک کے بانیوں اور تائید کرنے والوں میں بھی مختلف جماعتیں تھیں۔ چنانچہ ان جماعتوں میں سے سب سے پہلی جماعت جس نے بڑے پیمانے پر اس تحریک کے معاشی پہلو کی نظری حیثیت سے نمائندگی کی وہ فطر آئینوں کی جماعت تھی اگرچہ فطر آئینی مسالک نے جس کام کا بیڑا اٹھایا تھا اس کو عمل کے تخریبی اور تعمیری دونوں پہلوؤں کے لحاظ سے آدم اسمتھ نے زیادہ مکمل اور موثر طریقے سے انجام دیا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ آدم اسمتھ نے فطر آئینوں کے کام کو جاری ہی نہیں رکھا بلکہ پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔

یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ تحریک جدید کے پہلو بہ پہلو بہت سی اخلاقی خرابیاں بھی موجود تھیں۔ جس قسم کی عام تعلیم و تربیت کو قرون وسطیٰ نے جاری کرنا چاہا تھا اس میں ایک حد تک کامیابی حاصل ہوئی مگر چونکہ اس ضبط و ترتیب کی بنیاد مستحکم نہ تھی اس لیے اس کی شکست کے بعد دور جدید میں فرض شناسی اور اتحاد کا جذبہ کمزور ہو گیا اور نظری انفرادیت نے انانیت، فی العمل کو رواج دینا شروع کر دیا،

یہ نتیجہ معاشی جدوجہد میں خاص طور پر نمایاں نظر آتا ہے۔ مثلاً قومی خود غرضی اور انفرادی طمع کا ہر طرف دور دورہ ہوجاتا ہے اور صنعتی پیشوں میں تفرقہ ہی نہیں ہوجاتی بلکہ ان میں باہمی بغض و عناد کی آگ بھی بھڑک اٹھتی ہے، اس میں شک نہیں کہ عناصر جدید میں سائنس اور صنعت اپنا تسلط بتدریج جما رہے تھے اور ان میں انضباط و تربیت کا ایسا مادّہ موجود تھا جو بمقابلہ منہدم شدہ نظام کے بہت زیادہ موثر اور ثبات پذیر تھا لیکن آخری ترکیب و تنظیم ہنوز اس قدر بعید اور اپنی نوعیت میں اتنی غیر متعین تھی کہ ان عناصر کی ابتدائی ترقی کے زمانے میں اس کی اہمیت کا احساس مشکل ہوسکتا تھا۔ بایں ہمہ اب وہ ترکیب بتدریج محسوس ہوتی جاتی ہے، اور اس ترکیب کی طرف جو قدم آگے بڑھ رہا ہے اور اس ترکیب پر جو عملی نظام قائم کرنے کی کوشش ہے، یہی وہ شے ہے جس سے ہمارے زمانے کو اس کی نوعیت امتیازی حاصل ہے، اور جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا قوم کی اس فطری کوشش سے معاشی مسائل و نظریات کی ایک نئی شکل رونما ہوتی ہے اور اس کے رونما ہونے سے معاشیات عمرانیات میں ضم ہوجانے اور اخلاقیات کے تحت آنے کی طرف مائل ہورہی ہے۔

آیندہ ابواب کا مقصد

آیندہ ابواب کا مقصد اسی خاکے کی تصدیق و مفصل تشریح کرنا ہے جس کو اس باب میں اجمالاً بیان کردیا گیا۔ ان ابواب میں یہ بھی بتایا جائے گا کہ عصر حاضر کے یکے بعد دیگرے آنے والے مختلف دوروں کے خصوصیات کے ساتھ معاشی تحقیق کے تاریخی نشو و نما کو فرداً فرداً کیا تعلق ہے۔

عہد جدید: پہلا دور

(۱۴۰۰--۱۶۰۰)

پہلے دور کی ابتدا کا اعلان ایک طرف تو قرون وسطیٰ کے نظام کے خود بخود شکست ہو جانے سے ہوا اور دوسری طرف اس دور کا افتتاح یوں ہوتا ہے کہ اس میں نئے نظام کے مختلف اہم عناصر نمودار ہوتے ہیں۔ یعنی ایک طرف تو روحانی قوت کمزور ہو گئی اور اپنا اخلاقی فرض انجام دینے میں سست پڑ گئی اور دوسری طرف معاشری تحریک آئے دن ایسے افراد کے ہاتھوں میں آ گئی جو عام طور پر حرص و ہوا کو اپنا مشرب سمجھتے تھے، طاقتور حکومتیں قائم ہوئیں اور انھوں نے ملک کی ذہنی اور اخلاقی بدنظمی کے باوجود ملک میں امن و امان قائم کرنے کی کوشش کی۔ عوام نظام سیاسی میں بحیثیت ایک عنصر کے عام طور پر داخل کر لیے گئے، اس سے صنعتی جماعتوں کی روز افزوں قوت ظاہر ہوتی ہے، چنانچہ اس کا اظہار مزدوری پیشہ طبقے کی سرکشی سے بھی ہوتا ہے، ملک میں ہر طرف امن و امان کے قائم ہو جانے کا ثبوت اس امر سے ملتا ہے کہ تنخواہ دار فوج کا طریق جاری ہوا جو پہلے پہل عارضی تھا اور بعد میں دائمی طور پر قائم ہو گیا۔ اور یہ فوج جو کل آبادی کا ایک قلیل حصہ ہوتی تھی، جنگی مشغلوں اور فوجی کاموں میں حصہ لیتی تھی

اور صنعتی جدّوجہد میں کسی قسم کے خلل کے واقع ہونے کو روکتی تھی مصنوعات کی اہمیت روز بروز بڑھتی گئی اور معاشی جدّوجہد کے اس شعبے میں سب سے پہلے باقاعدہ طور پر اصل داروں اور مزدوروں کے دو گروہ نمودار ہوئے مگران دونوں گروہوں کے درمیان معیّن تعلقات کا قائم رکھنا، فوجی تعلیم وتربیت کو ایک خاص پیشے سے مخصوص کر دینے سے ممکن ہو سکا۔ قطب نما کی ایجاد نے فن جہازرانی میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا، چھاپے کی ایجاد نے اعلان کر دیا کہ صنعتی ترقی اور ادبی و علمی تحریک میں باہم رشتۂ ارتباط قائم ہونے والا ہے اور یہ دونوں مشترکہ قومی اغراض و مقاصد کے لیے کام کرنے والے ہیں۔

فلورنس، وینس اور جنیوا میں ہالینڈ اور انگلستان سے بہت پیشتر ہی مالیات کے شعبے نے بہت اہمیت حاصل کرلی۔ اس دور کے خاتمے پر جب امریکہ دریافت ہوا اور ہندوستان کا راستہ کھلا تو ایک طرف تو تجارت میں انقلاب پیدا ہو گیا اور دوسری طرف نوآبادیات کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا، اور ان دونوں کی وجہ سے صنعتی کاروبار کی روز افزوں توسیع و ترقی میں بہت سہولتیں پیدا ہوئیں۔ چنانچہ صنعتی جدّوجہد کے آخر الامر عام ہوجانے کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔

دور اول کی التباسی نوعیت۔

یہ دور، جو قرون وسطیٰ اور صحیح دور حاضر کے مابین ہے، بلاشبہہ ایک التباسی نوعیت رکھتا ہے۔ چنانچہ اس میں نظری پہلو پر کوئی ایسی شے نہیں ملتی جو اس دور کے حیرت انگیز عملی ہیجان اور ترقی کے مقابلے میں ذرا بھی اہمیت رکھتی ہو۔ اکوئیناس کے عام سیاسی اصول محض خفیف سے تغیّر و تبدّل کے ساتھ قائم رکھے گئے۔ بظاہر صرف ایک معاشی مسئلے کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجّہ کی گئی اور وہ زر کی نوعیت اور زر کے فعل کا مسئلہ تھا۔ اس مسئلے کی اہمیت اُس وقت سے محسوس ہونی شروع ہوئی جب سے کہ جنس اور خدمت کی شکل میں مطالبات کو ادا کرنے کی رسم

موقوف ہوئی اور باضابطہ طور پر محصول لینے کا قاعدہ جاری ہوا۔

نکول آرسم

سنہ ۱۳۶۱ء میں ایک کتاب شائع ہوئی[1]، اس میں زر کے سوال پر بحث کی گئی ہے اور ایک نظریہ بھی پیش کیا گیا ہے، جو انیسویں صدی کے خیالات کے معیار کے مطابق تقریباً بالکل صحیح ہے، اور اس درجہ اختصار، سلاست اور توضیح کے ساتھ یہ نظریہ بیان کیا گیا ہے کہ کتاب کسی جید اُستاد کی تصنیف معلوم ہوتی ہے، اس کتاب کا مصنف بقول روشر و والوسکی نکول آرسم ہے جو چارلس پنجم شاہ فرانس کا اُستاد تھا اور سنہ ۱۳۸۲ء میں انتقال پانے تک لیسوکس کا پادری رہا، روشر مصنف کو ایک نہایت بلند پایہ عالم معاشیات خیال کرتا ہے۔

---

[1] Tractatus de origine, natura, jure, et mutationibus monetarym

عہد جدید: دوسرا دور

(۱۶۰۰ء - ۱۸۰۰ء)

(۱) اصول تجاریت (۲) عہد تجاریت کے مصنف
(۳) سیاسی تحریک کا نشو و نما (۴) اس کے اصول (۵) بعض مصنف۔

تجاریت

عہد جدید کے دور اوّل میں نئی معاشی قوتوں کا نشو و نما قدرتی طور پر آپ سے آپ ہوا تھا لیکن دوسرے دور میں حکومتوں نے حوصلہ افزائی کر کے ان کو باقاعدہ طور پر ترقی دی جب حکومتیں محسوس کرنے لگیں کہ قرون وسطیٰ کا مالی نظام اطمینان بخش نہیں ہے، ان کو اپنے سیاسی و فوجی اغراض کے لیے بہ نسبت پہلے کے بہت زیادہ دولت درکار ہے اور ان اغراض کی تکمیل سوائے اضافۂ محصول کے کسی اور ذریعے سے ممکن نہیں ہو سکتی تو صنعت و حرفت ان کی مستقل دلچسپی کا مرکز ہی نہیں بنی، بلکہ ان کی حکمت عملی کا خاص مقصد بن گئی۔ اس صورت واقعات کی قدرتی ہم آہنگی کے ساتھ ساتھ نظام تجاریت کا نشو و نما ہوا اور سترھویں صدی کے وسط تک اس نظام نے مکمل طور پر ترقی کر لی۔

تجارتی اصول، اگر اپنی انتہائی شکل میں بیان کیا جائے تو اس میں دولت و زر ایک ہی شے قرار دی جاتی ہے، اور ایک ملک کا دوسرے

ملک سے اس طرح کاروبار کرنا کہ قیمتی فلزات کا بڑے سے بڑا ممکنہ حصہ اسی کو ملے، قوم کا سب سے بڑا مقصد خیال کیا جاتا ہے اور اس لحاظ سے ہر ملک پر واجب ہے کہ وہ اپنے مصنوعات کی زیادہ سے زیادہ مقدار بیرون ملک روانہ کرنے کی کوشش کرے اور دوسرے ممالک سے حتی الامکان کم سے کم درآمد کرے تاکہ اشیائے درآمد و برآمد کی قیمتوں کا فرق سیم و طلا کی شکل میں اس ملک کو وصول ہو۔ یہ فرق توازن تجارت کہلاتا ہے اور "توازن" "ملک کے" "موافق" اس وقت ہوتا ہے جب کہ واجب الوصول واجب الادا رقم سے زیادہ ہو۔ ایسے موافق توازن کو حاصل کرنے کے لیے تمام ممکنہ اور ضروری تدابیر اختیار کرنا حکومت کا فریضہ خیال کیا جاتا ہے، مثلاً بیرونی اشیا کی درآمد کو ممنوع قرار دینا یا ان پر گراں بار محصول عائد کرنا، مصنوعات ملکی کی برآمد پر امداد دینا اور قیمتی فلزات کی برآمد پر بندشیں قائم کرنا وغیرہ لیکن اس طرح بیان کردہ اصول، اگرچہ وہ کتب نصاب میں بکثرت شائع ہیں، ان تمام افراد کے خیالات کی صحیح طور پر نمائندگی نہیں کرتے جنھیں مسلک تجاریت کا پیرو سمجھنا ضروری ہے۔ اکثر افراد کا تصور بہت صاف اور صحیح تھا۔ چنانچہ وہ دولت کو محض سونے چاندی کی حد تک محدود نہ خیال کرتے تھے، ان کے نزدیک دولت اس سے زیادہ وسیع تھی۔ گو اس امر کے تسلیم کرنے سے کہ مفکرین کی کسی جماعت نے اس قسم کا خیال ظاہر کیا تھا موجودہ زمانے کے طلبہ کو انکار ہے۔

تجاریت کے نظری رجحانات۔ بقول روشر تجارئین کسی خاص معاشی نظریے کے پیرو نہیں ہیں بلکہ ان میں بعض نظری رجحانات کم و کیف کے اختلافات کے ساتھ مشترکہ طور پر پائے جاتے ہیں، اور یہ حسب تفصیل ذیل بیان کئے جا سکتے ہیں:۔

(ا) قیمتی فلزات کی ایک بڑی مقدار کی ملکیت کو انتہا سے زیادہ اہمیت دینا (ب) خارجی تجارت کو داخلی تجارت پر فوقیت دینا (ج) صنعت کو زراعت پر غیر ضروری ترجیح دینا (د) گنجان آبادی کو قومی طاقت کا ایک عنصر ہونے کی حیثیت سے بہت اہمیت دینا (ہ) حکومت سے استعانت کرنا کہ وہ بذریعہ قواعد و قوانین مختلف پسندیدہ مقاصد کے حصول و ترقی میں سہولتیں پیدا کرے۔

تجارتی مسلک کی ابتدا اور صنعت و تجارت کو ترقی دینے کی کوشش۔

اگر ہم اُس زمانے کے مغربی یورپ کی صورت حالات پر نظر ڈالیں تو بلا کسی دقت کے معلوم ہو جائے گا کہ ان رجحانات کا پیدا ہونا ایک امر ناگزیر تھا۔ نئی دُنیا میں معدنیات کے جو انکشافات ہوئے اُن کی بدولت یورپ کے سکّوں میں انقلاب عظیم پیدا ہو گیا تھا۔ قدیم جاگیری معیشت جو زیادہ تر جنس کے لین دین اور مبادلے پر مبنی تھی جدید "معیشت" زر سے مبدل ہو گئی اور مو خر الذکر کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا گیا۔ زر کا رواج ہر طرف بسرعت بڑھنے لگا۔ دور دراز مقامات کی آمد و رفت میں سہولتیں پیدا ہو گئیں اور شہری زندگی اور جائداد منقولہ کی اہمیت بڑھتی گئی۔ تجارئین اس امر سے متاثر ہوئے کہ زر دولت کی خاص اور عجیب و غریب قسم ہے۔ یعنی یہ کہ ہر وقت زر کی عام طور سے مانگ ہوتی ہے اور اُس کا مالک تمام دوسرے اشیا کے حاصل کرنے پر قادر رہتا ہے۔ اُس دور کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ اُس میں بڑی بڑی سلطنتیں طاقتور حکومتوں کے زیر نگرانی قائم ہوئیں اور ان حکومتوں کو خصوصاً مذہبی اور اطالوی جنگوں کی غرض سے مستقل طور سے اور وسیع پیمانے پر فوجوں کا انتظام کرنے کی وجہ سے زر کثیر کی اور آدمیوں کی سخت ضرورت پیش آئی۔ اس کے علاوہ درباری اخراجات بھی بہ نسبت پہلے کے بہت زیادہ ہو گئے اور ملازمین اور عہدہ داران سرکاری کی تعداد میں

اضافہ ہوگیا تھا۔ ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے شاہی علاقے یا اُن کے محاصل کفایت نہیں کرسکتے تھے۔ چنانچہ بادشاہی حکومتوں کی ضرورتوں کی افزائش کے ساتھ زیادہ محصولات عائد کئے جانے لگے۔ مدبران سلطنت کو معلوم ہوا کہ اُن کے خود سیاسی اغراض و مقاصد کے لیے صنعتوں کا ترقی کرنا ضروری ہے۔ لیکن چونکہ اُن کے نزدیک آبادی میں بمقابلۂ زراعت صنعت سے بہت زیادہ اضافہ ہوسکتا تھا اور مصنوعات کی برآمد سے زرعی پیداوار کی مجموعی قیمت کے مقابلے میں زیادہ قیمت مُلک کو وصول ہونی ممکن تھی اور اس کے علاوہ یہ کہ صنعتی کاروبار میں حوصلہ مندیوں اور اولوالعزمیوں کا زیادہ موقع تھا اس لیے صنعت حکومت کی خاص عنایت اور سرپرستی کا مرکز بن گئی اور زراعت مقابلۃً پسماندہ حالت ہی میں رہی۔ صنعتی ترقی نے یوں بھی تجارت میں وسعت پیدا کردی تھی مگر نوآبادیات کے قائم ہوجانے سے تجارت کا میدان اور بھی زیادہ کشادہ ہوگیا۔ نوآبادیاں محض ایک طرح کی جاگیریں خیال کی جاتی تھیں اور اُن پر کام کرنے کا منشا محض مادر وطن کو فائدہ پہنچانا تھا۔ چنانچہ مدبّران سلطنت کا مقصد یہ تھا کہ نوآبادیات کی تجارت کو فروغ دے کر عام سرکاری محاصل میں مزید اضافہ کیا جائے۔ اس طرح ہر قوم اپنی قوت بڑھانے کی طرف مائل ہوئی اور دول عظمیٰ اپنا اپنا تسلّط بڑھانے کی کوشش کرنے لگے، مدبّران مُلک بخوبی واقف تھے کہ بغیر معاشی تسلّط کے سیاسی عظمت ناممکن ہے اس لیے مقابلے کے جوش میں آکر سب قومیں نہ صرف سیاسی میدان میں بلکہ معاشی میدان میں بھی تگ ودو کرنے لگیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معاشی معاملات نے قومی دلچسپی حاصل کرلی اور حکومت بحیثیت قوم کے نمائندے کے معاشی کاروبار کی نگران کار بن گئی۔ سلطنتیں قوانین کے ذریعے سے پوری گرمجوشی کے ساتھ شہری صنعتوں کی اپنے اپنے علاقے میں اُسی طرح پرورش کرنے لگیں

جس طرح کہ باغبان غیری پودوں کے لیے آب وہوا کے موافق مصنوعی مکان بناکر پودے اُگاتا ہے۔ مُلک سے عمدہ اور ارزان اشیا برآمد کرنے کے خیال سے اور اس طرح بیرونی ممالک کے بازاروں میں ملکی اشیا کی نکاسی کی غرض سے پیدائش کے تمام شعبوں کی باقاعدہ تنظیم عمل میں آئی صنعتی کاروبار کی نگرانی ایک حد تک براہ راست حکومت کرتی تھی مگر یہ کام زیادہ تر حقوق یافتہ انجمنوں اور تجارتی کمپنیوں کے سپرد کیا گیا۔ خارجی اشیا کی درآمد پر بھاری محصول عائد کرنے کا طریق اختیار کیا گیا۔ اس کا مقصد ابتدأً زیادہ تر توفیر آمدنی تھا لیکن بعد میں قومی پیدائش کا مفاد اُس کی غایت بن گیا۔ تجارتی معاہدے سیاسیات کا خاص مطمح نظر بن گئے اور اُن کا مقصد ممالک غیر کے بازاروں میں دوسری قوموں کو مقابلہ کرنے سے باز رکھنا تھا اور اسی کے ساتھ مُلک کے اندر اشیائے خام کے سوا کسی دوسری بیرونی اشیا کو بھی داخل نہ ہونے دیا جاتا تھا۔ نوآبادیات اس بات کے پابند کیے گئے کہ سوائے مادر مُلک کے یوروپ کی کسی دوسری سلطنت سے تجارت نہ کریں چنانچہ وہ اپنے اشیائے خام یا قیمتی فلزیں مادر وطن کو روانہ کرتے تھے۔ اس سے واضح ہوجائے گا کہ نظریۂ تجاریت جس چیز کو کہا جاتا ہے وہ اصل میں کسی عالمانہ غور وفکر کا نتیجہ نہ تھا بلکہ اُسی زمانے کی عملی جدّ وجہد کا نظری رخ ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قوموں اور حکومتوں نے اس کو کسی عالمانہ غور وفکر کے بعد اختیار نہیں کیا بلکہ محض خارجی حالات کے اثر نے اور عملی واقعات کے مشاہدے نے اُن کو اس حکمت عملی کے اختیار کرنے پر مجبور کردیا۔

پھر بھی اگر اس مسئلے پر فلسفۂ تاریخ کے اعلیٰ ترین نقطۂ نظر سے غور کرو تو یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ اس دور میں جو عام صنعتی وتجارتی سرگرمی ظاہر ہوئی وہ بلحاظ اس کے کہ اُس نے قوموں کو معاشری

ترقی کی شاہراہ پر پہنچادیا' نہایت مستحسن قرار دی جاسکتی ہے' لیکن اگر اس نظریئے کے قائم ہونے کا موجب اُس زمانے کے حالات وواقعات نہ ہوتے بلکہ معاشری اغراض کی پیش بینی اس کا موجب ہوتی تو سرگرمی کے آثار بدرجہا زیادہ نمودار ہوتے اور نتائج بھی بہت عظیم الشان ہوتے۔

زراعت کی پسماندہ حالت۔ اس دور میں زراعتی کاروبار میں کوئی نمایاں ترقی نہ ہوسکی' اس لیے کہ اُس کے انتظامات اس وقت تک جاگیرداروں کے ہاتھ میں تھے' اور جاگیردار صنعتی کاروبار کے اُصول سے بالکل نابلد تھے' یہ طبقہ نہ تو عام صنعتی وتجارتی عادات وصفات سیکھنے کی حقیقی صلاحیت رکھتا تھا اور نہ اپنے کھیتوں میں مزدوروں کے ساتھ کافی ہم آہنگی دیکجہتی کے ساتھ بسر کرسکتا تھا۔ نتیجہ یہ کہ دیہات میں زراعت پسماندہ حالت میں رہی اور شہروں میں صنعت کو روز افزوں ترقی ہوتی گئی' اور زراعت میں جو کچھ بھی ترقی ہوئی وہ صنعت کے طفیل ہوئی۔ حکومت نے جب دیکھا کہ صناعوں کے طبقے کو روزافزوں اہمیت حاصل ہورہی ہے تو پہلے اسی طبقے اور اُس پیشے کی طرف توجّہ کی اور پہلے اُسی کی بہبود اور ترقی کے متعلق قواعد وضوابط وضع کیے اور اس کے بعد کاشتکاروں کے انضباط کی طرف توجّہ کی۔

حکومت نے صنعت وتجارت کو ترقی دینے کے لیے جو کوششیں کیں وہ بقول آدم اسمتھ حقیقت میں موثر ثابت ہوئیں۔ اس رائے کے مبنی بر واقعیت ہونے کے بارے میں شبہہ کی کوئی معقول وجہ نہیں ہوسکتی' اگرچہ اُصول آزاد تجارت کے اکثر پرجوش وکیل اُس کو تسلیم نہیں کرتے۔ یہ حکومت کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی کا ہی نتیجہ تھا کہ صنعتی مہارت میں گوناگوں ترقی ہوئی' دوسرے ممالک کے مہارت یافتہ دستکاروں کو بلا بلا کر اور

38

ملک کی کمزور صنعتوں پر محصول کا بار کم کر کے حکومت نے پیدائش دولت کے نئے طریقوں کو فروغ دیا، حکومت ہی نے تجارت اور آمد و رفت میں سہولتیں پیدا کرنے کی غرض سے بری و بحری مراسلت اور باربرداری کا بہت زیادہ سرعت کے ساتھ معقول انتظام کیا۔ ان تمام کوششوں کا ایک نہایت اہم اثر یہ ہوا کہ ان جماعتوں کے وقار کے مقابلے میں جو پہلے کامل تسلط رکھتی تھیں صنعتی پیشوں کا معاشری وقار بہت بڑھ گیا۔

نظام تجاریت علمی نظریہ پر مبنی ہے یا عملی ضروریات پر۔

یہ سوال بار بار اٹھایا گیا ہے کہ تجاریت کی بنیاد کس کی طرف منسوب کرنی چاہیئے؟ نظری استدلال کی طرف یا عملی ضروریات کی طرف؟ مگر اس سوال کا کوئی قطعی جواب نہیں دیا جا سکتا، صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ معاشی واقعات کو ایک خاص نقطۂ نظر سے دیکھنے کا طریقہ غیر علمی دماغوں میں خود بخود پیدا ہو گیا تھا اور اس طرح جو خیالات قائم ہوئے وہ یونانی اور لاطینی مصنفوں کی تحریروں میں ملتے ہیں۔ ان خیالات کی بنا پر جو حکمت عملی قائم کی گئی وہ، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، وہی حکمت عملی تھی جو عہد جدید کے شروع میں یورپ کے ممالک کے حالات کے لحاظ سے اختیار کی گئی تھی۔ اس حکمت عملی کی باقاعدہ تشریح یا نظری تحقیق بھی نہ ہونے پائی تھی کہ اسکے مطابق عمل درآمد شروع ہو گیا۔ چنانچہ چودھویں اور پندرھویں صدی میں اسی کا دور دورہ رہا۔ سولھویں صدی میں اس کا دائرہ اور بھی وسیع ہو گیا حتٰی کہ چارلس پنجم نے اس کو اختیار کر لیا جس کی وجہ سے اس حکمت عملی کو مزید تقویت حاصل ہو گئی۔ ہنری ہشتم اور ایلیزبتھ نے جس طریق پر حکمرانی کی اس میں اسی حکمت عملی کو ملحوظ رکھا۔ اس طرح بڑی بڑی سلطنتوں میں بہت جلد زبردست باہمی مقابلہ شروع ہوا، ہر سلطنت تجارتی و صنعتی تسلط حاصل کرنے کی دھن میں اپنے تمام سیاسی اور مالی ذرائع صرف کرنے لگی

جہاں تک تجارت کا تعلق تھا۔ پوری سترھویں صدی کے دوران میں ہالینڈ کو تسلط حاصل رہا کیونکہ اطالیہ کی سابقہ عظمت اس کی سیاسی ناکامیوں کی وجہ سے نیز بحری راستوں کے دریافت ہوجانے کی وجہ سے خاک میں مل چکی تھی، اور ہسپانیہ وجرمنی بھی مسلسل طولانی جنگوں اور اندرونی بدامنی کے باعث تنزل پذیر تھے۔ ریلے، من، چائلڈ اور ٹمپل کی تصانیف سے پتا چلتا ہے کہ انگلستان کے مدبران سلطنت اور علمائے معاشیات ہالینڈ کے اس تسلط اور ترقی کو رشک وحسد کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اپنے ملک کو اس مرتبے تک پہنچانے کے دل سے خواہاں تھے۔ ہالینڈ کے تجارتی تسلط کے رشک نے فرانسیسی حکمت عملی پر جو قوی اثر ڈالا اُس کا ثبوت کولبیر کے ایک مشہور خط سے ملتا ہے جو کہ اُس نے یم۔ ڈی۔ پامپون سفیر مقیم ریاستہائے ہالینڈ کو لکھا تھا۔ کرامول اور کولبیر دونوں مدبران سلطنت عملی حیثیت سے اُصول تجاریت کے نمائندے تھے۔ کرامول نے ایک ایسا قانون جہازرانی وضع کیا جس کی وجہ سے ہالینڈ کی تجارت نقل وحمل کو بہت بڑا صدمہ پہنچا اور بتدریج انگریزوں کی بحری سلطنت وقوت قائم ہوگئی، اور کولبیر نے فرانس کے داخلی وخارجی معاشی معاملات میں جو حکمت عملی اختیار کی اُس سے اُصول تجاریت کی صحیح ترجمانی ہوتی تھی۔ چنانچہ ایک مشہور اطالوی مصنف وجریدہ نگار ریگوتی موخرالذکر جلیل القدر مدبر سیاست کی یادگار میں اُصول تجاریت کو نظام کولبیر کا لقب دیتا ہے۔ مگر یہ خیال غلط ہے کہ فرانس کا وزیر اعظم تجاریت کے کل اُصول بلاکم وکاست تسلیم کرتا تھا، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ اپنے تدابیر کو محض عارضی خیال کرتا تھا۔ مثلاً وہ محصول تامین کو مثل بیساکھیوں کے سمجھتا تھا کہ جب اُن کے سہارے چلنے سے اہل حرفہ میں اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی قوت آجائے اور کام نکل جائے تو اُن کو الگ کردیا جائے۔ کولبیر سے پہلے سلّے نے بیرونی اشیا کے

اخراج کا طرزِ عمل اختیار کیا تھا، اس کی وجہ کچھ تو شاہی خزانے کو بھرنے کی نیت تھی اور اصلی سبب یہ تھا کہ سلّی زراعت کا خاص طور پر طرفدار تھا اور تعیشات کی درآمد کو ملک و قوم کے لیے نہایت مضرت رساں تصور کرتا تھا۔ اس کے برعکس کولبیر نے ۱۶۶۴ء میں ایک قانون محصول نافذ کیا جس کی وجہ سے نہ صرف محصول ادا کرنے والوں کے لیے سہولتیں پیدا ہوگئیں بلکہ محصول کی مقداریں بھی بہت کچھ تخفیف ہوگئی، اس میں شک نہیں کہ ۱۶۶۷ء کے قانون نے محصول میں اضافہ کر دیا مگر اس کا منشاء یہ نہ تھا جو کہ سلّی کا تھا بلکہ یہ ایک سیاسی حربہ تھا جو ولندیزوں پر زد کرتا تھا، یہ تو بلاشبہ ایک امر واقعہ ہے کہ کولبیر نے فرانس میں جو حکمت عملی اختیار کی بنظاہر اُسی کی بدولت ملک کی تجارت و صنعت میں گوناگوں ترقی ہوئی اور ایسی ترقی ہوئی کہ اُس زمانے کی یوروپ کی قوموں کو محوِ حیرت کر دیا، چنانچہ اس کی تصدیق عہدِ یٰتی کے انگریز مصنفوں کی تحریروں سے ہوتی ہے، مگر اس حکمت عملی میں جو نقائص موجود تھے اُن سے انکار نہیں کیا جاسکتا مثلاً حکومت کی بے شمار قانونی بندشوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ (۱) صنعت میں عوام کے مذاق اور طلب کے مطابق وقتاً فوقتاً تبدیلیاں ہوتے رہنے کی بجائے صنعت ایک غیر تبدل پذیر حالت میں پڑی رہی۔ (۲) مصنوعات کو تیار کرنے کے لیے کوئی آسان طریقہ ایجاد کرنے کی آزادی حاصل نہیں تھی۔ (۳) عمل کی تقسیم کو وسیع کرنے یا آلات جدید کو استعمال کرنے کی آزادی نہ تھی۔ ذکاوتِ طبع، اختراع و جدت وغیرہ قوتوں کو دبانے اور فنا کرنے کی کوشش کی گئی اور اس طرح ایک بڑی حد تک نتائج بعید کو نتائج قریب پر قربان کیا گیا۔ یہ صحیح ہے کہ جو خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں اُن کو دور کرنے کے لیے روشن خیال مدبروں نے اور خود کولبیر نے بہتیری کوششیں کیں مثلاً مہتمموں کا تقرر کرکے اُن کے ذریعے سے صناعوں کی اصلاح کرنے اور دوسرے

ترقی یافتہ ممالک کے حالات معلوم کرانے کا انتظام کیا گیا اور صنعت کے مختلف شعبوں میں پیدائش کے مختلف نئے نئے طریقے سکھانے کا اہتمام کیا گیا۔ چنانچہ اس سے ایک حد تک خرابیوں کی اصلاح بھی ہوگئی مگر انجام کار یہ کوششیں بحیثیت مجموعی پورے طور پر مفید اور نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئیں۔

عہد تجاریت کے مصنف۔

اس دور کے مصنفوں نے عام معاشیات کی کوئی تشریح نہیں کی اور نہ ہم کو ان سے اس قسم کی کوئی توقع رکھنی چاہیئے، اس لیے کہ اول تو اُس دور میں جو تصانیف شائع ہوئے اُن کے محرک خاص خاص فوری ضروریات تھے۔ اور مصنفوں نے خاص خاص مسائل پر جو بالعموم عملی نوعیت رکھتے تھے اور جو اُس زمانے کے بڑے بڑے تحریکات کی پیداوار تھے، غور کیا۔ ان تحریروں میں حکومت کو مختلف مشورے دئیے گئے ہیں، اور ملک کی پیداآور قوتوں کو ترقی دینے اور سلطنت کے مختلف ذرائع کو وسیع کرنے کے بارے میں بحث کی گئی ہے، بقول لسٹ ان تصانیف کا نقطۂ نظر محض قومی ہے اور عالمیت کا تصور ان میں بالکل مفقود ہے۔ ان تصانیف میں سے بعض ایسے بھی ہیں جن میں تجاریت کا کوئی اثر نہیں ہے، اس لیے کہ ان میں جو مسائل بیان کئے گئے ہیں وہ نظریۂ تجاریت سے بظاہر کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ لیکن ان میں سے اکثر تصانیف میں اصلی نظریۂ تجاریت کا خاکہ موجود ہے جو بالآخر مصنف کے نتائج میں مضمر معلوم ہوتا ہے۔ امریکہ کے معدنیات کے انکشاف کے بعد قیمتوں میں جو عام اضافہ ہوا اُس پر مبصروں اور محققوں نے منجملہ دوسرے مسائل کے سب سے پہلے توجہ کی۔ اشیا کا نرخ گراں ہو جانے سے اُس زمانے کی معاشی زندگی اور معاشی تعلقات میں بہت بڑا انقلاب ہوگیا، اس انقلاب کا اثر ہنگامی نہ تھا بلکہ روز بروز بڑھتا گیا، اور اُس سے عام بے چینی

اور پراگندگی کا پیدا ہونا ایک امر لازمی تھا مگر اس کا اثر اس وجہ سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ محسوس کیا گیا کہ انقلاب حالات کی علت کسی کی فہم میں نہ آتی تھی۔ مزید براں یہ کہ جمہوروں اور خود مختار بادشاہوں نے آمیزش کر کے سکے ڈھالنے شروع کر دیئے جس سے عوام کی مصیبتوں اور دقتوں میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ اطالیہ یوں بھی سب سے زیادہ ان مصائب و آلام میں گرفتار تھا مگر اندرونی سیاسی بدنظمی نے اُس کی حالت کو اور بھی ابتر اور ناگفتہ بہ کر دیا۔ ان حالات سے متاثر ہو کر اور خرابیوں کو دور کرنے کی غرض سے کونٹ گسپارو اسکاروفی نے ایک کتاب[1] ۱۵۸۲ء میں شائع کی، اس میں مصنف مذکور نہایت دلیری کے ساتھ ایک ایسا سکہ جاری کرنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے جو تمام عالم میں رائج ہو، اور یہ کہ یہ سکہ ہر جگہ ایک ہی دھات کا بنایا جائے اور ہر جگہ اُس کی شکل، اُس کا وزن اور اُس کا نام ایک ہی ہو۔ اس میں شک نہیں کہ یہ تجویز بالکل قبل از وقت تھی اور وہ زمانے اُسکے لیے موزوں نہ تھے، حتیٰ کہ خود اطالیہ کے والیان ریاست، جن کو مصنف نے خاص طور پر اس طرف متوجہ کرایا ہے، اس تجویز پر عمل کرنے تیار نہ ہوئے لیکن اس میں بھی کلام نہیں ہو سکتا کہ یہ ایک ایسی اصلاحی تجویز تھی جو آئندہ کسی نہ کسی زمانے میں عملی جامہ پہنے گی اور پوری ہو کر رہے گی۔

جین ڈوناٹو ٹربولو۔ ۱۶۲۹ء میں ایک کتاب[2] شائع ہوئی، جس کا مصنف نیا پولس کے دار الضرب کا ناظم جین ڈوناٹو ٹربولو تھا۔ اس نے اپنی مذکورۂ بالا تصنیف میں سکے میں آمیزش کرنے کے خلاف

---

[1] Discorso sopra le monetee della vera proporzione fra l'oro el'argento
(1582)

[2] Discorsie Relisione

سخت احتجاج کیا ہے۔ فلورنشائن برنارڈو ڈیوانزاتی جو ٹے سی ٹس کے قابل مترجم کی حیثیت سے مشہور ہے، مسئلۂ زر کے بارے میں اُس کی ایک کتاب[1] ۱۵۸۸ء میں شائع ہوئی، اگرچہ یہ تصنیف ادنیٰ درجے کی ہے اور معلومات میں کوئی خاص اضافہ نہیں کرتی، مگر بلحاظ اختصار وجامعیت اور بیان کی پاکیزگی کے ایک قابل قدر تصنیف ہے[2]۔

جین بودن

فرانس کے ایک مشہور مصنف جین بودن نے ایک بالکل جداگانہ نقطۂ نظر سے مسئلۂ زر پر بحث کی چنانچہ اس بارے میں اُس کی دو کتابیں[3] قابل ذکر ہیں جن میں اُس نے دوسروں کی نسبت بہت زیادہ معقولیت کے ساتھ عام قیمتوں کے تغیرات کے اسباب کی توضیح کی ہے۔ اور قدر زر کے تغیرات کی شرح سے اشیاء کے بازاری نرخ کے تغیرات کا، نیز مزدوروں کی اجرت کو جو تعلق ہے اس کو بھی بیان کیا ہے، چنانچہ وہ اس پر زور دیتا ہے کہ صرف مروجہ زر کی مقدار کو ملک کی کل دولت سمجھنا غلطی ہے اور قیمتی دھاتوں کی برآمد پر قانونی بندشیں عائد کرنے کے طرز عمل کو وہ اس وجہ سے بیکار اور لاحاصل خیال کرتا ہے کہ تجارتی ضروریات کی بنا پر اُن پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔
بودن اُس زمانے کی ادبی تاریخ میں خاص طور پر اہم مرتبہ رکھتا ہے، اُس کی توجہ صرف معاشی مسائل تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ وہ دوسرے شعبہ ہائے علوم میں بھی کافی دستگاہ رکھتا تھا۔

---

[1] Lezioni delle monete

[2] روسیو بولو کی تصنیف اس سے بہت زیادہ قابل قدر ہے اور یہ ۱۶۱۱ء میں لکھی گئی اور ۱۶۲۱ء میں شائع ہوئی۔ اس کی مفصل تنقید لوگا ںی کی تصنیف میں موجود ہے ۱۲

[3] (1) Reponse aux paraloxes de M. Malestioit touchant l'encherissement de tentes les choses et des mounaies (1568)

(2) Discoure sur le rehaussement et la diminution des Monnales (1578)

اس کا ثبوت ایک تصنیف[1] سے ملتا ہے جو ۱۵۷۶ء میں شائع ہوئی تھی، یہ تصنیف اُس کے زمانے کے حالات و خیالات کا آئینہ ہے، اُس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود مختار بادشاہی کے طریق کو پسند کرتا تھا اور اس لیے پسند کرتا تھا کہ اس طریق حکومت میں رعایا کی بہبود اور حفاظت کرنے کی صلاحیت دوسرے طریقہ ہائے حکومت سے بدرجہا زیادہ ہوتی ہے، اسی سلسلے میں بودن نے افلاطون اور مور کی اشتراک جائداد کی تجویز سے سخت اختلاف کیا ہے اور اس کی بجائے وہ انفرادی ملکیت کی نہایت شد و مد کے ساتھ وکالت کرتا ہے گو کہ اُس کے زمانے میں انابیسٹٹ فرقے[2] کی زیادتیوں نے اشتراکی عقائد کے خلاف سخت برہمی پیدا کر رکھی تھی مگر بودن نے اپنی تصنیف میں کسی عملی ضروریات وقت کے لحاظ سے انفرادی ملک کی بحث کو نہیں چھیڑا بلکہ اُس کی تصنیف کا موضوع ہی ایسا تھا کہ اُس میں اس مسئلے پر بحث کرنا ناگزیر تھا۔

بودن تجارئین کے خیالات سے بڑی حد تک متاثر معلوم ہوتا ہے چنانچہ وہ حکومت کو صنعتی معاملات میں مداخلت کرنے کا مشورہ دیتا ہے اور بیرونی مصنوعات پر زیادہ محصول عائد کرنے اور ملکی اشیاء نے خام اور اشیائے خور و نوش پر محصول کم کرنے کی رائے دیتا ہے، نیز گنجان آبادی پر بہت زیادہ زور دیتا ہے مگر پھر بھی وہ اُصول تجاریت کا مقلد کورانہ تھا، اس کا ثبوت یوں ملتا ہے کہ وہ اکثر صورتوں میں غیر محدود آزاد تجارت کے اُصول پر زور دیتا ہے اور اُن میں کسی قسم کی مداخلت کرنے سے باز رہنا حکومت کے لیے ضروری سمجھتا ہے، بودن کو اُس کے زیادہ مشہور معاصر مانٹین پر صرف اس لحاظ سے فضیلت

---

[1] Six Livres de la Republique

[2] Anabaptist

حاصل ہے کہ بوون نے مان مین کے برعکس اس امر کو ثابت کر دکھایا ہے کہ ایک قوم کے فائدے سے دوسری قوم کو نقصان پہنچنا لازمی نہیں ہے۔ بوون کی توجہ کا خاص مرکز مالیات ہے جس کو وہ سلطنت کے عضلات سے تعبیر کرتا ہے، اس بارے میں اس نے حکومت کے فرائض بیان کیے ہیں، چنانچہ محصول عائد کرتے وقت عدل و انصاف کو خاص طور پر ملحوظ رکھنے کے متعلق زور دیا ہے، غرض عام نظر سے دیکھا جائے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ بوون قوم کی مادی ترقی اور تنظیم میں قوم کے اعلیٰ مقاصد و اغراض کو ہمیشہ پیش نظر رکھتا ہے۔ اور اس کی بنا پر وہ مستحق تحسین ہے۔

43 ولیم اسٹافورڈ۔ ۱۵۸۱ء میں ایک کتاب[1] شائع ہوئی جو ملک ایلیز بتھ کے نام سے معنون تھی، اس کا مصنف ایک انگریز ولیم اسٹافورڈ نامی تھا۔ اس کتاب سے قیمتوں کے عام اضافے کے اسباب کے بارے میں صحیح معلومات حاصل ہوتے ہیں مصنف نے مکالمے کی شکل میں کتاب لکھی ہے اور مکالمہ کرنے والے اشخاص کی زبان سے وہ اپنے پرجوش خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ کتاب میں جا بجا بوون کا بھی حوالہ ملتا ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ مصنف بوون سے ناواقف نہ تھا۔ مصنف نے زرکی نوعیت کے بارے میں نہایت سنجیدہ طرز پر بحث کی ہے، سکے میں آمیزش کرنے سے جو فتنے اٹھتے ہیں انکو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور گزشتہ زمانے میں سکوں کی آمیزش سے اور قیمتی فلزات کی قدر و قیمت کے تغیرات سے ملک کے مختلف اغراض پر جو اثرات پڑے ان پر تاریخ وار روشنی ڈالی ہے۔ اس کے زمانے میں زرعی زمینیں عام طور پر رمنے اور چراگاہیں بن رہی تھیں، اس رجحان کو

---

[1] Brief conception of English Policy

وہ قانون غلّہ کی طرف منسوب کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ غلّے کی برآمد پر جو بندشیں قائم تھیں انھیں کا یہ کرشمہ ہے، چنانچہ وہ ان بندشوں کو ہٹانے کی خواہش ظاہر کرتا ہے۔ جہاں تک مصنوعات کا تعلق ہے مصنف وہی خیالات ظاہر کرتا ہے جو کہ بعد کے تجارئین نے ظاہر کیے یعنی جو اشیاء ملک کے اندر بآسانی تیار کئے جاسکتے ہیں، اس قسم کے اشیاء کی درآمد کو قطعاً روکنے کے بارے میں وہ زور دیتا ہے اور جن ملکی اشیائے خام کو ممالک غیر طلب کرتے ہیں اور اُن سے مصنوعات تیار کرکے واپس بھیجتے ہیں اُن کی برآمد کو ممنوع قرار دینے کی تحریک کرتا ہے۔

جرمنی کے ایک نامعلوم مصنف کی کتاب۔ زر کے مسئلے کے بارے میں جرمنی میں بھی ایک کتاب شائع ہوئی اور اس ملک میں یہ کتاب معاشیات کی سب سے پہلی مشہور تصنیف ہے جو قومی رنگ میں اور ملک کی زبان میں لکھی گئی، ہوا یہ تھا کہ ۱۵۳۰ء میں کہ سکسنی میں ارنسٹ خاندان کے فرماں رواؤں نے سکۂ رائج الوقت میں آمیزش کرنے کی کارروائی اختیار کی اور شاخ البرٹ نے اس حرکت کو اپنی سنجیدہ حکمت عملی کے خلاف ثابت کرنے اور اس سے اظہار تنفر کرنے کی غرض سے ایک مختصر سا مضمون مرتب کروایا جو بعد میں ایک مشہور کتاب کی صورت میں شائع ہوا، اس کتاب میں جو دلائل پیش کیے گئے اُن کی تردید کرنے کی غرض سے اگرچہ ارنسٹ خاندان نے بھی ایک رسالہ مرتب کیا جس کا جواب الجواب البرٹ خاندان کی طرف سے دوبارہ شائع ہوا، مگر واقعہ یہ ہے جیسا کہ روشر کا قول ہے، کہ ارنسٹی رسالہ غیر ادیبانہ، بے مغز اور سوفسطائیہ رنگ کا ہے اور اس کو دلچسپ صرف اس اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ مس کی تصنیف سے تقریباً ایک سو سال قبل اور یودان کی تصنیف سے ۴۶ سال قبل کے اساسی اصول تجاریت بھی اس میں بیان کئے گئے

میں باقی اور کوئی دلچسپی اس میں نہیں ہے، اس کے برعکس البرٹ خاندان کی کتاب میں بقول روشر قومیت کا رنگ نظر آتا ہے، ملک کی دولت پر اور زر و تجارت کی نوعیت پر قومی نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے، اور معاشی معاملات میں حکومت کا جو طرز عمل ہونا چاہیے اُس کے بارے میں اس قدر سنجیدہ طریقے سے خیالات ظاہر کیے گئے ہیں کہ روشر نامعلوم مصنف کو ریلیے اور سولھویں اور سترھویں صدی کے آخر کے دو سرے مشہور انگریز حامیان مستعمرات کا ہم پلّہ قرار دیتا ہے۔ 44

نکولاس کوپرنی کس۔ اسی بحث زر کے سلسلے میں ہم ایک بلند پایہ مصنف کوپرنی کس سے متعارف ہوتے ہیں، شاہ سگس منڈاول کی فرمائش پر اُس نے ایک کتاب[1] تصنیف کی جو پہلی مرتبہ ۱۸۱۶ء میں طبع ہوئی، پولینڈ کے صوبوں میں پروشیا کی حکمرانی تھی اور ان میں مختلف قسم کے سکے رائج تھے، اس کتاب میں اُنھیں نقائص کے دور کرنے کے بارے میں اصلاحی تجاویز اور اُصول بیان کیے گئے ہیں، مصنف پوری ریاست میں واحد طریق زر کو رواج دینے کے بارے میں زور دیتا ہے بشرطیکہ سکے کے خالص رکھنے کا خاص طور پر اہتمام کیا جائے اور سکوں پر اُسی قدر محصول لیا جائے جس قدر کہ مصارف تسکیک کے لیے درکار ہو۔

انٹونیو سیرا۔ بعض لوگ انٹونیو سیرا کو معاشیات جدید کا بانی مبانی قرار دیتے ہیں، انٹونیو سیرا کیلب ریا میں ایک مقام کوسن زا کا باشندہ تھا، اُس نے ایک کتاب[2] اپنے زمانۂ قید میں

[1] De Monetai cudendae Ratione (1526)

[2] Breve Tratto delle causi che Ponous fare abbonden li regin d'argento done non send miniere. (1613)

تصنیف کی جو ۱۶۰۱ء میں شائع ہوئی ۔ اُس کی اسیری کا باعث یہ الزام خیال کیا جاتا ہے کہ اُس نے کمپانیلا کی سازش میں حصہ لیا تھا جس کا مقصد نیپلس کو ہسپانیہ والوں کے جوے سے آزادی دلانا اور ایک جمہوری حکومت کا قائم کرنا تھا ۔ اُس کی مذکورۂ بالا تصنیف تقریباً ایک صدی تک غیر معروف رہی ۔ جب گیلیانی اور دوسرے مصنّفوں نے اس کی طرف لوگوں کو متوجّہ کرایا تو وہ منظرِ عام پر آئی ۔ کتاب کے عنوان ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنّف اُصول تجاریت کا مقلّد ہے اور حقیقت یہ ہے مصنّف نے اپنی کتاب میں تجاریت کے اساسی اصول کی نہایت باضابطہ اور مسلسل طریقے پر تشریح کی ہے ۔ مصنّف اس امر پر زور دیتا ہے کہ صنعت کا درجہ زراعت سے افضل ہے اور صنعت ہی قومی دولت کا ذریعہ ہے ۔ چنانچہ جنیوا، فلورنس اور وینس کی خوشحالی کی مثال دے کر یہ ثابت کر دکھاتا ہے کہ شہر صرف صنعتی ترقی کی بدولت اس درجہ متموّل بنے اور اسکے برعکس نیپلس کی پست حالت کو مقابلے میں پیش کرتا ہے ۔ مصنف دوسرے اکثر تجارئین کے مقابلے میں اس لحاظ سے زیادہ صاحب بصیرت معلوم ہوتا ہے کہ وہ دولت کے اکتساب اور افزائش کے لیے صرف خارجی حالات کی موافقت ہی کو ضروری نہیں سمجھتا بلکہ مستحکم حکومت کی موجودگی اور رائج الوقت قوانین کے احترام کی ضرورت نیز افراد کے محنتی اور جفاکش ہونے کی اہمیت پر بہت زور دیتا ہے

45 | مانٹ کرے تین دی واٹ وِلے | معاشیات کی سب سے پہلی باقاعدہ تصنیف ایک فرانسیسی مصنّف مانٹ کرے تین دی واٹ وِلے نے لکھی جو ۱۶۱۵ء میں شائع ہوئی[1] بقول رو شر، مانٹ کری تین نے

[1] کتاب کا نام Trait dl'economie Politique. ہے ۱۶۲۱ء میں مان کری تین نے

سب سے بڑی خدمت یہ انجام دی کہ کتاب کا عنوان قائم کر کے علم
کو پہلی مرتبہ اس نام سے نامزد کیا، کیونکہ خود بیکن بھی اس سے قبل
لفظ "اکنامیا" سے محض "انتظام خانہ داری" کا نظریہ مراد لیتا تھا۔
اگرچہ تصنیف کا نام نہایت جامع ہے، لیکن تصنیف میں صرف
صنعتی فنون، جہاز رانی، تجارت اور مالیات ہی پر روشنی ڈالی گئی ہے
اور زراعت کو بالکل نظر انداز کیا گیا ہے۔ اس سے اُس زمانے کے
رنگ کا پتا چلتا ہے کہ عام رجحانات اور مقاصد کیا تھے تجارت خارجہ اور
نوآبادیات کی نسبت عام جوش و خروش پھیلا ہوا تھا، مصنف کا
اس سے متاثر ہونا ایک لازمی امر تھا۔ مصنف اس امر پر نہایت
شد و مد کے ساتھ زور دیتا ہے کہ بادشاہ اپنے ملک کی صنعت
و حرفت کی نگرانی کریں، ہسپانیہ، ہالینڈ اور پرتگال کی حکومتوں نے
اپنے اپنے ملکوں میں تجارت کے بارے میں حد سے زیادہ
آزادی دے رکھی تھی، مصنف اس حکمت عملی کو حکومتوں کے
حق میں مضرت رساں ثابت کرتا ہے، اور اس لحاظ سے اس حکمت عملی
سے اختلاف ظاہر کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ یہ کتاب فرانسیسی زبان میں
نظام تجارت کے اُصول کی ایک باقاعدہ شرح سمجھی جا سکتی ہے۔

ٹامس من۔
ٹامس من نے اسی کے مماثل خدمت انگلستان میں انجام
دی۔ نظریۂ توازن تجارت کی اس نے سب سے پہلے
نہایت صاف اور باقاعدہ تشریح کی اور یہ اُس کی دو کتابوں میں
موجود ہے، پہلی کتاب[1] دوسری مرتبہ ۱۶۲۱ء میں شائع ہوئی اور دوسری کتاب[2]

بقیۂ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ نارمنڈی میں علم بغاوت بلند کیا اور گلا دو ترگو کے ہاتھوں جو ترگو اعظم کے
خاندان سے تھا، مع اپنے چند رفقا کے قتل ہوا ۱۲۱۔

[1] A discourse of Trade from England into the East Indie (1621)

[2] England's Treasure by Foreign trade

اُس کے مرنے کے بعد ۱۶۶۴ء میں طبع ہوئی ۔ ان کتابوں میں مصنّف نے اُن ذرائع و اسباب کا بھی ذکر کیا ہے جن کی بنا پر "توازن" انگلستان کے موافق ہو سکتا تھا ' مَن حکومت کی معاشی حکمتِ عملی کا سب سے بڑا مقصد یہ بتاتا ہے کہ مصنوعات کی برآمد' اشیائے خام کی درآمد اور تجارت حمل ونقل پر حکومت اپنی نگرانی قائم کرے اور چنگی کے محصول کا انتظام اپنے ہاتھ میں اس طرح پر رکھے کہ بیرونی ممالک سے روپیہ کھینچ کر ملک کے اندر آتا رہے' بایں ہم وہ بدیسی اشیا کی درآمد کے مبادلے میں سکّے کی برآمد پر بندشیں قائم کرنے کا مخالف ہے اور اپنے عام اُصول کے مطابق صرف اس شرط سے بدیسی اشیا کی درآمد کو جائز رکھتا ہے کہ اُن سے مصنوعات تیار کرکے دوبارہ برآمد کیجائیں اور بدیسی اشیا کے خریدنے میں جو قیمت دینی پڑے اُس سے زیادہ ان مصنوعات سے وصول ہو جائے اور اس طرح ملک کو سونا چاندی وصول ہو۔ بدیسی اشیا کے خریدنے میں زر کی جو برآمد کرنی پڑتی ہے اُس کو مصنّف تخم ریزی سے مشابہت دیتا ہے اور مصنوعات کی دوبارہ برآمد سے زائد رقم جو واپس مل جاتی ہے اُس کو فصل کی کٹائی سے تعبیر کرتا ہے' اشیا کی گرانی کا سبب مقدار زر کے اضافے کو بتاتا ہے اور زیادہ مقدار میں زر کا رائج کرنا اس وجہ سے بھی خلاف مصلحت سمجھتا ہے کہ گرانی کے سبب سے بیرونی ممالک میں ملکی اشیا بہت کم فروخت ہوں گے ۔ لیکن مصنّف سرکاری خزانے کے قیام و انتظام کے بارے میں زور دیتا ہے۔

سر جوشیا چائلڈ۔ سر جوشیا چائلڈ ایک نہایت مشہور اعتدال پسند تجاری ہے اور اُن اشخاص میں سے ہے کہ جنھوں نے ہالینڈ کو نمونہ قرار دے کر اپنے ہم وطنوں کو اُس کی تقلید پر

اُبھارا، جہاں تک سود کا تعلق ہے، سر جوشیا چائلڈ کم سے کم شرح کو نہ صرف قومی دولت کے لیے بلکہ عام مرفہ الحالی کے لیے بھی مفید سمجھتا ہے، چنانچہ ولندیزوں کی دولت و ثروت کا سبب اور راز کم شرح سود کو قرار دیتا ہے۔ اُس کے نزدیک سود کو تجارت و زراعت سے وہی نسبت ہے جو کہ روح کو جسم سے ہے۔ وہ بجائے یہ خیال کرنے کے کہ ادنیٰ شرح کے رواج کا مدار حالات معین پر ہے جو از خود نمودار ہوتے ہیں اور جن میں دست اندازی نہ کرنی چاہیے وہ یہ خیال کرتا ہے کہ حکومت کو شرح سود کو کم کرنے کا انتظام واہتمام کرنا چاہیے۔ چائلڈ اگرچہ اصول توازن تجارت کو تسلیم کرتا ہے پھر بھی یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ قوم بدیسیوں سے اشیا خریدے بغیر کبھی اُن کو اپنا مال ہمیشہ فروخت نہیں کر سکتی اور اس خیال کی بھی تردید کرتا ہے کہ سونے چاندی کی برآمد لازمی طور پر نقصان رساں ہے۔ مثل سب تجارئین کے وہ بھی کثیر آبادی کا طرفدار ہے۔ جہاں تک مادر ملک اور نو آبادیات کی تجارت کا تعلق ہے، وہ اس امر کی وکالت کرتا ہے کہ مادر ملک بلا شرکت غیرے تجارت کرنے کا حق اپنے ہی لیے محفوظ رکھے اور اس بارے میں بعض تجارتی کمپنیوں کو چند شرائط کے تحت خاص حقوق عطا کرنے کے لیے زور دیتا ہے، قانون جہاز رانی کے بارے میں اس کا تصور بعینہ وہی ہے جو کہ بعد میں چل کر آدم اسمتھ نے قائم کیا یعنی وہ اس قانون کو معاشی اعتبار سے اس قدر منفعت بخش نہیں خیال کرتا جس قدر کہ سیاسی لحاظ سے اہم سمجھتا ہے۔ اُس کے خیالات کسی قدر انتخابیت کی طرف مائل نظر آتے ہیں، لیکن اُس کو اٹھارھویں صدی کے آزاد تجارتی مسلک کا صحیح معنوں میں پیش رو نہیں کہا جا سکتا اگرچہ بعضوں نے اُس کی طرف یہ خصوصیت منسوب کی ہے۔

سرولیم ٹمپل اور چارلس ڈیوناننت

یہاں پر دو مصنف سرولیم ٹمپل اور چارلس ڈیوناننت بھی اس لحاظ سے قابل ذکر ہیں کہ ان کا رجحان انتخابیت کی طرف ہے۔ اگرچہ اُن کے خیالات بالعموم صحیح ہوتے ہیں مگر بعض اوقات اُن میں تجارتی تعصبات کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔ ولیم ٹمپل کی ایک کتاب صوبہ ہائے ہالینڈ پر ایک نظر" ۱۶۷۲ء میں شائع ہوئی اور ایک مضمون "تجارت آئرلینڈ پر" ۱۶۷۳ء میں شائع ہوا[1]۔ ان میں مصنف نے معاشیات کے اساسی اصول، مزدوروں کے فرائض اور پیدائش دولت میں پس اندازی کی اہمیت کو بہت اچھے اور سنجیدہ طور سے بیان کیا ہے، لیکن اسی کے ساتھ نظریۂ توازن تجارت کے بارے میں جو عام غلط فہمی پھیلی ہوئی تھی اُس میں وہ بھی مبتلا نظر آتا ہے، چنانچہ جہاں تک معاشی حکمت عملی کا تعلق ہے، رسیلے اور چائلڈ کی اتباع میں وہ اپنے ہم وطنوں کو ولندیزوں کی مثال کی تقلید کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ چونکہ وہ ہالینڈ میں ایک مدت دراز تک سفیر کی حیثیت سے رہا تھا اور اُس کو بچشم خود حالات کا مشاہدہ کرنے کا موقع ملا تھا اور اُن سے وہ متاثر ہوا، اسی بنا پر اُس نے اپنے ہم وطنوں کو تقلید کا مشورہ دیا۔ ڈیوناننت کا ایک مضمون[2] "مشرقی ہند کی تجارت" ۱۶۹۶ء میں شائع ہوا اور دوسرا مضمون "توازن تجارت سے کیونکر نفع حاصل کیا جا سکتا ہے"[3] ۱۶۹۹ء میں شائع ہوا، ڈیوناننت بھی انتخابیت کے رنگ میں

---

[1] Essay on the Trade of Ireland (1673)

[2] Essay on ths East India Trade (1696-97)

[3] Essay on the Probable ways of making the people gainers in the Balance of Trace (1699)

ڈوبا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ ان مضامین میں اُس نے دولت وزر کے بارے میں بعض صحیح خیالات کا اظہار کیا ہے۔ لیکن تجارت کا جہاں تک تعلق ہے اُس پر اُصول تجاریت کا اثر غالب نظر آتا ہے یعنی وہ اندرون ملک تجارت آزادی کی پُرزور وکالت کرتا ہے اور اسی کے ساتھ نوآبادیات کی تجارت پر بندشیں قائم کرنے کے بارے میں حکومت سے شد و مد کے ساتھ سفارش کرتا ہے۔

اصول تجاریت کا زوال اور سلبی تحریک کا نشو ونما۔

اگرچہ نظام تجاریت سے سترھویں صدی کے معاشی خیالات کے طرز کی نمائندگی ہوتی تھی اور یہی نظام میدان سیاسیات میں ہر طرف چھایا ہوا تھا، مگر اسی کے پہلو بہ پہلو نئے خیالات بھی پیدا ہو رہے تھے اور یہ خیالات اُصول تجاریت سے نہ صرف مختلف بلکہ اُس کے متضاد تھے اور انجام کار یہی نظام تجاریت کا استیصال کرنے والے ثابت ہوئے۔ ان معاشی خیالات کا نشو ونما انگلستان میں ہوا اور ایک صدی بعد اُن کو فرانس میں قبولیت عام حاصل ہوئی اور اُن کا اثر اس قدر بڑھا کہ وہ سیاسیات میں ایک قوت بن گئے۔ ان خیالات کا پہلے انگلستان میں عملی جامہ پہننا اور اس کے بعد فرانس کے اہل قلم کے ذریعے سے یورپ میں اُن کی توسیع، ترویج و اشاعت کا ہونا بعینہٖ اُسی سلسلے کے تحت تھا جس سلسلے کے تحت اخلاقیات و سیاسیات میں عام سلبی اُصول کی تحریک پھیلی تھی، یعنی سلبی تحریک کا آغاز بھی انگلستان ہی میں ہوا مگر فرانس کی آغوش میں پرورش پا کر وہ بسرعت تمام مہذب دُنیا میں پھیل گئی، غرض انگلستان میں معاشی خیالات کی نئی تحریک نے یہ شکل اختیار کی کہ واقعات و خیالات کی زیادہ صحیح طریقے پر تحلیل کی جاتی تھی اور اس کی بنیاد پر مروجہ معاشی اُصول پر فرداً فرداً نکتہ چینی کی جاتی تھی، فرانس میں اسکے برعکس

48

اس تحریک میں معاشری جذبات پوری قوت کے ساتھ داخل ہو گئے اور تحریک ایک گروہ کا خاص مسلک و مشرب بن گئی، چنانچہ اس مسلک کے پیروؤں نے موجود الوقت آئین و رواج کے خلاف سخت احتجاج کیا اور عملی اصلاح کا فوری مطالبہ کیا۔

نئی تحریک کے خصوصیات نظری اعتبار سے دیکھا جائے تو نئی تحریک میں حسب ذیل ممتاز خصوصیات پائے جاتے ہیں:۔

(ا) انتہاپسند تجاریین یہ تصور کرتے تھے کہ قومی دولت کا مدار سیم و طلا کی فراہمی پر ہے، نئی تحریک نے اس کی تردید کی اور انسان کی محنت اور خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو دولت کا اصلی ذریعہ بتایا۔

(ب) تجاریین مصنوعات اور تجارت خارجہ کو بہت زیادہ اہم سمجھتے تھے اور اس کی اہمیت ثابت کرنے کے لیے بہت زیادہ مبالغہ آمیزی سے کام لیتے تھے، نئی تحریک نے افراط تفریط دونوں سے بچ کر اعتدال کا راستہ اختیار کیا، زراعت کی ناقدری کے خلاف صدا بلند کی اور زراعت کو ایک کامیاب فن اور پیشہ بنانے کے بارے میں تجاویز پیش کیے۔

(ج) اصول تجاریت کے لحاظ سے "موافق توازن تجارت" کا حاصل کرنا کسی قوم یا مدبر سیاست کا حقیقی مقصد تھا مگر نئی تحریک میں کل آبادی کی جملہ ضروریات زندگی کو پورا کرنا اور سہولتیں بہم پہنچانا مقصد بتایا گیا ہے۔

(د) حامیان اصول تجاریت نے تجارت خارجہ پر بندشیں قائم کرنے اور ملک کی تجارت کو ترقی دینے کی غرض سے متعدد تجاویز پیش کیے تھے مثلاً تامینی محصول لگانا، یا امداد دینا، اجارے دینا اور تجارتی کمپنیوں کو خاص حقوق عطا کرنا وغیرہ اور یورپ کی حکومتیں صنعت و تجارت کے مفروضہ اغراض کی تکمیل کی غرض سے

انھیں آلات سے کام لیتی تھیں، ان سب تدابیر کو نئے مسلک نے محض فضول وبیکار ٹھہرایا اور ثابت کیا کہ یہ تدابیر صنعتی وتجارتی ترقی میں ممد ومعاون ہونے کی بجائے اُن کے لیے سدِّراہ ہیں، اور صنعتی وتجارتی آزادی پر نہایت شد ومد کے ساتھ زور دیا۔

نئی تحریک کے حامی

اس میں شک نہیں کہ یہ نئے خیالات صرف تدریج رونما ہوئے اور اسی لیے اُن کے اوّلین نمایندے اُن کو نامکمل سمجھ کر احتیاط کے ساتھ اُن کی وکالت کرتے رہے، مگر ان خیالات کی اہمیت روز بروز بڑھتی ہی گئی اور اعلیٰ ترین دماغ اُن کی پیروی اور وکالت پر کمربستہ ہونے لگے اور ذی فہم عوام میں بھی اُن کے پیروؤں کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔

ہابس

ان نئے رجحانات سے بعض مصنفوں کی تصانیف بھی متاثر نظر آتی ہیں چنانچہ ہابس کی دو کتابوں[1] میں بھی کہیں کہیں اس کا ثبوت ملتا ہے، ہابس ایک بلند پایہ فلسفی تھا اور اُس کا کمال زیادہ تر عام فلسفے میں ظاہر ہوتا ہے، اس نے سب سے پہلے سلبی اُصول کی تنظیم کی اور اس کے بعد موجود الوقت معاشری نظام کے انہدام کے لیے ایک قوی تحریک پیدا کر دی، اور یہی تحریک جیساکہ ہم کو آگے چل کر معلوم ہوگا، نہ صرف سیاسی بلکہ معاشی شعبے میں بھی نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔ 40

سر ولیم پٹی

سر ولیم پٹی کے تصانیف کا دائرہ تو وسیع نہ تھا، مگر وہ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ہوشمند اور فہمیدہ تھا۔ اُس نے متعدد مضامین تحریر کیے اور ان میں صحیح طریقے پر معاشی اُصول کی تحلیل کی وہ اپنی تمام تحریروں میں اس

لہ (1) De cive

(2) Leviathan

اُصول پر زور دیتا ہے کہ "محنت، دولت کا باپ اور زمین دولت کی ماں ہے" وہ محنت کو دو حصّوں پر تقسیم کرتا ہے ایک تو پیدا آور محنت، جو مفید مادّی اشیا تیار کرے اور دوسرے غیر پیدا آور محنت، جو کوئی افادہ پیدا نہ کرے۔ پیٹی کو اس لحاظ سے ریکارڈو کا پیش رو کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس امر کا قائل ہے کہ کسی شے کی قدر وقیمت کا دار و مدار مقدارِ محنت پر ہے جو اُس شے کی تیاری میں صرف ہوتی ہے، وہ قدر وقیمت کا ایک عام پیمانہ بنانے کا خواہاں ہے اور اس بارے میں جو معیار تجویز کرتا ہے وہ ایک شخص واحد کے ضروریات حیات پوری کرنے والی ارزاں ترین اور اوسط درجہ کی غذا ہے، لگان کی نوعیت کے بارے میں اُس کا تصوّر بالکل صحیح ہے۔ وہ لگان کو ماحصل زائد سمجھتا ہے جو قیمت پیداوار میں سے مصارف پیدائش منہا کرنے کے بعد باقی بچ رہے، شرح سود کے بارے میں حکومتوں کا طرز عمل عام طور پر یہ تھا کہ حکومت بیشترین شرح سود کا تعین کرتی تھی۔ پیٹی اس طرز عمل کی مخالفت اور صنعتی معاملات میں سرکاری مداخلت کو ناپسند کرتا ہے زر کے رواج کے بارے میں وہ یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ ہر ملک کو اپنے تجارتی اغراض کے لیے زر کی ایک محدود و معین مقدار کی ضرورت رہتی ہے اور اس مقدار میں زیادتی ممکن ہے کہ باعث نقصان ہو۔ اسی لیے سونے چاندی کی برآمد پر بندشیں قائم کرنے کے بارے میں اختلاف کرتا ہے، وہ اس امر کو نہایت ضروری سمجھتا ہے کہ سونے چاندی میں سے صرف ایک دھات بطور زر کے رائج رہے اور دوسری دھات مثل دیگر اشیائے تجارت کے رکھی جائے۔ پیٹی کا نام علم اعداد و شمار کی ترقی کے ضمن میں خاص طور پر پیش کیا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ پیٹی نے اس فن کی تحقیقات میں اپنا بہت سا قیمتی وقت صرف کیا اور اُس کو ایک علم کے مرتبے تک پہنچانے کی

کوشش کی، چنانچہ اُس نے اس علم کا نام "سیاسی علم الحساب" رکھا[1]
چنانچہ پیٹی محض اپنی عددی تحقیقات پر بھروسا کر کے اُس متحدہ خیال
کی تردید کرتا ہے جو برطانیہ لینگ وِنس کے مصنف فارٹ رسے
روجر کوک وغیرہ مشہور مبصروں نے پیش کیا تھا اور جس میں انگلستان
کی خوشحالی کو تنزل پذیر بتایا گیا تھا۔

سر ڈڈلے نارتھ

اُس زمانے میں تجارت پر بندشیں قائم کرنے کا
طریق عام ہو گیا تھا اور انقلاب نے اس کا اثر
اور بھی زیادہ محکم اور قوی کر دیا تھا، سر ڈڈلے نارتھ اس کا سخت
مخالف ہے اور آزاد تجارت کے اُصول کو نہایت پرزور اور
مکمل طریقے سے اپنی کتاب[2] "مباحث تجارت" میں پیش کرتا ہے،
یہ کتاب سنہ ۱۶۹۱ء میں شائع ہوئی، مصنف ثابت کرتا ہے کہ دولت
کا وجود بغیر سونے چاندی کے ممکن ہے یعنی سونے چاندی پر
دولت کا انحصار نہیں بلکہ انسان کی محنت، خواہ وہ زمین کی کاشت،
میں صرف ہو یا مصنوعات کی تیاری میں، دولت کا اصلی ذریعہ ہے
اور سونا چاندی قومی دولت کا ایک عنصر ہیں، جو نہایت اہم خدمات
انجام دیتے ہیں اور زر کے بارے میں حسب ذیل خیالات
ظاہر کرتا ہے کہ:- ایک ہی ملک میں مختلف اوقات میں زر
کی افراط و تفریط دونوں ممکن ہیں اور تجارتی اغراض کے لیے جتنا
زر درکار ہوتا ہے اُس کی مقداریں حالات کے لحاظ سے تغیر
ہوتا رہتا ہے۔ اور ان کا مد و جزر حالات کا تابع ہوتا ہے، زر کی
قلت تجارت میں جمود نہیں پیدا کرتی بلکہ اس جمود کے یہ اسباب
ہیں۔(۱) ملک کی منڈیوں میں اشیا کی افراط (۲) تجارت خارجہ کی

50

[1] Brittania Languens (1680)

[2] Discourses upon Trade (1691)

بدنظمی (۳) افلاس کی وجہ سے اشیاء کی مانگ اور صرف میں کمی، اور اشیاء کی درآمد میں زر کے برآمد کرنے سے اس کی دانست میں بجائے قومی دولت میں تخفیف ہونے کے اضافہ ہوتا ہے، اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتا ہے کہ تجارت میں زوائد کا مبادلہ ہوتا ہے یعنی فالتو اور غیر ضروری اشیاء کے مبادلے میں مفید اور بکار آمد اشیاء حاصل کیے جاتے ہیں۔ بقول مصنف قوموں کا تعلق عالم سے ایسا ہی ہے جیسا کہ شہر کا ملک سے یا خاندان کا شہر سے۔ نارتھ اپنے پیش روؤں کے مقابلے میں تجارت داخلی پر بہت زیادہ زور دیتا ہے۔ سود کو وہ اصل کی قیمت سمجھتا ہے جو مثل دوسرے اشیاء کی قیمت کے، قانون طلب کی بنا پر قرار پاتی ہے یعنی اصل کے اضافے سے شرح سود میں تخفیف ہوتی ہے اور اصل کی تخفیف شرح سود کو اعلیٰ کرتی ہے۔ چائلڈ وغیرہ کے برعکس نارتھ یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ شرح سود کے تعین میں سرکاری مداخلت کبھی کارگر نہیں ہو سکتی، آزاد تجارت کے سوال پر روشنی ڈالتے ہوئے وہ یہ رائے زنی کرتا ہے کہ اکثر افراد اپنے ذاتی مفاد کو خیر و شر کا معیار قرار دیتے ہیں اور ذاتی مفاد کے مدنظر دوسروں کو خرید و فروخت کے مساوی حقوق سے محروم رکھنا چاہتے ہیں، لیکن کسی ایک مفاد یا شعبۂ تجارت کو دوسرے مفاد یا شعبۂ تجارت پر ترجیح دینا عوام کے حق میں مضرت رساں ہے، عوام کے لیے کوئی تجارت فائدے سے خالی نہیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ترک کر دی جاتی۔ جوں جوں تجارت ترقی کرتی جاتی ہے عوام بھی ترقی کرتے ہیں اور عوام کی ترقی سے تجارت کو فروغ ہوتا ہے، قیمتوں کا آپ سے آپ قرار پانا ضروری ہے، قانون ان کو مقرر نہیں کر سکتا اور جبری مداخلت کا نتیجہ بجائے فائدے کے الٹا نقصان ہوتا ہے، حکومت کے قاعدے قانون کسی قوم کو متمول نہیں بنا سکتے

بلکہ صرف امن عامہ، صنعتی آزادی اور معاشی جدوجہد سے تمول بڑھتا ہے۔ اس خلاصے سے ظاہر ہو جائے گا کہ نارتھ کا نقطۂ نظر 51 اُن خیالات سے کس قدر ملتا جلتا ہے جن کا اظہار آدم اسمتھ نے ۸۰ سال کے بعد اپنی مشہور کتاب میں کیا۔

جان لاک یوں تو لاک نے متعدد کتابیں تصنیف کیں مگر معاشیات میں اُس کی دو کتابیں خاص طور پر مشہور ہیں جو ۱۶۹۱ء اور ۱۶۹۵ء میں علی الترتیب شائع ہوئیں۔ روشر، لاک کو پیٹی اور نارتھ کا ہم پلہ قرار دیتا ہے اور یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ اس زمانے میں انگلستان میں علمائے معاشیات کا یہی اتحادِ ثلاثہ تھا جس نے ایک نئے نظریے کی بنیاد قائم کی جو تجارئین کے نظریئے سے زیادہ معقول تھا۔ لیکن روشر کا آخری قول بظاہر بہت کچھ قطع و برید کے بعد تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ لاک کی مذکور الصدر کتابوں کے حوالے سے ایک تنزیہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ مصنف نے انتہائے ذہانت صرف کر کے مختلف مسائل پر نہایت پُر مغز بحث کی ہے مگر اس رائے کو بھی قطعی طور پر تسلیم کر لینا کسی قدر مشکل ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ لاک میں بہت صحیح اور سنجیدہ طریقے پر مشاہدات کرنے کا مادہ تھا اور اُس نے تفصیلی طور پر واقعات و اصول کی تحلیلات کیں اور اُن کی مدد سے بعض صحیح نتائج تک پہنچا چنانچہ اُس کا یہ طرزِ عمل بھی قابلِ تعریف اور مستحقِ داد ہے کہ بعض عملی تجربہ رکھنے والے ماہروں کی وکالت کے باوجود اُس نے سکے میں آمیزش کرنے کے بارے میں سخت اختلاف کیا اور اپنی حد تک اُس کو روکنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ بعض ایسی غلطیاں بھی کر جاتا ہے

(1) Considerations of the lowering of Interest and raising the value of money (1691) (2) Further considerations (1695)

جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس میں کچھ کچھ تجارئین کے خیالات کا اثر باقی ہے، چنانچہ وہ زر کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے اور دولت میں صرف سونے، چاندی کو شمار کرتا ہے کہ گویا ایک ملک صرف اُسی وقت دولتمند کہلاسکتا ہے جبکہ اُس کے پاس بہ نسبت دوسرے ملکوں یا ہمسایوں کے قیمتی فلز زیادہ مقدار میں موجود ہوں۔ لاک بیان کرتا ہے کہ اگر کوئی ملک دولتمند بننا چاہے اور اُس میں معدنیات نہ ہوں کہ قیمتی فلز ہاتھ آسکیں تو دولت حاصل کرنے کی غرض سے اُس ملک کو تجارت کرنی چاہیے یا ملک گیری کرنی چاہیے، چنانچہ اسی بنا پر وہ نظریۂ توازن تجارت کا قائل ہے، وہ شرح سود کے تعین کے بارے میں چائلڈ کے برعکس یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ قانونی مداخلت ہرگز کارگر نہیں ہوسکتی یعنی جس طرح جہازوں اور مکانوں کا کرایہ بذریعہ قانون مقرر نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح سود کی شرح کا معین کرنا بھی تحصیل حاصل ہے، لیکن اس زمانے میں شرح سود میں جو عام تخفیف ہوئی اُس کو وہ غلطی سے سونے، چاندی کی مقدار کے اضافے کی طرف منسوب کرتا ہے جو کہ امریکہ کی معدنیات کے دریافت سے ہوا تھا، گنجان آبادی کو بہت زیادہ قطعی طور پر اہمیت دیتا ہے اور اس لحاظ سے پیٹی کا بالکل ہم خیال ہے، اُجرت کے بارے میں یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ اُجرت اتنی ہونی چاہیے جس سے مزدور کی ناگزیر ضروریات پوری ہوجائیں اور بس، جب اشیائے خورونوش کی قیمتوں میں اضافہ ہوگا تو اُجرت کی شرح بھی اسی تناسب سے لازمی طور پر بڑھانی چاہیے ورنہ مزدور خیراتی فنڈ کا محتاج ہوجائے گا۔ اُس کے نزدیک زمین کے لگان میں تخفیف، قومی دولت کی تنزل پذیری کی بین علامت ہے۔ محصول کا جہاں تک تعلق ہے وہ یہ قضیہ پیش کرتا ہے کہ "ایک ایسے ملک میں جس کی آمدنی کا دارومدار بیشتر زمین پر ہو، اگر کسی شخص پر محصول عائد کیا جائے خواہ وہ کسی طریق پر

52

کیوں نہو، تو اُس محصول کا بار انجام کار بڑی حد تک زمین ہی پر پڑے گا۔"
اس قضیے میں فطرآئیوں کے "محصول مفرد" کی جھلک سی نظر آتی ہے،
لاک نے جو کچھ بھی معاشی خدمت براہ راست انجام دی، ظاہر ہے
لیکن مثل ہابس کے اُس کی اصلی اہمیت کا سبب اُس کے عام فلسفیانہ
اور سیاسی اُصول تھے، یہی وہ اُصول تھے جن کا فرانس اور یورپ کے
دوسرے ممالک کے خیالات پر نہایت قوی اثر پڑا، انھیں اُصول
نے حکومت کی بے ضابطہ مداخلت کے خلاف زبردست ہیجان
پیدا کیا اور انھیں اُصول نے اس قضیے کی بنیاد قائم کی جو "معاہدۂ معاشری"
کی مکمل شکل میں رونما ہوا۔

(الف)

پانچواں باب

عہد جدید: تیسرا دور

فطری آزادی کا نظام

آدم اسمتھ کی پیدائش سے قبل

یورپ

(۱) عہد جدید کے خصوصیات (۲) نئی تحریک (۳) فطرآئینی مسلک (۴) اُس کے سیاسی اُصول (۵) معاشی اصول (۶) فرانس (۷) اطالیہ (۸) ہسپانیہ (۹) جرمنی (۱۰) ہالینڈ۔

دو اہم تغیرات اور اُن کا اثر۔ تیسرے دور میں صنعتی شعبے کے اندرونی نظام میں دو تغیرات عمل میں آئے :-

(۱) بینک کا کاروبار عام تجارتی معاملات سے علیٰحدہ کردیا گیا، خصوصاً قرضوں کا لین دین شروع ہوجانے سے اس کاروبار میں گوناگوں وسعت پیدا ہوگئی۔

(۲) نئی نئی کلیں ایجاد ہوئیں اور عمل پیدائش میں اُن سے کام

لیا جانے لگا، حتی کہ اٹھارھویں صدی کا نصف اوّل حصّہ گزرنے کے بعد کلوں نے بہت خاصی اہمیت حاصل کر لی۔ کلوں کے رواج کے باعث اس میں شک نہیں کہ مزدوری پیشہ طبقے کو مضمحل کر دینے والی اور ادنیٰ قسم کی جسمانی محنت سے بہت کچھ نجات مل گئی اور ان کا ذاتی وقار پہلے سے بہت زیادہ بڑھ گیا مگر اس کا اثر دوسری طرف یہ ہوا کہ آجروں اور مزدوروں کے تعلقات میں پہلے سے بہت زیادہ کشیدگی پیدا ہو گئی اور اس طرح یہ امر ثابت و واضح ہو گیا کہ صنعت کی باقاعدہ تنظیم کے لیے اخلاقی اصلاح پہلی اور ضروری شرط ہے۔

سیاسیات و صنعت کے تعلق میں تغیر سیاسیات سے صنعت کے لگاؤ کا جہاں تک تعلق ہے اس میں بھی اب ایک نمایاں تغیر واقع ہوا، گزشتہ دور میں یورپ کی حکومتیں صنعت کو فوجی تسلط و تفوق کا آلہ بنانا چاہتی تھیں اور اسی غرض سے صنعت کی باقاعدہ طور پر حوصلہ افزائی کرتی رہیں، اب اس کے برعکس اس دور میں فوجی جوش و خروش دب گیا، ملک گیری کا جذبہ سرد پڑ گیا اور صنعتی اولو العزمیوں کا دور دورہ شروع ہوا جس میں حکومت کے فوج و لشکر اور سیاسیات تجارت کے تابع کر دیے گئے، چنانچہ اٹھارھویں صدی کے بڑے حصّے میں جتنی جنگیں ہوئیں وہ سب تجارتی جنگیں تھیں اور ان جنگوں کا مقصد گزشتہ دور میں جو نوآبادیات حاصل کی گئی تھیں ان کی حفاظت یا اُن میں توسیع کرنا یا اُن مقبوضات سے جو صنعتی و تجارتی فوائد حاصل ہو سکتے تھے اُن سے حریف اقوام کو محروم رکھنا تھا، اس میں شک نہیں کہ سیاسیات اور صنعت کے تعلقات میں اس طرح پر تغیر واقع ہو جانے سے یہ افسوسناک نتیجہ ظہور پذیر ہوا کہ قوموں میں باہمی حسد و عناد کی آگ پہلے سے زیادہ مشتعل ہو گئی، مگر پھر بھی اس تغیر کو ایک حقیقی اور اہم

ترقی کی تحریک کی ابتدا کہنا چاہیے جس نے اس بات کا صاف طور پر اعلان کر دیا کہ آیندہ اقوام عالم کا مستقل اور عملی مقصد صرف صنعتی جدوجہد ہوگا۔

فرانس اور انگلستان میں صنعتی تحریک کا اثر

اگرچہ فرانس اور انگلستان کی حکومتوں نے صنعت وتجارت کی ترقی کی طرف معقول توجہ کی اور وہ اپنے سیاسی طرزعمل سے نئے قویٰ کے اثر وتسلط کو بڑھاتے رہے لیکن جب حکمراں جماعتوں پر یہ بات منکشف ہوئی کہ تحریک جدید کی تہ میں بعض ایسے رجحانات پوشیدہ ہیں جن سے اُن کے بعض سیاسی اغراض کے معرض خطر میں پڑ جانے کا امکان ہے تو انھوں نے مقاومت کی پالیسی اختیار کی، چنانچہ فرانس میں لوئی چہار دہم کے نصف آخر دور حکومت میں میڈم ڈی مین ٹی نن کے تباہ کن اثر نے نئی تحریک کے خلاف زبردست ہیجان پیدا کر دیا اور انگلستان میں ۱۶۸۸ء کے قانون کے بعد سے حکومت طاقتور امرا اور قدامت پسند حکام کی دوہری بنیادوں پر قائم ہو چکی تھی اُس کی پالیسی اس قدر رجعت پسند نہ تھی جس قدر کہ حالت جمود وسکون کو ظاہر کرتی تھی، یوں تو اُس زمانے میں فرانس وانگلستان دونوں ملکوں میں عقلی و ذہنی ترقی عام طور پر رُکی رہی اور ایک مدت دراز تک یہ جمود رفع نہ ہوا مگر خصوصاً معاشی تحقیقات میں اٹھارھویں صدی کے تین عشروں میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھایا گیا اور چند کتابیں جو لکھی گئیں اُن میں بقول روشر وغیرہ کے اصلیت وجدت کے بجائے خالص انتخابیت کا رنگ نظر آتا ہے، پھر بھی ترقی کی راہ میں جو رکاوٹ پیدا ہو گئی تھی وہ زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی اس لیے کہ تحریک جو رُک گئی تھی یا روک دی گئی تھی وہ پھر ابھری اور اگرچہ اس تحریک کی نوعیت بدل چکی تھی مگر وہ پہلے سے زیادہ شاندار طریقے سے نمودار ہوئی، انگلستان میں سلبی فلسفے

کی نشو و نما اور تشکیل ہوئی تھی مگر جس وقت فرانس میں اس فلسفے کی اشاعت ہوئی اور اُس کو قبول عام حاصل ہوا تو انقلاب سے قبل ہی ایک ایسی عام تحریک پیدا ہوئی جو ظاہر کرتی تھی کہ وہ ایک کامل معاشری کایا پلٹ پر ختم ہوگی، اس تحریک میں والٹیر اور روسو نے بھی ایک حد تک حصہ لیا اور نظام قدیم کو نئے نظام سے بدلنے کی کوشش کی مگر چونکہ دونوں شخص انقلاب حالات کے لوازم و شرائط سے کما حقہ واقفیت نہ رکھتے تھے یا کم از کم اُن کا لحاظ نہ کر سکے، اس لیے اُن کے مساعی سودمند ثابت نہ ہوئے بلکہ حالات نے نازک صورت اختیار کر لی، دیدرو کی قابل سرکردگی میں ایک فرقہ نمودار ہوا جس نے زیادہ صحیح و مکمل اصول پیش کیے اور محض آزادیٔ عمل کے ذریعے سے کامل معاشری اصلاح و تنظیم کو ممکن خیال کیا، اس مسلک کا تعمیری نظام کتاب "انسائکلوپیڈی" سے ظاہر ہوتا ہے، یہ کتاب متعدد دماغوں کی کد و کاوش کا نتیجہ ہے مگر اتحاد خیال بالکل برائے نام ہے اس لیے کہ اس میں اکثر مسائل پر باہمی اختلاف رائے پایا جاتا ہے، کتاب میں کوئی مکمل نظام نہیں پیش کیا گیا ہے بلکہ صرف چند تجاویز اور اُصول بتائے گئے ہیں، اسی وجہ سے اس کتاب کو تھوڑے ہی عرصے تک قبولیت حاصل رہی اور تجاویز کو عارضی طور سے کامیابی ہوئی، مگر یہی وہ عظیم الشان مسلک ہے جس سے فطرآئین گروہ کا خاص تعلق ہے؛ اور اگرچہ یہ دونوں فرقے موجودالوقت معاشری نظام کو بُرا سمجھتے تھے اور اس میں کامل طور پر تبدیلی کر دینے کی طرف مائل تھے مگر شاہی آمر مطلق کے ذریعے سے سیاسی نظام کو درہم و برہم ہونے سے بچانا چاہتے تھے یا سیاسی نظام میں صرف اتنی ہی تبدیلی کرنا چاہتے تھے جتنی کہ معاشری

65

ل Encyclopedie

اصلاح کے لیے ضروری ہے، چنانچہ اسی قسم کے رجحانات کی بنا پر فطرآئین گروہ انقلاب پسند فرقوں سے ممتاز و ممیز ہے، مگر پھر بھی اُن کا طریق عمل اور اُن کے سیاسی خیالات بالکلیہ سلبی اور قانون فطرت پر مبنی ہیں۔

مباحث کی تقسیم

اس طرح پر فرانس میں خاصکر معاشی شعبے سے متعلق جو تغیّرات و ترقیات رونما ہوئے، ہم پہلے اُن کا تفصیلی طور پر مطالعہ کریں گے اور اس کے بعد آدم اسمتھ کی پیدائش سے قبل یورپ کے دوسرے ممالک میں فرانس کے بالمقابل جو تحریکات رونما ہوئے اُن کا حال معلوم کریں گے۔

فرانس

(آدم اسمتھ کی پیدائش سے قبل)

اصول تجاریت کے مضر اثرات اور اصلاح کی تحریک

فرانس میں اٹھارھویں صدی کے اوائل میں انتہائی تجاریت سیاسی حرص وہوس کا آلہ بنی ہوئی تھی جس کی وجہ سے صدہا خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں کاشتکاروں کی حالت نہایت خستہ وخراب ہو رہی تھی، محصول کا بار بالکل غیر منصفانہ اور ناقابل برداشت تھا ملک کی مالی حالت بھی غیر اطمینان بخش تھی اور ہر طرف بےچینی اور بے اطمینانی ہی نظر آتی تھی، انھیں خرابیوں کو محسوس کر کے فرانس کے روشن خیال حکما نے ان آزاد اور معقول اُصول کا نہایت پرجوش طریقے سے استقبال کیا جو انگلستان میں نئے مسلک کے فلاسفہ کی دماغی کدوکاوش کا نتیجہ تھے، جب فرانس میں ان نئے اُصول کا چرچا ہونے لگا تو ہر طرف سے کولبیر کی حکمت عملی پر اعتراضات کی بوچھار شروع ہوئی اور متعدد ممتاز اہل قلم کو کامل اصلاح کا مطالبہ کرنے کا موقع ملا۔

پیری بائے گلبیر

چنانچہ پیری بائے گلبیر[1] ان ممتاز اہل قلم میں اہم ترین

[1] سنہ ۱۷۱۴ء میں فوت ہوا۔

شخص ہے اور وہ اپنی زندگی بھر اسی قسم کے بحث مباحثوں میں مشغول رہا۔ اُس کی دو کتابیں علی الترتیب ۱۶۹۷ء[1] اور ۱۷۰۷ء میں شائع ہوئیں، ان میں مصنف اعداد و شمار کے ذریعے سے لوئی چہار دہم کے عہد حکومت کا تاریک پہلو دکھاتا ہے۔ اُس کی نظری تصانیف تین ہیں۔[2] ان کتابوں میں وہ تجاریت کا نہایت سرگرم اور جوشیلا مخالف نظر آتا ہے، وہ بار بار اس امر پر زور دیتا ہے کہ دولت صرف سونے، چاندی کا نام نہیں بلکہ اسمیں تمام مفید اشیا جن میں اوّلیت زرعی پیداوار کو حاصل ہے، شامل ہیں، حتیٰ کہ وہ آگے بڑھ کر "نقرے" کو یہ الزام دیتا ہے کہ وہ بجائے تجارت کا بندہ ہونے کے جیسا کہ حقیقت میں اُس کو ہونا چاہیے تجارت کا جابر آقا بن بیٹھا۔ مصنف "فی الواقعی فرانسیسی" "سلی کا مرتبہ" اطالویت پرست "کولبیر سے برتر قرار دیتا ہے، اور داخلی یا خارجی تجارت خصوصاً تجارت غلہ کے بارے میں جو قواعد سرکار کی طرف سے مرتب کیے گئے تھے اُن کو بیکار سمجھتا ہے، اُس کی دانست میں حکومت یا اُس کے مرتب کردہ قواعد پر قومی دولت کا مدار نہیں ہے بلکہ سرکاری مداخلت فائدے کے مقابلے میں زیادہ نقصان پہنچاتی ہے، اس لیے کہ یہ فطرت کے معاشی نظام کے قوانین کے مطابق نہیں ہے۔

[1] (1) Détail de la France Sous le regue present (1697)
(2) Factum de la France (1707) ۰۷

[2] (1) Traite de la nature et du commerce des grains
(2) Dissertations sur la nature des richesses de l'argent et des tributs
(3) Essai sur la rarete de l'argent.

ملک کی مختلف جماعتوں کے اغراض آزاد نظام کے تحت ایک ہی ہوتے ہیں اور افراد کے اغراض حکومت کے اغراض کے مطابق ہوجاتے ہیں اور اسی طریقے سے مختلف قوموں کے درمیان بھی اتحاد پیدا ہوسکتا ہے، چنانچہ تجارت اور دوسرے معاشی معاملات میں آزادی حاصل ہونے سے اقوام کا تعلق عالم سے ایسا ہی ہوجائے گا جیساکہ شہروں کا ملک سے ہوتا ہے اور معاشی کاروبار کی آزادی سے نہ صرف خوشحالی بڑھے گی بلکہ امن وامان کا دور دورہ ہوگا۔ وہ انسانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کرتا ہے، ایک تو وہ گروہ جو کچھ نہ کرے اور عیش اڑائے، دوسرا وہ جو صبح سے شام تک محنت مزدوری کرے اور معمولی غذا بھی اس کو مشکل سے میسر ہو۔ وہ دوسرے گروہ کا ہر طرح سے ہمدرد ہے جیساکہ اٹھارھویں صدی کے مصنف عام طور پر نظر آتے ہیں، فرانس میں زراعت کس مپرسی کی حالت میں پڑی ہوئی تھی گلبیر اس پر اظہار تاسف کرکے زراعت کے حقوق پر خاص طور پر زور دیتا ہے اور اس کی ترقی کے لیے آئین محصول کی نظر ثانی و اصلاح کو ضروری سمجھتا ہے۔ چنانچہ محصول بالواسطہ کو منسوخ کرکے آمدنی پر محصول لینے کا طریق جاری کرنا چاہتا ہے۔ وہ محصول کو بشکل جنس ادا کرنے کے طریقے کو از سر نو رواج دینے کا اس لیے خواہاں ہے کہ اس میں محصول کا بار سب پر یکساں پڑے گا اور ناانصافی رفع ہوجائے گی، گلبیر کے بعض خیالات عام نوعیت رکھتے ہیں اور بہت دلچسپ ہیں، مثلاً زرعی لگان کے متعلق اس کی رائے صحت سے بہت قریب ہے اور وہ انسانی احتیاجات کو ان کی شدت کے مدارج کے لحاظ سے یوں بیان کرتا ہے۔ کہ انسان کو اضافۂ دولت کے ساتھ سب سے پہلے ضروریات، ان کے بعد سہولت و آرام کی چیزیں، زوائد اور پھر نمائشی اشیاء

درکار ہوتے ہیں۔ اور تخفیف آمدنی کے ساتھ اشیاء اس کے برعکس ترتیب کے ساتھ ترک کیے جاتے ہیں۔

باۓ گلبیر پر والٹیر کا انتقاد۔

والٹیر نے باۓ گلبیر پر ایسے انداز میں نقد کیا ہے جس سے موخر الذکر کی بے وقعتی ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن والٹیر حق بجانب نہیں ہے، ہم نے مانا کہ گلبیر کا اثر اصولی یا عملی لحاظ سے اُس زمانے پر مطلقاً نہ پڑا پھر بھی اُس کے تصانیف حقیقت کے اہم نکات سے مملو ہیں اور معاشی تحقیقات کے لیے وہ خاص طور پر موزوں دماغ رکھتا ہے۔

مارشل ڈی وابن۔

مارشل ڈی وابن نے اپنے معاشی تصانیف میں خصوصاً اپنی ایک کتاب[1] میں اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے جیسے کہ باۓ گلبیر کے تھے، اگرچہ اُس کی مذکورہ بالا کتاب کی اشاعت کو حکومت نے ممنوع قرار دیا اور بادشاہ کی سرپرستی اُس سے اُٹھ گئی، مگر اس سے مصنف کی علمی قابلیت پر کوئی اثر نہیں پڑا بلکہ علمی دُنیا میں اُس کی اور زیادہ شہرت ہو گئی اُس کے زمانے میں فرانس میں مزدوری پیشہ طبقے کی حالت نہایت خستہ و خراب تھی، چنانچہ وہ اپنے تحریرات میں اکثر مقامات پر اس طبقے کے ساتھ ہمدردی اور اُن کی حالت پر تاسف ظاہر کرتا ہے، اُس کے نزدیک سب افراد قوم حکومت کی عنایت و سرپرستی کے یکساں طور پر مستحق ہیں، اسی لیے وہ اس امر پر زور دیتا ہے کہ حکومت کا مقصد قوم کے تمام طبقوں کی ہوا خواہی ہونا چاہیے بلکہ نیچے کے طبقے کی خوش حالی کا سب سے پہلے انتظام کرنا چاہیے اس لیے کہ یہی طبقہ اکثر نشانۂ ظلم و ستم بنا رہتا ہے۔ مصنف محنت کو دولت کی جڑ اور زراعت کو محنت کی سب سے اہم

[1] Projet d'une dixme Royale (1707)

نوع سمجھتا ہے، اُس کی دانست میں صنعتی ترقی کی سب سے پہلی
اور ضروری شرط آزادی ہے اور اسی بنا پر وہ تجارت وصنعت
پر سے قانونی بندشیں ہٹا لینے کے بارے میں زور دیتا ہے، وہ
رائج الوقت طریق محصول میں سراسر ناانصافی وعدم مساوات
دیکھتا اور اس طریق کی پُرزور مخالفت کرتا ہے اور اُس کا یہ اختلاف
بالکل بجا ہے، اس لیے کہ اُس کے زمانے میں اعلیٰ طبقے بعض
محصولوں سے مستثنیٰ تھے اور محصول معاف کر کے اُن کو خاص
حقوق عطا کیے گئے تھے۔ وہ یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ کھانے پینے
کی چند چیزوں کے سوا سب اشیاء کے محصول منسوخ کر دیے جائیں
اور اُن کے عوض سب جماعتوں پر بلا کسی استثنائ کے صرف ایک
محصول اُن کی آمدنی اور زمینوں کے لحاظ سے لگایا جائے، چنانچہ
اس طریق محصول کو وہ "DIXME ROYALE" [1] کے نام سے موسوم
کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سرکار کاشتکاروں سے اُن کی
پیداوار کا دسواں حصہ بشکل جنس اور صنّاعوں اور تاجروں سے اُن کی
آمدنی کا دسواں حصہ بطور محصول وصول کرے۔

فینی لان کی ایک کتاب [2] اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ
اس میں مصنف انسانی ہمدردی کے جذبات سے مملو نظر آتا ہے
اور اسی بناء پر آزاد تجارت کی وکالت کرتا ہے اور مُلک کی خوشحالی
وترقی کو نہ صرف افراد مُلک کی تعداد کی کثرت پر بلکہ افراد مُلک کے
عمدہ اخلاق، ذہانت وتیز طبعی وجفاکشی ومحنت پر منحصر تصور کرتا ہے،
اس کتاب کا سب طبقوں اور فرقوں نے خیر مقدم کیا اور شوق سے
مطالعہ کیا اور اس طرح اُس کے خیالات کی نہایت موثر طریقے پر

58

[1] اس نام کی ایک کتاب اس نے لکھی تھی جس کا انگریزی ترجمہ بھی ۱۷۰۸ء میں شائع ہوا۔ ۱۳
[2] Telemaque

اشاعت ہوئی۔

ان مصنفین کے تصانیف کے بعد ایک مدت دراز تک معاشی کتابوں کی تصنیف و تالیف کا سلسلہ رکا رہا، حتیٰ کہ ۱۷۳۱ء میں میلن کی کتاب[1] شائع ہوئی جو ایک حد تک تجارتی خیالات سے مملو ہے اور ایک ماہر قانون دیوتات کی کتاب[2] ۱۷۳۸ء میں شائع ہوئی، اس کے بعد ہم ایک بلند پایہ مصنف مان ٹسک سے روشناس ہوتے ہیں۔

مان ٹسک۔ مان ٹسک نے ۱۷۴۸ء میں ایک کتاب[3] شائع کی، اس میں معاشی مباحث کے علاوہ دوسرے مباحث بھی ہیں، لیکن جہاں تک معاشی مباحث کا تعلق ہے، کتاب میں عام طور پر نظام تجاریت کی مخالفت کا رنگ نظر آتا ہے اور خاصکر زر کی بحث میں تجارئین کے خیالات کی تردید کی گئی ہے، صرف نوآبادیات وغیرہ کے بارے میں مصنف کا نقطۂ نظر تجارئین کے خیالات سے ملتا جلتا ہے پھر بھی مان ٹسک کی خدمت جاوید کا تعلق کسی خاص معاشی تحقیقات سے نہیں ہے بلکہ اُس کے پیش کیے ہوئے اس اُصول سے ہے کہ "مثل طبیعی مظاہر کے معاشری مظاہر بھی قوانین فطرت کے پابند ہیں"، فرانس میں مان ٹسک کے بعد دوسرا کوئی اہم اور بلند پایہ مصنف فطرآئینوں کے ظہور تک نہیں پیدا ہوا۔

فطرآئینی مسلک۔ فطرآئینوں کے ظہور سے معاشیات کی تاریخ میں ایک نیا دور شروع ہوتا ہے، فطرآئینی مسلک کے

---

[1] Essais Politiques sur le commerce (1731)

[2] Reflexious Politiques sur les Finances et le commerce (1738)

[3] Esprit des lois (1748)

بانی فرانکائے کوئنے (۱۶۹۴ء تا ۱۷۷۴ء) اور جین کلاڈ میری ونسنٹ گورنے (۱۷۱۲ء تا ۱۷۵۹ء) تھے، اگرچہ ایک آئرش نسل کے فرانسیسی تاجر رچرڈ کن ٹل لن[1] نے ۱۷۵۵ء میں ایک کتاب[2] شائع کی اور ان دونوں سے پہلے ہی فطرآئین نظام کے اصول پیش کیے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کے ہاتھوں میں آکر ان اُصول نے باقاعدہ اور مکمّل شکل اختیار کی اور انھیں دونوں کے مرتّب کردہ اصول تھے جو بعد میں فلاسفہ اور عملی افراد کے ایک گروہ عظیم کا مسلک اور دستور العمل بن گئے۔

مسلک کا تسمیہ اور اُس کا اساسی تصور۔

فطرآئینی نظام کے وکیل اپنے کو "معاشئین" کے نام سے موسوم کرتے تھے لیکن جیسا کہ ان میں سے ایک شخص ڈیو پون دی نی مور نے پوری جماعت کے لیے "معاشئین" کی بجائے "فطرآئین" کا لفظ تجویز کیا ہے، اس کو "فطرآئین" کے نام سے موسوم کرنا زیادہ مناسب ہوگا کیونکہ یہ لفظ اس جماعت کے حسب حال اور پہلے لفظ سے زیادہ واضح اور جامع ہے، یوں تو یہ نام اس جماعت کے اس اساسی تصوّر کو ظاہر کرنے کی غرض سے رکھا گیا تھا کہ جملہ معاشری اور بالخصوص معاشی مظاہر معصری و تسلسل کے معیّن تعلّقات کے تابع ہیں مگر لفظ فطرآئین اس سے زیادہ وسیع معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے، اس لیے کہ یہ اساسی تصوّر دراصل ایجابی اُصول ہے جو تمام حقیقی علوم کی بنیاد ہے، لیکن قانون فطرت جس کا حوالہ لفظ فطرآئین میں پایا جاتا ہے ایک مختلف شئے تھا۔ اس قانون فطرت کے تصوّر کو علمائے مابعد الطبیعیات نے قائم کیا۔ مذہبی عقیدہ یہ تھا کہ کائنات کے تمام کام حکمت و فیوض ربانی

---

[1] جیونس نے اس کی سوانح عمری لکھی ہے اور اُس کو معاشیات کا حقیقی بانی بتاتا ہے ۱۲

[2] Essai sur la nature du commerce en general

کے منشا کے مطابق عمل میں آتے ہیں۔ چنانچہ اس عقیدے کو علمائے مابعد الطبیعات کے تصور نے "قانون فطرت" کی شکل دے دی اور اس سے اُن کا مفہوم ایک ایسا مفید و مسلّم قانون تھا جس کو اُن کے وجود عزیز یعنی فطرت نے منضبط و مدوّن کیا، جو انسانی آئین و قوانین سے متقدم ہے، اور ایک ایسا مکمل نمونہ پیش کرتا ہے جس کے مطابق انسانی آئین و قوانین بنائے جانے چاہئیں۔ اس قانون فطرت کے تصور کے متعلق بظاہر بالکل کا یہ قیاس ہے کہ وہ مسیحی سن کی ایجاد ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ یونانی فلاسفہ کے افکار کا نتیجہ ہے جس کو رومیوں نے اہل یونان سے اخذ کر کے اپنے قانون کی عمارت اس پر تعمیر کی، اور نئے سلبی فرقے نے ہابس سے لے کر روسو تک اسی تصور کو اپنے ہاں جگہ دی اور چونکہ موجود الوقت معاشری نظام کو وہ "فطری نظام" کا عکس اور بالکل ناقص سمجھتا تھا اس لیے اس تصور کو اُس کے خلاف بطور حربے کے استعمال کیا، اس طرح جو نظریہ بنا اُس سے طبائع یا حالات کے اختلاف کے لحاظ سے مختلف طریقوں سے کام لیا گیا۔ بعضوں نے اُس کو اُس زمانے کے غیر فطری عادات و رسوم کے خلاف استعمال کیا اور بعضوں نے اُس زمانے کے سیاسی آئین و قوانین کے خلاف استعمال کیا، مگر فطرآئین گروہ نے یوروپ کی حکومتوں کی معاشی حکمت عملی پر نکتہ چینی کرنے کی غرض سے اُس کو اپنا ایک خاص آلۂ عمل بنا لیا۔

اُن کے سیاسی اصول

اس طرح فطرآئینی گروہ کا عام سیاسی قضیہ یہ ہے:۔ قوم افرادِ ملک کا مجموعہ ہے اور سب افرادِ ملک مساوی فطری حقوق رکھتے ہیں، اگر سب افراد کی حیثیتیں (جیسا کہ سلبی فرقے کے بعض ارکان کا خیال ہے) مساوی نہ ہوں تو ہر فرد کم از کم اپنے اغراض کو خود ہی بہتر سمجھ سکتا اور فطرت کی رہبری

کے مطابق عمل کرتا ہے، معاشری اتحاد دراصل اُن افراد کے درمیان ایک معاہدہ ہے اور اس معاہدے کا مقصد ہر فرد کی فطری آزادی کے حدود کا اس حد تک قائم رکھنا ہے جس حد تک کہ وہ دوسروں کے حقوق میں خلل انداز نہ ہو، حکومت کا وجود اگرچہ ضروری ہے مگر ایک ناگزیر خرابی ہے، سب کے اتفاق و مرضی سے جو حکمراں قوت تجویز ہو وہ صرف اسی حد تک افراد کے معاملات میں مداخلت کرے جس حد تک کہ اس معاہدے کی پابندی کرانے کی غرض سے وہ قطعی طور پر درکار ہو، معاشی جدّ وجہد کے بارے میں اس کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ ہر فرد کو اُن تمام جائز فطری تنعمات سے مستفید ہونے کا حق دینا چاہیے جس کو وہ اپنی محنت سے حاصل کرسکتا ہے، گویا محنت کو تمام قیود و مداخلات سے آزادی دینی چاہیے اور مزدور کو اس بات کا اطمینان بلکہ یقین دلانا چاہیے کہ وہ اپنی محنت کے محاصل و ثمرات کا مالک خود ہی ہوگا، مختصر یہ کہ ملک کا احترام کرنا چاہیے، یہ ضروری ہے کہ ہر شہری کو اپنی پوری محنت صرف کرنے کا موقع عطا کیا جائے اور اسی طرح آزادی کے ساتھ مبادلہ کرنے کا یقین بھی دلایا جائے یعنی بازار میں مقابلہ آزادانہ طور پر ہونا چاہیے اور اجارہ داں اور خاص قسم کے حقوق کا وجود باقی نہ رہنا چاہیے۔

معاشی اصول۔ اس کے بعد اسمتھ معاشی اصول کی تحلیل یوں کرتے ہیں:- "پیداآور" محنت حقیقت میں صرف وہی محنت ہے جو کہ انسان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے مفید اشیاء فراہم کرے، قومی دولت کا مدار زراعت پر ہے یعنی مجموعی زرعی پیداوار اور مصارف کاشت کے فرق سے جو حاصل زائد پیدا ہوتا ہے وہی قوم کی دولت میں سالانہ اضافہ کرتا ہے، اور اسی ماحصل زائد یا "خالص پیداوار" پر قوم کی

مرفہ الحالی اور اُس کی تمدنی ترقی کے امکان کا مدار ہے، صنعت یا تجارت، دولت میں اضافہ نہیں کرتے، صناع محض زمین سے برآمد کردہ پیداوار کو نئی شکل و صورت دیدیتا ہے۔ اور خام اشیاء کی اور مصنوعات کی قیمت کا فرق اُن اخراجات کی نمایندگی کرتا ہے جو موخرالذکر کی تیاری میں صرف ہوتے ہیں۔ اسیطرح تاجر بھی یہی کرتا ہے کہ دولت کو جو پہلے سے موجود ہے ایک کے پاس سے دوسرے کے پاس منتقل کردیتا ہے، اس طرح یہ لوگ جو کچھ کماتے ہیں وہ قوم کی کمائی سے حاصل کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے اُن کا منافع جس قدر کم ہو اُسی قدر اچھا ہوگا، صنعت و تجارت یا دوسرے قسم کے ذاتی خدمات اور آزاد پیشے "مفید" ضرور ہیں، لیکن غیر پیدا آور پیشے ہیں جن سے قوم کی مجموعی آمدنی میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا یعنی ان پیشوں کی آمدنی کا ذریعہ کوئی ایسا ذخیرہ نہیں ہے جن کو ان پیشے والوں نے اپنے طور پر فراہم کیا ہو بلکہ یہ پیشے کاشتکاروں کی کمائی کے زائد حصے سے آمدنی پیدا کرتے ہیں۔ معاشی جد وجہد میں نہ صرف فطری حق کی بنیاد پر آزادی حاصل ہونی چاہیے بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ تجارت "خالص پیداوار" کی مقدار میں حتی الامکان اضافہ کرتی ہے اور اس طرح قوم کی مادی دولت کو زائد کرتی ہے، اس بنا پر حکومتوں کا اصول کار "اصول غیر مداخلت" ہونا چاہیے، چونکہ سرکاری مداخل و محاصل لازمی طور پر اُسی "خالص پیداوار" کا جز و ہوتے ہیں اس لیے محصول کو سہل ترین طریقے سے اور براہ راست وصول کرنا چاہیے یعنی صرف ایک ہی محصول "محصول ارضی" کی شکل میں لگانا چاہیے۔"

یہ خیال کہ محض زراعت "پیدا آور" ہے اور باقی سب پیشے غیر منفعت بخش ہیں اس بنا پر پیدا ہوگیا تھا کہ "قدر" کے

61

مفہوم کو "مادہ اور قوت" کے مفہوم کے ساتھ خلط ملط کر دیا گیا تھا، آدم اسمتھ اور دوسرے مصنفوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ صنعت وتجارت کو غیر منفعت بخش بتانے کی کوشش غلط ہے، اس طرح پر "واحد محصول ارضی" کی تجویز اور وہ نظریہ جس کی بنا پر یہ تجویز پیش کی گئی تھی دونوں مسترد ہو جاتے ہیں۔

فطرآئینوں کی اصلی خدمت اور اس کی اہمیت۔ لیکن فطرآئین جماعت کی تعلیم کا جو اثر پڑا اس کا مدار، خواہ وہ اثر کتنی ہی خفیف حد تک کیوں نہ ہو، اس قسم کے عجیب وغریب اصول پر نہ تھا جن کو در اصل اس جماعت کے افراد خود تسلیم نہ کرتے تھے، بلکہ اس فرقے کی تعلیم کا اثر زیادہ تر تخریبی تھا، یعنی انگلستان وفرانس میں صنعت کی آزادی کے لیے جو کوششیں کی جارہی تھیں اس جماعت نے ان کو باقاعدہ طور پر جاری رکھا اور سب سے اہم تاریخی خدمت یہ انجام دی کہ سرکار کی معاشی وصنعتی حکمت عملی کو مذموم ونقصان رساں ثابت کیا، ان کے اعتراضات کا اس وجہ سے بھی کافی موقع تھا کہ کولبیر کی حکمت عملی جو صرف عارضی طور پر مفید ہو سکتی تھی اس کو ناواجب طول دے کر بری طرح شدید ودقیق کر دیا گیا تھا، حکومت ادنیٰ سے ادنیٰ کاروباری معاملات میں مداخلت کرنے لگی تھی اور تجارتی وصنعتی کاروبار کی راہ میں ہر ہر قدم پر بندشیں قائم تھیں، ان حالات میں یہ امر خلاف توقع نہ تھا کہ مصلحین، سلبی فرقے کے انداز میں، قدیم نظام کے نقائص کو مبالغے کے ساتھ بیان کرتے۔ چنانچہ حکومت کے اس طرز عمل کو نہ صرف اصولاً بلکہ عملاً بھی تاریخی لحاظ سے مذموم ٹھہرانے میں انھوں نے بہت زیادہ آزادی سے کام لیا اور "اصول غیر مداخلت" کی وکالت میں حد اعتدال سے گزر گئے اور یہ اس وجہ سے بھی ایک لازمی امر تھا کہ مصلحین کا تعلق ایک

انقلابی تحریک سے تھا اور وہ انقلاب پسند جماعت کے ایک فریق تھے، اس انقلابی تحریک کے اثنا میں قدیم معاہدۂ معاشری، نیابتی حکومت وغیرہ اصول سے خالص سیاسیات کے میدان میں استعانت کی جاتی تھی اور اگرچہ یہ اصول آجکل اعتراضات کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے لیکن قدیم نظام کو منہدم کرنے کا ایک کارگر اور تیار آلہ ہونے کی حیثیت سے اُس وقت عارضی طور پر مفید ثابت ہوئے۔ اسی طرح معاشیات کے شعبے میں بھی یہ اصول تھے:۔ مثلاً بیع و شری کی آزادی فطری حق ہے، معاملات باہمی میں عاقلانہ خود غرضی کی رہنمائی کافی ہے، قوم کا ہر فرد اپنے اغراض صحیحہ کو سمجھ کر اُنھیں کے مطابق عمل کرے گا اور یہ اغراض عوام کی بہبود اور اغراض کے مساعد و ہم آہنگ ہوں گے وغیرہ، ان اصول پر اگر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو اگرچہ وہ امتحان کے متحمل نہ ہوں گے لیکن عارضی طور پر اس حیثیت سے مفید ثابت ہوئے کہ وہ قائم شدہ نظام کے درہم و برہم کرنے کا کارآمد و موزوں ہتھیار تھے، گویا اس طرح یہ فطر آئینوں کا رجحان جذبۂ انفرادیت کو اُبھارنے اور حکومت کے وجود کو معدوم کرنے کی طرف تھا، موجودہ زمانے کے علمائے معاشیات موجودہ زمانے کے لیے اس رجحان کو واجبی طور پر مذموم قرار دے سکتے ہیں لیکن اُس زمانے میں چونکہ یہ ایک ناگزیر امر تھا اس لیے قابل معافی ہے، موجودہ زمانے میں اصلاح و ترمیم کا کام ہمارا مقصد اوّلین ہے لیکن مذکورۂ بالا رجحان اصلاحات کے کام میں بہت بڑی رکاوٹ پیدا کر سکتا ہے، اسکے برعکس اُس زمانے میں یہ رجحان تنظیم جدید کی ایک ضروری اگرچہ قابل افسوس شرط اور قدیم معاشری نظام کے انہدام کا نہایت کارآمد ہتھیار تھا۔

قانونی استبدادی حکومت۔ فطر آئینوں کے انقلابی رجحانات کے متعلق ہم نے جو نتائج اخذ کیے ہیں وہ کسی طرح بھی اس امر سے متاثر

نہیں ہوتے کہ کوسنے اور اُس کے پیرو ایک جداگانہ طریق حکومت کو جس کو وہ قانونی استبداد کہتے تھے، ترجیح دیتے تھے، اور اس ترجیح کا سبب یہ تھا کہ اس طریق حکومت میں وضع قانون اور انصرام قانون کے دونوں اختیارات ایک ساتھ موجود ہوتے ہیں اور اس طرح کی ایک روشن خیال مرکزی حکومت فطرآئینوں کی مجوزہ حکمت عملی پر ایک جمہوری حکومت کے مقابلے میں بہت زیادہ مستعدی کے ساتھ اور موثر طریقے سے عمل کر سکتی تھی، چنانچہ اسی بناپر ترگو بھی اسی طریق حکومت کو پسند کرتا تھا، اس نے اپنے تدابیر کو بار آور بنانے اور صنعتی آزادی کے حاصل کرنے کی غرض سے بادشاہ لوئی شانزدہم کی پوری قوت سے کام لیا مگر چونکہ بادشاہ کے کیرکٹر کی کمزوری کی وجہ سے یہ قوت پنپ نہ سکی، انجام کار ناکامی ہوئی۔ کوئسنے نے ولی عہد کو یہ مشورہ دیا تھا کہ "جب تم تخت پر بیٹھو تو ملک کے آئین و ضوابط کو قانون فطرت کے مطابق مرتب کرنے کے بعد اس کے سوا اور کچھ نہ کرو کہ آئین و ضوابط کو اپنا عمل کرنے میں آزادی دو"۔ عمدہ طریق حکومت کے بارے میں فطرآئینوں کا جو تصور تھا یہ مشورہ اُس کی پوری ترجمانی کرتا ہے۔

فطرآئینوں کا خلوص اور پرجوش خدمت۔

فرانس میں اُس وقت انقلابی تحریک کے پہلو بہ پہلو "فطرت" کے مطابق عمل کرنے اور قدیم سادگی کو اختیار کرنے کی تحریک جاری تھی، روسو اس تحریک کا سب سے سرگرم نمائندہ تھا، فطرآئینوں کی زراعت کی طرفداری بھی اُسی تحریک کی ہم آہنگ تھی، فرانس کے کاشتکاروں کی حالت نہایت خستہ و خراب و ناگفتہ بہ ہو رہی تھی اور ملک کے اعلیٰ طبقے اُن کو پامال کر رہے تھے[1]۔ کوئی عجب نہیں کہ انھیں حالات سے متاثر ہو کر فطرآئینوں نے زراعت کی

[1] لابرویر نے اس خوفناک حالت کا ایک لازوال نقشہ اپنی کتاب میں کھینچا ہے۔ ۱۲

طرفداری کی ہو کیونکہ فطرآئینی جماعت کے تقریباً سب افراد مزدوروں کی مادّی واخلاقی ترقی کی مخلصانہ خواہش رکھتے تھے اور فلاح وبہبود عامّہ اُن کا عین مقصد تھا اُس مقصد کے حاصل کرنے میں اُنھوں نے درحقیقت نہایت راستبازی اور دیانت سے کام کیا' مثلاً کوئنے لوئی پانزدہم کا طبیب خاص تھا اور ورسیلس کے محل میں رہتا تھا لیکن دربار کی بدکاریوں کے طوفان بے تمیزی میں بھی اُس کی صدق شعاری اور صاف گوئی اور پاکبازی کا دامن ہمیشہ آلائش سے پاک رہا' جس بات کو وہ حق سمجھتا تھا اُس کے اظہار میں کبھی پیچھے نہ ہٹتا تھا' اور مردانہ جرأت کو ہاتھ سے نہ کھوتا تھا' یہی حال ترگو کا تھا جو فطرآئینی مسلک کا بہت بڑا اور بلند پایہ عملی نمائندہ تھا اور غالباً کوئی مدبّر سیاست اپنے مُلک کی خدمت کرنے میں اس قدر استقلال او رخلوص کے ساتھ منہمک نہ رہا جتنا کہ ترگو۔

کوئنے | کوئنے نے اپنے حسب ذیل تحریرات میں فطرآئینی نظام کی تشریح کی ہے :- (۱) Fermiers ۱۷۵۶ء اور Grains ۱۷۵۲ء یہ دو مضمون تھے جو دیدرو اور دی الم بیر[1] کی تصنیف "انسائیکلوپیڈیا" میں لکھے گئے تھے' (۲) دیوپون دی نی مور کی کتاب Physiocratie میں قانون فطرت پر ایک مضمون لکھا[2]۔ ان کے علاوہ تین اور کتابیں مشہور ہیں' مندرجۂ حاشیہ دوسری اور تیسری کتابیں ایک ساتھ شائع ہوئیں اور اُن میں یہ مقولہ درج ہے :-

64

[1] دی الم بیر D'Alembert

[2] (1) Maximes generales de gouvernement economique d'un royaume agricole (1758)

(2) Tableau Economique aveeson explication, on extrait des economies Royales des Sully.

(3) Dialogue Sur le commerce et les travaux des artisans.

دہقان کی فلاکت ملک کی فلاکت ہے اور ملک کا افلاس بادشاہ کا افلاس ہے۔" ان کے علاوہ کوسنے نے دوسرے متعدد چھوٹے چھوٹے مضامین بھی تحریر کئے، اگرچہ دوسری کتاب[1] غیر دلچسپ اور روکھی پھیکی ہونے کی وجہ سے قبول عام حاصل نہ کرسکی لیکن اس کو اس فرقے کا خاص اعلان اور اس کے اصول کا آئینہ سمجھنا چاہیے، اس کتاب کو کوسنے کے پیرو، دنیا کی بہترین تصانیف میں سے خیال کرتے ہیں بلکہ بقول آدم اسمتھ، میرابو اعظم اس کو دنیا کی تین بڑی ایجادوں میں سے ایک خیال کرتا ہے، جن کی بدولت سیاسی جماعتوں کو سب سے زیادہ استقامت اور تقویت حاصل ہوئی اور بقیہ دو ایجادوں میں تحریر اور زر کو شمار کرتا ہے، اس کتاب میں مصنف نے بعض ضابطوں کے ذریعے سے یہ دکھایا ہے کہ قومی دولت یعنی زرعی پیداوار کی تقسیم ملک کے مختلف طبقوں (زمینداروں اور کاشتکاروں کی پیدا آور جماعت اور تاجروں اور صناعوں کی غیر پیدا آور جماعت) میں کامل آزادی حاصل ہونے کی صورت میں کس طرح پر ہوگی اور قانونی بندشوں کے تحت کس طرح پر ہوتی ہے اور دونوں کا مقابلہ کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ موخر الذکر طریق غیر فطری یا قوانین فطرت کے خلاف ہے، اور اس سے قوم گوناگوں خرابیوں میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ کوسنے کے اصول کا خلاصہ یہ ہے کہ معاشیات کے عملی ماہر اور مدبر سیاسیات کی توجہ کا مرکز صرف خالص پیداوار کی توفیر ہونی چاہیے گویا صرف یہی چیز اس کی توجہ کی مستحق ہے، اسی سلسلے میں کوسنے یہ رائے زنی کرتا ہے کہ قوم کا عام نفع زمیندار کے نفع سے وابستہ ہے اور دونوں لازم وملزوم ہیں، آدم اسمتھ نے بھی بعد میں یہی نتیجہ قائم کیا اگرچہ اس کی بنیاد جداگانہ تھی۔

گورنے۔ | ایم۔ دی گورنے، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، بانیان فرقہ میں سے

[1] Tableau Economique

65

شمار کیا جاتا ہے اور خود کوئنے کے خیالات پر اس کا بہت کچھ اثر پڑا۔ گورنے نے کل پیرا اور چائلڈ کے ترجموں کے سوا کوئی تالیف یا تصنیف نہیں کی البتہ وزرا کو مخاطب کر کے چند یادداشتیں لکھیں جو اب تک غیر مطبوعہ ہیں۔ لیکن ہمیں گورنے کے خیالات کا تفصیلی حال ایک کتاب (Eloge) نامی سے معلوم ہوتا ہے جو اس کے مشہور و معروف دوست ترگو نے اس کی یادگار میں اس کے نام سے معنون کی۔ کوئنے کے شباب کا زمانہ دیہات میں گزرا تھا اس لیے وہ شروع سے فن کاشتکاری سے شغف رکھتا تھا، مگر گورنے نے بحیثیت تاجر کے تربیت پائی تھی اور محاسب کے درجے سے مہتمم تجارت کے عہدے تک پہنچ گیا تھا۔ گویا دونوں کے حالات و تجربات ایک دوسرے سے مختلف تھے، اس لیے ان کے خیالات میں بھی ایک حد تک اختلاف پایا جاتا ہے اور دونوں مختلف نقطۂ نظر سے معاشیات پر نظر ڈالتے ہیں۔ گورنے نے کوئنے کے نظام کی سختی و درشتی کو نرم کر کے اس کو حقیقت سے زیادہ نزدیک کر دیا۔ بقول ادم اسمتھ کوئنے کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ وہ صنعت و تجارت کو غیر پیدا آور سمجھتا تھا، چنانچہ گورنے نے ہی اس غلط خیال کی تردید کی۔ گورنے کی کوششیں صنعتی آزادی کی اہمیت کو منوانے میں اور اس کی توجیہ اور وکالت میں صرف ہوئیں اور اسی نے اس آزادی کے اصول کو (Laissez fair laissez passer) (یعنی عدم مداخلت) کے فقرے کی شکل میں، جس کا اچھے یا برے معنوں میں بکثرت استعمال کیا جاتا ہے، منضبط کیا۔

میرابو | فطرآئینی مسلک کا سب سے زیادہ کامل پیرو اور اس کے اصول کی سب سے زیادہ جوش اور استقلال کے ساتھ اشاعت کرنے والا وکٹر میرابو تھا، کارلائل نے

میرابو اعظم کے زیادہ نامور فرزند کے جو سوانح قلمبند کیے ہیں اُن کے مطالعے سے انگریز ناظرین معلوم کر سکتے ہیں کہ وکٹر میرابو نہایت مخلص اور آزاد خیال شخص تھا، اگرچہ وہ کسی قدر وہمی اور خیالی بھی تھا۔ وکٹر میرابو نے کوئنے سے پیشتر ہی بعض فطر آئینی خیالات کا اظہار کیا تھا، مگر وہ بایں ہمہ کوئنے کی اکثر خیالات میں پیروی کرتا اور کوئنے کو اپنا روحانی باپ تسلیم کرتا ہے، دونوں میں نمایاں فرق صرف یہی ہے کہ میرابو زراعت بر پیمانۂ صغیر کا طرفدار ہے اور کوئنے زراعت بر پیمانۂ کبیر کی وکالت کرتا ہے، مگر کوئنے اس بناء پر وکالت کرتا ہے کہ پیمانۂ کبیر سے بجائے بیشترین "مجموعی پیداوار" کے بیشترین "خالص پیداوار" حاصل ہوتی ہے۔ میرابو کے خاص تصانیف چار ہیں[1]۔ سب سے آخری تصنیف کو فطر آئینی نظام کی سب سے پہلی مکمل تشریح سمجھنا چاہیے۔

دیوپون دی نیمور	اس نظام کا دوسرا سرگرم اور مستقل وکیل دیوپون دی نیمور (۱۷۳۹ء۔۱۸۱۷ء) تھا اس کے چار تصانیف[2]

خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آخری کتاب اس کی سب سے جامع تصنیف ہے

[1] (1) Ami des Hommes, ou traite sur la population (1756, 1760)

(2) Theorie de l'impot (1760)

(3) Les Economiques (1769)

(4) Philosophierurale, ou Econome generale et politique de l'Agriculture (1763)

[2] (1) De l'exportation et de l'importation des grains (1764)

(2) De l'origine et des progres d'ume Science nouvelle (1767)

(3) Du commerce de la Campagnie des Indes (1767)

(4) Physiocratie ou coustitution naturelle du gouvernment le plus avantageux au genre humain (1768)

اور اسی سے مصنّف کا نام مشہور ہوا، اور اسی کتاب کے عنوان سے، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، فرقے کو موسوم کیا گیا۔

مرسیلار یویر۔ فطر آئینی نظام کی دوسری باقاعدہ تشریح جو بقول آدم اسمتھ اس نظام کی واضح ترین اور صحیح ترین تشریح ہے،

مرسیلار یویر کی کتاب ہے جو ۱۷۶۷ء میں شائع ہوئی[ا] کتاب کا عنوان اس لحاظ سے دلچسپ ہے کہ اس میں "قانون فطرت" کا حوالہ موجود ہے، لار یویر اور دیو پون دی نیمور دونوں نے اقوام عالم کے معاشی، سیاسی اور معاشری حالات سے بحث کرنے کا دعویٰ کیا، لیکن باوجود ان بڑے دعووں کے اُن کے خیالات بالعموم معاشیات کے دائرے تک ہی محدود رہے، ان کی تحقیقات میں کم از کم مادّی امور کا لحاظ قطعی طور پر غالب تھا، جیسا کہ لار یویر کے سیدھے سادے قول سے ظاہر ہوتا ہے: "پورا معاشری نظام ملکیت، حفظ و امان، اور آزادی پر مشتمل ہے، ملکیت کا حق ایک درخت ہے اور قوم کے تمام آئین و رواج اُس درخت کی شاخیں ہیں۔"

ترگو۔ فطر آئینی گروہ کا بلاشبہ سب سے مشہور رکن اَنی روبرٹ جیکس ترگو[۲] (۱۷۲۷ء۔ ۱۷۸۱ء) تھا۔

ترگو نے لیموجس میں پہلے صوبیدار کی حیثیت سے اور اس کے بعد وزیر مالیات کے عہدے پر پہنچ کر نہایت شاندار خدمات انجام دیئے گراں خدمات کا تفصیلی ذکر یہاں نامناسب ہے۔ نیز یہ بیان کرنا بھی ہماری بحث کے موضوع سے خارج ہے کہ اس اعلیٰ عہدے سے وہ کیوں برطرف کیا گیا یا فرانس کی فلاح و آزادی کی کوششوں میں اُس کو جو ناکامی ہوئی اُس میں اُس کی برطرفی کو کس درجہ

ا۔ L'ordre naturel et essentiel des societes politiques (1767).

۲۔ Anne Robert Jacques Turgot

دخل تھا، ترگو کے خطوط و مضامین سے اور اُس کے قواعد واحکام پر جو مقدمات لکھے گئے ان سے اُس کے معاشی خیالات کا پتا چلتا ہے، اس بارے میں اُس کی ایک کتاب[1] خاص طور پر قابل ذکر ہے، یہ کتاب فطرآئینوں کے اساسی معاشی اصول کی ایک جامع و مختصر مگر نہایت واضح اور دلچسپ تشریح ہے، اس میں شک نہیں کہ اس تصنیف میں فطرآئینوں کے صحیح اور غلط اصول وعقائد دونوں موجود ہیں لیکن مختلف مباحث پر خصوصاً معیشت ارضی کی مختلف صورتوں، مشغولیت اصل کے مختلف طریقوں اور سود کے جواز کے مسائل پر نہایت صحیح اور دلچسپ انداز میں بحث کی گئی ہے۔ ترگو نے خیالات کو ایسے عمدہ طرز پر پیش کیا اور اس خوبی کے ساتھ ترتیب دیا ہے کہ اس سے بہتر ممکن نہیں۔ یہ امر حیرت افزا ہے کہ کتاب مختصر ہونے کے باوجود نہایت جامع اور بلیغ ہے، اس کتاب کو معاشیات کی کتب معتبرہ میں یقیناً ایک بلند مرتبہ ماننا چاہیے۔

67

فطرآئینی مسلک کیوں قبول عام حاصل نہ کرسکا۔

اگرچہ اکثر حکما و فضلا نے فطرآئینی مسلک کو قبول کر لیا، مگر عوام پر خود فرانس ہی میں اس مسلک کا کوئی خاطرخواہ اثر نہ پڑا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عوام تصانیف کی شگفتہ بیانی اور دلچسپ طرز تحریر کی بنا پر کسی کتاب کو پسند کرتے تھے، اور فطرآئینی مسلک کے اکثر پیرووں کے تصانیف بالعموم خشک مضامین پر اور ایک درشت اور تلخ پیرایے میں ہوتے تھے اس لیے وہ عوام کو متاثر نہ کرسکے۔ چنانچہ جب گیلیانی اور موریلے (جو فطرآئینوں کی جماعت کا رکن تھا) کے درمیان بحث مباحثہ چھڑا تو یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی کہ

[1] Reflexious sur la formation et la distribution des richesses (1766).

ایک وسیع اور ٹھوس معلومات کے عالم پر ایک معمولی قابلیت کا مگر جوشیلا اور فصیح البیان شخص (یعنی گیلیانی) غالب آسکتا ہے[1]۔ دوسری وجہ مسلک کے نامقبول ہونے کی یہ تھی کہ فطر آئینی اُصول عام طور پر غلط اور خیالی تصور کیے جاتے تھے اور اُس زمانے کے رسائل و تصانیف میں اُن کا مضحکہ اُڑایا جاتا تھا، چنانچہ والٹیر نے ایک کتاب (L'homme aux quarante ecus) تصنیف کی اور اُس میں "محصول مفرد" کی تضحیک کی اور خصوصاً مرسیر لا ریویر پر بہت حملے کیے ہیں۔

فطر آئینوں پر اعتراض یہ کیا جاتا تھا کہ اُن کے تصورات خیلات بہت زیادہ مطلق و آزاد تھے، اور یہ اعتراض بالکل واجبی ہے، اُن کا تصور یہ تھا، جیسا کہ آدم اسمتھ کو سُنیے پر رائے زنی کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ رعایا صرف اُسی ایک خاص قسم کی حکومت کے تحت، جس کی وہ سفارش کرتے تھے، خوشحال رہ سکتی ہے، نیز وہ اپنے اُصول کو ہر ملک اور ہر زمانے کے لیے صحیح اور قابل عمل سمجھتے تھے، اُنھوں نے نظریہ بنانے والوں یا محققین کی حیثیت سے قوموں کے مختلف حالات یا معاشری نشو و نما کے مختلف مرحلوں کا کافی لحاظ نہیں کیا، اور ماہران سیاست ہونے کی حیثیت سے اس بات پر بھی غور نہ کیا کہ ایک روشن خیال مدبّر سیاست کی راہ میں جہالت، تعصب اور خود غرضانہ مخالفتوں کی صورتوں میں رکاوٹیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ یہ ممکن ہے، جیسا کہ گرم رائے زنی کرتا ہے، کہ خود ترگو کو اس

68

[1] دیکھو گیلیانی کی (Dialogue) صفحہ ۲۰۔ اس کتاب کے شائع ہو چکنے کے بعد ترگو نے میڈم لس پی ناسی کو لکھا۔ "میرے نزدیک اس کتاب کا نہایت عمدہ جواب دیا جانا ممکن ہے، لیکن اسمیں بہت کچھ ہنرمندی دکھانی پڑے گی، معاشئین ایسے چالاک چٹے باز سے مقابلہ کرنیکی قابلیت نہیں رکھتے"۔ میں نہیں سمجھتا کہ بیچارہ مورلیے اس میں پورا اُترے گا۔

وجہ سے ناکامی ہوئی کہ ترگو نے اپنی حکمت عملی کو بہت زیادہ شدید اور سخت کر دیا تھا اور اس پر بلا کسی رو رعایت کے غیر مصالحانہ انداز میں عمل کرنا چاہتا تھا' خواہ گرم کا یہ قول صحیح ہو یا نہ ہو مگر یہ واقعہ ہے کہ ترگو کی ناکامی کی وجہ سے اُس کے اصول لوگوں کی نظروں سے گر گئے۔

فطرآئینی نظام حکومت فرانس کی حکمت عملی کو خفیف حد تک متاثر کرنے اور دوسرے ممالک میں کہیں کہیں اپنے اثرات پھیلانے کے بعد بہت جلد صفحۂ ہستی سے ناپید ہو گیا مگر اس میں جو عمدہ عناصر موجود تھے وہ باقی رہے اور اُنھیں کو آدم اسمتھ نے زیادہ مکمل اور صحیح طریقے پر اپنی مشہور کتاب میں پیش کیا۔

اطالیہ

بندینی ۱۶۷۷ء تا ۱۷۶۰ء

اطالیہ میں مثل دوسرے ممالک یورپ کے اٹھارھویں صدی میں نمایاں عملی معاشی جد و جہد کے آثار نہیں دکھائی دیتے۔ مگر اُس زمانے میں صرف ایک شخص بندینی قابل ذکر ہے جو بعد میں اسقف اعظم ہوا۔ بندینی نے ۱۷۳۷ء میں ایک کتاب[1] تصنیف کی جو ۱۷۷۵ء میں جاکر شائع ہوئی۔ کتاب کا مقصد زراعت کو ترقی دینا اور اُس کی اصلاح کے بارے میں تجاویز پیش کرنا تھا۔ مصنف زراعت کی خستہ و خراب حالت کو معاشی و مالی نظام کی ناقص حالت کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اس کی کتاب نے ٹسکنی میں اہم اصلاحات کا موقع بہم پہنچایا۔ اسی لیے یہاں مصنف کا نام خاص عزت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ پیچیو اور دوسرے اطالوی مصنف بلکہ روشر بھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ بندینی کے خیالات فطر آئینی مسلک کے وجود میں آنے سے بہت پہلے ہی فطر آئینی طرز کے تھے۔ مگر یہ دعویٰ ہنوز تصفیہ طلب ہے، اس لیے قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

اٹھارھویں صدی کے نصف آخر حصے میں اطالیہ میں معاشی تحقیقات کی

69

---

[1] Discorso sulla mareunna silvere.

تجدید شروع ہوئی، اور اس کا باعث زیادہ تر فرانس کی تحریک اور شمالی ترقی یافتہ ملکوں کا اثر تھا۔

اس طرح نئی تحریک اولاً تجارتی مسلک کی متابعت کرتی رہی۔ چنانچہ اُس زمانے میں انٹونیو براک تیا اور جیرو لاموبیلونی نے دو کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں تجارتی رجحانات نمایاں نظر آتے ہیں، ان دونوں کے تصانیف کو اُن کے استحقاق سے زیادہ قبولیت حاصل ہوئی، لیکن اٹھارھویں صدی کے آخری حصے میں سب سے مشہور مصنف نیپلس کا ایک باشندہ انٹونیو جینوسی تھا جس نے اطالیہ میں اصول تجاریت کو سب سے بہتر طریقے پر پیش کیا۔ مصنف اپنے ہم وطنوں کی گری ہوئی اخلاقی و ذہنی حالت سے بے حد متاثر معلوم ہوتا ہے، اُس کی دانست میں عام خوش حالی اور ترقی کی پہلی شرط فلسفے کی تجدید اور طرز تعلیم کی اصلاح ہے اور اسی بنا پر اُس نے بذات خود یہ دونوں کام شروع کیے تھے۔ اُس کی اعلیٰ خیالی اور بلند پروازی نے اُس کو مذہبی رہنماؤں کا نشانۂ ملامت بنا رکھا تھا، مگر بارٹولومیو نے جس کا حال ہم کو گیلیانی کے تذکرے کے سلسلے میں معلوم ہوگا، جینوسی کو ان رہنماؤں کی زد سے محفوظ رکھنے کی غرض سے تجارت اور میکانیات کی معلمی کی ایک جگہ قائم کی اور اس جگہ پر ۱۷۵۴ء میں جینوسی کا تقرر کیا اور اس جگہ کے انتخاب پر ایک قید یہ مقرر کردی کہ کوئی مذہبی آدمی اس پر مقرر نہیں ہوسکتا۔ اس معلمی کی جگہ کو یوروپ میں معلم معاشیات کا

ا؎ Trattati dei tributi e delle monete e del governo politico della Societa (1743)

۲؎

۳؎ (۱۷۱۳ تا ۱۷۶۹ء) Dissertazione Sopra il commercio (1750)

سب سے پہلا تقرر کہنا چاہیے کیونکہ دوسرا تقرر اسٹاک ہوم میں ۱۷۵۸ء میں جاکر ہوا اور اس کے دس سال بعد لمبارڈی میں معلمی کی تیسری جائداد پر بکاریا کا تقرر ہوا۔ معلمی، معاشیات کی پہلی کرسی پر بیٹھنے کے بعد جینوویسی نے ایک کتاب[1] تصنیف کی، اور یہ اطالوی زبان میں سب سے پہلی کتاب ہے جس میں پورے علم المعیشت پر باضابطہ اور مکمل بحث کی گئی ہے، مصنف کو انگلستان سے اس قدر اُنس تھا کہ بقول بچیو یہ جذبہ عشق اور دیوانگی کی حد تک پہنچ گیا تھا چنانچہ وہ انگلستان کو ہر لحاظ سے بہترین نمونہ قرار دے کر اطالیہ کو اُس کی تقلید پر اُبھارتا ہے۔ انگلستان میں جو ناقص معاشی نظام موجود تھا اُس کو بھی وہ اچھی نظر سے دیکھتا ہے۔ مگر وہ خود جس مسلک کا پیرو تھا اُس کے بعض سنگین اغلاط کی تصحیح کرتا ہے، مثلاً تجارت غلہ کی آزادی کی وکالت کرتا اور قرض کے لین دین میں سرکاری طور سے سود کے تعین کی مخالفت کرتا ہے۔ اس زمانے کے رنگ میں قرون وسطیٰ کی بعض یادگاروں مثلاً قوانین جائداد مکفولہ، حق وراثت اور حق ملکیت وغیرہ کو وہ مذموم ثابت کرتا اور اُن کی مخالفت اس بناء پر کرتا ہے کہ یہ آئین و قوانین قوم کی بہبودی و خوش حالی میں رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں۔

گیلیانی۔ فرڈیننڈ و گیلیانی تجارتی فرقے کا دوسرا مشہور پیرو تھا، اس کو کم عمری سے تصنیف و تالیف کا شوق تھا، چنانچہ اکیسواں سال ختم ہونے سے پہلے اُس نے ایک کتاب[2] ۱۷۵۰ء میں بحث زر پر لکھی۔ کہتے ہیں کہ اس کتاب میں بعض اُصول عملی تجربہ رکھنے والے دو فلسفیوں یعنی یم۔ رنی نسی[3] نی اور

[1] Lizioni de commercio, ossia di economia civile 1769)

[2] Della Moneta libri cinque (1750)

[3] M. Rinuccini,

بارٹولومیو انٹیری[1] کے مرتب کردہ ہیں۔ لیکن گیلیانی کی اصلی شہرت کا باعث اس کی ایک تصنیف ہے[2] جو فرانسیسی زبان میں لکھی گئی اور پیرس میں جہاں مصنف سفارت کا معتمد تھا ۱۷۷۰ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کا انداز بیان نہایت دلکش اور لطیف ہے، والٹیر کو یہ انداز بہت پسند ہے۔ چنانچہ وہ اس تصنیف کا بے انتہا گرویدہ معلوم ہوتا ہے۔ لکھتا ہے کہ "اس کتاب کو افلاطون اور مولیئر مل کر تیار کر سکتے ہیں[3]" اور علیٰ ہذا القیاس گرم کی بھی یہی رائے ہے، پیچیو اس کتاب کے بارے میں یہ رائے زنی کرتا ہے کہ "اگرچہ مضمون نہایت خشک اور غیر دلچسپ تھا مگر قابل مصنف نے اس کو ایک دلکش اور دل پذیر انداز میں اسی خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے جس طرح کہ فانٹی نیل نے ڈیکارٹ کے نظریۂ گرداب کو بیان کیا ہے یا الگروٹی نے نیوٹن کے نظام عالم کی تشریح کی ہے"۔ گیلیانی نے جس وقت کتاب لکھی تجارت غلہ کی آزادی کا مسئلہ زیر بحث تھا اور اس بارے میں سخت ہیجان پھیلا ہوا تھا، ۱۷۶۴ء کے فرمان شاہی کی بنا پر غلے کی برآمد کی صرف اسی وقت تک اجازت تھی جب تک کہ اسکی قیمت ایک خاص حد تک نہ پہنچ جائے۔ گیلیانی اس بارے میں ایک عام اصول یہ قائم کرتا ہے کہ غلے کی تجارت کا بہترین انتظام اس طرح ہوسکتا ہے کہ کوئی قانون اس سے متعلق نہ بنایا جائے، سب ملکوں کے حالات یکساں نہیں ہوتے بلکہ ایک ملک کے حالات دوسرے ملک کے حالات سے مختلف ہوتے ہیں اسلیئے اقتضائے حالات کے لحاظ سے کام کرنا چاہئے نہ کہ ایک ہی ملک کے حالات کے مطابق"۔

---

[1] Bortolomeo Intieri.

[2] Dialogues Sur le Commerce des bles

[3] گرم کہتا ہے کہ یہ افلاطون کی زبان ہے جس میں قوت اور بلاغت آرائی کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور دیدرو اس کتاب کے متعلق کہتا تھا کہ مکالمات ایک بہترین نمونہ ہے جو خود پکل کی انشا پردازی کے نمونے کے لکھے گئے ہیں۔

علمی نقطۂ نظر سے یہ ایک غیر معقول اور کمزور سا نتیجہ معلوم ہوتا ہے، پھر بھی بلاشبہ فطرآئینوں نے جن کا وہ مخالف تھا، دوسرے مباحث کے مثل اس معاملے میں بھی مدبران سیاست کی صحیح رہبری کیلئے بہت زیادہ شدید قواعد مرتب کئے تھے۔ اس لحاظ سے ممکن ہے کہ گیلیانی نے، فطرآئینوں کے عملی مسائل کو مطلقیت کے ساتھ حل کرنے کے طریق کے خلاف احتجاج کرکے حقیقی خدمت انجام دی ہو۔ مگر وہ تجارتین کے بعض اصول کو جو بالکل غلط ہیں صحیح سمجھتا ہے، مثلاً جس طرح والٹیر اور ویری[1] کا عقیدہ تھا وہ بھی یہی عقیدہ رکھتا ہے کہ ایک ملک دوسرے ملک کو نقصان پہنچائے بغیر خود ہرگز نفع نہیں کما سکتا، گویا کہ ایک ملک کا نفع لازمی طور پر دوسرے ملک کا نقصان ہے، گیلیانی اپنی کسی ابتدائی تصنیف میں یہاں تک بھی کہتا ہے کہ "حکومت سکے میں آمیزش کرسکتی ہے اور اس کا یہ فعل بالکل حق بجانب ہے"۔

سی زیر بکاریا۔ ۱۷۳۸ء تا ۱۷۹۴ء

اطالیہ کے معاشئین میں، جو طرز جدید سے بہت زیادہ متاثر معلوم ہوتے ہیں اور عام اصلاح اور معاشری انقلاب کی تحریک کے موید ہیں، سی زیر بکاریا[2] کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس کی علمی شہرت کا اصلی باعث اس کی ایک تصنیف[3] ہے، چنانچہ والٹیر اس کے متعلق لکھتا ہے کہ "مصنف نے اس کتاب کو لکھ کر یورپ پر بڑا احسان کیا ہے"۔ کتاب کی خوبی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اب تک اس کا ترجمہ ۲۲ زبانوں میں ہوچکا ہے۔ بکاریا کو روس کی ملکہ کیتھرائین نے سنٹ پیٹرس برگ میں اقامت کرنے کے لیئے مدعو کیا تھا مگر

[1] ویری Verri.

[2] Cesare Beccaria.

[3] Dei delitti e delle pene

اس دُرِ بے بہا کو ہاتھ سے جاتا دیکھ کر آسٹروی حکومت نے لمبارڈی میں معلمِ معاشیات کا ایک عہدہ قائم کیا اور اُس پر بکاریا کا تقرر کر دیا۔ معلمی کے عہدے پر پہنچنے کے بعد بکاریا نے اپنے لکچروں کا خلاصہ ایک کتاب[1] کی شکل میں شائع کیا، مگر یہ کتاب نامکمل حالت میں ہے۔ مصنف نے کل بحث کو زراعت، صنعت، تجارت اور طوق محصول و حکومت کے مباحث پر تقسیم کیا ہے۔ ان مباحث میں سے صرف پہلے دو پر تفصیلی بحث ہے اور بقیہ دو مباحث نامکمل ہیں اور ان مباحث پر کچھ نہ لکھنے کی وجہ غالباً یہ معلوم ہوتی ہے کہ شاہی مجلس اعلیٰ کی شرکت نے اس کو عدیم الفرصت بنا رکھا تھا۔ بکاریا فطرآئینوں کے خیالات سے ایک حد تک متاثر نظر آتا ہے۔ چنانچہ وہ صرف زراعت کو ایک پیدا آور شعبۂ پیدائش خیال کرتا ہے اور صنعت و تجارت کو غیر منفعت بخش و غیر پیدا آور سمجھتا ہے۔ وہ مختلف پیشوں اور تجارتی طبقوں کو خاص قسم کے حقوق یا اجارے عطا کرنے کا سخت مخالف ہے، ملک کے اندر صنعت کو قانونی بندشوں سے آزاد رکھنے کی عام طور سے پُرزور وکالت کرتا ہے مگر تجارت خارجہ کے بارے میں اُصول تامین کی سفارش کرتا ہے، وہ گیلیانی کی طرح غلے کی آزاد تجارت کا زیادہ حامی نہ تھا۔

بکاریا نے معاشی اُصول کی نہایت اختصار و جامعیت کے ساتھ تشریح کی ہے اور بعض اہم نکات کو نہایت صحیح طریقے پر بیان کیا ہے، لیکن اگر اسی کے ساتھ اُن کی توضیح بھی کر دیتا تو تفہیم میں زیادہ سہولت اور یقین میں زیادہ پختگی ہو جاتی۔ مثلاً وہ اصل کی دو قسمیں قرار دیتا ہے، اصل دائر و اصل قائم۔ مگر جہاں تک

[1] Elementi di economia publica

زراعت میں اُن کے استعمال کا تعلق ہے صرف اُسی حد تک نہایت مختصر تشریح کرتا ہے اور یہ تشریح بعینہٖ ترگو کی تشریح کے مماثل ہے، اُس نے تقسیم عمل کے بارے میں اور مختلف پیشوں میں مختلف اجرت ہونے کے اسباب کے بارے میں جو خیالات ظاہر کیے ہیں؟ وہ بادی النظر میں تقریباً وہی ہیں جو آدم اسمتھ کے ہیں لیکن اسی کے ساتھ آدم اسمتھ کی کتاب "دولت اقوام" کے دلکش پیرائیہ بیان سے (یعنی جس میں کثرت سے مثالیں پیش کی گئی ہیں اور تفصیلی تشریحات سے کام لیا گیا ہے)" بکاریا کی کتاب قطعی معرا ہے۔

پیٹرو ویری

پیٹرو ویری[1] (۱۷۲۸ء تا ۱۷۹۷ء) جو بکاریا کا نہایت گہرا دوست تھا، لمبارڈی میں ۲۵ سال تک سرکاری مجلس انتظامی کا رکن رہا اور اس حیثیت سے اُس نے بڑی بڑی معاشی و معاشرتی اصلاحیں کیں۔ ۱۷۶۹ء میں اُس نے ایک کتاب[2] لکھی اور اُس میں تجارت غلہ کی تنظیم کے بارے میں تاریخی لحاظ سے اور نظری اعتبار سے بحث کی ہے اور آخر میں وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ قحطوں اور گرانی کا علاج صرف تجارت غلہ کو قانونی بندشوں سے آزاد کرنے سے ہو سکتا ہے، اُس کی دوسری مشہور کتاب[3] ۱۷۷۱ء میں شائع ہوئی، اُس میں وہ زیادہ تر تجارتی معاملات میں سرکاری قانونی مداخلت کو مذموم قرار دیتا ہے، اور قیمتوں یا شرح سود کے تعین کی کوششوں کی نیز تجارتی مجالس کے قیام کی سخت مخالفت کرتا ہے اور محصول تائین کے ذریعے سے قومی صنعت کو مستحکم

[1] Pietro Verri.

[2] Riflessioni sulle leggi Vincolanti, principal-mente nel Commerciodo grani (1796)

[3] Meditazioni Sull economia Politica.

کرنے کی پرزور وکالت کرتا ہے۔ اس کتاب میں معاشیات کے نہایت ابتدائی اُصول پیش کیے گئے ہیں مگر اس کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہوا اور وہ بہت ہی مقبول ہوئی، منجملہ ان اُصول کے ایک اساسی اُصول وہ ہے جس کو مصنف بقول آدم اسمتھ "کسی قوم کی زمین اور محنت کی سالانہ پیداوار" کی دوبارہ پیدائش اور توفیر سے موسوم کرتا ہے اور اس اصول میں پیداوار کو زیادہ کرنے یا کم کرنے کا جو میلان پایا جاتا ہے اُس کی بنیاد پر وہ ہر قانون آئین اور ادارے کو جانچتا ہے اس کے مطابق بکاریا کے برعکس وہ زراعت بر پیمانۂ صغیر کو زراعت بر پیمانۂ کبیر پر اس لیئے ترجیح دیتا ہے کہ اُس کی دانست میں صرف اول الذکر طریق سے بحیثیت مجموعی زیادہ پیداوار حاصل ہوتی ہے۔ محصولات کی بحث میں وہ فطر آئینوں کی پیش کردہ تجویز یعنی محصول ارضی کی مخالفت کرتا ہے۔

کارلی | مثل ویری کے جی۔ آر۔ کارلی نے لمبارڈی کے اصلاحات میں سرکاری حیثیت سے بہت کچھ حصہ لیا، اس نے نہ صرف مبحث زر پر نہایت فاضلانہ اور پر مغز مضامین لکھے بلکہ ایک کتاب[1] بھی تصنیف کی جس میں اس خیال کو غلط ثابت کیا ہے کہ تجارت خارجہ میں کسی ملک کے نفع نقصان کا مدار نام نہاد توازن تجارت کی کمی بیشی پر ہوتا ہے۔ اُس کا ایک خط بھی قابل ذکر ہے جو کہ اُس نے پام پیونیری کو لکھا، اس خط میں تجارت غلّہ کی آزادی کے بارے میں جو دلائل پیش کیے گئے ہیں وہ گیلیانی کے دلائل سے ملتے جلتے ہیں۔ کارلی یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ یہ مسئلہ عملی حیثیت اس قدر نہیں رکھتا جس قدر کہ سلطنت کے نظم و نسق سے اُس کو تعلق ہے اور اسی لیئے ہر ملک کی خاص حالت کے لحاظ سے اس مسئلے کو حل کرنے کا

73

[1] Ragionamenti sopra i Bilanci economici delle Nazione.

مشورہ دیتا ہے، وہ اس فطر آئینی اُصول کی مخالفت کرتے ہوئے کہ محض زراعت پیدا آور ہے اور باقی سب پیشے غیر پیدا آور ہیں، دلچسپ پیرائے میں ملک میں مختلف پیشوں کی ضرورت کی توجیہ و تشریح کرتا اور صنعت کو زراعت کی ترقی کا وسیلہ قرار دیتا ہے۔

دیسکو جی۔ام بہ تستا دیسکو[۱] (۱۷۳۳ء تا ۱۷۹۶ء) نے علمی انجمنوں اور فرماں رواؤں کی فرمائش پر متعدد مسائل پر مضامین لکھے۔ ان مباحث میں وہ زیادہ تر مجالس تجارت کے قیام کی مخالفت کرتا اور روئی کی قیمت اور شرح سود کے تعین کے بارے میں سرکاری مداخلت کو مذموم قرار دیتا ہے۔ ملکی کاشتکاری یا خود کاشت زمینداری کے طریقے کی وکالت کے سلسلے میں وہ حکومت کو مشورہ دیتا ہے کہ ہر شہری کے لیے زرعی زمینوں کے رقبوں کی بیشترین و اقل ترین حد مقرر کی جائے، وہ جائدادوں کے بکثرت ایک ہی شخص کے پاس جمع ہونے کا بھی مخالف ہے، اس لیے حکومت سے استدعا کرتا ہے کہ وہ حق ہبہ کو زائل کر دے۔ اور یہ قانون رائج کرے کہ متوفی کا ترکہ اُس کی سب اولادوں میں مساوی طور پر تقسیم ہو۔

فیلان جیری گے تانو فیلان جیری[۲] (۱۷۵۲ء۔ ۱۷۸۸ء) اطالیہ کے اٹھارھویں صدی کے اُن مصنفین میں سے ہے جن کے نام کو تمام یورپ میں بہت شہرت حاصل ہے، اُس نے ۱۷۸۰ء میں ایک کتاب[۳] لکھنی شروع کی جو ۱۷۸۰ء تا ۱۷۸۵ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب پانچ جلدوں میں ہے، دوسرے حصے میں معاشی مباحث ہیں۔

---

[۱] Giambatista Vasco.

[۲] Galtano Filangieri

[۳] Scienza della Legislazione

اُس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کا دل اصلاحات کے ولولے اور حبّ وطن کے جوش سے بھرا ہوا ہے، وہ اپنے زمانے کے نقائص پر نکتہ چینی کرنے کی غرض سے اپنی پوری فصاحت و بلاغت سے کام لیتا ہے۔ اگرچہ آدم اسمتھ سے بظاہر ناواقف معلوم ہوتا ہے لیکن آدم اسمتھ کی طرح تجارتی آزادی پر بہت زور دیتا ہے، قرونِ وسطیٰ کے آئین و قوانین اُس کی دانست میں پیدائش دولت اور قومی خوش حالی کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں، اس لیئے اُن کو منسوخ کرنے کے بارے میں وہ نہایت شدّ و مد کے ساتھ اصرار کرتا ہے، نوآبادیات کے قیام و انتظام کا بھی مخالف ہے اور اس بارے میں انگلستان، ہسپانیہ و ہالینڈ کے طرزِ عمل کو مذموم قرار دیتا ہے۔ رینال، ترگو اور جینوسی کی طرح وہ بھی یہ پیشین گوئی کرتا ہے کہ "سارا امریکہ کسی نہ کسی دن آزاد ہو کر رہے گا"۔ یہ پیشین گوئی بعد میں چل کر صحیح ثابت ہوئی اور اسی کی بناء پر بنجمن فرانکلن نے فیلاں جیری کی تعریف و توصیف میں بہت فصاحت صرف کی ہے۔ فیلاں جیری اصلی معنوں میں مصنف نہ تھا، اُس کو ایک مولف کہنا چاہیے جو بعض اوقات دوسروں کے غلط خیالات کو بھی آنکھ بند کر کے اپنے ہاں لے لیتا ہے، مثلاً وہ فطرآئینوں کے "محصول مفرد" کی وکالت کرتا ہے لیکن وہ بحیثیت مجموعی اپنے زمانے کے اعلیٰ ترین سیاسی و معاشری رجحانات کی نمائندگی کرتا ہے۔ اگرچہ اُس کے اور بکاریا کے اسلوب اور طبیعت میں نمایاں فرق بلکہ بے انتہا تضاد ہے، لیکن اُس نے قومی و بین الاقوامی نقطۂ نظر سے عام ترقی و بہبودی کے لیے جو نمایاں اور قابل قدر خدمات انجام دیئے وہ بکاریا کے خدمات سے کم نہیں ہیں۔

74

لڈوویکو ریچی[1] (۱۷۴۲ء تا ۱۷۹۹ء)

اس نے ۱۷۸۷ء میں ایک کتاب تصنیف[2] کی۔ اس کو در اصل ایک رپورٹ کہنا چاہیئے جو اہل افلاس کی دستگیری اور خیراتی انجمنوں کے بارے میں مرتب کی گئی تھی، مگر اس مسئلے پر اس نے ایسے عام طریقے پر بحث کی ہے کہ اس کو ایک دلچسپ اور مستقل تصنیف کہنا بیجا نہ ہوگا۔ لکھتا ہے کہ غیر منتظم خیرات سے اُن خرابیوں میں زیادتی ہوتی ہے جن کا رفع کرنا اس کا مقصد ہے۔ اور اس سے پوری قوم کے اخلاق اور اُن کے عادات و صفات پر مضر اثر پڑتا ہے۔ وہ زچگی خانوں اور یتیم خانوں کے ناواجبی استعمال کو خاص طور سے مذموم قرار دیتا ہے اور ان کی اصلاح کے بارے میں اُس نے متعدد تجاویز پیش کیے ہیں۔ اُس کے خیالات مالتھس کے خیالات سے بڑی حد تک ملتے جلتے ہیں۔ مثلاً وہ مالتھس کے مثل معذورین کی سرکار کی جانب سے امداد و اعانت کیے جانے کے خیال کا سخت مخالف ہے، اور اس امدادی کام کو محض افراد اور خانگی جماعتوں کا فریضہ خیال کرتا ہے۔

فرڈینانڈ پاولیٹی[3] (۱۷۱۷ء تا ۱۸۰۱ء)

یہ ایک ہمدرد اور جوشیلا پادری تھا جس نے کاشتکاروں میں تعلیم پھیلانے میں اور اُن کے سروں سے محصول کا بار کم کرنے میں نہایت قابل قدر خدمات انجام دیئے۔ اُس نے میرابو (ہمدردِ نوع) کے نام جو خط لکھا تھا اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاولیٹی فطرت آئینی اصول کو تسلیم کرتا تھا۔ اُس کی دو کتابیں

---

[1] Luddovico Ricci

[2] Sulla riforma degli istituti pii della citta di Modena

[3] Ferdinando Paoletti

سنہ ۱۷۶۹ء[۱] اور سنہ ۱۷۷۲ء[۲] میں علی الترتیب شائع ہوئیں۔ دوسری کتاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف تجارت غلّہ کی آزادی کا وکیل ہے۔

۷۱ — کونٹ فرانسس کو مین گوٹی[۳]

مین گوٹی نے سنہ ۱۷۹۱ء میں ایک کتاب[۴] تصنیف کی، اس کتاب کو اصول تامین اور بندشوں کی انتہائی حکمت عملی کے خلاف ایک زبردست احتجاج کہنا چاہیے اس کا مطالعہ آجکل بھی مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ مین گوٹی نے اسی سال ایک اور مختصر کتاب[۵] بھی شائع کی، اس تصنیف کا مقصد ایک کتاب "تاریخ تجارت و قدیم فن جہاز رانی"[۶] کی تردید کرنا اور اس کے مصنف ہیوٹ کے مبالغہ آمیز بیانات کو غلط ثابت کرنا تھا" اور اسی سلسلے میں مین گوٹی نے قدیم و جدید تمدنوں کے فرق پر بھی بہت دلچسپ بحث کی ہے۔

جی ام ماریا اورٹس[۷] (سنہ ۱۷۱۳ء تا سنہ ۱۷۹۰ء)

سب سے آخر میں اطالیہ کا ایک اور فلسفی اورٹس قابل ذکر ہے، اس میں اصلیت و جدّت کا مادہ خاص طور پر موجود تھا حتی کہ وہ وہمی ہو کر رہ گیا تھا اور اس کے بعض خیالات انیسویں صدی کے یورپ کے بعض مصنفین کے خیالات سے مشابہت رکھتے ہیں۔ اسلئے وہ بآسانی اپنے معاصرین کا ہم مسلک قرار نہیں دیا جا سکتا۔ وہ

---

۱ Pensieri Sopra l'agricoltura (1769)

۲ I veri mezzi di render felici le Societa (1772)

۳ Count Francisco Mengotti

۴ Il Colbertismo (1791)

۵ Del Commercio de Romani

۶ Histoire du Commerce et de la Navigation des anciens.

۷ Giammaria Ortes

اپنے زمانے کی سیاسی آزادی کی تحریک کے رجحانات کا سرے سے مخالف معلوم ہوتا ہے، لیکن اصول تجاریت کو تسلیم نہیں کرتا یعنی نظریۂ توازن تجارت کو مسترد کرتا اور تجارت کی آزادی کی وکالت کرتا ہے۔ قرون وسطیٰ کا معاشی ومعاشرتی نظام اُس کا معیار معلوم ہوتا ہے، مثلاً وہ کلیسائی جائداد کے قیام وانتظام پر زور دیتا ہے، سود کے رواج اور خصوصاً قرض پر سود کے لین دین کی مخالفت کرتا ہے اور نظام زر کے تسلط کا مخالف ہے۔ تموّل وافلاس کے بارے میں وہ ان عجیب وغریب خیالات کا اظہار کرتا ہے: "ہر زمانے میں اور ہر ملک میں قوم کی مجموعی دولت ملک کی آبادی سے مقررہ نسبت رکھتی ہے اور مجموعی دولت کی مقدار آبادی کی مجموعی تعداد کو متعین کرتی ہے لہٰذا جہاں دولت ہوتی ہے وہاں افلاس کا ہونا ضروری ہے، جب ایک شخص متموّل بننے کے لیئے دولت کماتا ہے تو وہ گویا اس نسبت سے اپنے کسی دوسرے بھائی کو مفلس بنا رہا ہے، دولت کی مجموعی مقدار میں اضافے کی کوشش کرنے سے کوئی قوم خوش حال نہیں ہوسکتی بلکہ موجودہ دولت کو مناسب طریقے پر مختلف طبقوں میں تقسیم کرنے سے قوم کی اصلاح وترقی ممکن ہے، افلاس کو دور کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ مالداروں اور تاجروں کو متموّل بننے کی دُھن سے روکا جائے اور نفع کمانے کے جوش کو دبایا جائے۔"

اورٹس نے خاص مسئلۂ آبادی پر ایک جداگانہ کتاب بھی لکھی ہے، اُس میں وہ یہ ضابطہ پیش کرتا ہے کہ "آبادی کا اضافہ سلسلۂ ہندسیہ میں ہوتا ہے" مگر اسی کے ساتھ یہ خیال بھی ظاہر کرتا ہے کہ جس طرح حیوانات میں نسل کا اضافہ باہمی کشت وخون وغیرہ کے باعث محدود رہتا ہے اسی طرح نوع انسان میں بھی اضافۂ نسل پر عقل کی رہبری سے حد قائم کی جاسکتی ہے (یہ وہی چیز ہے جس کو مالتھس نے شدومد کے ساتھ عاقلانہ اجتناب اور دور اندیشانہ روک سے تعبیر کیا ہے) تجرد کے

رواج کو وہ رسم ازدواج کے مساوی ضروری اور مفید خیال کرتا ہے، زرعی پیداوار کا جہاں تک تعلق ہے وہ تقریباً وہی نتیجہ قائم کرتا ہے جس کو آج کل قانون تقلیل حاصل کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اورٹس اپنے تحریرات کی اشاعت کے بارے میں کسی قدر بے پروا تھا، اسی لیئے اُس کے تصانیف گمنامی اور تاریکی میں پڑے رہے ایک مدت دراز کے بعد جس وقت کسٹوڈی نے اطالیہ کے علمائے معاشیات کے تصانیف و تحریرات کو جمع کرکے شائع کیا اُس وقت اورٹس کے تصانیف بھی منظر عام پر آئے اور ان کے خصوصیات و محاسن نے عوام کو مصنف کی طرف متوجہ کرایا۔

ہسپانیہ

یورپ میں جو تحریک جاری تھی اُس کا اثر ہسپانیہ میں بھی محسوس ہوا۔

جیرونی مو اسٹارز[1] — اٹھارھویں صدی کے ابتدائی حصے میں اسٹارز نے ایک کتاب[2] تصنیف کی، یہ کتاب ۱۷۲۴ء میں لکھی گئی اور ۱۷۴۰ء میں شائع ہوئی، ۱۷۵۱ء میں جان کپ پاکس نے اس کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا اور ۱۷۵۳ء میں فوربانے نے فرانسیسی زبان میں اُس کا ترجمہ شائع کیا۔ اس کتاب میں اصول تجارت اپنی انتہائی شکل میں پیش کیے گئے ہیں۔

پیترو روڈریگز کونٹ دوف کیمپا نیس[3] (۱۷۲۳ء۔ ۱۸۰۲ء) — روڈریگز اٹھارھویں صدی کے نصف آخری حصے کے مصلحانہ رنگ کی بہترین طریقے پر نمائندگی کرتا ہے، یہ بھی نہایت جوش و خروش کے ساتھ اُنھیں مسائل پر بحث کرتا ہے جن پر کہ ترگو نے بحث کی تھی اور اپنے اسی مشہور معاصر کی حکمت عملی کی وکالت کرتا ہے۔

---

[1] Geronimo Ustariz.

[2] Teorica Y Practica del commercio Y morma.

[3] Petro Rodriguez, Count of Campomaneg

دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ روڈریگز کا نقطۂ نظر ویسا اعلیٰ وارفع نہیں ہے جیسا کہ ترگو کا تھا۔ اس نے تین کتابیں تصنیف کیں جو بقول رابرٹسن نہایت عمدہ کتابیں ہیں۔ مصنف نے نہ صرف ان تحریرات کے ذریعے سے بلکہ بحیثیت وزیر کے بھی تجارت، صنعت وزراعت کو قانونی بندشوں اور قیود سے آزاد کرانے اور اُن کو ترقی دینے کی کوشش کی، خصوصاً تجارت غلہ اور صنعت کی راہ سے ان نفرت انگیز موانعات کو ہٹانے میں بہت بڑا حصّہ لیا جو کہ قرون وسطیٰ کا ترکہ تھے۔ وہ سونے چاندی کو دولت کا واحد ذریعہ تصوّر کرنے کا سخت مخالف ہے، اسی سلسلے میں لکھتا ہے کہ "ہر چند بادشاہ چارلس سوم کے زریں عہد حکومت میں ہسپانیہ ترقی کر رہا ہے، لیکن حکومت کا اپنے سونے چاندی کی کانوں پر بھروسا کیے ہوئے بیٹھے رہنا ملک کے لیے مضرت سے خالی نہیں، ہسپانیہ کی دولت وقوت کے اصلی ذرائع امریکہ میں تلاش کرنے سے نہیں مل سکتے، ہسپانوی باشندوں کے تموّل اور خوش حالی میں حقیقی اضافہ کرنا مقصود ہے تو ملک کی صنعتوں کو ترقی دینا چاہیے۔

کونت کا یہ خیال کہ "معاشری انقلاب کی تحریک نے اطالیہ وہسپانیہ میں زیادہ تر معاشی اصلاح کا رخ اختیار کیا" صحیح معلوم ہوتا ہے، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ فرانس میں مصنّفین کو اظہار رائے کی جتنی آزادی حاصل تھی اُتنی اطالیہ وہسپانیہ میں مطلقاً نہ تھی،

۷۷

لہ (1) Respuesta fiscal sobre abolir la tasa of establecer et commercio de granos (1764)

(2) Discurso sobre la education de los artesanos yau fomento. (1775)

(3) Discurso sobre el fomento de industria pepolar. (1774)

حکومت کے دباؤ کی وجہ سے ان دونوں ملکوں میں فلسفہ اور سیاسیات کی تحقیق و بحث کا سلسلہ ایک مدت دراز تک رکا رہا اور دوسری بات یہ کہ اطالیہ کے شمالی شہروں کی گزشتہ زمانے کی کاروباری اولوالعزمیوں اور صنعتی کارناموں نے اطالوی مصنفین کی توجہ حکومت کی معاشی حکمت عملی کی اصلاح اور ملک کے آئین و قوانین کی اصلاح کی جانب مبذول کر دی۔

جرمنی

فن معاشیات کی ابتدا

ہم بیان کر چکے ہیں کہ اطالیہ اور انگلستان میں زر اور تجارت خارجہ کے بارے میں بعض مقامی عملی مسائل کی بحث کی بنا پر معاشیات کی ابتدا و ترقی ہوئی لیکن جرمنی میں معاشیات کی ابتدا بقول روشر نام نہاد علوم مالیہ[۱] سے ہوئی ہے، قرون وسطیٰ کے اواخر میں جرمنی کے اکثر صوبوں میں ایک مجلس بنام کیمر[۲] قائم تھی، اس مجلس کا کام عوام کے املاک کا انتظام اور شاہی حقوق کا تحفظ تھا۔ مجلس کی کارروائیاں مخفی طور پر ہوتی تھیں اور عوام کو علم نہ ہونے پاتا تھا۔ برگنڈی میں اسی قسم کی ایک جماعت موجود تھی چنانچہ اسی کی تقلید میں شہنشاہ میکس میلین نے ویانا اور انس برک میں شہنشاہی مجلسیں[۳] ۱۴۹۸ء اور ۱۵۰۱ء میں

---

[۱] Cameralistic Sciences.

[۲] (Camera) Kammer.

[۳] آلک کونسل (Aulic Councils) مقدس رومانی شہنشاہی کا ایک عضو یہ تھی۔ اول اول اس کا مقصود عاملانہ کاموں کا انجام دینا تھا۔ مگر اس سے زیادہ تر عدالتی کام انجام پاتے تھے سنہ ۱۴۹۷ء میں اس کا قیام عمل میں آیا اور سنہ ۱۸۰۶ء میں مقدس رومانی شہنشاہی کے خاتمے پر اس کا خاتمہ ہو گیا۔

علی الترتیب قائم کیں۔ ان مجلسوں کی نگرانی میں نہ صرف مالیات اور محصولات کے شعبے تھے بلکہ صنعت و تجارت کا انتظام بھی انھیں کے سپرد کر دیا گیا تھا، ارکان مجلس کی تعلیم و تربیت کے لیے یہ ضروری خیال کیا گیا کہ وہ ان شعبوں میں کافی دستگاہ رکھیں، چنانچہ اس مقصد پر نظر کرتے ہوئے جرمنی کے جامعوں میں چند مضامین درس میں شامل کیے گئے اور اُن کی تعلیم و تدریس کی غرض سے معلّموں کا تقرّر عمل میں لایا گیا، نصاب میں ایک طرف علوم ظواہر فطرت مثلاً فن جنگلات، فن معدنیات اور صناعیات رکھے گئے اور دوسری طرف قومی بہبودی کے تعلق سے انسانی تعلّقات اور انسانی آئین و قوانین کا مضمون رکھا گیا 78 چنانچہ اس موخر الذکر مضمون سے ہی جرمنی میں معاشیات کی ابتدا ہوتی ہے۔

جرمنی کے تجارئین

جرمنی میں تجارتی خیالات کا اثر جتنا قوی تھا شاید ہی یوروپ کے کسی دوسرے ملک میں پڑا ہوگا لیکن دوسرے ملکوں میں نظریۂ توازن تجارت کو جس قدر قبولیت حاصل ہوئی جرمنی میں عہد زیر بحث میں اس سے بدرجہا کم حاصل ہوئی، جرمنی میں سترھویں صدی کے تمام سربرآوردہ علمائے معاشیات یعنی بارنٹز 1. Bornitz.، بیسولڈ 2. Besold.، کلاک 3: Klock.، بیچر 4. Becher.، ہارنیک 5. Horneck.، سکنڈارف 6 Seckendorf، شروڈر 7. Schröder. متفقہ طور پر اصول تجاریت کی وکالت کرتے ہیں، علی ہذ القیاس اٹھارھویں صدی کے نصف اوّل حصے کے مصنّفین کے متعلق بھی یہی کہا جا سکتا ہے اور خصوصاً یُسٹی[8] کو (جو ۱۷۷۱ء میں فوت ہوا) بھی ہم اس زمرے میں شامل کر سکتے ہیں، یُسٹی جرمنی کا

---

[8] Justi.

پہلا شخص ہے جس نے معاشیات کی ایک باضابطہ کتاب تصنیف کی۔ یہ کتاب نصاب میں شریک کردی گئی تھی اور اس طرح ایک مدت دراز تک اس کے ذریعے سے رائے عامہ پر اثر پڑتا رہا۔ اس زمانے میں صرف ایک مصنف زنکے[1] (۱۶۹۲ء۔۱۷۶۹ء) ہی ایسا شخص نظر آتا ہے جو بعض معاملات میں تجارئین کے خلاف رائے ظاہر کرتا ہے، مثلاً وہ تجارتی اصول کے خلاف تجارتی آزادی پر بھی اشارۃً بحث کرتا ہے، لیکن یہ سب مصنف صرف قومی نقطۂ نظر سے اہمیت رکھتے ہیں بین الاقوامی حیثیت سے ان کی کوئی وقعت نہیں اس لیے کہ یورپ کے دوسرے ممالک میں خیالات کی عام تحریک پر ان کا کچھ بھی اثر نہیں پڑا۔

جرمنی میں فطرآئینی مسلک کے پیرو

فطرآئینی نظام کو جرمنی میں ایک حد تک قبولیت حاصل ہوئی۔ ۱۷۷۲ء میں باڈن کے حاکم کارل فریڈرک نے اپنے لڑکوں کے مطالعے کی غرض سے ایک کتاب تصنیف کی۔ یہ کتاب فطرآئینی اُصول کا آئینہ ہے مگر علمی اعتبار سے کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتی۔ شلٹ وائن[2] (۱۷۳۱ء تا ۱۸۰۲ء) اور ماوِل لن[3] (۱۷۴۳ء۔۱۷۹۴ء) فطرآئینی مسلک کے پیرو تھے تھیوڈور شمالتس[4] (۱۷۶۴ء۔۱۸۳۱ء) بھی اسی مسلک سے تعلق رکھتا تھا، اگرچہ یہاں پر اُس کا تذکرہ تاریخی ترتیب کے لحاظ سے

[1] Zincke.

[2] Schlettwein.

[3] Manviilon.

[4] Theodor Schmalz.

عوام کے خیالات اور آسٹریا کی حکمت عملی پر نہ صرف اُس زمانے میں رہا بلکہ انیسویں صدی کے بیشتر حصے میں بھی پڑا۔

جرمنی کا سب سے بڑا معاشی جسٹس موزر۔

بقول روشر جرمنی میں اٹھارھویں صدی کا سب سے مشہور عالم معاشیات جسٹس موزر[1] (۱۷۲۰ء تا ۱۷۹۴ء) ہے۔ موزر نے ۱۷۷۴ء میں ایک کتاب لکھی[2] اس میں کسی ایک مضمون پر مسلسل بحث نہیں کی گئی ہے بلکہ وہ متعدد منتشر مضامین کا مجموعہ ہے لیکن گیٹے[3] اس کتاب کو ایک مکمل مضمون خیال کرتا ہے۔ گیٹے موزر کے تصانیف کو لڑکپن ہی سے شوق کے ساتھ پڑھا کرتا تھا اور خود اُس نے جو کتاب[4] تصنیف کی اُس میں موزر کو نہایت ذہین اور پرجوش مصنف اور معاشرتی معاملات اور عمرانیات کا متبحر عالم بتاتا ہے اور موزر کے خصائل و عادات کو اعلیٰ اخلاق کا نمونہ قرار دیتا ہے۔ جرمنی کے اکثر مصنفوں نے خاص خاص معاملات اور اہم حالات کی طرف توجہ کی مگر موزر مختلف قوم کی روزمرہ کی زندگی کے حالات اور حقیقی واقعات کی بحث کرتا ہے اور بعض ایسی چھوٹی چیزوں پر نظر ڈالتا ہے جو سب کی نظروں میں نہیں آتیں۔ مگر انھیں پر قوم کی زندگی کا مدار ہے۔ بے تکلفانہ طرز تحریر اور بیان کی سادگی و شگفتگی کے لحاظ سے موزر کو فرینکلن کے ہم پلہ خیال کیا جاتا ہے خیالات کا جہاں تک تعلق ہے موزر اطالیہ کے مشہور مصنف اوریس سے مماثلت رکھتا ہے، نئی تحریک اور سیاسی بیداری کے رجحان کا سرے سے مخالف ہے بلکہ اس اعلیٰ عقلی و اخلاقی رجحان کا بھی

---

[1] Justus Moser.

[2] Patriotische Phantasieen.

[3] Goethe.

[4] Dichtung und wahrheit.

مخالف معلوم ہوتا ہے جس کی آدم اسمتھ نے بعد میں چل کر اپنی کتاب میں ترجمانی کی۔ مؤرخ صرف قدامت پسند ہی نہیں بلکہ رجعت پسند بھی ہے، اور قرون وسطیٰ کے بعض آئین ورواجات مثلاً تجارتی جتھوں Guilds وغیرہ کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے، اور کارلائل
80
کی طرح موجودالوقت مزدوروں کی نام نہاد آزادی پر قدیم جاگیری نظام اور زرعی غلامی کو ترجیح دیتا ہے، نظام زر کی ترقی کو مذموم قرار دیتا ہے، صنعت بر پیمانۂ کبیر اور عمل کی وسیع تقسیم اور تخصیص کی مخالفت کرتا ہے، جائداد غیر منقولہ کے بارے میں "مطلق حق ملکیت" کا مخالف ہے اور قرون وسطیٰ کے ان تمام قانونی قیود اور بندشوں کو از سر نو تازہ کرنا چاہتا ہے جو ملکیت پر نہ صرف حکومت اور پوری قوم کے مفاد کے تحت بلکہ افراد قوم کے بہبود کو پیش نظر رکھ کر عائد کی گئی تھیں، پھر بھی مؤرخ نے اپنے معاصرین کی تنگ خیالی اور اصول پرستی کی اپنے پیچیدہ انداز میں نہایت سخت و درشت نکتہ چینی کی اور اس کے اثناء میں وہ بہت سی عمدہ باتیں بیان کرتا اور خاصکر قرون وسطیٰ کے معاشی مظاہر اور عام معاشری حالات پر بہت کچھ معنی خیز روشنی ڈالتا ہے۔

ہالینڈ

ہالینڈ میں معاشی خیالات کے بارے میں نئے رجحانات سترھویں صدی کے وسط میں ظاہر ہوئے۔

ڈرک گراس ونکل[1] سنہ ۱۶۰۰ء سنہ ۱۶۶۶ء	گراس ونکل تجارت غلہ کی آزادی کی وکالت کرتا ہے اور صنعت پر قانونی بندشیں قائم کرنے کا عام طور پر مخالف ہے۔
پیٹر ڈی لاکورٹ[2] سنہ ۱۶۱۸ء سنہ ۱۶۸۵ء	پیٹر تقریباً گراس ونکل ہی کے انداز میں ملک میں اپنے زمانے کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہے خرید و فروخت، پیدائش، تعلیم و مذہب میں شہریوں کو

کامل آزادی دینے کے بارے میں حکومت سے اصرار کرتا ہے مجالس تجارت کے قیام و انتظام کے بارے میں سخت اعتراض کرتا ہے۔ پیٹر جان ڈی وٹ[3] سے بھی درس لیا کرتا تھا چنانچہ اس کی خاص تصنیف[4]

[1] Dirck Grarwinckel

[2] Pieter de la Court.

[3] (John de Witt) یہ گرانڈ پنشنری تھا اور چیف مجسٹریٹ کا درجہ رکھتا تھا۔

[4] Anwysing der heilsame politike gronden en maximen Van de Republike Van Holland en Westfriesland (1669).

جو سنہ ۱۶۶۹ء میں شائع ہوئی اسی مدبر سیاست (جان ذی وٹ) کی تعلیم کا نتیجہ خیال کی جاتی ہے، سنہ ۱۷۰۹ء میں اس کتاب کا فرانسیسی ترجمہ شائع ہوا جو اصلی تصنیف سے بھی زیادہ مشہور ہے۔

جین ڈی لاکورٹ سنہ ۱۶۲۲ء۔ سنہ ۱۶۶۰ء	جین، پیٹر ڈی لاکورٹ کا بھائی تھا اور اپنے بھائی کے مسلک ہی پر چلا۔
سیل مے سیس	سیل مے سیس کی دو کتابیں سنہ ۱۶۳۹ء اور سنہ ۱۶۴۰ء میں شائع ہوئیں۔ ان کتابوں میں ضرورت وجواز سود

کی بحث کے سوا کوئی اور اہم بحث نہیں ہے۔

Salmasius. ؎

برطانیہ، آدم اسمتھ اور اُس کے متصل متقدّمین و متاخرین

برطانیہ و فرانس

(۱) ہیوم۔ اُس کے تصانیف اور خصوصیات۔ (۲) سرجوشیا ٹکر اور سر جیمس اسٹوارٹ۔ (۳) آدم اسمتھ، علمائے معاشیات میں اُس کا رتبہ۔ (۴) نظام اسمتھ اور سابقہ نظاموں کا تعلق و فرق (۵) اسمتھ کا طریق تحقیقات۔ (۶) اسمتھ کے تصانیف۔ دولت اقوام اور اُن کے مباحث۔ (۷) اسمتھ کی تصنیف کا اثر۔ (۸) اسمتھ کے نقاد۔ بنتھم، لارڈ لاڈرڈیل (۹) مالتھس۔ مضمون آبادی، قانون بیضا ئے صلح۔ (۱۰) ٹیلارڈو، طریق تحقیقات۔ نظریہ لگان (۱۱) دیگر مصنف سینیر، جان مل، جیمس مل وغیرہ

81

انگلستان کے معاشیین اور اُن کے تصانیف۔	انگلستان میں اٹھارھویں صدی کے شروع حصّے میں

معاشی تحقیقات کا سلسلہ رُکا رہا، ۱۷۳۵ء میں کچھ ہل چل کے آثار نمودار ہوئے اور ایک پادری برکلے کی کتاب "سائل"[1] شائع ہوئی، اس کتاب میں قومی دولت اور فعل زر پر نہایت شدّ و مد کے ساتھ بحث کی گئی ہے اور ایسے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے جن سے تجارتی اصول کی تردید ہوتی ہے۔ کتاب میں بعض بیانات غلط بھی ہیں مگر اس کی اشاعت کے بعد سے تحقیقات کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔

ہیوم

فطرآئینی فرقہ جس وقت فرانس میں معاشیات کے ایک معین نظام کی تدوین میں مصروف تھا اسکاٹ لینڈ میں ایک بلند پایہ فلسفی ہیوم مختصر مگر پرمغز مضامین لکھ لکھ کر معاشیات کے بعض بنیادی اصول کی تشریح کر رہا تھا، ہیوم سے قبل انگلستان میں ان مسائل پر جو کچھ لکھا گیا تھا وہ تقریباً سب کا سب حقیقی عملی دائرے کے اندر تھا، اگرچہ لاک پہلا شخص ہے جس نے معاشی تحقیق کا تعلق انتقادی فلسفے کے عام نظام کے ساتھ قائم کیا، پھر بھی یہ تعلق نہ صرف جزوی تھا بلکہ کسی قدر غیر معین بھی تھا، لیکن اصل میں ہیوم نے اس فلسفے کو سب سے زیادہ نمایاں اور ترقی یافتہ شکل میں پیش کیا، چنانچہ معاشیات سے ہیوم کا تعلق اس رجحان کو ظاہر کرتا ہے جو کہ معاشی تحقیق کو فلسفے کے ساتھ مربوط کرنے کے متعلق اُس زمانے میں پیدا ہو گیا تھا۔ جن مضامین کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اُن میں سے اکثر ۱۷۵۲ء میں ایک کتاب کی شکل میں بعنوان "سیاسی مباحث"[2] شائع ہوئے اور ایک سال بعد دوسری کتاب میں بعنوان "مختلف مباحث و مضامین"[3] شائع ہوئے،

---

[1] Querist

[2] Political Discourses

[3] Essays and Treatises in Several subjects

ان میں سے اہم مضامین تجارت، زر، سود اور توازن تجارت پر ہیں،
اگرچہ یہ مضامین مسلسل نہیں ہیں لیکن ان مضامین کو بقیہ مباحث سے
علاحدہ شمار نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ ان میں ایک طرح کا اتحاد خیالات
موجود ہے اور یہ مضامین بلا شک وشبہ ایک حد تک مکمل معاشی
نظام پیش کرتے ہیں۔ ان مضامین سے ہیوم کی عجیب وغریب ذکاوت طبع 82
وقت نظر اور تیز فہمی بخوبی ظاہر ہوتی ہے بلکہ یہ خوبیاں بعض اوقات
ہیوم کو ایک معما بنا دیتی ہیں کیونکہ ان کے ساتھ اس میں دوسرے
صفات مثلاً وسعت نظر، بے تعصبی اور بنی نوع انسان کے ساتھ
ہمدردی بھی پائی جاتی ہیں جو اس کا طغرائے امتیاز ہیں۔ علاوہ بریں
ان مضامین کی عبارت سلیس اور شگفتہ ہے، انداز بیان آورد سے
خالی اور بے تکلفانہ ہے جس سے مصنف کی عدیم المثال قوت تحریر
وقوت بیانیہ کا بین ثبوت ملتا ہے۔

زر کی بحث میں ہیوم تجارتین کے اس غلط خیال کا ابطال کرتا ہے
کہ دولت و زر ایک ہی چیز ہے اور اسی سلسلے میں یہ خیالات ظاہر
کرتا ہے: "قوم کی حقیقی قوت کا دار و مدار آدمیوں اور اشیا پر ہے
اور قوم کی دولت و قوت مزدوری پیشہ آبادی ہے، زر گویا ایک
قسم کا تیل ہے جو تجارتی انجن کی رفتار کو تیز اور سبک کر دیتا ہے،
اگر بین الاقوامی حیثیت سے قطع نظر کر کے قومی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے
تو ملک میں زر کی قطعی مقدار جو معین و محدود ہو ملک پر کوئی نتیجہ خیز اثر
نہیں ڈالتی، اور اگر زر کی مقدار میں ضرورت سے زیادہ اضافہ ہو جائے
یعنی تجارت اور کاروبار کے لیے جتنا زر معمولاً درکار ہے اس سے
زیادہ رائج ہو جائے تو ملک کو نقصان پہنچے گا اس لیے کہ زر کی
کثرت اشیا کے نرخ کو گراں کر دے گی اور تجارت خارجہ کو
اس طرح پر متاثر کرے گی کہ اشیا کی برآمد میں کمی ہو جائے گی۔" ایک
یا دو مقامات پر اس امر کے منوانے کی بھی کوشش کرتا ہے کہ قدر زر

زیادہ تر ایک فرضی اور خیالی چیز ہے' اگرچہ یہ دعوے ناقابل تسلیم ہے
مگر ہیوم کو اس کی بنا پر نشانۂ ملامت نہ بنانا چاہیے کیونکہ اس نے
اس دعوے پر کوئی کلیہ یا قضیہ قائم نہیں کیا۔ مصنف ایک جگہ
اپنا یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ زر کی فراوانی سے صنعت کو اس
زمانے میں فروغ ہوتا ہے جبکہ زائد زر کے اجرا اور اس زر کے
ملک میں اچھی طرح پھیلنے اور اشیا کے نرخ کو متاثر کرنے کے
مابین وقفہ ہو۔ اس کا یہ خیال بالکل نیا اور عجیب و غریب ہے
مگر جیمز [illegible] نے اس پر اعتراض کیا ہے' ہیوم یہ ثابت کرتا
ہے کہ صنعت [illegible] کا یہ خوف، پھر اس کہ تجارت میں دوسرے
ممالک کو جو زر برآمد کیا جاتا ہے ملک کو واپس نہیں مل سکتا اور
وہیں رہ جاتا ہے' بالکل بے بنیاد ہے' اور آخر میں یہ خیالات
ظاہر کرتا ہے کہ "آزاد حکومت کے تحت قیمتی فلزی تقسیم
تجارتی ضرورتوں کے لحاظ سے ملک میں خود بخود ہوتی ہے
پس حکومت کو ہر طرح یہ حق حاصل ہے کہ اپنی رعایا اور صنعت
کی تا حد حفاظت کرے مگر اس پر یہ بھی واجب ہے کہ زر کی
آمد و رفت کو رفتار زمانہ پر چھوڑ دے اور خوف و ہراس کو دل سے
نکال دے۔"

ہیوم نے شرح سود کے بارے میں جو خیالات ظاہر
کیے ہیں وہ حقیقت میں ایک بہت بڑی خدمت ہے' یہ غلط
خیال عام طور پر پھیلا ہوا تھا کہ ملک میں زر کی جو مقدار موجود ہوتی
ہے اسی پر شرح سود کا دارو مدار ہوتا ہے' ہیوم اس کی تردید
کرتے ہوئے یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ "تخفیف شرح کا
انحصار زیادہ کفایت شعاری اور صنعتی و تجارتی ترقی پر ہوتا ہے۔
شرح سود ایک طرح کا بارمیٹر ہے جس کی کمی قوم کی خوش حالی اور
بہبود کو ظاہر کرتی ہے" آگے چل کر انسانی فطرت کا ایک اصول

89

عائد کرے۔ دیویون اور بلن کو بھی دونوں ٹکر کو فطرآئینوں کا پیرو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن ہماری رائے میں یہ خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ سوائے فطرآئینوں کے اصول آزاد تجارت کے ٹکر نے فطرآئینوں کے کسی اور اصول کی پیروی ہی نہیں کی، ٹکر نے ایک مضمون بعنوان "بیرون انگلستان کے پروٹسٹنٹ عیسائیوں کو ملکی شمار کرنے کے بارے میں ایک قانون وضع کرنے کی ضرورت" لکھا اس مضمون کو فرانسیسی زبان میں ترجمہ کرکے ترگو نے ایک کتاب[1] کی شکل میں ۱۷۵۵ء میں شائع کیا۔

سر جیمس اسٹورٹ

۱۷۶۷ء میں سر جیمس اسٹورٹ کی ایک کتاب "اصول معاشیات[2]" شائع ہوئی، یہ کتاب اگرچہ اعتدال پسند تجارئین کے نقطۂ نظر سے انگریزی زبان میں معاشیات کی مکمل ترین اور سب سے زیادہ باقاعدہ تشریح ہے اور مصنف بھی کوئی ایسی ویسی قابلیت کا شخص نہ تھا بلکہ ایک عرصۂ دراز کی تحقیق و مطالعے کے بعد اُس نے اس کتاب کو مرتب کیا تھا، لیکن بدقسمتی دیکھیے کہ اس کے باوجود بھی کتاب قبولیت عام حاصل نہ کر سکی، اس بلند پایہ کتاب کے نامقبول ہونے کی اصلی وجہ یہ تھی کہ اصول تجارت کے چلن کا وقت گزر گیا تھا اور اس زمانے میں ہر طرف فطرتی آزادی کے نظام کا دور دورہ تھا اور سیاسی حیثیت سے بھی اس نظام کے غلبے اور کامیابی کے آثار نمودار تھے، یہی وجہ تھی کہ کتاب کا نظری اور عملی حیثیت سے مطلقاً کوئی اثر نہ پڑا۔ اس کتاب کے شائع

---

[1] Questions Importantes sur le Commerce

[2] Inquiry into the Principles of Political Economy

ہونے کے نو سال بعد آدم اسمتھ کی کتاب "دولت اقوام" شائع ہوئی، لیکن اسمتھ نے نہ تو کہیں اسٹورٹ کا حوالہ دیا اور نہ کہیں اس کی تصنیف کا ذکر کیا، اگرچہ ان دونوں میں دوستانہ تعلقات تھے اور اسمتھ کو اسٹورٹ کی کتاب سے زیادہ اس کی گفتگو میں مزہ آتا تھا مگر بایں ہمہ اسمتھ یہ چاہتا تھا کہ اس سے علمی بحث مباحثے کی نوبت ہی نہ آنے پائے۔

جرمانی معاشیین کی رائے۔ جرمنی کے معاشیین انگریز معاشیین کی نسبت اسٹورٹ کی کتاب پر بہت زیادہ تفصیلی طور پر اور وقت نظر کے ساتھ تنقید کرتے ہیں، خصوصاً مسئلۂ قدر اور مسئلۂ آبادی کا جہاں تک تعلق ہے، اسٹورٹ کی قابلیت کا بڑے شد و مد کے ساتھ اعتراف کرتے ہیں، اور یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ اسٹورٹ نے مختلف قوموں اور مختلف زمانوں کی معیشت کے مدارج اور ان کے بنیادی خصوصیات کو موجودہ زمانے کے بہترین محققانہ انداز میں بیان کیا ہے۔

86 آدم اسمتھ ۱۷۲۳ء تا ۱۷۹۰ء۔ علمائے معاشیات میں اسمتھ کا رتبہ۔ آدم اسمتھ کے تصانیف کا تبصرہ کرنے سے پہلے یہ نہایت ضروری ہے کہ ہم اس کی حیثیت اور اور اس کے صحیح مرتبے کو اچھی طرح سمجھ لیں، اگر ہم بعض اشخاص کی تقلید میں آدم اسمتھ کو بانی معاشیات قرار دے دیں تو یہ سراسر خلاف واقعہ ہوگا، اس لیے کہ اجتماعی دولت کا سوال ہمیشہ سے فلسفیوں کے زیر بحث رہا ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ قدما نے اپنے زمانے کے حالات کے اعتبار سے صرف جزوی حیثیت سے اس پر بحث کی اور موجودہ زمانے کے فلاسفہ اپنی کافی توجہ اس پر صرف کر رہے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ بحث مختلف قومی سوالات پر منتشر و متفرق مضامین کا مجموعہ ہونے کی بجائے ایک باقاعدہ علم کی شکل حاصل کر رہی ہے، چنانچہ

ترگو کی کتاب "تخیلات" میں یہی رنگ نظر آتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ آدم اسمتھ نے اس علم کو ایسے زمانے میں اپنے ہاتھ میں لیا جبکہ وہ خاصی ترقی کر چکا تھا، چنانچہ اسی سبب سے آدم اسمتھ کو یہ یہ موقع ملا کہ ایک معتبر کتاب لکھ کر اپنے اکثر پیش رؤں کے تصانیف کو بیکار اور حرف متروک ثابت کرے، یہ خیال کہ آدم اسمتھ سے قبل کے تصانیف اسمتھ کی تصنیف کا، اصلی معنوں میں پیش خیمہ ہیں بعید از حقیقت ہے، لیکن اتنا ضرور صحیح ہے کہ سابقہ صدیوں میں معاشیات کے میدان میں جو کوششیں کی گئیں وہ آدم اسمتھ کے لیے راستہ بنانی رہیں اس لیے کہ اگر اسمتھ اپنے سے پہلے کسی گزشتہ زمانے میں پیدا ہوتا یا بحالت موجودہ اس سے پہلے معاشیات میں کوئی دوسرا مصنف نہ پیدا ہوتا تو اس کو وہ کامیابی اور مرتبہ ہرگز حاصل نہ ہوسکتا جو کہ اب حاصل ہے۔ اس کے سابقین نے جو بنیاد قائم کردی تھی اسی پر اسمتھ نے اپنی زیادہ دیرپا اور مہتم بالشان عمارت تیار کی۔

نظام اسمتھ اور دوسرے نظاموں کا تعلق و فرق۔

آدم اسمتھ کو بانیٔ معاشیات قرار دینے کی غلطی میں جو اشخاص مبتلا نہیں ہوتے وہ اسمتھ میں اور کوئینے اور اس کے پیروؤں یعنی فطرآئینوں میں ایک بیّن حد فاصل قائم کرتے ہیں اور اس طرح پر معاشیات جدید کی تاریخ کو یکے بعد دیگرے تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں، یعنی نظام تجاریت، فطرآئینی نظام اور نظام اسمتھ اس میں شک نہیں کہ موخر الذکر دونوں نظاموں میں بعض اصولی اختلافات پائے جاتے ہیں لیکن ہماری رائے میں اور خود بقول اسمتھ ان دونوں نظاموں کی موافقت کی بنیاد بہ نسبت

Reflexions

اختلافات کے زیادہ محکم ہے۔ اگر ہم ان نظاموں کو دو تاریخی قوتوں سے تعبیر کریں تو یہ ماننا ضروری ہے کہ دونوں کا نصب العین ایک ہی ہے اور دونوں یکساں مقاصد کے حصول میں مصروف عمل ہیں، یورپ کی سابقہ حکومتوں کی معاشی حکمت عملی کو مذموم قرار دینے کے بارے میں دونوں اصول متفق ہیں، اس حکمت عملی کے خلاف جو استدلال کیا گیا اس کی بنیاد دونوں اصول میں ایک ہی سی ہے اور دونوں اصول اس حکمت عملی کے خلاف عوام کو یکساں طور پر ابھارتے ہیں، فرق صرف یہی ہے کہ قطر آئینوں کی نسبت اسمتھ نے بہت گہری نکتہ چینی سے کام لیا ہے لیکن اسی کے ساتھ اسمتھ معاشی مظاہر کے بعض اقسام و انواع کا قطر آئینوں سے زیادہ صحت کے ساتھ تجزیہ کرتا ہے۔ قطر آئینوں نے صنعت و تجارت کو بلحاظ نوعیت پیشہ غیر پیدا آور قرار دیا مگر اسمتھ اس کا ابطال کرتا اور غلط فہمی کو دور کرتا ہے، قطر آئینی مسلک علمی دنیا میں ایک تو اس وجہ سے زندہ نہ رہ سکا کہ ترگو کو جو ناکامی ہوئی وہ اس مسلک کی ترقی کی راہ میں حائل ہوئی اور دوسرے اس وجہ سے، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، کہ اس مسلک کے تعلیمات میں جو قابل قدر مواد تھا وہ سب کا سب "دولت اقوام" میں ضم ہوگیا اور تیسری وجہ یہ کہ قطر آئینی فرقے نے تجربی کام کی جو تحریک شروع کی تھی اس کو اسمتھ کی کتاب نے زیادہ موثر طریقے سے جاری رکھا۔

87

عہد جدید کے معاشی نظاموں کی تاریخی ترتیب

اس طرح عہد جدید میں انیسویں صدی کے تیسرے عشرے تک معاشی خیالات کی تاریخ دو حصوں پر تقسیم کی جا سکتی ہے، پہلے حصے میں تجاریت کا دور دورہ رہا اور یہ مسلک جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، کسی نظری و تحقیقی اصول پر مبنی نہ تھا بلکہ محض عملی پالیسی نے اس کا

تعلق تھا، یہ مسلک معاشی حالات کے نشو ونما کے دوران میں خود بخود نشو ونما ہوا اور اس کا اثر زیادہ تر ایسے ذہنوں پر پڑا جو کہ علمی بحث وتحقیق کے عادی نہ تھے۔ دوسرے حصے میں، ایک نیا نظام بتدریج قائم ومسلط ہوا اس کا بنیادی اصول یہ تھا کہ افراد کی معاشی جدّ وجہد میں کسی قسم کی بندش یا رکاوٹ نہ ہونی چاہیے، اسی آزادانہ معاشی جدّ وجہد کے ساتھ جس کا زیادہ موزوں نام "فطری آزادی کا نظام" ہے فطرآئینوں اور اسمتھ کا نام منسوب کرنا چاہیے گو کہ اس مسلک کے لیے فطرآئینوں کے خدمات آدم اسمتھ کے خدمات کے مساوی نہ تھے۔

اسکاٹ لینڈ کے جامعوں میں معاشیات کی تعلیم فلسفۂ اخلاق کے ساتھ ساتھ دی جاتی تھی، اسمتھ کی عام تقریروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پورے نصاب کو چار حصوں میں تقسیم کرتا ہے، یعنی سب سے پہلے طبیعی الٰہیات، اس کے بعد اخلاقیات، تیسرا اصول قانون اور چوتھے حصے میں وہ سیاسی ضوابط و قواعد جن کی بنیاد ہنگامی ضرورتوں پر ہے اور جن کا منشا ملک کی قوت، خوش حالی اور دولت میں اضافہ کرنا ہے۔ اسمتھ اپنی مشہور تصنیف "نظریۂ اخلاقی جذبات" ۱۷۵۹ء میں ایک مقام پر موخر الذکر دونوں شعبوں کو ایک ہی نظریہ اور علم شمار کر کے قانون اور حکومت کے عام اصول کے بارے میں اور عدالت، مالگزاری اور فوج کا ان اصول کے تاریخی نشو ونما سے جہاں تک تعلق ہے ان کے بارے میں ایک جداگانہ کتاب شائع کرنے کی توقع ظاہر کرتا ہے، اس سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ اسمتھ کا منشا (بجز خاص خاص اور عارضی صورتوں کے) اپنی تحقیقات یا اپنے تصورات میں قوم کے معاشی مظاہر کو بقیہ دوسرے شعبوں سے ہرگز علیحدہ رکھنے کا نہ تھا، اسمتھ کے

محولۂ بالا توقعات کے بارے میں کسی شخص کا یہ قول کہ وہ سکونی وحرکی عمرانیات کا پیش خیمہ ہیں، بالکل صحیح ہے اور پھر ان خیالات کا اظہار ایسے زمانے میں ہونا جس میں کہ اسمتھ تھا حقیقت میں تعجب خیز ہے، یہ توقعات اس اعتبار سے اور بھی زیادہ قابل لحاظ ہو جاتے ہیں کہ بقول اسمتھ کے ناشروں کے اسمتھ کا منشا تمام علوم اخلاق اور فنون لطیفہ کی ایک ملحقہ ومتحدہ تاریخ لکھنے کا تھا، اگر یہ خیال عملی جامہ پہن لیتا تو اس سے عمرانیات میں یقیناً بیش بہا اضافہ ہوتا، لیکن باوجود اس کے کہ یہ بڑے منصوبے کامل طور پر کبھی پورے نہ ہوئے بلحاظ اس کے کہ وہ زمانہ اُن کی تکمیل کے لیے موزوں نہ تھا، پھر بھی اتنا ضرور ہوا کہ اسمتھ نے دولت اقوام میں معاشی مظاہر سے خاص طور پر بحث کی مگر اسی کے ساتھ عمرانی مظاہر و معاشری واقعات کو بھی ایک حد تک پیش کیا ہے، اسمتھ کے بعض پیرو اسمتھ کو اس طرز عمل کی بناء پر نشانۂ ملامت بناتے ہیں اور اس امر پر زور دیتے کہ معاشیات کو ان علائق سے دور ہی رکھنا بہتر ہوگا، مگر یہ اُن کی تنگ نظری اور نری ہٹ دھرمی ہے۔

اسمتھ کا طریق تحقیقات اسمتھ نے اپنی تصنیف میں کونسا طرز تحقیقات اختیار کیا، اس سوال پر بہت کچھ ردّ و قدح ہو چکی ہے اور مختلف رائیں پیش کی جاتی ہیں، بعضوں کا یہ خیال ہے اسمتھ نے طریق استخراج استعمال کیا خصوصاً بکل اس خیال کو بہت مبالغے کے ساتھ پیش کرتا ہے، اور یوں استدلال کرتا ہے کہ چونکہ اسکاٹ لینڈ میں استقرائی طریق بالکل رائج نہ تھا اور اسکاٹ لینڈ کے مفکر استقرائی فلسفے سے بالکل نابلد تھے، اس لیے اسمتھ بھی جو ایک اسکاچ تھا اس طریق کا استعمال نہ جانتا تھا، اور اگرچہ اسمتھ نے اپنے شباب کا بہترین اور

بہتیرا حصہ ایک ایسے مقام یعنی انگلستان میں کاٹا جہاں پر استقرائی طریق عام طور پر مروج تھا اور اگرچہ فلسفے میں اسمتھ خاص تبحر رکھتا تھا اور اُس کا مبلغ علم بہت وسیع تھا، لیکن پھر بھی بکل یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ اسمتھ نے طریق استخراج کو اس وجہ سے استعمال کیا کہ صرف یہی طریق اسکاٹ لینڈ میں عام طور پر رائج تھا۔ اسی کے ساتھ بکل یہ بھی خیال ظاہر کرتا ہے کہ صرف یہی طریق معاشی تحقیق کا مناسب و ممکن طریق ہے۔ لیکن ہماری رائے میں آدم اسمتھ کے اسی طریق کو اختیار کرنے کی موخرالذکر وجہ محض ایک وجہ تھی۔ یہ خیال ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا کہ اسکاٹ لینڈ کے فلاسفہ پر استقرائی طریق نے اثر نہ کیا، کیونکہ ہان کسک کے تصانیف میں استقرائی طریق کا استعمال صاف طور پر نظر آتا ہے اور ہان کسک کے تصانیف کو اسمتھ کے زمانے میں خاص دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کیا جاتا تھا اور اسکاٹ لینڈ کے باشندے اس کی کتابوں کو بہت قدر و وقعت کی نظر سے دیکھتے تھے، رہا اسمتھ تو اُس کے متعلق صحیح رائے یہ ہو سکتی ہے کہ اُس کا میلان طبع کلیۃً استخراج کی طرف نہ تھا، اور نہ اس کا کمال بقول بکل کے "استدلالی قوت" پر مبنی تھا، بلکہ اسمتھ کی کتاب میں یہ بات نمایاں طور پر نظر آتی ہے کہ وہ امور معاشری کا مشاہدہ وسعت نظر اور وقت نظر کے ساتھ کرتا ہے اور بجائے اس کے کہ مجرد اصول سے استدلال کر کے نتائج اخذ کرے، اپنے مشاہدات کو پیش کر کے اُن کے خصوصیات کی توجیہ و تشریح کرتا ہے، چنانچہ اسی رجحان طبع کا یہ نتیجہ ہے کہ ہم جب اسکی کتاب کو پڑھتے ہیں تو ہمیں یہ نہایت پُر زور طریقے پر محسوس ہوتا ہے کہ زندگی کے حقائق ہم سے بہت قریب ہیں۔

پھر بھی یہ امر کہ اسمتھ نے طریق استخراج کو اکثر و بیشتر استعمال کیا،

89

بالکل صحیح ہے، اور طریق استخراج کا استعمال اس وقت تک بالکل جائز ہے جب تک کہ انسانی فطرت کے عام واقعات اور خارجی اشیاء کے عام خواص سے بطور مقدمات نتائج اخذ کیے جائیں، اس میں تو بے شک کلام ہوسکتا ہے کہ یہ طریق بہت دور تک ہماری رہبری کرے گا اور علم میں وسعت پیدا کریگا، لیکن اس طریق کی صحت میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا، لیکن بقول کلف لزلی آدم اسمتھ نے جو طریق استخراج استعمال کیا وہ دوسری ہی قسم کا تھا۔ اسمتھ ایسے مقدمات سے نتائج اخذ نہیں کرتا جو واقعات اور ان کے مشاہدات پر مبنی تھے بلکہ اسکے مقدمات اصل میں نیم مذہبی اور نیم مابعد الطبیعی قسم کے مفروضات ہیں جسطرح فطرتاً آئینوں نے ایک مفید و منتظم نظام اشیا فرض کیا تھا جیسا کہ ان کے نام سے خود ظاہر ہے، اسمتھ بھی ایک مفید و منتظم نظام قدرت کا وجود فرض کرکے نتائج اخذ کرتا ہے، اسمتھ کا یہ عقیدہ تھا کہ فطرت نے معاشری بہبود کے اسباب مہیا کردیے ہیں اور یہ چیز انسانی طبیعت میں داخل ہے کہ انسان اپنی حالت وحیثیت کی اصلاح کے لیے ان اسباب کو اپنے موافق کرے، ہر فرد وا محض اپنے ہی ذاتی مفاد کو پیش نظر رکھ کر کام کرتا ہے، مگر "ید قدرت" اس شخص سے رفاہ عام کا کام بھی ضمناً کرا لیتا ہے حالانکہ اس کا انجام دینا اس شخص کا اصلی مقصد نہ ہو لیکن محض اس بنا پر کہ ہر شخص کے پیش نظر اسی کا ذاتی مفاد ہوتا ہے اور رفاہ عام مقصد نہیں ہے حکومت کا رفاہ عام کے بہلانے سے قواعد وضوابط کے ذریعے سے اس قانون فطرت میں دخل دینا ایک ناواجب مداخلت بلکہ قانون فطرت کے اصلی مقصد کو فوت کرنا ہے، اگر اس قسم کے غیر فطری اوامر ونواہی اٹھا لیے جائیں تو فطری آزادی کا سیدھا سادہ اور بدیہی نظام خود بخود قائم ہو جائے گا۔

90

اگرچہ ہم نے جسطرح بیان کیا ہے اس طرح اسمتھ نے یہ نظریہ صاف اور نمایاں طریقے پر نہیں پیش کیا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اُس کے معاشی اُصول کی تہ میں یہی نظریہ مضمر معلوم ہوتا ہے، مگر اس امر کو تسلیم کر لینے کے باوجود کہ اس قسم کے اصول موضوعہ پوشیدہ طور پر اسمتھ کے خیالات کو متاثر کرتے رہے، یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکالا جا سکتا کہ اسمتھ کا طریق بالکلیہ لمّی استخراج تھا، کیونکہ اسمتھ، اپنے طبعی رجحان کے مطابق اشیاء کا اسطرح مطالعہ کرتا تھا جس طرح کہ وہ حقیقت میں موجود ہیں، چنانچہ وہ ان تمام مبالغہ آمیزیوں اور مغالطہ خیز بیانات سے محفوظ رہا جنمیں کہ اُس کے اکثر متاخرین مبتلا پائے جاتے ہیں، اس کے علاوہ مان ٹسک کے اثر نے ان نظری تعصبات کو ایک حد تک دور کر دیا جو "قانون فطرت" کے مفروضے سے اسمتھ میں پیدا ہو گئے تھے، مان ٹسک اگرچہ تاریخی طریق سے جو کہ صحیح معنی میں عمرانی تحقیق کا موزوں طریق ہے، اُس زمانے میں واقف نہ تھا مگر بایں ہمہ بطریق استقرا نتائج اخذ کرتا تھا۔ یہ صحیح ہے، جیسا کہ کونت لکھتا ہے کہ مان ٹسک نے مختلف قوموں کی مختلف تمدنی حالتوں کا مطالعہ کر کے اساسی واقعات فراہم کیے تھے اور چونکہ ان واقعات پر فلسفیانہ انتقاد نہیں کیا گیا تھا اس لیے وہ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئے اور عمرانی تحقیق میں ان سے کسی قسم کا اضافہ بھی نہ ہوا، مان ٹسک کو جو امتیاز حاصل ہے وہ اس وجہ سے نہیں کہ اُس نے کوئی نیا قانون فطرت دریافت کیا بلکہ اس وجہ سے کہ اُس نے معاشری مظاہر کا قوانین فطرت کے تابع ہونا دریافت کیا، لیکن اسمتھ کے زمانے کے اکثر فلاسفہ اس چیز کو نظر انداز کرتے ہیں اور مان ٹسک نے معاشری واقعات کو قوموں کے خاص خاص طبعی و اخلاقی

حالات کے لحاظ سے تاریخ وار دریافت کرنے کا جو طریق اختیار کیا تھا اسی کی طرف زیادہ مائل معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ بقول لزلی، لارڈ کیمس، ڈال رمپل اور ملر (جو اسمتھ کے معاصر تھے اور موخر الذکر اسمتھ کا تلمیذ تھا) جن پر مان ٹسک کا اثر تھا اسی زمرے میں داخل ہیں، ان ناموں میں فرگوسن کا نام بھی اس لحاظ سے شامل کرنا مناسب ہے کہ فرگوسن اپنی ایک کتاب "تاریخ اجتماع"[1] میں اس عالی دماغ فرانسیسی (مان ٹسک) کی بہت کچھ مدح سرائی اور توصیف کرتا ہے، بلکہ جیسا کہ ہم جانتے ہیں، اسمتھ بھی ایک حد تک مان ٹسک سے متاثر ہوا اور اپنی اواخر عمر میں اس کی ایک تصنیف[2] کی شرح کی تیاری میں مشغول تھا۔

گویا اس طرح پر اسمتھ پر دو مختلف و متضاد فلسفوں کا اثر پڑا، یعنی ایک فلسفے کی بنیاد اس مفروضہ قانون فطرت پر قائم تھی جس کا منشا انسانی بہبود تھا اور جو معاشی نظام کو عاقلانہ خود غرضی پر مبنی ہونے کے پُر امید خیال کی طرف رہبری کرتا تھا، اور دوسرا فلسفہ وہ تھا جس میں طریق استقرا پر عمل کیا جاتا تھا اور قوموں کے مختلف حالات کی، جو کہ واقعات یا آئین و قوانین کے نتائج کی حیثیت سے رونما ہوتے ہیں، تشریح کی جاتی تھی، چنانچہ اسمتھ کی تصنیف میں یہ دونوں طریقے ساتھ ساتھ پائے جاتے ہیں یعنی ایک طرف تو استقرائی تحقیق سے کام لیا گیا ہے اور دوسری طرف لمّی تحقیق ہے جو "فطرت" کے مفروضات پر مبنی ہے مگر اسمتھ کے بعض متاخرین نے موخر الذکر طریق کو اختیار کرکے اس کا استعمال ناواجب طریق پر کیا اور اس کے برعکس

[1] History of Civil Society

[2] Esprit des lois

استقرائی طریق کو بالکل پس پشت ڈال دیا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ معاشی تحقیق میں استقرائی طریق کو بعض اوقات بالکل غیر ضروری اور فائدے سے خالی بھی سمجھا گیا۔

تصنیف اسمتھ کی ترتیب۔

بعضوں کی دانست میں اسمتھ کی کتاب اس قدر نامربوط اور بے ترتیب ہے کہ اس کو ایک مکمل تصنیف کہنے کی بجائے ایک سلسلۂ مضامین کہنا زیادہ مناسب ہوگا، اتنا تو بے شک صحیح ہے کہ کتاب میں باضابطہ ترتیب کا پورے طور پر خیال نہیں رکھا گیا ہے اور مباحث کو بابوں اور فصلوں پر باقاعدہ طور پر تقسیم نہیں کیا گیا ہے اور غالباً یہی سبب تھا کہ کتاب جو اصل میں کاروباری طبقے اور عوام کے فائدے اور ہدایت کی غرض سے تصنیف کی گئی تھی، قبول عام کا شرف حاصل کر سکی، لیکن کتاب کے مباحث میں شروع سے آخر تک اصول میں یکسانیت اور عام اتحاد خیال پایا جاتا ہے اور اس کو علوم میں پوری دستگاہ ہونے کی وجہ سے اس کا بیان تناقض سے مبرا ہے۔

کتاب اول۔

اسمتھ اس خیال سے ابتدا کرتا ہے کہ قوم کی سال بھر کی محنت وجفاکشی کی بدولت زندگی کی ضروریات اور آرام کی چیزیں مہیا ہوتی ہیں گویا محنت ہی دولت کمانے کا اصلی ذریعہ ہے، اس سے اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ محنت ہی کو محض ایک عامل پیدائش ثابت کرے، بلکہ جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے، اس عامل پر شروع ہی میں خصوصیت کے ساتھ زور دینے سے اس کا مقصد یہ تھا کہ تجارئین اور فطرآئینوں کے خیالات سے اپنی رائے کا اختلاف ظاہر کر دے، آدم اسمتھ اپنے عدیم المثال انداز میں اصول تقسیم عمل اور اس کی بنیاد کی تشریح و توجیہ کرتے ہوئے یہ خیالات ظاہر کرتا ہے کہ محنت

کی پیدا آوری کی اصلاح و ترقی کا مدار اکثر و بیشتر تقسیم عمل پر ہے' اس اصول پر بمقابلہ زراعت کے صنعت میں زیادہ وسیع پیمانے پر عمل کیا جا سکتا ہے' اسی کا نتیجہ ہے کہ معاشی ترقیات میں بمقابلہ صنعت کے زراعت بہت پسماندہ حالت میں ہے[1]۔ ایک شے کا دوسری شے سے مبادلہ یا ادل بدل کرنا انسانی فطرت کا رجحان ہے اور اسی رجحان سے تقسیم عمل کی ابتدا ہوتی ہے' لیکن تقسیم عمل اصل کی تھوڑی بہت فراہمی پر مشروط ہے اور وسیع تقسیم عمل کا دارومدار بازار کی وسعت پر ہے۔ آگے چل کر لکھتا ہے کہ کاموں کی تقسیم عمل میں آ جانے کے بعد یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ قوم کا ہر فرد اپنی احتیاجیں رفع کرنے کی غرض سے دوسرے افراد سے مدد لے اور اس طرح پر ایک آلہ یا ذریعۂ مبادلہ کی ضرورت بتدریج محسوس ہوتی ہے حتیٰ کہ انجام کار زر کا رواج شروع ہو جاتا ہے' جب اشیاء کا ایک دوسرے سے یا زر سے مبادلہ شروع ہوتا ہے' قدر کا تصور رونما ہوتا ہے' چنانچہ قدر کے دو مفہوم ہیں ایک "افادہ" اور دوسرا "قوت خرید" گویا ایک کو "افادہ کی قدر" اور دوسرے کو "مبادلہ کی قدر" کہہ سکتے ہیں۔ اسمتھ یہاں پر افادے کی قدر کو اجمالاً بیان کر کے مبادلے کی قدر کی تفصیلی طور پر تشریح کرتا ہے۔ سوال کرتا ہے کہ قدر کا پیمانہ کیا ہے؟ اور ایک شے کے مبادلے میں دوسری شے دی جاتی ہے تو دوسری شے کی مقدار کس طرح متعین و مشخص کی جاتی ہے! اور خود ہی اس طرح جواب دیتا ہے کہ تمام قابل مبادلہ اشیاء کی قدر کا حقیقی پیمانہ محنت ہے اور محنت کی مساوی مقداریں

---

[1] اسمتھ اس مقام پر اُن خرابیوں کا کوئی ذکر نہیں کرتا جو تقسیم عمل کی بہت ہی ترقی یافتہ صورت سے پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن ملاحظہ ہو باب یکم حصۂ پنجم۔

مزدور کے نزدیک ہر وقت اور ہر جگہ مساوی قدر و قیمت رکھتی ہیں۔[1]
اسی لیے محنت ہی (جس کی قدر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی) وہ حقیقی
معیار ہے جس سے تمام اشیاء کی قدر کا ہر وقت اور ہر جگہ مقابلہ و
موازنہ کیا جا سکتا ہے، گویا محنت اشیا کی قیمت صحیحہ ہے اور
زر محض اُن اشیاء کی قیمت متعارفہ ہے، بایں ہمہ معمولی کاروبار
میں پیمانۂ قیمت اور آلۂ مبادلہ زر ہے، اور زر کے مقصد کو
پورا کرنے کے لیے قیمتی فلزات اس لیے سب سے زیادہ
موزونیت رکھتے ہیں کہ وہ دیرپا ہیں اور اُن کی قدر و قیمت میں
ایک معتدل زمانے تک تبدیلی نہیں ہوتی، مگر طویل زمانے
میں اشیاء کی قیمتوں کے تغیرات معلوم کرنے کے لیے بہتر
معیار غلہ ہے۔ اور معاشری ترقی کے اولین دور میں کسی شے
کی قدر مبادلہ کے قائم کرنے کے لیے سوائے اس محنت
کے جو اُس شے کی تیاری میں صرف ہوتی تھی کسی اور چیز کا لحاظ
ہمیں نہ کرنا چاہیے۔ لیکن ترقی یافتہ متمدن زمانے میں قیمت
ایک مرکب شے ہے اور علی العموم تین اجزا پر مشتمل ہوتی ہے یعنی
اُس میں اجرت، نفع اور لگان شامل ہیں، اجرت محنت کا معاوضہ
ہے اور منافع اس شخص کو ملتا ہے جو اصل فراہم کرتا، مزدوروں
کو اجرت اور اشیائے خام دے کر چیزیں تیار کرواتا ہے اور پھر
ان چیزوں کو اصلی لاگت سے زیادہ داموں پر فروخت کر کے
ماحصل زائد بطور منافع کے خود سمیٹ لیتا ہے، ملک کی تمام

[1] اگر بہ نظر تعمق دیکھا جائے تو اس جملے سے کچھ بھی مطلب نہیں نکلتا اس سے علمائے ابعد الطبیعیات کے طرز خیالات کا پتا چلتا ہے کہ یہ علما معاشی تصورات کو کس طرح مبہم بنا دیتے تھے، مقدار سے مراد کیا ہے اور کس قسم کی محنت مراد ہے کچھ بھی وضاحت نہیں کی گئی ہے اور "مساوی قدر و قیمت" بھی ایک مبہم اور مہمل سی اصطلاح ہے۔

زمینیں جوں ہی افراد کی ذاتی ملک میں آجاتی ہیں، اُن سے لگان
وصول ہونے لگتا ہے۔ تمام انسانوں کے مثل زمینداروں کی
یہ خواہش ہوتی ہے کہ روپیہ صرف کیے بغیر نفع حاصل کریں
بلکہ قدرتی پیداوار سے بھی لگان وصول کرنے کی توقع رکھتے
ہیں، اس طرح ترقی یافتہ ملکوں میں اشیا کی قیمت کے بڑے
جزو یہی تین چیزیں اجرت، لگان اور منافع ہوتے ہیں، ہر اُس ملک
اور خطے میں کہ جہاں محنت و اصل مختلف کاموں میں لگائے
جاتے ہیں، اجرت اور منافع کی ایک معمولی اوسط شرح ہوا
کرتی ہے (یہ شرح کیونکر قرار پاتی ہے اُس کی تشریح عنقریب
کی جائے گی) اسی طرح لگان کی بھی ایک معمولی اوسط شرح ہوتی
ہے، جہاں اور جس وقت یہ شرحیں رائج ہوں وہاں انھیں اصلی
قدرتی شرح کہا جائے گا، ایک شے کی اصلی قیمت میں زمین
کا لگان، مزدوروں کی اجرت اور اُس اصل کا منافع شامل ہوتا
ہے جو شے کو تیار کرنے بازار تک لانے میں صرف ہوا،
اصلی قیمت اور بازاری قیمت میں یہ فرق ہے کہ موخر الذکر گھٹتی
بڑھتی رہتی ہے اور اس کا انحصار محض رسد و مقدار اشیاء پر
ہی نہیں ہوتا بلکہ اُس شے کے خواہشمندوں اور طلب کرنے
والوں کی طلب پر ہوتا ہے گویا اصلی قیمت کو ایک مرکز کہنا
چاہیے جس کے اردگرد بازاری قیمت گھومتی رہتی ہے جس
وقت اشیا اجارے پر تیار کیے جاتے ہیں، خواہ یہ خصوصیت کسی
مقامی سہولت کی بنا پر حاصل ہو یا قانوناً بطور خاص حق کے حاصل
کی گئی ہو ہر دو صورتوں میں ایسے اشیاء کی قیمت ہمیشہ اصلی
ہوگی اور دوسرے اشیا کی قیمت جو معمولی طریقے پر تیار کیے جاتے
ہیں بالعموم کم ہوگی۔ قیمت کے تینوں اجزا یا عاملین ملک کے
حالات کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں، شرح اجرت کا تعین

94

اجیر و مزدور کی باہمی گفتگو اور دونوں کے متضاد اغراض کی کشمکش سے ہوتا ہے، اجرت کی اقل شرح اس بنا پر قرار پاتی ہے کہ اجرت کم از کم اتنی ہونی چاہیے کہ اس سے مزدور اپنے اور اپنے اہل و عیال کی پرورش کر سکے، اس سے زاید اجرت کا دارومدار ملک کے حالات پر اور مزدوروں کی مانگ پر ہوتا ہے، قومی دولت میں جب توفیر ہوتی ہے، مزدوروں کی اجرت میں اضافہ ہوجاتا ہے اور جس وقت قومی دولت میں تخفیف ہوتی ہے، اجرت میں بھی کمی واقع ہوتی ہے۔ منافع کے اضافے اور تخفیف کا انحصار بھی اسی قسم کے حالات پر مگر برعکس طریقے سے ہوتا ہے، اضافۂ اصل سے اجرت میں تو اضافہ ہوجاتا ہے مگر اصلداروں کی باہمی مسابقت کی وجہ سے منافع میں کمی ہوجاتی ہے، کسی ایک مقام میں مختلف پیشوں کے فوائد و نقصانات میں یا تو کامل مساوات ہونا ضروری ہے یا علی التسلسل مساوات کی طرف رجحان ہونا چاہیے، اگر ایک پیشے کے فوائد دوسرے پیشے کی نسبت زائد ہوں تو لوگ فائدہ مند پیشے کی طرف مائل ہوں گے اور اس طرح سے پھر سب میں مساوات قائم ہوجائے گی، پھر بھی اجرت متعارفہ اور منافعے مختلف پیشوں میں مختلف پائے جاتے ہیں، اس اختلاف کا باعث یا تو بعض ایسے حالات ہوتے ہیں جن کا پیشوں پر اثر پڑتا ہے اور جن کی بنا پر لوگ پیشوں کو پسند اور ناپسند کرتے ہیں یا قومی حکمت عملی اس کا موجب ہوتی ہے جس کی قید و بند سے کوئی شے آزاد نہیں رہ سکتی، یہاں پہنچ کر اسمتھ نہایت عمدگی کے ساتھ ان اسباب کی تشریح کرتا ہے جن کی بنا پر مختلف مقامات کے اجرت و منافع میں جن کا اوپر ذکر کیا جاچکا ہے عدم مساوات پیدا ہوتی ہے، اس کے الفاظ سے اسمتھ کی اس خصوصیت کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ انسانی فطرت کے مبہم خصوصیات پر بھی نظر غائر

ڈالتا ہے اور ان حالات اور اجتماعی آئین و قوانین کا مطالعہ کرتا ہے
جو معاشی واقعات پر اثر ڈالتے ہیں۔ اس کے بعد آسمتھ قیمت کے
آخری جز و یعنی لگان پر یوں بحث کرتا ہے:- لگان ایک قیمت اجارہ ہے
جو زمیندار اپنی مرضی کے مطابق وصول نہیں کر سکتا بلکہ جو
کاشتکار دینا گوارا کر سکتا ہے زمین کی پیداوار کا وہی حصہ علی العموم
بازار میں لایا جا سکتا ہے جس کی معمولی قیمت سے ایک تو
معمولی نفع وصول ہو اور دوسرے اس اصل کی بازیابی ہو جو
اس کی پیدائش میں صرف ہوا اگر معمولی قیمت ان مصارف سے
زائد ہو تو ماحصل زائد زمین کا لگان شمار کیا جائے گا۔ اگر زیادہ
نہ ہو تو پیداوار کو بازار میں فروخت کرنے کے باوجود زمیندار کو کوئی
لگان وصول نہیں ہوگا، قیمت کے اضافے یا تخفیف کا دارومدار
پیداوار کی طلب پر ہے، اسی لیے لگان پیداوار کی قیمت میں
شامل تو ہوتا ہے مگر اجرت اور منافع سے مختلف طریقے پر یعنی
اجرت و منافع کا اضافہ یا تخفیف قیمت کے اضافے یا تخفیف
کا باعث ہے، مگر لگان کا اضافہ یا تخفیف قیمت کے اضافے یا تخفیف کا نتیجہ ہے۔

لگان، اجرت اور منافع جس طرح قیمت کے عناصر ہیں
اسی طرح آمدنی کے بھی اجزائے ترکیبی ہیں، چنانچہ ہر متمدن قوم
تین جماعتوں یعنی زمیندار، مزدور اور اصلداروں پر منقسم ہوتی ہے
انھیں جماعتوں کی آمدنی سے دوسرے سب بیٹھنے والے اپنا اپنا
حصہ پاتے ہیں، پوری قوم کے اغراض سے ان تینوں جماعتوں
کے اغراض مختلف طریقوں پر وابستہ ہوتے ہیں، زمیندار کا
مفاد عام مفاد کے ہمیشہ ہم آہنگ ہوتا ہے، جو چیز ایک کو نقصان
یا فائدہ پہنچاتی ہے وہی دوسرے کو بھی نقصان یا فائدہ پہنچاتی
ہے، علیٰ ہذا مزدور کے اغراض کا بھی یہی حال ہے یعنی جب قومی
دولت میں اضافہ ہوتا ہے مزدور کی اجرت بھی زیادہ ہو جاتی ہے

اور جب قومی دولت میں کوئی تبدل و تغیر نہیں ہوتا یا کمی واقع ہوتی ہے، اجرت بھی ایک ہی حالت پر قائم رہتی ہے یا گھٹ جاتی ہے، رہی تیسری جماعت تو اُس کے اغراض کا تعلق قومی اغراض سے ویسا نہیں ہے جیسا کہ مذکور الصدر دونوں جماعتوں کا ہے، اجارہ داروں کے اغراض عوام کے اغراض سے ہمیشہ مختلف بلکہ متضاد ہوتے ہیں۔

کتاب دوم۔ دوسری کتاب میں "دولت کی نوعیت، اس کی فراہمی اور ترقی" پر بحث کی گئی ہے، اس میں ایک شخص کی کُل دولت کے دو حصّے کئے گئے ہیں، ایک حصّہ وہ جو اُس شخص کے فوری صرف میں آئے اور دوسرا وہ جو اس طرح پر صرف کیا جائے کہ اُس سے مالک کو آمدنی حاصل ہو، دوسری قسم کی دولت کو، جسے اصل میں اُس شخص کا اصل کہنا چاہیے، دو حصّوں میں یعنی اصل قائم و اصل دائر میں تقسیم کیا گیا ہے، اصل قائم سے ایسا اصل مراد لیا گیا ہے جس سے دوسرے کے ہاتھوں میں جانے کے بغیر منافع وصول ہو، اور ایسے اشیائے خام و مصنوعات کو یا خریدی ہوئی چیزوں کو جو منافع پر فروخت کیجاتی ہیں اور دوسروں کے ہاتھوں میں منتقل ہوتی رہتی ہیں، اصل دائر کہا گیا ہے، کہ گویا یہ اصل ہمیشہ مالک کے ہاتھ سے دوسرے کے ہاتھوں میں منتقل ہوتا رہتا ہے، قوم کا کل اصل بھی اسی طرح دو حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے، اصل قائم حسب ذیل اشیاء پر مشتمل ہے (۱) مشینیں (۲) عمارتیں جن سے کرایہ وصول ہوتا ہے (۳) آلات کشاورزی وغیرہ (۴) تمام افراد کی اکتسابی تعلیم و تربیت و قابلیت (اس کو بعض اوقات "ذاتی اصل" کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے)، اصل دائر کو بھی چار ہی حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے:- (۱) زر (۲) اشیائے خام (۳) صنّاع یا تاجر کے پاس جو مال تیار شدہ ہے (۴) سامان از قسم جنس جو خرید اجائے اسکے بعد

قومی آمدنی کی دو قسمیں کی گئی ہیں:۔ آمدنی خام جس سے ملک کی زمین اور محنت کی مجموعی پیداوار مراد ہے اور آمدنی خالص جس سے مراد وہ آمدنی جو اوّل الذکر میں سے اصل قائم کے قیام کے اخراجات کو اور اصل دائر بشکل زر کو منہا کرنے کے بعد باقی بچے' زر کو ایک بڑا پہیا قرار دیا ہے جو گردش کرتا رہتا ہے مگر ان چیزوں سے کلیتہً مختلف ہے جو اس کے ذریعے اور مدد سے گردش کرتی ہیں' گویا زر ایک قیمتی آلہ ہے کہ اس کے ذریعے سے ہر فرد کو اس کا حصہ تقسیم ہوتا ہے' چنانچہ زر کے مہیا کرنے اور اسکے برقرار رکھنے میں جو اخراجات لاحق ہوتے ہیں وہ قوم کی خالص آمدنی میں کمی کر دیتے ہیں۔ اس موضوع پر بحث کرتے کرتے اسمتھ اُن منافع کی تشریح کرتا ہے جو کہ قوم کو فلزی سکوں کے استعمال کے عوض کاغذی سکوں کے استعمال سے حاصل ہوتا ہے اور مثلاً نقرہ وطلا کے استعمال کو ایک ایسی شاہراہ سے تشبیہ دیتا ہے جو کہ زمین پر بنائی گئی ہو اور زر کاغذی کے استعمال کو ایک ہوائی راستے سے تشبیہ دیتا ہے' فراہمی اصل کے سوال پر پہنچ کر پیدا آور اور غیر پیدا آور محنت کی بحث شروع کرتا ہے' وہ پیدا آور محنت سے ایسی محنت مراد لیتا ہے جو کسی قابل فروخت اور مادی شے کی تیاری میں صرف ہو مثلاً کارخانے میں کام کرنے والے مزدوروں کی محنت پیدا آور ہے اور غیر پیدا آور محنت سے اس کے برعکس مراد لیتا ہے مثلاً گھریلو ملازم کی محنت غیر پیدا آور ہے' اس طرح پر اُس کے نزدیک ایک قسم کی محنت تو وہ جس سے مادی اشیاء تیار ہوں یا جو مادی اشیاء کی قدر میں اضافہ کرتی ہو اور دوسری قسم سے مراد محض خدمات ہیں' وہ اوّل الذکر کو پیدا آور اور موخر الذکر کو غیر پیدا آور قرار دیتا ہے' اُس کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ محنت کا "مفید" ہونا ہی محض اُس کے پیدا آور ہونے کی دلیل

97

نہیں ہوسکتا کیونکہ بقول اُس کے اگرچہ سپاہی، پادری، وکیل، مصنّف اور طبیب کے خدمات مفید ہیں مگر پھر بھی وہ غیر پیدا آور ہیں، پیدا آور مزدور کو اصل سے اجرت دی جاتی ہے اور غیر پیدا آور مزدوروں کو یا اُن لوگوں کو جو محنت ہی نہیں کرتے محاصل سے حصّہ دیا جاتا ہے۔ اسمتھ اپنا یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ ترقی پذیر صنعت گر قوموں کی سالانہ مجموعی پیداوار میں بہ مقابلہ محاصل کے (جس میں منافع اور لگان بھی شامل ہے) اصل کی مجموعی مقدار زائد ہوتی ہے اور اس میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہتا ہے، کفایت شعاری اضافۂ اصل کی اوّلین شرط ہے، چنانچہ مزدوروں کی اجرت کے لیے جو فنڈ رکھا جاتا ہے اُس میں زیادتی کر کے وہ صنعتی کاروبار کی مقدار میں اضافہ کر دیتی ہے جس کی بنا پر سالانہ آمدنی میں توفیر ہوتی ہے۔ سالانہ جو کچھ رقم پس انداز ہوتی ہے وہ اسی طرح صرف ہوتی ہے جس طرح وہ جو پس انداز نہ کی گئی ہو۔ لیکن اِن کو صرف میں لانے والے دو مختلف قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جن کی محنت پیدا آور ہے اور جو محنت کر کے اپنی اجرت سے زیادہ مالیت کا سامان تیار کرتے ہیں اور دوسرے وہ جو کاہل ہیں اور جن کی محنت غیر پیدا آور ہے۔ مُسرف اپنے اصل کا اسراف کر کے اپنی حد تک پیدا آور مزدوروں کی تعداد میں کمی اور اس طرح ملک کی دولت میں کمی کر دیتا ہے۔ اگر مُسرف رقم کو بدیسی مال خریدنے کے بجائے دیسی سامان کے خریدنے میں بھی صرف کرے تب بھی اس کا نتیجہ وہی ہوگا۔ اس لحاظ سے ہر مُسرف عوام کا دشمن ہے اور ہر کفایت شعار عوام کا بہی خواہ اور دوست ہے۔

زمین و محنت کی سالانہ پیداوار میں اضافہ کرنے کا طریقہ صرف یہی ہوسکتا ہے کہ یا تو پیدا آور مزدوروں کی تعداد میں اضافہ

کیا جائے یا ان مزدوروں کی پیداآور قوتوں میں اضافہ کیا جائے ہردو صورتوں میں زائد اصل درکار ہوگا، پہلی صورت میں تو جدید مزدوروں کی اجرت کے لیئے اور دوسری صورت میں جدید کلوں کی فراہمی کے لیئے۔ یا اس لیئے کہ آجر زیادہ مکمل طریقے سے تقسیم عمل کا انتظام کرسکے، قرض خواہ کو جو قرضہ درکار ہوتا ہے وہ دراصل زر نہیں ہوتا بلکہ اُس کی قیمت کے اشیاء قرضخواہ کو مطلوب ہوتے ہیں، چنانچہ مُلک میں محنت و اصل کی جو سالانہ پیداوار ہوتی ہے اسی کے کچھ حصے کے حاصل کرنے کا حق قرض دہندہ قرض گیر کو دے دیتا ہے، جوں جوں مُلک کے مجموعی اصل میں اضافہ ہوتا جاتا ہے ویسے ویسے اصل کے اس خاص جزو میں بھی اضافہ ہوتا ہے جس کو اُس کے مالک بذات خود کام میں لگائے بغیر آمدنی کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں، اور جوں جوں اصل کی مقدار میں جو بطور قرض دیا جاتا ہے زیادتی ہوتی جاتی ہے، سود میں تخفیف ہوجاتی ہے، اس کا سبب صرف یہی نہیں ہے جس کی بناپر عموماً اشیاء کی بازاری قیمت بوجہ اُن کی مقدار میں اضافہ ہونے کے گھٹ جاتی ہے، بلکہ اس کا سبب یہ بھی ہے کہ اضافۂ اصل کی وجہ سے ملک میں کسی زائد اصل کو فائدہ مند طریقے سے لگانے کی دقت میں بتدریج زیادتی ہوتی جاتی ہے یعنی اسی بناپر مختلف اصلداروں میں مقابلہ شروع ہوتا ہے اور شرح منافع میں تخفیف ہوجاتی ہے جس سے اصل کی قیمت یا بالفاظ دیگر شرح سود کی تخفیف لازمی ہے۔ اس سے قبل غلطی سے یہ فرض کرلیا گیا تھا اور لاک اور مان ٹسک بھی اس غلط فہمی میں رہے کہ یورپ میں شرح سود کی مستقل تخفیف کا اصلی باعث فلزات کی قیمت کی تخفیف ہے جو امریکی معدنیات کی دریافت کے بعد رونما ہوئی، لیکن یہ خیال جس کی ہیوم تردید

کرچکا ہے بالکل غلط معلوم ہوتا ہے۔ بعض ممالک میں سود کالینا دینا قانوناً ممنوع قرار دیا گیا ہے لیکن جس طرح ہر جگہ زر کے صرف و استعمال سے کچھ رقم کمائی جاسکتی ہے اسی طرح ہونا یہ چاہیئے کہ ہر جگہ زر کے استعمال کے عوض میں بھی کچھ رقم ادا کی جائے" اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس کا کچھ معاوضہ ادا کرنا ضروری ہے، امتناعی احکام قرض دہندہ کو خطرے میں ڈال کر ربا کی خرابی کو اور بڑھا دیتے ہیں، قانونی شرح کم تر ین بازاری شرح سے کسی قدر اوپر ہونی چاہیئے۔ اس حالت میں کفایت شعار لوگوں کو بحیثیت قرض گیروں کے مسرفوں اور منصوبہ باندھنے والوں پر ترجیح ہوگی۔ اگر قانونی شرح بہت زیادہ ہوئی تو آخر الذکر طبقہ شرح اعلیٰ کی ادائی پر رضامند ہو کر کفایت شعار لوگوں پر سبقت لے جائیگا۔ جب اصل کی مساوی مقدار سے مختلف کام شروع کئے جاتے ہیں تو مختلف کاموں میں مختلف تعداد مزدوروں کی درکار ہوگی، یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر کام میں مزدوروں کی تعداد بھی مساوی ہو۔ مثلاً (۱) زرعی کام، کان کنی اور ماہی گیری (۲) مصنوعات کی تیاری (۳) تھوک فروشی (۴) خوردہ فروشی مختلف کام ہیں۔ ان میں اگر اصل کی مساوی مقدار لگائی جائے تو ہر کام میں مزدوروں کی تعداد کا مساوی ہونا ضروری نہیں۔ مثلاً زراعت میں انسان ہی محنت نہیں کرتا بلکہ قدرت بھی اس کی شریک کار ہوتی ہے۔ کاشتکار کو جو اصل زمین میں لگاتا ہے اس کی پیداوار سے صرف منافع ہی نہیں ملتا بلکہ اس میں سے زمیندار کا لگان بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔ پس اصل کی یہ مشغولیت قوم کو سب سے زیادہ نفع پہنچاتی ہے زراعت کے بعد مصنوعات کا درجہ ہے، پھر تھوک فروشی کا (یعنی پہلے تو تجارت داخلہ اور اس کے بعد تجارت خارجہ) اور سب سے آخر تجارت نقل و حمل کا درجہ ہے بہر حال یہ تمام کام

جن میں اصل لگایا جاتا ہے محض منفعت بخش ہی نہیں بلکہ ضروری بھی ہیں، اور اگر انھیں افراد کی آزادانہ کوششوں پر چھوڑ دیا جائے تو خود بخود رائج ہو جائیں گے اور ترقی کریں گے۔
ان پہلی دو کتابوں میں اسمتھ نے عام معاشیات کا خاکہ پیش کیا ہے۔ اور جہاں تک اختصار ممکن تھا، ہم نے بھی اُن کو بیان کر دیا۔ کیونکہ اُسی نظریے کی ترتیب سے انگلستان کے قدیم معتبر مسلک کی ابتدا ہوتی ہے اور یہی نظریہ آجکل مختلف ممالک میں بڑی حد تک بحث مباحثہ کا مرکز بنا ہوا ہے، اسمتھ کے نظریے پر اس کے متاخرین نے جو کچھ تنقید و ترمیم کی ہے اس کا حال آگے چل کر بیان کیا جائے گا۔

کتاب سوم

اٹھارھویں صدی کے تنقید نگار فلاسفہ بالعموم تاریخی مذاق نہیں رکھتے تھے، اور جو کچھ زبردست معاشری خدمات اُنھوں نے انجام دیئے ان میں اس مذاق کو کوئی دخل نہ تھا، لیکن ان میں سے صرف بعض اور خصوصاً اسکاٹلینڈ کے فلاسفہ نے قدرتاً تاریخ کے مطالعے سے خاص شغف ظاہر کیا، چنانچہ اسمتھ بھی اسی زمرے میں سے تھا۔ کنیز اور دیگر مصنفین نے "دولت اقوام" کے اس قسم کی استادانہ بحثوں سے اسمتھ کے طبیعی تاریخی مذاق کو ثابت کیا ہے، اس قسم کی اکثر طویل اور دقیق تاریخی بحثیں تیسری کتاب میں ہیں مختلف صنعتی شعبوں کی نشو و ترقی میں موجودہ یوروپ کی قوموں نے جو حصہ لیا اس کتاب میں اُس پر تاریخ وار تبصرہ کیا گیا ہے۔ تاریخی تحقیق کے نتائج پہلے سے اُصول پر راسخ اعتقاد رکھنے کی وجہ سے جس طرح مبہم ہو جاتے ہیں، یہ کتاب اُس کی عجیب و غریب مثال بہم پہنچاتی ہے۔ اگرچہ اسمتھ یوروپ کی صنعتی تحریک اور اس کے معاشری اسباب کی صحت کے ساتھ تشریح و توجیہ

کرتا ہے لیکن مجرد اصولوں کی پابندی کی بنا پر جو بعض اوقات اُسکے فلسفے پر بدنما داغ معلوم ہوتے ہیں، اس تحریک کی اس وجہ سے مخالفت کرتا ہے کہ اس سے "فطرتی نظام اشیاء" درہم وبرہم ہوجاتا ہے۔ اُس کی دانست میں پہلے زراعت کا درجہ ہے اسکے بعد صنعت کا اور سب سے آخر میں تجارت خارجہ کا۔ اس کے ماسوا کسی اور سلسلے کو "غیر فطری اور ترقی معکوس" قرار دیتا ہے۔ ہیوم جو اس سے بڑھ کر ایجابی فلسفی تھا، محض واقعات پر نظر ڈالتا ہے، اُن کو تسلیم کرتا اور پھر اُن کو ایک عام قانون کے تحت ترتیب دیتا ہے۔ ہیوم لکھتا ہے کہ "مزدور اور اُس کے اہل وعیال کی گذر اوقات کے لئے جو کچھ پیداوار درکار ہے مزدور کو اس سے زیادہ پیدا کرنے کے لئے مجبور کرنا ایک نازیبا اور بے رحمانہ حرکت ہے اور اکثر صورتوں میں ناقابل عمل طریقہ ہے، مزدور کو مصنوعات اور اشیا کی سربراہی کرو تو وہ بذات خود اتنی پیداوار حاصل کر لے گا۔" صفحات تاریخ پر نظر ڈالو تو تمھیں معلوم ہوجائے گا کہ اکثر قوموں میں تجارت خارجہ ملک کے مصنوعات کی عمدگی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اور تعیشات کا رواج اور استعمال اسی کے سبب سے مُلک میں پھیلا۔"

کتاب چہارم

کتاب چہارم میں زیادہ تر نظام تجاریت کے خلاف ایک جامع اور بلیغ بحث کی گئی ہے جس کا بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ نظام تجاریت علوم کے دائرے سے خارج ہوگیا۔ اس بحث کا معاشی قوانین کی وضع پر بہت بڑا اثر پڑا اچھا نتیجہ آج کل جو وجوہ تائین تجارت کی وکالت میں پیش کیئے جاتے ہیں وہ ان وجوہ سے مختلف ہیں جو

آدم اسمتھ سے قبل بتائے جاتے تھے۔ آدم اسمتھ کا خیال تھا کہ برطانیۂ عظمیٰ میں تجارتی آزادی کو از سر نو قائم کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا کہ اس میں مدینۂ فاضلہ[1] اور عبقریہ[2] کے قیام کی توقع رکھنا۔ تاہم یہ زیادہ تر اسی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ تجارتی آزادی کے حصول میں کامیابی ہوئی۔ موجودہ زمانے کے کسی مصنف نے بالکل سچ کہا ہے کہ اگر اسمتھ کا سنجیدہ استدلال اصول پرستی سے مبدّل نہ کیا جاتا تو دوسری سب قومیں آزاد تجارت کو عام طور پر تسلیم کر لیتیں۔ اسمتھ کے تعلیمات آزاد تجارت کے متعلق غیر مشروط نہیں ہیں بلکہ ہر قسم کے مبادلات کے بارے میں جن میں صرف معاشی اغراض کی بنا پر عمل ہوتا ہے وہ بحیثیت مجموعی آزادی کو پسند کرتا ہے پھر بھی وہ سیاسی اور معاشی ہر دو اغراض کا لحاظ کرتا ہے اور اس بنا پر کہ "مدافعت تموّل سے زیادہ اہم ہے" وہ کرامول کے قانون جہاز رانی کو انگلستان کے جملہ تجارتی قوانین میں سب سے زیادہ عاقلانہ خیال کرتا ہے۔ وہ اُون کی برآمد کی ممانعت کا مخالف ہے، اس کی دانست میں اُون کے پیدا کرنے والوں کے حق میں برآمد پر محصول عائد کرنا بہ نسبت قطعی ممانعت کے کم نقصان رساں ہے اور محصول لگانے سے بمقابلہ دوسرے ممالک کے صنّاعوں کے مُلک کے صنّاعوں کو زیادہ فائدہ حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے، غالباً یہی سب سے بیّن مثال ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس نے اُصول کی سخت پیروی سے قدرے انحراف کیا اور عوام کی اصلاح کو مدّ نظر رکھ کر اُن کے فائدے کی غرض سے اس قسم کی تجویز پیش کی۔

[1] Utopia

[2] Oceana.

بیرونی حکومتوں کے سخت محصولات و امتناعات کو منسوخ کرانے کے لیئے اپنے یہاں بھی اس قسم کے قیود بطور انتقام عائد کرنا اس کے نزدیک ایک ایسا فعل ہے جو محض حصول مقصد کی کامیابی کے امکان پر مبنی ہے - لیکن وہ اس پر عمل کرنے سے اظہار تنفر کرتا ہے اور یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ جب بڑے بڑے محصولات تامین کی بدولت ملک کی صنعت خاصی ترقی کر لے تو ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ بتدریج اور نہایت غور و احتیاط کے ساتھ صنعت پر سے محصولات اٹھائے جائیں ورنہ فوری تنسیخ سے خرابیاں پیدا ہوں گی اگرچہ ان خرابیوں کو بقول اُس کے مبالغے کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے - جے - ایس - مل نے جس خاص صورت میں تامین کو روا رکھا (یعنی ایسی حالت جس میں ملکی صنعت کی ترقی بیرونی صنّاعوں کی اکتسابی فوقیت کی وجہ سے رکی ہوئی ہو) اس کا تذکرہ اسمتھ نے کیا ہے، لیکن اس استثنا کو تسلیم کرنے کا اسمتھ جن وجوہ سے مخالف ہے، وہ قطعی اور صحیح نہیں معلوم ہوتے - مگر اسمتھ سرمایۂ مشترک والی ایسی کمپنیوں کو رعایتاً عارضی طور پر اجارہ دینے کا موئد ہے جو پُر خطر کاروبار کا بیڑا اُٹھاتی ہیں اور جن سے آئندہ چل کر عوام کو فائدہ پہنچنے کی امید ہوتی ہے - اس طرح اُس کی پہلی مخالفت اور دوسری

[1] یہ بات ہمیشہ ذہن نشیں رکھنی چاہئیے کہ اگر حکومت اس قسم کا تامینی اصول اختیار کرے گی تو حسب ذیل تین قسم کی خرابیوں کی ذمہ دار ہوگی (۱) محض سیاسی اثرات کے ذریعے سے ایسی صنعتوں کی حوصلہ افزائی حاصل کرنا جو بغیر سہارے کے صحیح طور سے چل نہیں سکتیں (۲) سرکاری امداد کا اس مدت سے تجاوز کرنا جو صنعت کو اپنے بل بوتے پر کھڑے ہونے کیلئے درکار ہو (۳) دوسری قوموں میں اس انتقامی جذبے کا مشتعل ہونا کہ وہ بیرونی اشیا کی درآمد کو روکیں۔

موافقت میں تضاد پایا جاتا ہے۔

کتاب پنجم۔ اسمتھ نے اپنی کتاب پنجم میں "فرماں روایا جمہور کے مصارف" پر بحث کی ہے، لیکن اپنے نظریہ عدم مداخلت میں بہت زیادہ مطلق رائے کا اظہار نہیں کرتا، یہ تو تسلیم کرتا ہے کہ محکمہ ترقیات عامہ اور رفاہ عام کے اداروں کا تعمیر کرنا اور قائم کرنا حکومت کے فرائض میں داخل ہے اور یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ اگرچہ یہ قوم کے لیئے مفید ہیں لیکن ان سے کوئی مادی آمدنی حاصل نہیں ہوتی۔ اس لیئے افراد پر یا افراد کی چھوٹی جماعتوں پر ان کا بار ڈالنا مناسب نہیں ہے۔ وہ مورخانہ انداز میں بجا طور سے یہ رائے زنی کرتا ہے کہ ان فرائض کی انجام دہی کے لیئے قوم کی مختلف حالتوں میں مختلف اخراجات لاحق ہوتے ہیں، وہ حفاظت عامہ نظم ونسق عدالت اور تجارتی محکموں کے ساتھ ساتھ قوم کی تعلیم وتربیت کے انتظام کے لیئے محکمہ تعلیمات کا قیام بھی ضروری سمجھتا ہے، وہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ اگر حکومت ابتدائی تعلیم کے لیئے لوگوں کی حوصلہ افزائی ہی نہ کرے اور ان کے لیئے آسانیاں ہی پیدا نہ کرے بلکہ جبری تعلیم کا انتظام بھی کرے تو اس کا یہ فعل نہایت درست ہوگا۔ ابتدائی تعلیم کو پھیلانے کی غرض سے یہ تجویز پیش کرتا ہے کہ "قبل اس کے کہ کوئی شخص مجلس تجارت کی رکنیت حاصل کرے یا کسی گاؤں یا شہر میں تجارتی کاروبار شروع کرنے کی اجازت حاصل کرے" اس کے لیئے آزمائشی امتحان کی شرکت لازمی قرار دی جائے، اسی طرح اگر کوئی شخص آزاد پیشہ اختیار کرتا یا کسی معزز عہدے کا امیدوار بننا چاہے تو اس پر اعلی اور دقت طلب علوم کی تحصیل اور کارآموزی کی شرط لگائی جائے۔ اس کی دانست میں اگر مذہبی تعلیم اور عام تعلیم کے اخراجات

102

قومی خزانے سے ادا کیے جائیں تو نا واجب نہ ہوگا، اگرچہ بادی النظر میں یہ زیادہ بہتر ہوگا کہ جو لوگ ایسی تعلیم یا تربیت کو ضروری سمجھتے ہوں انھیں کی خوشی سے چندے وصول کر کے اس کام میں لگائے جاویں، کتاب پنجم میں بہت سی باتیں صحیح، دلچسپ اور سبق آموز ہیں جن سے اسمتھ کی سیاست دانی اور اس کی وسعت نظر کا ثبوت ملتا ہے اور انھیں کی بنا پر منچسٹر اسکول کے مقابلے میں اس کے خیالات کو ترجیح دی جاتی ہے لیکن اگر یہ کہنا اس فاضل کی شان میں گستاخی نہیں ہے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کتاب میں بہت سی ایسی چیزیں بھی پائی جاتی ہیں جو اُن لوگوں سے منسوب کی جاتی ہیں جو فنون لطیفہ اور شاعری کے مقاصد کو بنظر حقارت دیکھتے ہیں۔ اس کتاب میں ان چیزوں کا پایا جانا نتیجہ تھا اسمتھ کی ذاتی کمزوریوں کا۔ اس کے علاوہ اسمیں مذہب کے اعلیٰ مقاصد اور اُس کی دائمی اہمیت سے بھی غفلت کے آثار پائے جاتے ہیں، اس کی وجہ زیادہ تر اُس دور کے اثرات تھے جبکہ انتقادی مذاق ایک ناگزیر کام انجام دے رہا تھا اور جب کہ عارضی کے مستقل کے ساتھ مخلوط ہو جانے کا امکان تھا۔

حکومتوں کے فرائض کے متعلق اسمتھ کے جو خیالات تھے اُن کا مجموعی حیثیت سے مطالعہ کرنے کی غرض سے ہم نے اُس کے فطرآئینی نظام کی بحث کو جو کتاب چہارم کا ایک جزو ہے اسی موقع کے لئے ملتوی کر دیا تھا۔ اسمتھ اپنے زمانۂ قیام فرانس ۱۷۶۵ء میں کوئنے، ترگو اور اس فرقے کے دوسرے ارکان سے روشناس ہو گیا تھا اور جیسا کہ خود اُس نے ڈگلڈ اسٹورٹ سے کہا کہ اُس کا ارادہ تھا کہ اگر فطرآئین کا بانی زندہ رہتا تو وہ اُس کے نام سے اپنی کتاب "دولت اقوام" کو معنون

کرتا۔ اسمتھ لکھتا ہے کہ نظام کو کہنے باوجود اپنے نقائص کے
غالباً جملہ معاشی نظاموں میں سب سے زیادہ حقیقت سے قریب ہے۔
تاہم اسمتھ اس امر سے کافی طور پر باخبر نہیں معلوم ہوتا کہ اس کے اور
فطرآئینوں کے اصول میں کس درجہ تطابق ہے۔ ویولون ڈی نیمورس
اس بات کا شاکی ہے اور اس کو صریحی ناانصافی خیال کرتا ہے
کہ اسمتھ نے کوسنے کو اپنا پدر معنوی تسلیم کرنے سے انکار
کیا پھر بھی دوسری جانب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اسمتھ ۱۷۵۳ء
میں بحیثیت پروفیسر کے انھیں معاشی قوانین کا درس دیتا رہا جس کو
خود اس نے اپنی مشہور تصنیف میں پیش کیا' یہ کہنے والا حقیقت
میں اسٹورٹ ہے' اس نے اگرچہ اس کی کوئی دلیل نہیں پیش کی'
لیکن ممکن ہے کہ اس کا بیان بالکل صحیح ہو۔ اگر یہ صحیح ہے تو
اصولی لحاظ سے اسمتھ کا سلسلہ فرانسیسی فرقے سے نہیں بلکہ ہیوم
سے جا کر ملتا ہے۔

فطرآئینی فرقے کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ انھوں نے
محض زرعی مزدوروں کی محنت کو پیدا آور قرار دیا۔ اسمتھ
کتاب چہارم میں اس کی تردید کرتا ہے گو اس تردید کا طریقہ موثر
نہیں۔ اس فرقے کے غلط خیالات کا اثر اس کی کتاب میں
اکثر مقامات پر ملتا ہے' مثلاً ایک مقام پر اسمتھ لکھتا ہے
کہ زراعت میں انسان اور قدرت دونوں مل کر کام کرتے ہیں
اور صنعت میں قدرت کوئی حصہ نہیں لیتی' انسان ہی کو سب کچھ
کرنا پڑتا ہے اور دوسری جگہ ان ہی کے اثر کے تحت محنت
کی دو قسمیں پیدا آور اور غیر پیدا آور قرار دیتا ہے' یہ محض
فطرآئینوں ہی کا اثر تھا کیونکہ یہ اصطلاحیں فطرآئینوں نے
اپنے ہاں استعمال کی ہیں ورنہ اسمتھ کے اس تصور میں جس کو
آجکل "ذاتی اصل" کہا جاتا ہے اور فطرآئینوں کی مذکورۂ بالا محنت

کی تفریق میں تناقض پایا جاتا ہے۔ یم کلاک اور دیگر مصنفین نے اسمتھ کے ایک اور تصور کو بھی غلط آئینوں کے اثر کا نتیجہ اور ایک غلط خیال ثابت کیا ہے، وہ خیال یہ ہے کہ مختلف پیشوں میں انفرادی فوائد عوام کے فوائد پر دلالت نہیں کرتے، لیکن جیساکہ پروفیسر نکل سن نے بخوبی ثابت کر دکھایا ہے اس کا یہ خیال درحقیقت بالکل صحیح ہے[1] آدم اسمتھ یہ خیال بھی ظاہر کرتا ہے کہ اگر منافع کی شرح یکساں تسلیم کرلی جائے تو اصل کی مشغولیت کی مختلف شکلیں مزدوری پیشہ طبقے کے اغراض پر مختلف اثرات ڈالتی ہیں۔ اس خیال کو ریکارڈو نے تسلیم کیا ہے اور جیساکہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے کیرنس نے اسی بنیاد پر اپنی کتاب "اساسی اصول" میں بعض اہم نتائج قائم کیے۔

کتاب پنجم میں اسمتھ نے نظریۂ محصول پیش کیا ہے۔ اس پر تفصیلی طور پر نظر ڈالنا ہم مناسب نہیں سمجھتے کیونکہ نظام محصول کے بارے میں اس نے جو اصول مرتب کیے وہ عام طور پر مسلم ہیں اور متفقہ طور پر صحیح مانے جاتے ہیں۔ حال میں پروفیسر واکر نے ان اصول پر سخت نکتہ چینی کی ہے۔ لیکن ان میں سے صرف ایک ہی اعتراض مبنی بر حقیقت معلوم ہوتا ہے۔ اسمتھ نے یہ کلیہ قائم کیا تھا کہ سرکاری اخراجات کو پورا کرنے کے لیے افراد جو رقم ادا کرتے ہیں وہ سرکار کے خدمات کا صلہ ہے اور یہ صلہ سرکار کو اپنے خدمات کے تناسب سے لینا چاہیے۔ اگر حقیقت میں اس کا یہی مفہوم ہے جیساکہ بظاہر الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے تو یقیناً اسمتھ کا بیان اس حد تک

---

[1] دیکھو دولت اقوام کا مقدمہ۔

اصولاً غلط تھا۔ چنانچہ واکر کا اعتراض یہاں بالکل درست ہے۔
اگر ہم اس مقام پر اس امر کا کچھ ذکر کریں جس نے عوام کی رائے
کو اس کے متاخرین کی بجائے خود اسمتھ کے حق میں بدل دیا
اور جس کا سبب اسمتھ کے بعض متاخرین کا اس سے قدرے
انحراف ہوا ہے تو ہمارا بیان بے موقع متصور نہ ہوگا۔ موجودہ
زمانے میں اس امر کا قوی احساس ہونے لگا ہے کہ اسمتھ ریکارڈو
اور اس کے حواریین کے مزعومہ رجحانات سے نسبتہً بری ہے
اسی وجہ سے اب اسمتھ کی طرف رجوع کرنے کا خیال پیدا ہوتا جاتا
ہے اور لوگ پھر اسی کو معاشی خیالات کا منبع خیال کرنے لگے
ہیں۔ لیکن باوجود اس کی مسلم الثبوت فوقیت اور اسکی غیر فانی تصنیف
کی عظیم الشان خدمت کے اعتراف کرنے کے ہمیں یہ فراموش
نہ کرنا چاہیئے کہ اسمتھ کو جو شہرت حاصل ہوئی وہ اگرچہ دوسرے
مصنف کو حاصل نہیں ہوئی مگر اس کی تصنیف بحیثیت مجموعی
اٹھارھویں صدی کے سلبی فلسفے کی پیداوار ہے اور اس کی
اساسی بنیاد مابعد الطبیعیات پر قائم ہے۔ اسمتھ کا دماغ زیادہ تر
انتقادی تحریروں کے کام میں مصروف تھا جو اس زمانے میں نہایت ضروری
سمجھا جاتا تھا۔ اس کا خاص کام مروجۂ وقت معاشی نظام کی تردید
و تغلیط تھا اور اس نے ثابت کر دکھایا کہ موجود الوقت یورپین
حکومتیں صنعتی کاروبار کی نگرانی کرنے کی صلاحیت ہی نہ رکھتی
تھیں۔ اسمتھ کی یہ خدمت اس عام انہدامی کام کے مطابق اور
اس کا ایک جزو تھی جس کو اسمتھ کے عہد کو ممتاز حیثیت دینے والے
فلاسفہ انجام دے رہے تھے۔ یہ بات اسمتھ کی شان کو
دوبالا کرتی ہے کہ باوجود اس انہدامی کام کے اس نے ایسے
قیمتی عناصر کا اضافہ کیا جن سے اصول و عمل کے ایک منضبط
نظام کی ترتیب میں کافی مدد ملی۔ اس نے خاص کام جو انجام دیا وہ

یہی نہیں تھا کہ بہت سی غلطیاں اور تعصبات دور کیے اور حقیقت کو بھی بے کار راستہ صاف کیا، بلکہ معاشی خیالات و واقعات کے مدلل تجزیہ، عاقلانہ عملی مشوروں اور ہمہ قسم کے کار آمد معلومات کا ایک مستقل ذخیرہ چھوڑا ہے جن سے اس کی تصنیف پُر ہے۔ وہ اگرچہ اپنے زمانے کے بہترین طبقۂ فلاسفہ میں سے تھا (یعنی ایسا طبقہ جس کی طرف ہیوم اور دیدرو کے نام منسوب کیے جاتے ہیں) تاہم اس کا بیشتر میلان ایجابی فلسفہ کی طرف تھا لیکن وہ اس پر عمل پیرا نہ ہو سکا۔ اس لحاظ سے اس کی عظیم الشان تصنیف میں یہی ایک کمی باقی رہ گئی ہے کہ تعمیمی معاشیات کی بحث ایجابی نہیں ہے۔ اس کی تکمیل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ مباحث کی بنیادیں زیادہ محکم بنائی جائیں۔

کسی مصنف کے بقول فلسفے کے نظریات پر یہ بات بالکل صادق آتی ہے کہ "ان کے اثمار سے تم ان کو پہچان لو گے"۔ اسمتھ کے متاخرین نے جو مذموم طریقے اور غیر صحیح یا مبالغہ آمیز نظریات قائم کیے تھے، اصل میں ان کی تخم ریزی خود اسمتھ کی تصنیف میں ہوئی تھی، گو اسمتھ نے دانشمندی سے اپنی حد تک کوئی غلو پیدا نہ ہونے دیا۔ بلڈی برانڈ اور دوسرے مصنفین نے اسمتھ کے نظریے کی پوری تاریخی نشو و نما کے متعلق (جس کو اہل جرمنی "نظام اسمتھ" سے موسوم کرتے ہیں) بعض اعتراضات کیے ہیں اور وہ یہ رائے زنی کرتے ہیں کہ یہ اعتراضات بحیثیت مجموعی اسمتھ کے مسلک کے تمام متاخرین پر ہی نہیں بلکہ خود اس پر بھی، خفیف حد تک صادق آتے ہیں۔ ان کے سب سے اہم اعتراضات حسب ذیل ہیں :-

(۱) اسمتھ کا تصور معاشیات کے بارے میں لازمی طور پر انفرادیت پر مبنی تھا اور اس لحاظ سے وہ اپنے زمانے کے سلبی فلسفے کا ہم آہنگ ہے۔ سلبی فلسفے کی خاص شکلوں میں سے ایک شکل یہ ہے کہ وہ بے غرض اور بے لوث محبت کے قدرتی وجود سے انکار کرتا اور دوسروں کی ہمدردی اور محبت کو محض ذاتی محبت کا ذیلی نتیجہ قرار دیتا ہے گو اسمتھ مثل ہیوم کے ان انتہائی خیالات کا مخالف تھا اور اسی وجہ سے یہ بات مان لی گئی ہے کہ اس نے جان بوجھ کر اور صاف طور سے انسان کے عمدہ صفات کے اصول سے ماخوذ کر کے صرف بطور منطقی حیلے کے ایک "معاشی انسان" کو فرض کیا ہے جس کا ہر کام خود غرضی پر مبنی ہوتا ہے، لیکن بایں ہمہ وہ عادتاً انفرادی نقطۂ نظر سے بحث کرتا ہے، اور ہر فرد پر اس لحاظ سے نظر ڈالتا ہے کہ گویا وہ خالص انانی قوت ہے جو دوسروں کی یا پوری قوم کی فلاح وبہبود کا خیال کیئے بغیر محض اپنے ذاتی مفاد کے لیے ہمہ تن مصروف کار رہتی ہے۔

(۲) اسمتھ اس شخصی طرز عمل کو اس کے نتائج کی بنا پر مستحسن قرار دیتا ہے اور یہ امید افزا خیال ظاہر کرتا ہے کہ صرف افراد کی خود غرضانہ جدوجہد کو آزادی دینے سے قومی مفاد بہترین طریقے پر حاصل ہو سکتا ہے، بشرطیکہ قانون، قوم کے ایک فرد کو دوسرے کے ذاتی معاملات میں مداخلت کرنے سے باز رکھے۔ اس نے مثل سلبی فرقے کے، یہ فرض کیا (اگرچہ اس کے بعض الفاظ ان قضیوں کے ہم آہنگ نہیں ہیں) کہ ہر شخص اپنے ذاتی مفاد کو بہتر طریقے پر سمجھتا ہے اور اسی کے مطابق عمل کرتا ہے، نیز یہ کہ ہر فرد کا معاشی مفاد قوم کے مفاد کے مطابق ہوتا ہے۔ اسمتھ اس آخری نتیجے پر بدیہی مذہبی خیالات اور ایک مفروضہ نظام فطرت

فطرتی آزادی اور فطرتی حق کے مابعد الطبیعی تصورات کی بنا پر پوشیدہ طور پر پہنچتا ہے۔

(۳) تقریباً ہر سوال کو انفرادی مفاد کے سوال پر تحویل کرکے قیمت مبادلہ پر جو دولت سے اس کے اصلی معنوں میں جدا گانہ شے ہے، بہت زیادہ زور دیتا ہے۔ اگرچہ اس طریق سے نتائج کے استنباط کرنے میں بہت بڑی سہولت پیدا ہو جاتی ہے، مگر اس سے بہت سی خرابیاں بھی پیدا ہوتی ہیں مثلاً وہ معاشی تحقیق کو بالکل سطحی بنا دیتا ہے، معاشیات کو علوم طبیعات وحیاتیات سے علیحدہ کر دیتا ہے، حقیقی معاشری مفاد کے سوال کو بحث سے خارج کر دیتا ہے، پیدائش دولت کے طریق میں استفادی گنجائش باقی نہیں رکھتا، اور جس طرح مل نے صرف دولت سے متعلق کسی معاشی اصول کو تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا اسی طرح کا رجحان پیدا کرتا ہے، یا بالفاظ دیگر استعمال دولت کے نظریوں سے منکر بناتا ہے۔

(۴) اسمتھ سرکار کی موجودالوقت صنعتی حکمت عملی کی مخالفت کرکے اصول غیر مداخلت کی وکالت کرتا اور معاشی زندگی میں ہر قسم کی معاشری مداخلت کی مخالفت کرتا ہے۔

(۵) بنی نوع انسان کے اخلاقی انجام کو نظر انداز کرتا ہے اور دولت کو زندگی کے اعلیٰ مقاصد کے حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں خیال کرتا گویا اس پر مادیت پرستی کا الزام بالکل بجا ہے اور آخر میں (۶) اس کا پورا نظام بلحاظ نوعیت، بہت زیادہ غیر مشروط اور مطلق ہے اور وہ اس بات کو کافی طور پر تسلیم نہیں کرتا کہ بقول ہلڈی برینڈ "انسان بحیثیت قوم کا فرد ہونے کے، تمدن کا بچہ اور تاریخ کا ماحصل ہے" اور نہ اس کا قائل ہے کہ قوم کے مختلف مدارج ترقی کا لحاظ کرنا ضروری ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جب تک ان کا

لحاظ نہیں کیا جائے گا اُس وقت تک معاشی حالات و معاشی جدوجہد میں جو تغیرات پیدا ہوتے ہیں یا خود انسان کے عادات و حالات میں جو تغیر و تبدل ہوتا جاتا ہے اُن کا صحیح اور کامل علم حاصل ہونا محال ہے۔

107 اسمتھ کی تصنیف کا اثر۔ غالباً ان تمام امور میں جو یہاں بیان کیے گئے بعض میں تو یقیناً اور بالخصوص آخری امر میں اسمتھ پر اکثر متاخر انگریز معاشئین کے مقابلے میں بہت کم گرفت ہوتی ہے۔ لیکن ہماری رائے میں یہ امر تسلیم کرنا ضروری ہے کہ ان متذکرۂ بالا مختلف مذموم رجحانات کی بنا اسمتھ کے وہ عام اصول ہیں جو اُس کے خاکے کی تہ میں مضمر ہیں۔ انگرہسن اپنی کتاب "قومیت کی تاریخ" میں لکھتا ہے کہ اسمتھ کی تصنیف سے متعلق اس کی اشاعت سے قبل باکمال عقلا بڑے بڑے توقعات قائم کر رہے تھے، پہلی مرتبہ شائع ہونے کے بعد پندرہ سال کے اندر اندر چھ مرتبہ طبع ہونا اُس کی قبولیت عام کا بیّن ثبوت ہے، ۱۷۸۳ء سے پارلیمنٹ میں بھی اس کا اثر روز بروز بڑھتا گیا جہاں سند کے طور پر اس کا حوالہ دیا جاتا تھا، پٹ اس کے دلائل و براہین سے بیحد متاثر ہوا بقول اسمتھ اس وزیر اعظم نے اس کی کتاب کو اس عمدگی کے ساتھ سمجھا جیسا کہ خود مصنف نے۔ ۱۷۹۶ء میں پلٹینی نے لکھا کہ "اسمتھ موجودہ نسلوں کو ترغیب دے رہا ہے مگر آیندہ نسلوں پر حکومت کرے گا۔"

اسمتھ کے نقاد۔ اسمتھ پر سب سے پہلے نکتہ چینی کرنے والے بنتھم اور لاڈر ڈیل تھے۔ اگرچہ یہ دونوں اسمتھ کے خیالات سے عام طور پر متفق تھے مگر خاص خاص باتوں میں انہوں نے اختلاف ظاہر کیا ہے۔ 108 جریمی بنتھم نے ایک مختصر رسالہ معاشیات پر تصنیف کیا۔ اس کے علاوہ معاشی مباحث پر متعدد کتابیں

اور بہت سے رسالے لکھے جن میں سے سب سے مشہور "رباکی وکالت" ہے جو ۱۷۸۷ء میں شائع ہوا، اس رسالے میں "دولت اقوام" کی ایک عبارت پر (جسکا ذکر کیا جاچکا ہے) طول طویل اعتراض کیا ہے، اس عبارت میں اسمتھ نے ایک ایسی بیشترین قانونی شرح سود کے تعین پر زور دیا ہے جو بازاری شرح سے کچھ اوپر ہو، تاکہ اس کی وجہ سے ملک کا اصل بجائے مسرفوں اور منصوبے باندھنے والوں کے کفایت شعار لوگوں کے ہاتھ میں جائے۔ کہتے ہیں کہ بنتھم کا رسالہ شائع ہونے کے بعد اسمتھ نے اس امر کا اقبال کیا کہ بنتھم کا بیان مدلل اور کامیاب تھا۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ بنتھم نے بڑی قابلیت سے استدلال کیا، اور بلاشبہ صحیح اصول یہی ہے کہ ترقی یافتہ صنعتی قوم میں شرح سود کا تعین قرض دہندہ اور قرض گیر کی باہمی معاملت پر چھوڑ دیا جائے اور صرف دغا و فریب کی صورت میں قانون مداخلت کرے۔

بنتھم کی اصلی شہرت معاشیات کے میدان ہی تک محدود نہ رہی بلکہ ایک طرف تو وہ وہ چیز پیش کرتا ہے جس کو "نظام بنتھم" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو بقول کونت بلاشبہ معاشیات سے اور بالخصوص نظام فطری آزادی سے مشتق ہے اور دوسری طرف اس نے عمرانی و اخلاقی نظریے میں اصول انفرادی مفاد اور اس مفاد سے استخراج کرنے کے طریق کو داخل کر کے فطری آزادی کے نظام کو عارضی غلبہ و ترقی دی، معاشیات اور بنتھم کے منصوبے کا یہ ارتباط فلاسفہ کے اس گروہ میں نظر آتا ہے جو بنتھم کے ارد گرد جمع ہو گیا تھا، اس میں کلام نہیں کہ اُن فلاسفہ میں وقت نظر اور منطقی قوت بدرجۂ اعلیٰ موجود تھی اور اُن کا میلان طبع اگرچہ کسی قدر مبہم طریقے پر ایجابی عمرانیات کی طرف تھا۔ بایں ہمہ مل کا اُن کو

"علمائے متبحر" کا لقب دینا ناموزوں اور ناواجب معلوم ہوتا ہے۔ یہ گروہ ایجابی عمرانیات کی بنیاد قائم کرنے سے اس وجہ سے قاصر رہا کہ اس کے افراد عالمانہ حیثیت سے تربیت یافتہ نہ تھے اور ان کا طرز خیال مطلق تھا۔ لارڈ لاڈرڈیل نے اپنی کتاب "قومی دولت" میں (جو وہ زمانے میں بھی لائق دید اور قابل قدر ہے) اسمتھ کے مسئلۂ قدر و پیمانۂ قدر، اور پیداآوری محنت پر نکتہ چینی کی ہے اور مختلف مباحث اور سوالات مثلاً قومی دولت کے شمار کرنے کا صحیح طریق کیا ہونا چاہیئے اور پیدائش پر تقسیم دولت کا کیا اثر پڑتا ہے، ان پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ اسمتھ کا ظہور عظیم الشان صنعتی انقلاب کے شروع میں ہوا تھا اور وہ جس صنعتی و تجارتی دنیا میں رہتا تھا، بقول کلف لیزلی "بہت ہی ابتدائی" اور نسبتاً محدود دنیا تھی چنانچہ اسمتھ صرف نیوکامن کے ہی انجن کا ذکر کرتا ہے اور روئی کی تجارت کا ایک بار ذکر کرتا ہے اور وہ بھی اتفاقی طور پر۔ مارشل اس زمانے کی ترقیات کے متعلق لکھتا ہے کہ "۱۷۶۰ء اور ۱۷۷۰ء کے مابین روبک نے لوہے کو کوئلے سے پگھلانے کا طریقہ ایجاد کیا، برنڈلے نے بڑے بڑے صنعتی مرکزوں کو نہروں کے ذریعے سے سمندر سے ملا دیا۔ ویجوڈ نے عمدہ اور ارزاں مٹی کے برتن بنانے شروع کیے۔ ہارگریز[1] نے کاتنے کی کل ایجاد کی۔ آرک رائٹ[2] نے ویاٹ اور ہائی کے ایجادات سے فائدہ اٹھا کر بیلنوں سے کاتنے کا طریقہ نکالا، اور بیلنوں کو پانی کی قوت سے چلانا شروع کیا۔ واٹ نے دخانی انجن ایجاد کیا اور اس کے بعد ہی کرامپٹن کا روئی کاتنے کا چرخا اور کارٹ رائٹ

---

[1] معمولی جلاہا تھا Hargreaves

[2] غریب حجام تھا Arkwright

کی کپڑا بننے کی کل ایجاد ہوئی"۔ اس ارتقائے سریع سے صنعت کو گوناگوں فروغ حاصل ہوا، لیکن بہت سے افسوسناک نتائج بھی نمودار ہوئے۔ اگر اسمتھ پیش آیند نتائج سے آگاہ ہوتا (کیونکہ یہ نتائج اس کے بعد ظہور پذیر ہوئے) تو وہ معاشی جدّ و جہد کی آزادی کا اس قدر پرجوش وکیل نہ بنتا، اور نہ اس آزادی کے فوائد پر زور دیتا اور نہ قدیم آئین و قوانین کو جو اس زمانے میں ایک حد تک مزدوروں کے پشت وپناہ تھے، اس قدر مذموم قرار دیتا۔ نئے صنعتی نظام کے نقائص کے پہلو بہ پہلو تحریک اشتراکیت بھی جس کو ہم آجکل "لاینحل معاشری سوال" کہتے ہیں رونما ہوئی اور یہ تحریک نظام جدید کے خلاف ایک پُرزور اور ناگزیر صدائے احتجاج تھی جو مزدوروں کی جانب سے بلند کی گئی تھی۔

تامس روبرٹ مالتھس ۱۷۶۶ء۔ ۱۸۳۴ء

اس سوال کو سب سے پہلے تامس مالتھس نے نہایت موثر طریقے سے انگریز ناظرین کے سامنے "مضمون آبادی" کی شکل میں پیش کیا۔ یہ مضمون ۱۷۹۸ء میں شائع ہوا لیکن اس پر مصنف کا نام نہ تھا۔ اس مصنف کی محرک انقلابی تحریک سے اس کی ہمدردی نہ تھی اور نہ اس تحریک کی تائید میں یہ کتاب لکھی گئی تھی بلکہ قدامت پسند حکمت عملی کے اغراض کو پیش نظر رکھ کر قدامت پسند طبقے کی تائید میں یہ لکھی گئی اس کی وجہ تصنیف نہایت عجیب اور دلچسپ ہے۔ مصنف کا باپ ڈینیل مالتھس، روسو کا دوست تھا اور انسانی ترقی و بہبود کے نظریے کا جو کہ کنڈارسے اور دیگر فرانسیسی فلاسفہ نے اور اس کے انگریز متبعین نے پیش کیا تھا، قائل تھا۔ ولیم گاڈون ان انگریز متبعین میں سب سے مشہور تھا، اس کی کتاب "سیاسی انصاف کی حقیقت" Enquiry Concerning Political Justice ۱۷۹۲ء میں شائع ہوئی مگر ۱۷۹۷ء میں گاڈون نے اس میں ترمیم کر کے "محقق"

کے نام سے دوبارہ شائع کیا اس دوسری کتاب میں ایک مضمون بعنوان "حرص و افراط" تھا۔ اسی موضوع پر باپ بیٹے میں بحث شروع ہوئی اور رفتہ رفتہ "آئندہ اصلاح معاشرت" کے عام سوال پر بحث ہونے لگی، ڈنیل، گاڈون کے نظریے کا وکیل تھا اور روبرٹ اس کا مخالف تھا چونکہ روبرٹ اپنے خیالات و دلائل کو تقریر میں وضاحت اور جامعیت کے ساتھ بیان نہیں کرسکتا تھا اس لیے تحریر کی شکل میں مرتب کرنے لگا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسئلۂ آبادی پر ایک اچھا خاصہ مضمون تیار ہوگیا۔

گاڈون کی اصلاح معاشرت کی تجویز اس خیال پر مبنی تھی کہ "انسان کی تنزل پذیری کا سبب کوئی مافوق انسان قوت نہیں ہے بلکہ قوم میں محض انسان کے بنائے ہوئے آئین و رواج کی بنا پر نقائص پیدا ہوتے ہیں مثلاً قدرت نے جو دولت انسان کے لیے ودیعت کی وہ انسان کے لیے کافی سے زیادہ ہے لیکن اس کی تقسیم مساوی نہیں، ایک کے پاس بافراط دولت موجود ہے تو دوسرے کے پاس کوڑی بھی نہیں۔ اس دولت کو اور اس کے پیدا کرنے کی محنت کو مساوات کے ساتھ تقسیم کردو تو ہر شخص معمولی سی محنت کرکے اس قدر دولت کمالیگا کہ سادگی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لیے کافی ہوجائیگی اور اس کو کافی فرصت بھی مل جائے گی، جس کو وہ اپنی عقلی و اخلاقی اصلاح میں صرف کرسکے گا۔ انسانی اعمال کی رہنمائی عقل کرے گی، اور حکومت کی ضرورت باقی نہ رہے گی اور ایک زمانہ ایسا آئیگا جس میں حقیقت کے پُرامن اثر سے کرۂ ارض پر مرفہ الحالی اور نیکی کا دور دورہ ہوگا" روبرٹ مالتھس نے ان دل خوش کن اور جوشیلی پیشین گوئیوں کی مخالفت میں یہ واقعات پیش کیے کہ "جس سرعت سے اور جس حد تک آبادی میں زیادتی ہوسکتی ہے، زمین

کی پیداوار میں اسی حد تک اسی سرعت کے ساتھ زیادتی نہیں ہو سکتی؛ اور خصوصاً اس حالت میں جبکہ سب انسان عام طور پر تندرست اور خوش حال ہوں اضافۂ نفوس کے اس رجحان کے عمل میں کوئی چیز مزاحم نہ ہوگی اور اضافۂ آبادی کے ساتھ ساتھ غذا کی قلت لازمی محسوس ہوگی کوئی بھی فرصت و آرام کی زندگی بسر نہ کر سکے گا۔ تنازع للبقا کی سرگرمی پہلے سے زیادہ ہو جائے گی اور ہر طرف عدم مساوات نظر آنے لگے گی"۔ مالتھس لکھتا ہے کہ اگر گاڈون کا تصوری نظام قائم ہو بھی جائے تب بھی "اصول آبادی" کی واحد قوت اس نظام کو شکست کرنے کے لیئے کافی ہے۔

یہ تو معلوم ہو گیا کہ بحث مباحثے کی غرض سے مضمون لکھا گیا تھا، اس میں خالص عالمانہ حیثیت سے مسئلۂ آبادی پر نظر نہیں ڈالی گئی بلکہ اس کو ایک اتفاقیہ تصنیف کہنا چاہیے جس میں اس زمانے کے خیالی منصوبوں اور عبقریوں کی مخالفت کی گئی ہے۔ لیکن بحث مباحثے کے اعتبار سے یہ مضمون کامیاب ضرور رہا، اس لیے کہ گاڈون کی تجویز مساوات کی تردید کرنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ سنہ ۱۷۶۱ء میں ڈاکٹر رابرٹ والس نے ایک کتاب بعنوان "بنی نوع انسان اور فطرت" تصنیف کی تھی اسمیں معاشری نقائص کا علاج اشتراک اموال تجویز کرتے ہوئے مصنف اس امر کا اقبال کرتا ہے کہ اس قسم کے نظام میں صرف ایک چیز بے حد قابل اعتراض ہے اور وہ آبادی کا اضافہ ہے جو اس نظام کے مطابق عمل کرنے سے لازمی طور پر پیدا ہوگا۔ یہ کتاب منجملہ ان کتابوں کے ہے جن کا مطالعہ اپنا مضمون لکھتے وقت مالتھس نے کیا تھا اس لیئے اس کو گاڈون کے استدلال کی تردید کرنے میں سہولت ہوئی، ایک جلیل القدر فاضل کندارسے نے بھی انقلاب فرانس کے

سنہ ۱۷۹۴ء کے دور میں اپنے دشمنوں سے چھپ کر ایک کتاب[1] تصنیف کی تھی جو اپنے تصورِ عمومی کی وجہ سے ترقی عمرانیات کی تاریخ میں ایک اہم کارنامہ خیال کی جاتی ہے، اگر ہم تحریر کے بعض جزوی بیانات سے قطع نظر کرلیں تو کونڈارسے کی یہ پہلی کتاب کہی جاسکتی ہے جس میں حرکی عمرانیات کے نظریے کی تشریح تاریخی بنیاد پر کی گئی ہے۔ چنانچہ کونت بھی کونڈارسے کو اپنا سب سے متصل پیش رو تسلیم کرتا ہے۔ لیکن کونڈارسے اپنے مہتم بالشان منصوبے کی تکمیل میں ناکام رہا، اس لیے کہ اس کا سلبی مابعد الطبیعیاتی فلسفہ زمانۂ قدیم کی حقیقی قدر شناسی میں مزاحم ہوا اور وہ اپنی تصنیف کے آخری حصے میں بنی نوع انسان کی تکمیل پذیری کے بارے میں مبہم مفروضات پیش کرتا اور انسان کی عمر کی غیر محدود طوالت کے متعلق خلاف عقل توقعات قائم کرتا ہے۔ اس قسم کے مبالغہ آمیز خیالات کی مالتھس نے تنقید کی۔ اگرچہ مالتھس کے خیالات خود تنگ اور غیر دلچسپ تھے لیکن عبقریوں اور خیالی منصوبوں کی تردید کرنے میں اور اُن کو غلط ثابت کرنے میں مالتھس یقیناً کامیاب رہا، اگرچہ کونڈارسے نے جو خیالی منصوبے قائم کیے تھے اور فرضی امیدیں باندھی تھیں مالتھس محض اُن کے ابطال و تغلیط میں سرگرم نظر آتا ہے اور کونڈارسے کی نیک دلی اور عالی ظرفی پر اُس نے مطلق نظر نہیں ڈالی اور نہ اس کے اساسی خیال کی قدر و عظمت کو پہچانا۔

بہرحال جب مضمون تیار ہو لیا تو مالتھس کے دل میں اس کو باقاعدہ اور مفصل طور پر مرتب کر کے تصنیف کی شکل میں لانے کا خیال پیدا ہوا، اُس نے اپنے پہلے مضمون میں تو

[1] Esquisse d'un tableau historique de l'esprit humain

قیاسی مستقبل کی بحث کی تھی مگر اب اس بات پر آمادہ ہوا کہ قوم کے ماضی و حال پر اس اُصول کے جو اثرات ہیں اُن پر بحث کرے۔ چنانچہ ان اثرات پر تاریخی تنقید کرنی شروع کی اور حقیقی صورت حالات کے متعلق ایسے نتائج اخذ کرنے کی کوشش کی جو تجربے سے صحیح ثابت ہوئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کے مضمون کی نوعیت اور ہیئت بالکل بدل گئی حتیٰ کہ ۱۸۰۳ء میں اُسی کے قول کے مطابق ایک "نئی تصنیف" تیار ہو گئی جس کا نام "اُصولِ آبادی پر ایک مضمون" تھا۔

اُس نے اپنے پہلے مضمون میں سوائے اُن اسباب کے جو مصائب یا بدکاری کے تحت آتے ہیں اضافۂ آبادی میں کسی اور سبب کا مزاحم ہونا ظاہر نہیں کیا تھا لیکن دوسرے مضمون میں ایک نئے عنصر یعنی "اخلاقی روک" کا اضافہ کرتا ہے یعنی یہ کہ انسان اپنے اختیار سے نفسانی خواہشات کو دبا کر تجرّد کی زندگی اختیار کر سکتا ہے اور اس طرح پر اضافۂ آبادی اور اُسکے نتائج مصائب بدکاری اور افلاس کو روک سکتا ہے گویا وہ (جیسا کہ خود اُسی کا قول ہے) اپنے بعض سابقہ سخت ترین نتائج کو "ملائم" کر دیتا ہے۔ مالتھس ہی کی زندگی میں یہ کتاب چھ دفعہ شائع ہوئی اور ہر مرتبہ اس میں کچھ نہ کچھ اضافہ یا ترمیم ہوتی رہی آخری مرتبہ ۱۸۱۷ء میں کامل نظرِ ثانی کے بعد طبع ہوئی، اس کے بعد کوئی ترمیم نہ ہوئی، چنانچہ آجکل بھی وہی نسخہ باقی ہے۔

اسمیں شک نہیں کہ خود مالتھس نے مضمون کی بہت کچھ اصلاح و ترمیم کی اور اس پر عدیم المثال طریقے پر بہت کچھ بحث مباحثہ بھی ہو چکا ہے لیکن یہ دریافت کرنا دقت سے خالی نہیں کہ مالتھس نے ہمارے علم میں کونسی ٹھوس اور پُر مغز چیزوں کا اضافہ کیا اور نہ یہ صحیح طور پر معلوم کرنا کچھ آسان کام ہے کہ اُس نے اپنے نظری

اُصول کی بنیاد پر وہ کون کون سے عملی مشورے قائم کیے جن سے قبل ازیں واقفیت حاصل نہ تھی۔ اس دوگونہ ابہام کی تشریح اُس کے ایک مشہور خط سے ہوتی ہے جو اُس نے سینیر کو لکھا تھا۔ مالتھس کو اس امر کا اقبال تھا، جیسا کہ اس خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ بلحاظ نوعیت و ماہیت اُس کا نظریہ اس قدر انوکھا اور نیا نہ تھا جتنا کہ اُس کے ظاہری لباس یعنی الفاظ نے بنا دیا تھا۔ لکھتا ہے کہ پہلے مضمون کے شائع کرنے کے بعد جس کے بیشتر حصے میں ہیوم، ولیس، آدم اسمتھ اور پرائس کے دلائل کی تقلید کی گئی تھی، جب اُس نے مضامین پر نظر غائر ڈالی تو اُس کو معلوم ہوا کہ اُس نے جتنی تحقیق کی تھی اُس سے زیادہ دوسرے اس میدان میں جولانی دکھا چکے ہیں، مثلاً فرانس کے بعض علمائے معاشیات مثلاً مان ٹسک اور انگریز معاشئین مثلاً ڈاکٹر فرنکلن، سر جیمس اسٹورٹ، مسٹر آرتھر ینگ اور مسٹر ٹاؤن سینڈ نے بھی اس مضمون پر بحث کی لیکن ان کا طرز بیان ایسا تھا کہ عوام کی توجہ اپنی طرف منعطف نہ کرا سکا۔ مالتھس یہ خیال کرتا تھا کہ اس موضوع میں بہت کچھ اضافے کی ضرورت باقی تھی۔ یعنی کمی اس بات کی تھی کہ اضافۂ آبادی اور غذا کے مقابلے کو کافی قوت اور صحت کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا تھا اور ذرائع معاش اور آبادی کے درمیان جن مختلف طریقوں سے توازن قائم کرنا چاہیے اُن کی تحقیق نہیں کی گئی تھی۔ پہلی ضرورت جو اس مضمون میں بیان کی گئی ہے یعنی اضافۂ آبادی اور ذرائع معاش کے باہمی تعلق کو صحیح طور پر بیان کرنے کی ضرورت وہ مالتھس کو یقین کامل تھا کہ اس مشہور و معروف اُصول سے پوری ہوتی ہے کہ "آبادی ہندسی نسبت سے بڑھتی ہے اور پیداوار حسابی نسبت سے بڑھتی ہے۔" لیکن یہ نظریہ

قطعی طور پر غلط ثابت ہو گیا ہے کیونکہ ایزادنسل انسانی کا اور نامس نامیاتی مخلوق کی ایزاد کا جو انسان کی غذا ہیں کوئی جد اجدا قانون نہیں ہے۔ جے۔ یس۔ ل، مالتھس کے اس ضابطے پر اعتراض کرنے والوں کو بُرا کہتا ہے۔ لکھتا ہے کہ "مالتھس نے کوئی ضابطہ نہیں بنایا تھا بلکہ محض سرسری رائے ظاہر کی تھی، اور یہ رائے اگرچہ غلط تھی مگر کافی حد تک حقیقت کی طرف رہنمائی کرتی ہے"۔ لیکن اس کے ثبوت میں معقول دلائل نہیں پیش کرتا حالانکہ غیر صحیح علم کی تحقیق ونقد کرنا اور عقائد کی بنیادوں کو جانچ لینا یقیناً نہایت ضروری ہے۔ اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ جس ضابطے کا ہم نے ذکر کیا ہے اُس کا استعمال موجودہ زمانے میں نہیں کیا جاتا ہے پھر بھی دوسرے کسی قدر مبہم سے جملے تو اکثر استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ "آبادی میں یہ رجحان ہے کہ وہ بمقابلہ پیداوار کے بہت زیادہ سرعت کے ساتھ بڑھتی ہے"۔ اِس جملے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں عناصر پر اس حیثیت سے بحث کی گئی ہے کہ گویا یہ خود دو چیزیں ہیں اور لفظ "رجحان" ایسا مبہم سا ہے کہ یہ جملہ مسلمہ طور پر سینیر کے دعووں کے بھی مطابق بن سکتا ہے یعنی یہ کہ "پیداوار کا رجحان یہ ہے کہ وہ بمقابلہ آبادی کے زیادہ سرعت کے ساتھ بڑھے"۔ یہ بات ہمیشہ سے معلوم ہی تھی کہ ایزاد پیداوار کے ساتھ آبادی میں بھی اضافہ ہوتا ہے گو یہ نتیجہ ہر وقت لازمی نہیں ہے بلکہ بعض صورتوں میں یہ بھی ممکن خیال کیا جاتا تھا کہ آبادی اسقدر بڑھ جائے کہ پیداوار مکتفی نہ ہو یا جتنی آبادی پہلے موجود تھی اس پر بھی بار بن جائے۔ اور علی ہذا القیاس اس میں بھی کبھی کسی کو شک نہیں ہو سکتا تھا کہ جنگ، وبا اور افلاس (جس میں سے آخری دو اسباب بد اعمالی کا نتیجہ ہیں) ایسے اسباب ہیں جن سے آبادی میں تخفیف کا عمل ہوتا رہتا ہے، گویا یہ حقیقت بالکل واضح تھی

کہ افراط اشیاء و اضافۂ آبادی قلت اشیاء و ایزاد اموات لازم و ملزوم ہیں اور ان کے عمل میں عقل انسانی مداخلت نہیں کرسکتی چنانچہ ایک پادری جوزف ٹاون سینڈ نامی نے ان سب امور کی تشریح اپنی کتاب "قوانین مفلسی پر ایک نظر" میں کی ہے جو ۱۷۸۶ء میں شائع ہوئی اور جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے یہ کتاب مالتھس کی نظر سے بھی گزری تھی۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی کافی واضح ہے کہ افراد کا افلاس کے بُرے نتائج سے خائف ہونا یا اپنی ہونے والی اولاد کی پرورش کے حقوق کا احساس، ممکن ہے کہ مزید تولید میں مزاحم ہو۔ چنانچہ تقریباً سب متمدن قوموں میں بھی اسی طرح پر عمل ہوا اور ہورہا ہے، مگر جب ایسے بدیہی حقائق کو مصطلحات کی شکل دی جاتی ہے یعنی "قطعی روک" اور "اخلاقی روک" وغیرہ جملے استعمال کیے جاتے ہیں تو وہ انوکھے اور ٹھوس معلوم ہوتے ہیں۔ تاہم بظاہر انھیں مصطلحات کے ذریعے سے مالتھس نے دُنیا کو اپنا پیغام سُنایا، اور دُنیا کے مختلف ملکوں کے تاریخی واقعات اور اعداد و شمار کا ذخیرہ فراہم کرکے مالتھس نے اپنے مرتمہ مضمون میں نتائج پیش کیے اگرچہ ان میں بہت سے امور حیرت افزا اور دلچسپ ہیں مگر وہ کوئی ایسے نئے اُصول نہیں جن کا پہلے سے کافی علم نہ ہوچکا ہو۔ چنانچہ جیمس مِل اور دیگر مصنفین ان کو اسی بنا پر نظر انداز کرتے ہیں کہ اس نظریے کی بنیاد ان سیدھے سادے واقعات پر قائم ہے جن کی عام مشاہدے سے تصدیق ہوسکتی ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کیونکہ جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے، مالتھس کو اپنا مضمون لکھنے اور اور اپنے اساسی اصول کا اعلان کرنے کے بعد کامل تاریخی تحقیق

۱۔ Dissertation on the Poor Laws

کرنے کا خیال پیدا ہوا۔

پس جس چیز کو بلند آہنگی کے ساتھ مالتھس کا "نظریۂ آبادی" کہا جاتا ہے وہ کوئی نیا انکشاف نہیں ہے جیسا کہ بعضوں کی رائے ہے اور نہ کوئی نقصان رساں ندرت ہے جیسا کہ مخالفین کا بیان ہے، بلکہ محض بدیہی واقعات کو جو بعض اوقات نظر انداز کیے جاتے ہیں، ایک باقاعدہ اصولی شکل دیگئی ہے معاشیین مالتھس کے نظریے کے متعلق اکثر مدعیانہ کلمات استعمال کرتے ہیں جو ایک قابل اعتراض امر ہے کیونکہ اس کی وجہ سے ہمارے دل سے یہ بات بھلا دینے کا امکان پیدا ہوتا ہے کہ جس مسئلے سے یہ نظریہ بحث کرتا ہے وہ اب تک کامل طور پر سمجھا نہیں گیا ہے اور وہ اسباب جو جنسی جذبے کی قوت پر اثر ڈالتے ہیں نیز وہ اسباب جو قوت تولید کے اختلافات کا باعث ہوتے ہیں ابھی تک کامل طور پر تحقیق نہیں ہوئے ہیں۔

معاشیات میں آبادی کا مسئلہ خاص اہمیت حاصل کر رہا ہے، اس کا باعث زمین کا قانون تقلیل حاصل ہے (جس کا تفصیلی حال آگے چل کر بیان ہوگا) جس کی وجہ سے جملہ افراد قوم کی ضروریات معاش کے حصول کی روز افزوں دقتوں کی توقع رونما ہوئی ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ ریکارڈو کے نظریات اور بالخصوص ان نظریات کے فروع (جو جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا ریکارڈو نے نظریۂ لگان سے اخذ کیے تھے اگرچہ خود مالتھس نے ان کو تسلیم نہیں کیا) اور مالتھس کے خیالات کے مابین جو ربط و اتحاد قائم ہوا تھا اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ موجودہ زمانے میں آبادی بحیثیت ایک عنصر کے اکثر معاشی مسائل کی بحث میں داخل ہوگئی۔

اس میں کلام نہیں ہوسکتا کہ مالتھس اس لحاظ سے قابل ستائش ہے

کہ اُس نے نہایت موثر اور دل نشیں طریقے سے عوام کی توجہ ایک ایسے مبحث کی طرف منعطف کرائی جس پر اس سے قبل کبھی نہ تو اُصولی لحاظ سے اور نہ عملی حیثیت سے کافی طور پر غور کیا گیا تھا۔ لیکن اس نے اور اس کے پیروؤں نے جن خطرات کی طرف اشارہ کیا ہے، اُن کی وسعت اور ان کے ناگزیر ہونے کو بظاہر مبالغے کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ اپنے تصور کے لحاظ سے ایک معمولی سے معاشرتی نقص کو کمال غلو کے ساتھ بیان کرتے ہیں گویا ایک بلائے آسمانی نازل ہوگئی اور ساری دُنیا پر محیط ہوکر سب کو فنا کردینے کی دھمکی دے رہی ہے۔ اس کی وجہ بلاشبہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اوّلاً مسئلے سے بحث کرتے وقت مالتھس نے "اخلاقی روک" کے مخالف و متوازن اثر کو نظرانداز کردیا تھا۔ اگر ایک ایسی قوت موجود ہو جس کی راہ میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو تو وہ قوت بعض نتائج پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے مگر محض اسی بنیاد پر یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ وہ نتائج قریب الوقوع ہیں یا عملاً ممکن ہیں۔ اگر ہم یہ فرض کریں کہ ایک شئے کو پھینک دیا جائے تو فقط اسی پھینکنے کی تحریک سے وہ ہمیشہ خط مستقیم میں حرکت کرے گی اور یہ فراموش کردیں کہ اس نتیجے میں دوسرے مخالف اثرات اپنے عمل سے مزاحم ہوں گے اور پھر اس نتیجے کو روکنے کی غرض سے خاص تدابیر اختیار کریں تو یہ ایک خلاف عقل حرکت ہوگی، چنانچہ ہم جس مسئلے سے بحث کررہے ہیں اس میں بھی دوسرے ایسے ہی مخالف اثرات موجود ہیں۔ اگر اصول آبادی کی اصلی قوت کا (جسکے متعلق یہ فرض کیا گیا ہے کہ وہ ہر جگہ یکساں ہوتی ہے) اس شرح سے اندازہ کریں جس شرح سے موافق ترین حالات میں تعداد نفوس بڑھتی ہے تو ہمیں شک نہیں کہ نسبتہً غیر موافق حالات کی (جو دانشمندانہ یا ہمدردانہ محرکات کی بنا پر ہوں) قوت کا اندازہ اس موافق ترین حالات کی شرح اور اُن شرحوں کے عظیم فرق سے ہوسکتا ہے

جو یورپ کے اس وقت اکثر ممالک میں ہیں۔ جن مقامات میں روشن خیال اور معقول ادارے ہوتے ہیں وہاں محض محسوسہ یا متوقعہ حالات کے دباؤ اور معاشرتی پستی کے خوف کی بنا پر آبادی کو ذرائع معاش کے مکتفی ہونے کی حد تک رکھا جاتا ہے اس حد اور تناسب کو برقرار رکھنے یا کم از کم معیار سے قریب تر لانے کیلئے ضروری ہے کہ عوام میں اعلیٰ قسم کی تعلیم کی نشر و اشاعت کی جائے تاکہ اُن کی اخلاقی حالت درست ہو اور مدبرانہ عادات و صفات پیدا ہوں لیکن ہر شخص پر اپنی موجودہ یا آئندہ اولاد کا جو فرض اور حق ہے اُسی کا احساس اُس شخص کے چال چلن پر اثر ڈال سکتا ہے، باقی اس قسم کے مبہم خیالات قائم کرنا کہ ذرائع معاش پر آبادی کا دباؤ پڑے گا اس سے چال چلن یا طرزِ عمل پر اثر نہیں پڑ سکتا۔

مالتھس محض ایک فریضے پر زور دیتا ہے اور وہ یہ ہے کہ تاوقتیکہ اہل و عیال کے لیے ضروری نان و نفقہ پیدا نہ کرلیا جائے یا اُس کے ملنے کا پہلے سے تیقن نہ ہو جائے شادی سے اجتناب کیا جائے۔ مالتھس کے بعد جے۔ یس۔ مل وغیرہ نے یہ خیال ظاہر کیا کہ شادی تو کرنی چاہیئے مگر شادی کے بعد نفسانی خواہشات پر قابو رکھنا چاہیئے۔ لیکن مالتھس خود اس قسم کا کوئی خیال ظاہر نہیں کرتا، بلکہ وہ یہ مشورہ دیتا ہے کہ ایک خاندان میں چھ سے زیادہ جتنے بچے ہوں ان کے نام سرکاری وظیفہ مقرر کیا جائے، اس لیے کہ ایک شخص جب شادی کرتا ہے تو یہ نہیں جانتا کہ اُس کے کتنے بچے ہوں گے، لیکن کسی ناگہانی آفت سے نجات دلانے کے لیے اس قسم کی جو امداد دیجائیگی، وہ لوگوں کو شادی کرنے کی جانب خواہ مخواہ راغب نہ کرے گی۔ اب بیاہ سے قبل معاشی حالات کو درست کرنے کا جو فریضہ ہے

وہ بالکل واضح ہے۔ لیکن مزدور پیشہ لوگوں کے معاملے میں مستقل محفوظ معاش کے خیال پر نامناسب زور نہ دینا چاہیے اور یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ کسی جماعت میں شادی کی عمر کا مدار اس جماعت کے افراد کی عمر طبیعی پر ہوتا ہے۔ تاہم کم سنی کی شادیاں بہت عام اور کثیر ہیں اور ان میں معاشی نقائص کے علاوہ دوسرے نقائص بھی ہیں۔ پس اگر ایسی شادیوں کے رواج کو تمام طبقوں میں روکنے کے لئے قانونی تدابیر اختیار کیے جائیں اور شادی کیلیے قانونی عمر قانوناً کسی قدر بڑھا دی جائے تو مفید ہوگا، گو یہ ایسی تبدیلی ہے جو کسی طرح خطرات سے خالی نہیں۔ اس کے برعکس پیروان مالتھس "عزیمانہ تجرد" کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دیتے اور یہ کافی طور پر نہیں جانتے کہ یہ ایک قابل افسوس ضرورت ہے۔ وہ نہ تو کافی طور پر خانہ داری کی زندگی کی قدر جانتے ہیں کہ گھر ایک اعلیٰ شہری صفات کے سیکھنے کا مدرسہ ہے اور نہ یہ سمجھتے ہیں کہ مرد و زن کے باضابطہ اور عمدہ تعلقات سے طرفین کو جو موثر طریقے سے تربیت حاصل ہوسکتی ہے (قطع نظر اس کے کہ اس اتحاد سے کیسی خوشی حاصل ہوسکتی ہے) اس کی معاشری اہمیت کیا ہے۔

مالتھس اپنے اصول سے ایک اور نتیجہ اخذ کرتا ہے۔ وہ یہ کہ حکومت کو آئین و قوانین کے ذریعے سے تعداد نفوس میں اضافہ نہ کرنا چاہیے اور خاصکر یہ کہ قوانین افلاس نافذ نہ کیے جائیں بلکہ جہاں کہیں ایسے قوانین موجود ہوں منسوخ کردیے جائیں۔ اس قضیے کا پہلا حصہ اس لحاظ سے ناقابل تسلیم ہے کہ ہر معاشری حالت پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایک ایسی صورت میں جیسی کہ قدیم روما کی تھی، جہاں مسلسل فتوح اور جنگ آزمائی قوم کا اصلی پیشہ تھا، اور مسلسل جنگوں کی وجہ سے قوم کی آزادی یا لوگوں کی جانیں معرض خطر میں تھیں، بظاہر مدبران سلطنت کی وہی حکمت عملی دانشمندانہ ہوتی

جس کا مالتھس مخالف تھا۔ البتہ موجودہ صنعتی قوموں کے بارے میں مالتھس کا خیال عام طور پر صحیح ہے، حالانکہ نئے ممالک میں توطن کے طریقے کو جس طرح ترقی دی جاتی ہے وہ اُصولاً ملک میں ازدیادِ آبادی کی کوشش کے بعینہٖ مماثل ہے۔ رہا قوانین افلاس کا سوال تو اس سے کئی دوسرے امور بھی متعلق ہیں۔ اگرچہ انگلستان میں مالتھس کے زمانے میں یہ قوانین بے حد ناقص تھے مگر ان سے دوسرے معاشری رسم و رواج کے نقائص کی اصلاح ہوتی رہی اور ان قوانین میں اصلاح و ترمیم کرنے کی جو کوششیں کی گئیں وہ عوام کے حق میں مفید ثابت ہوئیں اور اسی لحاظ سے ان کی تنسیخ کی تجویز کو کبھی نہ تو مدبّران سلطنت نے مستحسن قرار دیا اور نہ عوام نے اختیار کیا۔ اس میں شک نہیں کہ موجودہ نظام کا مستقل رہنا کوئی یقینی امر نہیں۔ یہ نظام بہت زیادہ میکانیکی ہے اس میں مستحق و غیر مستحق کا امتیاز نہیں اور بعض حیثیتوں سے اُس کے اصول سراسر ناقص اور نقصان رساں ہیں، وہ ان مستحق غریبوں کے ساتھ جو بدبختی کا نشانہ ہوتے ہیں اکثر نہایت بُرا سلوک کرتا ہے، اور نوجوانوں اور بچوں کے ساتھ معمولاً جو سلوک کرتا ہے اس پر بھی بڑے بڑے اور سخت اعتراض ہوسکتے ہیں۔ لیکن اس کو منسوخ کر دینا سراسر ظلم ہوگا کیونکہ یہ ایک ایسا آئین ہے جس کا اس وقت تک باقی اور قائم رکھنا مناسب ہوگا جب تک کہ مزدوروں کی حیات و بقا کا مسئلہ زیادہ مکمل اور ہمدردانہ طریقے سے حل نہ ہو جائے۔ غربا کی امداد کے متعلق مالتھس کا جو خیال ہے اُس پر عام اعتراض یہ عائد ہوتا ہے کہ مالتھس اوّلاً تو حد سے زیادہ مبالغے کے ساتھ کسی چیز کو ثابت کر دکھاتا ہے اور پھر اپنے ہی دلائل سے پسپا بھی ہو جاتا ہے۔ اُس کے استدلال سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے اور خود اُس کے اصل مضمون میں بھی ایک مقام پر یہی درج ہے کہ جو شخص اہل و عیال

کے لیے کافی نان و نفقہ مہیا کرنے سے قبل متاہل ہو جائے وہ قدرت کی طرف سے سزا کا مستحق ہے اور اُس کو مصائب برداشت کرنے چاہئیں، اُس کو سزا اور تکلیف سے بچانے کے لیے اسکی مدد کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ قدرت کے قانون اور اختیارات کو اپنے ہاتھ میں لے لینا، اور اس قسم کی دست اندازی کا خیال نہایت مکروہ اور ذلیل قسم کی آرزو اور خواہش ہے۔" اگرچہ اس کا نظریہ اُسکو اس نتیجے پر پہنچاتا ہے لیکن بحیثیت ایک عیسائی پادری ہونے کے وہ اس نظریے کو تسلیم نہیں کر سکتا تھا کہ اپنے ایک بھائی کو مصیبت زدہ دیکھ کر رحم و کرم کے ہاتھ اُس سے کھینچ لے۔ جہاں پر وہ مصیبت زدول کی دستگیری کو معاشرت کے لئے مضرت رساں خیال کرتا ہے، وہیں یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ اُن کی امداد اگر فرض نہیں تو جائز ضرور ہے اور اس طرح پر ایک سرتاسر منطقی غلطی کا مرتکب ہوتا ہے۔ بجلے جس پر علمائے معاشیات کے اکثر مبالغہ آمیز بیانات کا اثر تھا اُس معقول نتیجے کو تسلیم کرتا ہے جس سے مالتھس نے پہلوتہی کی تھی۔ اور لکھتا ہے کہ صرف ایک سبب ایسا ہے جو ہماری ذات سے متعلق ہے اور جس کی بنا پر مصیبت زدول کی مدد کرنا واجب ہے یعنی اگر ان کے نالہ و بکا پر کان نہ دھریں تو اغلب ہے کہ خود ہمارے لطیف حسیات کند ہو جائیں۔"

اس میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا کہ بعض طلقوں میں مالتھس کے خیالات کو جو سریع قبولیت حاصل ہوئی اُس کا باعث ایک حد تک یہ تھا کہ قوم کے اعلیٰ طبقوں کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ ان خیالات کا رجحان متمول اور مقتدر لوگوں کو مزدوری پیشہ طبقے کی خبرگیری کی ذمہ داری سے سبکدوش کرنا اور یہ ثابت کرنا تھا کہ خود مزدور قابل ملامت ہیں، اُن کے بالادستوں پر یا ملک کے دستور اور رسم و رواج پر الزام نہیں دھرا جا سکتا، نیز مالتھس کے

بعض متاخرین نے اُس کے نظریوں کی کچھ اس طرح پر تشریح وتوجیہ کی کہ اُس کے اثر سے اصلاح معاشرت کی تمام کوششیں سرد پڑ گئیں۔ چنانچہ پیشا ملرس تبصرے کے سلسلے میں عوام کی معاشی حالت کی ترقی و اصلاح کے تجاویز کو جو عام طور پر پیش کیئے جاتے تھے اس بنا پر مسترد کرتا ہے کہ جب عیش و آرام میں اضافہ ہوگا تو یقیناً تعداد نفوس بھی بڑھے گی اور اس طرح پر بعد کی حالت پہلے کی حالت سے زیادہ ابتر ہو جائے گی۔

ڈارون کے نظریے کی شہرت اور قبول عام کے طفیل حال میں مالتھس کو بھی ایک حد تک شہرت حاصل ہوگئی ہے۔ ڈارون اپنے نظریے کے الحاق و تعلق کا سراغ لگاتے لگاتے "کشمکش حیات" کے ایک فقرے کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کو مالتھس نے معاشرتی مقابلے کے سلسلے میں استعمال کیا تھا۔ ڈارون یہ سمجھتا تھا کہ انسان اسی کشمکش کی بدولت اپنے موجودہ بلند مرتبے پر پہنچا ہے جو نتیجہ ہے کثرت تناسل اور تعداد نفوس کے سریع اضافے کا۔ وہ یہ بھی تسلیم کرتا تھا کہ معاشرت کی زیادہ مہذب حالتوں میں مزید ترقی انسانی اسلیئے اخلاقی اثرات کشمکش حیات کی جگہ لے لیتے ہیں پھر بھی کثرت تناسل کے عنصر کو ترقی انسانی کے لیئے وہ اس قدر اہم سمجھتا ہے کہ کشمکش حیات کے ان آلام و مصائب کا کافی لحاظ کرنے کے باوجود جو ہر شخص کو مستمرہ برداشت کرنے پڑتے ہیں وہ آبادی کے قدرتی اضافے میں (جس سے اُس کی مراد غالباً معمولی شرح اضافہ معلوم ہوتی ہے) کسی قسم کی بڑی تخفیف کو نامناسب خیال کرتا ہے۔ حال میں بعض مقامات پر نظریۂ بقائے اصلح کا انسانی جماعت پر اس طریقے سے اطلاق کرنے کا رجحان ظاہر ہوا ہے جس سے مالتھس کے پیش کردہ سخت خصوصیات میں

مزید تشدد پیدا ہو گیا ہے مثلاً اس خیال پر زور دیا جا رہا ہے کہ جس
چیز میں اپنے آپ کو باقی رکھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی اس کا فنا
ہو جانا حق بجانب ہے، اور اس کو فنا ہونے دینا چاہیئے لیکن
انسانیت بحیثیت ایک فیصلہ کن قوت حیوانانی و معاشری
دونوں حالات پر جو اثر ڈالتی ہے اس پر وسیع نظر ڈالی جائے تو
اس تصور کی ناخوشگواری دور ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جس طرح
حیوانانی عالم میں انسان کی فوقیت کے باعث ایک نئی قوت کا
وجود عمل میں آیا ہے اور اس قوت کے ہاتھوں میں تحتانی انواع
کی قسمتوں کا فیصلہ و انتظام ہے اسی طرح معاشری ماحول میں بھی
عقل انسانی کمزور افراد کے بچاؤ کے لیے دست اندازی کر سکتی
اور اپنے ارادی فعل سے آپس کی نزاع و مقابلے کو جو خود غرضی
پر مبنی ہو روک سکتی ہے۔[1]

ڈیوڈ ریکارڈو
سنہ ۱۷۷۲ء تا سنہ ۱۸۲۳ء

120

ڈیوڈ ریکارڈو یقیناً آدم اسمتھ کا ہم مشرب ہے،
وہ آدم اسمتھ کے اکثر نظریوں کو تسلیم کرتا ہے،
گو اسمتھ کے بعض فروع و تفصیلات میں بھی ترمیم کرنے کی کوشش
کرتا ہے لیکن طریق بحث کا جہاں تک تعلق ہے، ریکارڈو کا
طریق اسمتھ کے طریق سے بہت مختلف ہے، اسمتھ نے

[1] مالتھس کے سب سے اہم اقتصادی تصانیف یہ ہیں (۱) Essay on population
اور (۲) Enquiryin to the nature and progress of rent دوسری کتابیں
مثلاً (۱) Definitions in Political Economy (۲) Principles of Political
Economy وغیرہ بھی کم اہم کتابیں ہیں ... ان کم اہمیت رکھنے والی کتابوں
کے لیے اور اس کی شخصی تاریخ کے لیے دیکھو (۱) Jame's Bonar's
Malthus and his works (2) Jame's Bonar's " Letters of Rerordo to malthus.

حقائق زندگی کے قریب رہنے کی کوشش کی تھی اور انسانوں اور اشیاء کے حالات و تعلقات کو اسی طرح پیش کیا تھا جس طرح کہ وہ حقیقت میں موجود تھے، اور جیسا کہ ہیوم نے اسمتھ کی کتاب کو پہلی مرتبہ ہی پڑھ کر لکھا تھا، اسمتھ ہر جگہ اپنے اصول کی عجیب و غریب واقعات سے تشریح کرتا اور اُن کی بے شمار تمثیلیں پیش کرتا ہے۔ اسکے بالکل برعکس ریکارڈو کا طریقہ ہے یعنی وہ مجرد تصورات کے عالم میں سرگرداں رہتا ہے اور ایسے مفروضات سے ابتدا کرتا ہے جو کم و بیش حقیقت میں موجود نہیں ہوتے اور انھیں مفروضات سے بطریق استخراج استدلال کرکے اپنے نتائج کے صحیح ہونے کا اعلان کردیتا ہے، ریکارڈو نہ تو مفروضہ حالات کے ایک حد تک غیر صحیح ہونے کا کچھ لحاظ کرتا اور نہ واقعات و مشاہدات سے اپنے نتائج کی توجیہ و تصدیق کرتا ہے بلکہ محض فرضی مثالوں سے تشریح کرنے کی کوشش کرتا ہے، مثلاً وہ عام طور پر دو جنگلی انسانوں کی مثال فرض کرتا ہے کہ گویا وہ آپس میں معاہدہ کر رہے ہیں اور پھر اُن کے طرزِ عمل کے متعلق فرضی خیالات قائم کرتا چلا جاتا ہے، ریکارڈو نے نہ تو معاشیات کے صحیح طریقے کی یا ضابطہ تحقیق کی اور نہ، جیسا کہ اغلب معلوم ہوتا ہے وہ اس کی صلاحیت ہی رکھتا تھا، معاشیات کے لیے کون سا طریقہ موزوں اور صحیح ہوسکتا ہے اس کے بارے میں کوئی رائے ظاہر نہیں کرتا۔ چنانچہ اس کے طریق استدلال کی نظری تشریح و توجیہ جے۔ ایس۔ مل اور کیرنس کے حصے میں آئی لیکن ریکارڈو کی مثال کا اثر اُس کے اپنے متاخرین کے عمل کے متعین کرنے میں بڑی حد تک پڑا۔ اس اولوالعزم نظریاتی کو منطقی طریق کچھ ایسا دلآویز معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس سے کام لے کر بیان میں خاص جامعیت، صحت اور تیقن پیدا کردیتا ہے، اس کے بنائے ہوئے

ضابطے اس قدر سادہ اور پر مغز ہوتے ہیں اور اُن سے استدلال میں اس قدر سہولت ہوتی ہے کہ اگرچہ ان سے اہم سوالات کا حقیقی حل نہیں ہو سکتا تھا مگر بظاہر اکثر بڑی حد تک سوالات سلجھ جاتے تھے۔ اگرچہ اسمتھ کے اساسی اصول میں کسی قدر غلطی تھی اور وہ تنگ نظری پر مبنی تھے مگر خود اُس کے عملی حس اور حقیقت شناسی کے جذبے نے ان نقائص کو بڑی حد تک دور کر دیا تھا، اس کے برعکس ریکارڈو اور اُس کے پیروؤں کے مجرد اصول میں یہ تنگ نظری اور غلطیاں انتہائی صورت میں اور مبالغہ آمیز طریقے سے ظاہر ہوتی ہیں۔ 121

یوں تو ریکارڈو کے طریق میں کئی نقائص ہیں مگر اس کے اصطلاحوں کا استعمال اس قدر غیر معین ہے کہ اس سے اور بھی زیادہ ابتری پیدا ہو گئی ہے، سینیر لکھتا ہے کہ "کسی مصنف کو محض غلط طریقے پر اصول پیش کرنے کے باوجود اگر فلسفی ہونے کی شہرت حاصل ہوئی تو وہ ریکارڈو ہی تھا" خود ریکارڈو کے سب سے زیادہ جوشیلے مداح بھی اس بات کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکے کہ وہ مبہم الفاظ استعمال کرتا ہے جس کے مختلف معنی لیے جا سکتے ہیں اور مطلب صاف نہیں نکلتا۔ یہ اشخاص اس کی ساری غلطیوں کی بنیاد صرف یہ قرار دیتے ہیں کہ وہ ایک عام اصطلاح کو ایک جگہ پر کسی معنی میں استعمال کرتا ہے اور دوسری جگہ اپنے ذہن میں اسی اصطلاح کے دوسرے معنی لیتا ہے۔

ریکارڈو کے نظام کی مکمل ترین تشریح اُسکی کتاب "اصول معاشیات ومحصولات"[۵۱] (۱۸۱۷ء) میں موجود ہے۔ اس میں علم معاشیات کی کوئی مکمل اور باقاعدہ بحث نہیں ہے بلکہ قدر و قیمت کے سوالات،

---

۵۱ Principles of Political Economy and Taxation

لگان، اجرت، منافع، محصول، تجارت، زر اور بنک پر سلسلے کے ساتھ مضامین جمع کئے گئے ہیں۔ اگرچہ یہ مضامین منتشر اور ایک دوسرے سے بے تعلق ہیں، پھر بھی بعض بعض اساسی تصورات بار بار دُہرائے گئے ہیں، چنانچہ یہی کتاب کی خصوصیت متاثرہ ہے، ریکارڈو نے تقسیم دولت کے مسئلے پر یعنی یہ کہ زمیندار، اصلدار اور مزدوروں کو کسی ملک کی مجموعی پیداوار سے کتنا کتنا حصہ ملیگا[1] خاص طور پر بحث کی ہے اور سب سے اہم قابل ذکر امر یہ ہے کہ معاشرت کی ترقی کے ساتھ ان تینوں طبقوں کے مختلف حصوں میں جو ردّ و بدل ہوتا ہے اسی سے ریکارڈو بحث کرنے کا دعویٰ کرتا ہے یعنی ایک ایسے مصنّف سے، جس کو تاریخ سے قطعاً کوئی دلچسپی نہ تھی، معاشی حرکیات کے نظریے کی ضرورت کا احساس ظاہر ہوتا ہے، حالانکہ ایسا نظریہ خود اسی کے نقطۂ نظر کے لحاظ سے ناممکن تھا۔ ریکارڈو سب سے پہلے جس مسئلے کو پیش کرتا ہے اور جس کو حقیقۃً سب کی کنجی کہنا چاہیئے، وہ مسئلۂ قدر ہے۔ وہ یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ آزاد مسابقت میں ہر شے کی قیمت، جس کی رسد میں بوقت ضرورت اضافہ کیا جا سکتا ہو، اُس محنت سے متعین ہوتی ہے جو اُس شے کی تیاری میں لابدی درکار ہو۔ اس قسم کے اصول پہلے کی انگریزی تصانیف سے قطع نظر کرتے ہوئے خود اسمتھ کی کتاب "دولت اقوام" میں موجود ہیں۔ اسمتھ لکھتا ہے کہ معاشرت کے اس ابتدائی اور غیر مہذب دور میں، جو فراہمی اصل و تملیک زمین کے

[1] آپ کا خیال یہ ہے کہ معاشیات "دولت کے اسباب و نوعیت کی تحقیق کا نام ہے۔ مگر میری رائے میں اگر معاشیات کو تقسیم دولت کے قوانین کی تحقیق سے تعبیر کریں تو زیادہ مناسب ہوگا" (دیکھو ریکارڈو کے خطوط مالتھس کے نام (Letters of Ricardo to Malthus Ed. by J. Bonar (1889)

دوسرے پیمانے تھا، مختلف اشیاء کے حصول میں جو محنت ومشقت کرنی پڑتی تھی محض اُسی کے تناسب کی بنا پر اشیاء کا ایکدوسرے سے تبادلہ ہوتا تھا۔ لیکن اُس کے تصوّر میں تذبذب پایا جاتا ہے وہ کبھی تو اس محنت کو پیمانۂ قدر قرار دیتا ہے جو کسی شے کی تیاری کے لئے ضروری ہے اور کبھی اُس محنت کو جو اُس شے کے معاوضے میں بازار میں مل سکتی ہے، حالانکہ یہ دو چیزیں صرف بعض اوقات اور بعض مقامات ہی میں یکساں ہو سکتی ہیں۔ یہ مسئلہ ایک ترقی یافتہ معاشری نظام کی مناسبت سے ترمیم چاہتا ہے۔ اگر اصل کے استعمال کا لحاظ کیا جائے تو یہ مسئلہ وہی شکل اختیار کرلے گا جس کو کسی جگہ ریکارڈو نے بالتفصیل سے نقل کرکے پیش کیا ہے یعنی یہ کہ ایک شے کی اصلی قیمت کا مدار اس کم وبیش مقدار اصل ومحنت پر ہوتا ہے جس کا اس شے کی تیاری میں لگانا ضروری ہے" (مقدار اصل کی اصطلاح ناقص ہے اس میں وقت کا عنصر نظر انداز کردیا گیا ہے، لیکن معنی صاف ہیں) پھر بھی ریکارڈو ہمیشہ اصل کو نظرانداز کرتا ہے، اور اپنے اس اصول کی تشریح کے سلسلے میں صرف محنت کا ذکر کرتا ہے۔ اور اصل کو "اندوختۂ محنت" کہہ کر اپنے عمل کو حق بجانب ٹھہرانے کی کوشش کرتا ہے، لیکن واقعات پر اس طریقے سے سطحی نظر ڈالنے سے عمل پیدائش میں اصل کی کارگزاری کی نوعیت پر پردہ پڑ جاتا ہے اور "اصل کی کارگزاری" کو اس طرح نظرانداز کردینا اشتراکئین کی غلط فہمیوں میں مدد دیتا ہے۔ ریکارڈو پیمانۂ قدر اور قدر وقیمت کے سبب میں کافی امتیاز نہیں کرتا، وہ اس اصول کا سلسلہ کہ مصارف پیدائش کی بنا پر اشیاء کی قیمت متعین ہوتی ہے اس کی اساسی بنیاد سے نہیں ملاتا۔ اور یہ اساسی بنیاد یہ ہے کہ مصارف پیدائش رسد کی تحدید کرتے ہیں اور رسد کی بنا پر قیمت قرار پاتی ہے۔ ہم نے جس مسئلے کو بیان کیا اس سے

کسی شے کی "قدرتی" یا معیاری قیمت قرار پاتی ہے۔ بازاری قیمت اس معیار سے عارضی طور پر انحراف کرتی رہتی ہے اور اس کا مدار رسد و طلب کی تبدیلیوں پر ہوتا ہے، مگر ایک مستقل اور طولانی مدت میں قیمت، مصارف پیدائش کے تابع ہوگی، جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے۔ اس بنیاد پر ریکارڈو اُن قوانین کی تشریح کرتا ہے جن کے مطابق ملک کی زمین اور محنت کی پیداوار پیدائش دولت میں حصہ لینے والی مختلف جماعتوں میں تقسیم ہوتی ہے۔

123

نظریۂ لگان، جس سے ریکارڈو ابتدا کرتا ہے، اگرچہ بالعموم اُسی کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے اور اُس کے عام معاشیات کے خاکے کا اہم ترین جزو ہے، دراصل اُس کا ساختہ پرداختہ نہیں اور نہ خود اُس نے کبھی اس کا دعویٰ کیا، بلکہ اپنے "اصول"[1] کے مقدمے میں صاف طور پر لکھتا ہے کہ "۱۸۱۵ء میں مالتھس نے اپنی کتاب "لگان کی نوعیت کی تحقیق"[2] اور یونیورسٹی کالج اکسفورڈ کے ایک رفیق نے اپنے ایک مضمون "زمین اور شغل اصل"[3] میں تقریباً ایک ہی زمانے میں اصلی نظریۂ لگان کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔" اس میں جس دوسرے مصنف کا حوالہ دیا گیا ہے وہ سر ایڈورڈ ویسٹ تھا جو عدالت العالیہ بمبئی کا جج تھا۔ بقول مک کلاک مالتھس اور ویسٹ سے بھی بہت عرصے قبل ڈاکٹر جیمس اینڈرسن نے نظریۂ لگان کا صحیح تصور قائم کیا تھا، اور اپنی کتاب "قوانین غلّہ کی نوعیت کی تحقیق"[4] میں (جو بمقام ایڈنبرا ۱۷۷۷ء میں شائع ہوئی) اس

---

[1] Principles

[2] Inquiry into the Nature and Progress of Rent

[3] On the application of capital to Land

[4] Enquiry into the Nature of Corn Laws

نظریے کی کافی تشریح کی تھی ۔ یہ امر کہ مالتھس اور ویسٹ اس تصنیف سے ناواقف تھے، ہم ہر طرح تسلیم کر سکتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں نظریۂ لگان کو جس صفائی کے ساتھ پیش کیا گیا اور جس اطمینان بخش طریقے سے اس کی توجیہ کی گئی ہے، وہ ان دونوں کے انداز سے ملتا جلتا ہے ۔ اور اینڈرسن نے بحیثیت مجموعی اس کو جن انداز سے بیان کیا ہے وہ ریکارڈو کے پیش کردہ طرز بیان سے نمایاں مماثلت رکھتا ہے۔

اس نظریے کا خلاصہ یہ ہے کہ کاشتکار زمین کی پیدا آور قوتوں کے استعمال کے صلے میں مالک زمین کو جو قیمت ادا کرتا ہے اُسکا نام لگان ہے، اور یہ پیداوار زمین کی قیمت میں سے مصارف کاشت منہا کرنے کے بعد جو حاصل زائد بچتا ہے اُس کے مساوی ہوتا ہے ۔ جوں جوں آبادی میں اضافہ ہوتا ہے اور اشیائے خوردنی کی مانگ بڑھتی ہے ویسے ویسے کم زرخیز زمینوں پر کاشت پھیلتی جاتی ہے اور آبادی کی ضرورت کے لحاظ سے جتنی جنس مطلوب ہوتی ہے سب کی قیمت اُس پیداوار کے مصارف کاشت کی بنا پر قرار پاتی ہے جس کی تیاری میں بیش ترین مصارف ہوئے ہوں۔ لیکن ایسی زمین سے جس سے محض مصارف کاشت ہی وصول ہوں کوئی لگان وصول نہ ہوگا، زمین کی زرخیزی کیسی ہی ہو اُس کا لگان اُس زمین کے مصارف اور اُس پیداوار کے مصارف کاشت کے فرق کے برابر ہوگا جس کی تیاری میں بیش ترین صرفہ ہوا ہے۔

نظریۂ لگان اس مفروضے کے ذریعے سے سب سے سہل طریقے سے سمجھ میں آتا ہے جو یہاں پر قائم کیا گیا ہے کہ ایک ملک میں زمین کے مختلف قطعات مختلف زرخیزی کے موجود ہیں ۔ جوں جوں آبادی میں اضافہ ہوتا ہے سب زمینوں پر

اُن کی زرخیزی کے مدارج کے لحاظ سے کاشت پھیلتی جاتی ہے۔ اگرچہ بعض اوقات ریکارڈو یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ زرخیزی کا اختلاف لگان کے پیدا ہونے کی ضروری شرط ہے، لیکن ایسا خیال قائم کرنا حقیقت میں غلطی ہے۔ اگر کسی ملک کی سب زمینیں زرخیزی میں برابر اور یکساں بھی ہوں اور اُن سب پر کاشت ہوتی ہو، تب بھی یقیناً اُن سے لگان وصول ہوگا۔ شرط یہ ہے کہ زمین کی پیداوار کی قیمت اُن مصارف سے کسی قدر زائد ہو جو محنت و اصل کی شکل میں زمین پر لگائے گئے ہوں۔ یہ ایک فرضی مثال ہے جس کو ہم نے سہولت تفہیم کی غرض سے پیش کیا اور آئندہ اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، چونکہ پیداوار کی قیمت اس زمین کے مصارف کاشت کی بنا پر قرار پاتی ہے جس سے کوئی لگان نہ ملتا ہو اس لیئے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ "لگان غلّے کی گرانی کا باعث نہیں بلکہ غلّے کی گرانی لگان کا باعث ہے" اور "اگر زمیندار لگان معاف بھی کر دیں تب بھی غلّے کی قیمت میں کوئی تخفیف واقع نہ ہوگی" واقعہ یہ ہے کہ نرخ کے متعین کرنے میں لگان کا کوئی حصّہ نہیں ہوتا، بلکہ لگان خود نرخ کا آفریدہ ہوتا ہے، اگر لگان نہ بھی ادا کیا جائے اور پیداوار کی سب قیمت کاشتکار اپنے ہی پاس رکھ لے تب بھی قیمت وہی رہے گی جو لگان ادا کرنے کی صورت میں ہوتی۔ آیا آدم اسمتھ اس نظریۂ لگان کو تسلیم کرتا تھا، اس سوال پر بہت کچھ بحث اور ردّ و قدح ہو چکی ہے۔ اسمتھ بعض اوقات ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کا مفہوم بھی وہی تھا اور ایسے اصول پیش کرتا ہے جن پر نظر غائر ڈالی جائے تو بلا کم و کاست وہی مطلب نکلتا ہے جو کہ مذکورۂ بالا نظریے سے نکلتا ہے۔ چنانچہ وہ ایک مقام پر لکھتا ہے "جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ "پیداوار زمین کا صرف ایسا حصّہ بالعموم

بازار تک لایا جا سکتا ہے جس کی معمولی قیمت سے منافع کے علاوہ وہ اصل بھی وصول ہو جائے جو اس کی پیدائش میں صرف ہوا ہے۔ اگر معمولی قیمت ان مصارف سے زیادہ ہو تو ماحصل زائد یقیناً لگان زمین شمار ہوگا اور اگر معمولی قیمت زائد نہیں ہے تو باوجود اس امر کے کہ وہ شے بازار تک لائی جا سکتی ہے، زمیندار کو کوئی لگان وصول نہ ہوگا۔ رہی قیمت کی کمی وبیشی تو وہ طلب پر موقوف ہے۔ بقول ریکارڈو، اسمتھ نے معدنیات کی بحث

125

کے سلسلے میں نظریۂ لگان کو نہایت خوبی اور وضاحت کیساتھ بیان کیا ہے۔ اسمتھ نے یہ رائے قائم کی تھی کہ دنیا میں کوئی ایسی زمین نہیں ہے جس سے زمیندار لگان وصول نہ کر سکتا ہو لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس نے یہ رائے ایسی صورتوں کی بنا پر اخذ کی جن میں ایک بڑا معاشی قطعہ ایسے چھوٹے چھوٹے قطعات زمین پر مشتمل ہوتا ہے جن میں سے کچھ تو لگان ادا کر سکتے ہیں اور کچھ ادا نہیں کر سکتے۔ درحقیقت یہ واقعہ (اگر اس کو واقعہ کہا جا سکتا ہے) کہ ایک ملک کی تمام زمینوں سے لگان وصول ہو سکتا ہے، اینڈرسن کے نظریے کے مقابلے میں ایک غیر متعلق سی بات ہوگی اس لیے کہ اگر ایک ایسی زمین پر جو زیر کاشت ہو اصل لگایا جائے اور ماحصل صرف بقدر معمولی منافعہ وصول ہو تو یہ حاصل لگان نہ ہوگا۔ اس اصل پر ماحصل زائد یعنی لگان اسی وقت مل سکتا ہے جبکہ پیداوار کی قیمت میں اضافہ ہو جائے۔

بعض مصنفوں کا خیال ہے کہ اگرچہ اسمتھ کے بعض مبہم اور پیچیدہ عبارتوں سے صاف طور سے واضح نہیں ہوتا لیکن حقیقت [illegible] سے کہا تھا کہ اگر ہم ہیوم کے ایک خط پر غور کریں جو کہ اس نے اسمتھ کی کتاب "دولت اقوام" کو

پہلی مرتبہ پڑھنے کے بعد اسمتھ کو لکھا تھا تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ خیال صحیح نہیں ہے، اسمتھ کے خیالات یہ ہے (غالباً کتاب اول باب دوم کی بحث کی طرف اشارہ ہے) عام اتفاق ظاہر کرتے ہوئے ہیوم لکھتا ہے کہ "میں یہ تو جانتا ہوں کہ پیداوار کی قیمت کلیۃً طلب اور مقدار رسد کے اثر سے متعین ہوتی ہے لیکن یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ کھیتوں کا لگان پیداوار کی قیمت کا جزو بن سکتا ہے"۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ انڈرسن کی ایک کتاب ۱۷۷۷ء میں شائع ہوئی اس میں نظریۂ لگان کی تشریح کی گئی ہے، اور اسمتھ نے برآمد غلہ پر انعامات مقرر کرنے کے بارے میں جو اعتراضات کیے اُن کی تردید میں انڈرسن کے دلائل بھی موجود ہیں۔ یہ کتاب اسمتھ کی نظر سے ضرور گزری ہو گی، مگر پھر بھی اسمتھ پر نہ تو اس کتاب کے استدلال کا کوئی اثر پڑا اور نہ ہیوم کے خط کا، مسئلۂ لگان کے بارے میں اپنے پہلے ایڈیشن میں جو کچھ اُس نے لکھا تھا وہ اسی پر قائم رہا اس میں کسی قسم کی ترمیم نہ کی۔

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ مختلف زمینوں کے اعلیٰ و ادنیٰ زرخیزی کے فرق ہی سے لگانوں کے فرق کا تعین نہیں ہوتا بلکہ کسی کھیت کے عمدہ یا خراب محل وقوع، بازار سے اُس کے قرب و بُعد یا ریلوں اور سڑکوں کی سہولت و دقت سے بھی اس فرق کا تعین ہوتا ہے، اگر اخراجات باربرداری کم ہوں تو پیداوار کو کھیت سے بازار تک لانے میں یقیناً کم صرفہ ہو گا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ زیادہ لگان وصول ہو، ریکارڈو نے اسکی تشریح تو کی مگر اُس کو خاص طور پر زور دے کر نہیں بیان کرتا محض زمینوں کی اضافی پیداآوری کے ذکر پر اکتفا کرتا ہے، ریکارڈو لگان کی تعریف کرتا ہے کہ وہ ایک قیمت ہے جو "زمین کی قدرتی اور مستقل یا ناقابل فنا قوتوں" کے استعمال کے معاوضے میں ادا

126

کی جاتی ہے۔ اس طرح وہ اپنی اصطلاح میں لگان کا وہ مفہوم نہیں لیتا جو کہ عام طور پر لیا جاتا ہے۔ اُس کے مفہوم کو ادا کرنے کے لیے اکثر لگان سے پہلے لفظ "حقیقی یا معاشی" کا اضافہ کرنا پڑتا ہے۔ یوں تو کاشتکار جو کچھ ماحصل زائد زمیندار کو ادا کرتا ہے اُس کا ایک حصہ عام طور سے زمیندار کی اُس محنت کا منافعہ ہوتا ہے جو اُس نے کاشتکار کے حوالے کرنے سے قبل زمین کو قابل کاشت بنانے میں صرف کی ہوگی۔ لیکن یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ اگر زمین کی درستی اس طرح کی جائے کہ اصل زمین کا جزو بن جائے اور زمین کی پیداآور قوتوں میں مستقل اضافہ ہو جائے تو ان ترقیات کی وجہ سے جو آمدنی ہوگی وہ قانون منافعہ کے تحت نہ ہوگی بلکہ قانون لگان کے تحت۔ بنابریں زمیندار کو جو آمدنی وصول ہوتی ہے اُس میں یہ امتیاز کرنا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے کہ اس کا کتنا حصہ "زمین کی قدرتی قوتوں کے استعمال کا صلہ ہے اور کتنا اُن ترقیات اصلاحات کا صلہ ہے جو اُس نے یا اُس کے پیش روؤں نے زمین پر کئے ہیں۔ کھیتوں میں مستقل ترقیات ہو جانے سے کھیتوں کی قوت پیداآوری میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اُن کی حالت ایسی ہو جاتی ہے کہ گویا قدرت ہی نے شروع سے ان کو اتنی قوت پیداآوری بخشی تھی۔

اسمتھ نے زراعت اور دیگر طریقہ ہائے پیدائش کا مقابلہ کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ زراعت میں انسان اور قدرت دونوں مل کر کام کرتے ہیں اور دیگر طریقہ ہائے پیدائش میں تنہا انسان ہی کی کوشش ہوتی ہے۔ چنانچہ صنعتی کاروبار میں اہل حرفہ کی محنت سے محض اصلداروں کا اصل اور آجروں کا منافع مل سکتا ہے لیکن زراعت میں کاشتکاروں کی محنت سے اصلداروں کے اصل اور آجروں کے منافع کے علاوہ زمینداروں کو لگان بھی وصول ہوتا ہے۔ اس لگان کو اسمتھ قدرت کا ایک آزاد عطیہ

سمجھتا تھا جو جملہ اخراجات اور انسان کی محنت کے معاوضے کو منہا کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ ریکارڈو اس خیال کی تردید کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ صنعت کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں قدرت انسان کی اعانت و امداد نہ کرتی ہو، محض زراعت میں قدرتی اعانت کا خیال غلط ہے اور ساتھ ہی بوکانن کا یہ قول نقل
127
کرتا ہے کہ " یہ خیال کہ زراعت میں پیداوار کے مصارف کے علاوہ لگان اس لیے وصول ہوتا ہے کہ کھیتی باڑی میں قدرت انسان کا ہاتھ بٹاتی ہے، محض جہل ہے، کیونکہ لگان دراصل محض پیداوار سے وصول نہیں ہوتا بلکہ قیمت پیداوار سے وصول ہوتا ہے، اور لگان لانے والی قیمت اس بنا پر وصول نہیں ہوتی کہ قدرت انسان کے ساتھ شریک کار ہے بلکہ اس وجہ سے وصول ہوتی ہے کہ یہ قیمت طلب ورسد کو متوازن کرتی ہے "۔

اضافۂ لگان سے پوری قوم کو ہرگز فائدہ نہیں پہنچتا، اس اضافے سے محض زمیندار ہی مستفید ہوتے ہیں اور اس طرح زمینداروں کے اغراض قوم کی دوسری سب جماعتوں کے اغراض کے ہمیشہ متضاد ہوتے ہیں۔ زرعی ترقیات مثلاً نئی نئی کلیں یا کھاد استعمال کرنے سے یا زرعی مزدوروں کی تنظیم سے (اگرچہ زراعت میں اس قسم کی تنظیم کی اس قدر گنجائش نہیں ہے جسقدر کہ پیدائش کے دوسرے شعبوں میں ہے) یا بیرونی ممالک سے غلّے کی فراہمی کا انتظام کرنے سے اضافۂ لگان کو روکا جاسکتا ہے، یا اس میں عارضی طور پر تخفیف کی جاسکتی ہے۔ لیکن جب تک آبادی میں اضافہ ہوتا رہے گا لگان کا دائمی رجحان لازمی طور پر اضافے کی طرف ہوگا۔

ریکارڈو کے نظام میں مسئلۂ لگان کو خاص عظمت و اہمیت حاصل ہے، اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ریکارڈو قوم کی موجودالوقت

معاشی حالت کا مدار اُس وقت کے زرعی استحصال کی حالت پر قرار دیتا ہے۔ اس کا ثبوت ہم کو اُس کے اجرت و منافع کے نظریے سے ملتا ہے جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔ محنت و اصل کے ہر جرعے سے پیداوار حاصل ہوتی ہے اور یہ پیداوار مزدور اور اصلدار میں تقسیم ہوتی ہے۔ اگر ایک کو زیادہ حصّہ ملے تو اسی مناسبت سے دوسرے کا حصّہ کم ہو جاتا ہے۔ اگر مزدوروں کی پیداآوری کو مقررہ تسلیم کر لیا جائے تو منافع کی مقدار میں صرف اضافۂ اجرت کے سبب کے سے تخفیف ہو سکتی ہے اور اجرت میں تخفیف ہونے سے منافع کی مقدار میں اضافہ ہو جائے گا۔ لیکن چونکہ محنت کی قیمت (اجرت) مزدور کے مصارف پیدائش کے مساوی ہوتی ہے اس لیے اجرت کا تعین ان اشیاء کی قیمتوں کی بنا پر ہوتا ہے جو مزدور کے بقائے حیات کے لیے لازمی ہیں۔ مزدور کو از قسم مصنوعات جن اشیا کی ضرورت ہوتی ہے اُن کی قیمت کا دائمی رجحان تخفیف کی طرف اس وجہ سے ہوتا ہے کہ صنعت کے شعبے میں تقسیم عمل کا رواج بہت وسیع پیمانے پر ہے لیکن اسکے مصارف زندگی زیادہ تر مصنوعات سے متعلق نہیں ہوتے بلکہ اشیائے خوردنی کی قیمت سے متعلق ہوتے ہیں اور تمدن کی ترقی اور آبادی کے اضافے کے ساتھ ساتھ غذا کے حاصل کرنے کے لیے زیادہ محنت درکار ہوگی جس کی وجہ سے اشیائے خوردنی کی قیمت میں اضافہ ہونا ناگزیر امر ہے اور اس اضافۂ قیمت کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اجرت متعارفہ بڑھ جائے گی۔ اور منافع میں تخفیف واقع ہوگی۔ اس طرح کم زرخیز زمینوں کا زائد پیداوار حاصل کرنے کے لیے زیر کاشت لانا یا اسی زمین پر اصل و محنت کے مزید جرعوں کا استعمال کرنا جن سے پیداوار نسبتہً کم حاصل ہو منافع کی اُس کمی کا باعث ہے جو تاریخ میں پائی جاتی ہے۔ اسمتھ شرح منافع کی اس تخفیف کو اصلداروں کے

۱۲۸

باہمی مقابلے کی طرف منسوب کرتا ہے حالانکہ اس کی کتاب اوّل باب نہم[ؔ] سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ ریکارڈو کے مذکورۂ بالا اُصول سے ناواقف نہ تھا لیکن اگر اشیائے ضروریات کی تیاری میں نئی نئی مشینیں استعمال ہونے لگیں اور زراعت میں ایسی ایجادیں اور ترقیاں ہوں جن کی بدولت مزدور کی شدید ترین ضرورتیں کم صرفے سے پوری ہو جایا کریں تو بعض صورتوں میں منافع کی تخفیف رُک جاتی ہے۔ اس طرح ہوا صلدار کا تو بیشک نقصان ہے لیکن مزدور کا بھی اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ محض اجرت متعارفہ میں اضافہ ہو جانا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ مزدور فائدے میں ہے کیونکہ اگر اُس کی ضرورت کے اشیاء کی قیمتیں اس قدر زائد ہیں کہ وہ اپنی زائد اجرت سے اپنی ضرورتوں کو اس طرح کما حقہٗ اور سہولت کے ساتھ پورا نہیں کرسکتا جس طرح کہ پہلے کرتا تھا تو اس کی دوسری حالت پہلے سے بہتر نہیں کہی جاسکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ مزدور کسی مدت دراز تک اس آرام سے زیادہ نہیں کما سکتا جتنی کہ مزدوروں کی عام جماعت کو رسم و رواج کے مطابق آرام سے بسر کرنے اور اپنی نسل کو بغیر اضافے یا تخفیف کے قائم رکھنے کیلئے ناگزیر ہے۔ یہی مزدور کی "اصلی" یا "قدرتی" اجرت ہے۔ اگر اجرت کی بازاری شرح اس معیاری یا قدرتی اجرت سے عارضی طور پر بڑھ جائے تو یقیناً آبادی میں اضافہ ہوگا اور پھر اُجرت کی شرح میں تخفیف واقع ہوگی۔ لگان کا رجحان ہمیشہ بڑھنے کی طرف اور منافع کا رجحان

[ؔ] جوں جوں تو آبادی میں تعداد نفوس بڑھتی ہے اصل کا منافہ بتدریج گھٹتا جاتا ہے۔ جب تمام بہترین زمینیں زیر کاشت آجاتی ہیں تو کم زرخیز زمینوں پر کاشت کرنے سے منافعہ بھی کم وصول ہوتا ہے اور جو اصل ان زمینوں پر لگایا جائیگا ان پر سود بھی کم ہوگا (دیکھو باب نہم) اس گرانی خیال کو ویسٹ نے بھی اس سے قبل ظاہر کیا تھا (مترجم)

دائمی طور سے گھٹنے کی طرف ہوتا ہے، لیکن اجرت کے اضافے یا تخفیف کا مدار مزدوروں کی تعداد کی شرح اضافہ پر ہے۔ اسی لحاظ سے ریکارڈو کو مالتھس کے تدابیر کی سرسبزی کا یقین نہیں رکھتا تھا مگر مزدوروں کی حالت کی اصلاح کرنے کی غرض سے مالتھس ہی کے تدابیر کو اختیار کرتا ہے۔ ریکارڈو آبادی کے اضافے کی روک تھام کے لیے یہ تدابیر پیش کرتا ہے:- قوانین مفلسی کو بتدریج منسوخ کیا جائے (وہ ان قوانین میں محض ترمیم کرنے پر قانع نہیں ہے) اور مزدوروں میں زیادہ عیش و آرام کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا صحیح ذوق پیدا کیا جائے۔

120

یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اشتراکیین نے اس قانون کا رشتہ کہ مزدور کو اجرت کی اتنی ہی مقدار ملنی چاہیے جتنی کہ اس کی اور اس کے اہل و عیال کی بقا و پرورش کے لیے ضروری ہو" ریکارڈو کے آہنی قانون اجرت سے ملانے میں مبالغے سے کام لیا۔ ریکارڈو "معیار زندگی" کے اثر کو تسلیم کرتا ہے "کہ یہی مزدوروں کی تعداد کے اضافے پر حد بندی قائم کرتا ہے اور اجرت کو لوازمات حیات کی اقل ترین حد سے اوپر رکھتا ہے۔ لیکن وہ یہ خیال بھی ظاہر کرتا ہے کہ قدیم ملکوں میں جہاں لوگ مدت دراز سے آباد ہوں اگر اضافۂ آبادی کو روکنے میں خاص تدابیر اختیار نہ کیے جائیں تو مرور زمانہ کے ساتھ مزدور کی حالت میں اسی سرعت کے ساتھ اور انہیں اسباب کی بنا پر انحطاط واقع ہوگا جن کی بنا پر زمیندار کی حالت میں ترقی ہوگی۔

اگر ہم سے پوچھا جائے کہ آیا یہ نظریہ لگان اور اس کے نتائج جو ریکارڈو نے اخذ کئے، صحیح ہیں، تو اس کے جواب میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ صرف سب سے زیادہ ترقی یافتہ صنعتی ممالک میں اور وہ بھی مفروضی طور پر صحیح ہیں۔ مگر ہم ان ممالک میں بھی ان نتائج کی

بنا پر کوئی صحیح اور صائب عمل اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ ہم کو سخت تعجب ہے کہ ہندوستان اور آئرلینڈ پر ان نتائج کا اطلاق کیونکر جائز رکھا گیا۔ اس قسم کا اطلاق کرنا ایک زبردستی کی سی بات ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر بیان کیا جائیگا معاشیات قدیم کے نظریات کی قدر و منزلت مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر بڑی حد تک گھٹ جاتی ہے۔ مثلاً (۱) ایک ایسے معاشی انسان کا وجود فرض کر لینا جس کے اعمال صرف ایک ہی اصول کے تابع ہوں (۲) یہ فرض کرنا کہ مسابقت کے مقابلے میں رسم و رواج کا وجود حقیقت نہیں رکھتا (۳) یہ کہ کاروباری اتحاد کوئی چیز نہیں (۴) یہ کہ ہر معاملے میں معاہدہ کرنے والے فریقین کے مابین مساوات ہوتی ہے، اور (۵) یہ کہ ہر قوم میں منافع و اجرت کی ایک معین شرح ہوتی ہے۔ اس آخری مفروضے کے معنی یہ ہیں:۔ کہ

(۱) اگر کسی کاروبار میں اصل لگایا جائے اور دوسرے کاروبار میں اس کی نسبت زیادہ منافع ملنے کی توقع ہو تو اصل پہلے کاروبار سے دوسرے کاروبار میں فوراً منتقل ہو جائے گا۔

(ب) خواہ مزدور وطن اور گھر بار کی محبت، عادات اور دیگر مصروفیتوں کی وجہ سے کتنا ہی مجبور و مقید ہو اگر دوسری جگہ یا دوسرے پیشے میں اُس کو زیادہ اجرت ملنے کی توقع ہو تو وہ فوراً اپنا موجودہ مقام یا پیشہ بدل دے گا۔[۱]

180 (ج) اصلدار اور مزدور دونوں ملک کے صنعتی حالات و توقعات سے اور اپنے پیشے کے اور دوسرے پیشوں کے فوائد و نقصانات سے پوری طرح باخبر ہوتے ہیں لیکن ریکارڈو

[۱] آدم اسمتھ کا قول ہے کہ:۔ تجربے سے بظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انسان ایک ایسا سامان ہے جو سب سامانوں کی نسبت سب سے زیادہ مشکل کے ساتھ ایک مقام سے دوسرے مقام کو منتقل کیا جا سکتا ہے۔

کے نظریۂ لگان اور اُن کے نتائج میں اور بھی زیادہ تجرید سے کام لیا گیا ہے۔ خارجی توطن پذیری کا اثر جو اُس کے زمانے کے بعد سے روز بروز بڑھ رہا ہے نظر انداز کیا گیا ہے۔ اور یہ فرض کیا گیا ہے کہ ایک مُلک اپنی ضرورتیں خود ہی پوری کر لیتا ہے اور ہر قوم صرف اُسی زمین سے پیدا وار حاصل کر سکتی ہے جس پر کہ وہ قابض اور آباد ہے۔ حالانکہ اس مفروضے کے بالکل برعکس واقعہ یہ ہے کہ اس زمانے میں یورپ کے اکثر مغربی ممالک امریکہ سے اشیائے خورد و نوش کی کثیر مقدار میں درآمد کرتے ہیں۔ ریکارڈو نے اس امر کو واضح طور سے نہیں سمجھا کہ مزدوروں کی پیداآوری بڑھ جانے سے خواہ وہ ذہانت، اعلیٰ تنظیم، اور مشینوں کی ایجاد کی وجہ سے ہو یا ذرائع آمد و رفت میں سہولتیں پیدا ہو جانیکی وجہ سے ہو، مصارف پیدائش میں بتدریج تخفیف ہوتی جائے گی۔ ان کے علاوہ اور بھی دوسرے اثرات ایسے ہیں جیسے حق ملکیت میں قانونی اصلاح اور معاہدات میں آزادی شرائط جن کا رجحان مصارف پیدائش کو گھٹانے کی طرف ہے۔ ان تمام اسباب سے نتیجہ نکالتے ہوئے ریکارڈو نے آبادی پر جس دباؤ کے پڑنے کی پیشین گوئی کی تھی وہ آجکل محسوس نہیں ہو رہا ہے۔ صرف کنندہ گرانی نرخ کی شکایت نہیں کرتا بلکہ زمیندار ہی لگان کی انحطاط پذیری سے نالاں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام حالات میں اس قدر تغیّر واقع ہو گیا ہے کہ پروفیسر نکلسن خود جو قدیم مسلک معاشیات کا مخالف نہ تھا، حال میں زرعی حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے اعلان کرتا ہے کہ "ریکارڈو کا تمام نہاد نظریۂ لگان محض ایک تجریدی تصور ہے جو عملی حیثیت سے کوئی وقعت نہیں رکھتا۔"

ریکارڈو نے ایک خاص معاشی بحث کی نہایت وضاحت اور خوبی کے ساتھ تشریح کی ہے۔ وہ بحث یہ ہے کہ تجارت خارجیہ

سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں اُن کی نوعیت کیا ہے۔ اور تجارت خارجہ کن حالات و شرائط کے تحت جاری رہ سکتی ہے۔ ریکارڈو سے پہلے کے علمائے معاشیات نے تجارت خارجہ کے فوائد یہ بتلائے تھے کہ زائد پیداوار کو ملک کے باہر بھیجنے کا موقع ملتا ہے اور قومی اصل کے ایک حصّے کی پابجائی منافع کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ مگر ریکارڈو صرف ایک فائدہ بیان کرتا ہے کہ سوائے اس فائدے کے تجارت خارجہ سے کوئی دوسرا فائدہ نہیں حاصل ہوتا۔ اور وہ فائدہ یہ ہے کہ تجارت ہر قوم کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ اپنے اصل اور محنت کی معینہ مقدار سے بحیثیت مجموعی نسبتہً زیادہ مقدار تمام اشیاء کی حاصل کر سکے۔ اگرچہ ریکارڈو کے متقدمین نے (بشمول آدم اسمتھ) اس بارے میں جو خیالات ظاہر کیے ہیں وہ اس لحاظ سے کارآمد ہیں کہ اُن سے قومی پیداوار کے متعلق حقیقی امور پر روشنی پڑتی ہے اور اُن کو متروک معاشی نظریوں کی حیثیت سے نہ دیکھنا چاہیئے۔ ریکارڈو آگے لکھتا ہے کہ اگر غیر ممالک سے کوئی چیز خریدی جاتی ہے تو اس خریداری کا سبب یہ نہیں ہے کہ وہ شئے اپنے ملک کی بہ نسبت وہاں بہت کم محنت اور اصل میں تیار ہو سکتی ہے۔ بلکہ ہم کو اس شئے کی پیدائش کے مقابلے میں کسی دوسری شئے کی پیدائش میں قطعی طور پر زیادہ فائدہ نظر آتا ہے اس لیے باوجود اس امر کے کہ پہلی شئے کی تیاری میں فائدہ ہے ہم محض اپنے اغراض کے لحاظ سے اسی چیز کی تیاری میں ہمہ تن مصروف ہوتے ہیں جن سے بیشترین فائدہ حاصل ہوتا ہے اور اُس شئے کو باہر سے طلب کرتے ہیں جس کی تیاری میں نسبتہً کم فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ مختصر یہ کہ پیدائش کے اضافی مصارف کی بنا پر نہ کہ مصارف مطلق کی بنا پر مبادلہ متعین ہوتا ہے۔ یہ خیال صحیح اور دلچسپ ہے اگرچہ بعد کو ملؔ اور کیرنس نے اُس کی طرف ناواجب اہمیت منسوب کی ہے

اور موثر انداز اپنائے فصاحت کو کام میں لاکر لکھتا ہے کہ یہ خیال تجارت بین الاقوام کی تہ کو پہنچتا ہے۔ اگرچہ جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا اس نے اندرون ملک کی پیدائش سے حالات سے متعلق بعض امور کا اضافہ کرکے اس خیال میں کسی قدر ترمیم کردی۔ بقول ریکارڈو ملک کے لیے زمین اور محنت کی مجموعی پیداوار اس قدر اہمیت نہیں رکھتی جیسا کہ اسمتھ منوانا چاہتا ہے، جس قدر کہ خالص آمدنی یعنی وہ ماحصل زائد جو مصارف کی منہائی کے بعد باقی بچ رہے، بالفاظ دیگر وہ رقوم جو بطور لگان اور منافع وصول ہوں۔ اجرت کو جو مزدور کی گزر اوقات کے لیے کفایت کرے ریکارڈو "ضروری مصارف پیدائش" کا جزو سمجھتا ہے۔ اسی بنا پر وہ یہ نتیجہ نکالتا ہے، جیسا کہ خود ریکارڈو کا قول ہے، جس کو بالعموم حوالے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے کہ بشرطیکہ قوم کی خالص حقیقی آمدنی مقررہ ہو یہ سوال کوئی اہمیت نہیں رکھتا کہ آبادی کی تعداد دس ملین ہے یا بارہ ملین۔ اگر پانچ ملین آدمی غذا اور لباس کی اتنی مقدار تیار کرسکتے ہیں جس سے دس ملین آدمیوں کی ضرورت پوری ہوجائے تو پانچ ملین آدمیوں کی غذا اور ان کا لباس خالص آمدنی ہوگا۔ اس سے ملک کو کیا فائدہ پہنچے گا کہ اسی خالص آمدنی کو بجائے پانچ ملین کے سات ملین آدمی تیار کریں یا دوسرے الفاظ میں کیا ملک کو اس سے کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے کہ بارہ ملین آدمیوں کے لیے جتنی غذا اور جتنا لباس کفتی ہو اس کو تیار کرنے کیلئے سات ملین آدمیوں کو مصروف کیا جائے؟ اس صورت میں بھی پانچ ملین نفوس کی غذا اور لباس خالص آمدنی شمار ہوگی۔ زیادہ نفوس سے کام لینے میں نہ تو بری و بحری فوج میں ایک نفر کا اضافہ ہوگا اور نہ محصولات میں ایک روپیہ بڑھے گا"

تجارئین کے نقطۂ نظر کے مطابق ریکارڈو بھی صنعت کو فوجی اور سیاسی اغراض کا ایک آلہ خیال کرتا ہے اور انسانی فلاح

...بہبود اس کا مقصد اور نصب العین نہیں سمجھتا۔ بقول ہلڈ مزدور
...قوم کے رکن کی حیثیت سے نظر نہیں ڈالی جاتی بالکہ اُس کو قوم کے
...اصد کے حصول کا ذریعہ خیال کیا جاتا ہے۔ گو اُس کی پرورش
...لیے آمدنی خام کے ایک حصّے کا اسی طرح صرف ہونا ضروری
...ہے جس طرح کہ گھوڑوں کی پرورش کے لیے۔ یہاں ہم بھی یہ پوچھنے
...حق رکھتے ہیں، جیساکہ سسمنڈی نے ریکارڈو سے اثنائے ملاقات
...ں پوچھا تھا کہ کیا "دولت ہی سب کچھ ہے اور انسان کوئی حقیقت
...یں رکھتا"؟

بحیثیت مجموعی ریکارڈو کے متعلق یہ کہنا صحیح معلوم ہوتا ہے
...گرچہ وہ عجیب وغریب دماغی قوی کا مالک تھا، مگر عمرانی تحقیق
...لیے یہ قوتیں موزوں نہ تھیں۔ قدرت نے اُس کو ٹھیٹ
...ریاضی داں بنایا تھا، عالم عمرانیات نہیں بنایا اور نہ اُس نے
...مرانیات کے مطالعے کے لیے پہلے سے کوئی تیاری کی تھی۔
...چنانچہ ہم کو بیجھٹ کی اس رائے کے قبول کرنے سے قطعی انکار ہے
...کہ "اگرچہ ریکارڈو ایک عالم متبحر نہ تھا مگر حصص اور تمسکات کے
...بیوپار کا تجربہ رکھنے کی حیثیت سے اس میں عمرانیات کی تحقیق کا
...خاصا مادہ تھا"۔ بیجھٹ کا یہ خیال البتہ صحیح ہے کہ ریکارڈو کو موشگافی
...میں خاصا ملکہ تھا۔ پھر بھی ریکارڈو میں نہ تو وسعت نظر تھی اور نہ وہ
...فطرت وحیات انسانی کے جامع معلومات رکھتا تھا اور نہ اسمیں
...بنی آدم کی ہمدردی ہی کا قوی جوش وخروش تھا۔ حالانکہ جیساکہ بعض
...عاقلوں کا قول ہے، ہمدردی کے جذبات ہی بڑی حد تک عمرانیات
...کے مطالعے میں ممد ومعاون ہوتے ہیں۔ ایک ایسے مسئلے میں
...جیساکہ زر کا مسئلہ ہے جس میں صرف چند آسان اور ابتدائی اصول
...پیش نظر رکھنے پڑتے ہیں اور کوئی بڑی اخلاقی بحث شامل نہیں
...ہوتی، کامیابی حاصل کرنا اُس کے لیے کوئی مشکل کام نہ تھا۔ مگر

عمرانیات کے وسیع شعبوں میں ریکارڈو مرقدم پر ٹھوکریں کھاتا ہے۔
اس میں شک نہیں کہ وہ بطریق استخراج استدلال کرنے کی خاص
مہارت واستعداد رکھتا تھا (اگرچہ بقول بجوک اُس کی منطق کی 180
صحت کو بہت کچھ مبالغے کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے) اور بسہولت
تمام نتائج اخذ کرتا تھا۔ لیکن انسانی امور میں جن کے مظاہر لغایت پیچیدہ
اور اصول نہایت محدود و مشروط اور آپس میں گتھے ہوئے ہوں
واقعات پر غائر اور وسیع نظر ڈالے بغیر اس کا اس طرح پر عجلت
اور بیباکی کے ساتھ استخراج کے طریق کو استعمال کرنا صریحی نادانی
تھی۔ اس میں شک نہیں کہ لسانی قوت و قابلیت ایک بیش بہا
نعمت ہے۔ لیکن محض یہی کافی نہیں، عمرانی تحقیق میں کامیاب ہونے
کی پہلی شرط یہ ہے کہ واقعات وحالات کو اس طرح دیکھا جائے جس طرح
کہ وہ حقیقت میں موجود ہیں۔

کچھ مدت تک معاشی حلقوں میں ریکارڈو کے مغالطوں
کا اثر رہا۔ اس میں شک نہیں ہوسکتا کہ اُس کے اوصاف کے متعلق
جو مبالغہ آمیز اندازہ قائم کیا گیا تھا اس کا باعث ایک حد تک
آجروں اور اصلداروں کا یہ احساس تھا کہ اس کا نظام اُن کو زمینداروں
کی روزافزوں مخالفت میں تقویت پہنچا رہا ہے۔ اس رجحان کی وجہ سے نیز اس وجہ سے
کہ آجروں اور اصلداروں کے مجرد و غیر تاریخی طرز خیالات اور فلاح
وبہبود عامہ کے متعلق اُن کے قائم کردہ اُصول میں اور ریکارڈو کے
خیالات میں مماثلت تھی، ریکارڈو کو بنتھم کے پیروؤں میں اور بالعموم
انتہا پسند فلاسفہ میں قبول عام حاصل ہو گیا۔ بقول بروہم یہ معلوم
ہوتا تھا کہ "گویا وہ کوئی اوتار ہے جو آسمان سے ٹپک پڑا ہے"۔
زر اور بنک کے مسائل کے متعلق اُس نے جو اصل خدمت
انجام دی اس کی وجہ سے اُس کے دوسرے تمام عام خیالات
کے متعلق بھی قدرتاً عمدہ رائے قائم ہو گئی تھی لیکن ان خاص خاص

باحث کے قطع نظر بظاہر اُس نے کسی مستقل نظری تعلیم یا قیمتی عملی
ایت کی شکل میں دُنیا کی کوئی بڑی خدمت انجام نہیں دی۔ بلکہ یقین
کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اُس نے اکثر اہم مسائل کے متعلق لوگوں
ں غلط فہمی پھیلا دی۔ اس لحاظ سے ڈی کوئنسے نے ریکارڈو کو
شف حقیقت (Revealer of Truth) کا جو لقب دیا تھا وہ محض
بالغہ معلوم ہوتا ہے۔ جے۔ یس۔ مل وغیرہ یہ خیال ظاہر کرتے
یں کہ آدم اسمتھ کے مقابلے میں ریکارڈو کا مبلغ علم بہت زیادہ
سیع تھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ علم عمرانیات میں اضافہ کرنے کی
یثیت سے اُس کی تصنیف "دولت اقوام" کے مقابلے میں لمحہ بھر
ھی نہیں ٹھہر سکتی۔

یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ باوجود اس کے کہ مالتھس کا
ظریۂ آبادی جو ریکارڈو کے اُصول سے مل جل کر ایک عرصۂ دراز تک
دیم و مروجہ معاشیات کے علما کا مسلک بنا رہا۔ مگر خود مالتھس نے
یکارڈو کے خاکے کو کبھی تسلیم نہیں کیا۔ مالتھس نے پیشین گوئی
ی کتھی کہ ریکارڈو کی عمارت کا بیشتر حصہ ناپائدار ہے۔ ریکارڈو کا
ظریہ فرانس کے علمائے معاشیات کے نظام کے مثل مبحث پر
طحی اور ادھوری نظر ڈالتا ہے اور جس طرح اس نظام کا انجام ہوا
یکارڈو کا نظریہ بھی اکثر جدید علما کو اپنا حلقہ بگوش بنا کر بدیہی واقعات
ی صحت کے سامنے اور اُن نظریات کی سچائی کے سامنے نہیں
ٹھہر سکتا جو اگرچہ پیچیدہ اور کم دلچسپ ہیں مگر اس وجہ سے زیادہ
صحیح ہیں کہ اُن کی بنیاد ایسے اسباب و دلائل پر ہے جو حقیقی معاشی
اقعات سے متعلق ہیں۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ عام فلسفہ میں اسمتھ کے اصول کی بنیاد
استوار تھی۔ چنانچہ اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ اُس کے [illegible] کی اخلاقی خصوصیت
پُر مضر اثر پڑا۔ لیکن اُس کا جو طریق بحث تھا یعنی وہ جس طرح طریق استخراج و استقرا

کو عادتاً ملاکر استعمال کرتا تھا اس میں بالکل گرفت کا موقع نہیں ہے۔ یہ تو ریکارڈو نے اپنے اثر سے معاشی طریق تحقیقات کو بدل کر ناقص کر دیا۔ ریکارڈو مشاہدات سے گریز کرتا اور اپنی منطق کے زور میں چند عاجلانہ تعمیمات سے کام لے کر مظاہر فطرت کے متعلق چند قوانین مرتب کر لیتا ہے اور اس طرح پر معاشیات کو غلط راستے پر لا پھینکتا ہے۔" قدیم و مروجہ مسلک معاشیات کے پیروؤں کی طرف موجودہ زمانے میں جو خاص خاص نقائص منسوب کیے گئے ہیں وہ در اصل سب ریکارڈو کی تقلید کا نتیجہ ہیں۔ پہلا نقص یہ ہے کہ وہ سب خیالی اور تجریدی نظریے قائم کرتے ہیں جو حقیقت سے بہت دور ہوتے ہیں، دوسرا یہ کہ علمی تحقیق میں ہر جگہ استخراج کے طریق کو جا و بے جا استعمال کرتے ہیں، اور تیسرا یہ کہ وہ بالکل قطعی اور مطلق طور پر نتائج اخذ اور پیش کرتے ہیں۔ جے۔ آر۔ یم۔ کلاک نے ریکارڈو کے تصانیف مع اسکی ایک مختصر سوانح کے ایک کتاب میں جمع کر دیے ہیں۔ (سنہ ۱۸۴۶ء)۔

ایپی گونی۔

مالتھس اور ریکارڈو کے بعد، جن میں سے اوّل الذکر نے بعض معاشی سوالات کی طرف عوام کو متوجہ کرایا اور موخر الذکر نے معاشی تحقیق کو ایک نئے راستے پر پہنچا دیا جو غلط اور قابل اعتراض تھا، متعدد مصنف پیدا ہوئے جن کو ادنیٰ درجے کے مصنف کہا جا سکتا ہے۔ یہ اشخاص زیادہ تر ریکارڈو اور مالتھس کے شارح اور نقاد تھے۔ اور اسی بنا پر جرمانی مصنفین نے انھیں یونان کے افسانے کی تاریخ کے حوالے سے ایپی گونی (Epigoni) کا لقب دے دیا۔ انھیں کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ اسمتھ اور اس کے اولین پیروؤں کے نظریات باضابطہ طور پر مرتب ہو گئے۔ انھیں مصنفوں نے نظریات کو مشروط کر کے اور ان کے

135

فروع میں ترمیمات کر کے اور اصطلاحات کو خاص اہتمام اور صحت کے ساتھ استعمال کر کے نظریات کو اعتراضات سے کم و بیش محفوظ کر دیا۔ اور انھوں نے اس زمانے کے بعض علمی مسائل کے حل کرنے میں بھی مدد دی۔

جیمس مل۔

سنہ ۱۸۲۱ء میں جیمس مل کی کتاب "عناصر یا دستور معاشیات"[1] شائع ہوئی۔ یہ اس لحاظ سے توجہ کے قابل ہے کہ اس میں نظام ریکارڈو کو نہایت شد و مد اور متانت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور مختلف مباحث کی اس طرح پر تقسیم کی گئی ہے کہ کتاب میں فنی خصوصیت پیدا ہو گئی ہے، اس میں ملتی یا ادلی معاشیات کو تحلیل کر کے سادہ اور سلیس پیرایے میں پیش کیا گیا ہے۔

جے۔ آر۔ میک کلاک
سنہ ۱۷۷۷ء۔سنہ ۱۸۶۴ء۔

میک کلاک نے متعدد کتابیں اور رسالے لکھے جنہیں سے اکثر میں اعداد و شمار ملتے ہیں۔ اُس نے ایڈنبرا ریویو میں اکثر مضامین شائع کیے جس میں ریکارڈو کے نقطۂ نظر کے لحاظ سے موجودالوقت معاشی آئین و قوانین پر نکتہ چینی کی گئی ہے اور نظری اعتبار سے اس کا استدلال بعینہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بعد میں چل کر منچسٹر اسکول کا رہا۔ میک کلاک میں نہ تو جدت و اصلیت کا کوئی مادہ ہے اور نہ فلسفیانہ بلند خیالی یا وسعت نظر کا کوئی ثبوت ملتا ہے بلکہ وہ ہر جگہ اُصول پرست نظر آتا ہے اور اُس کی اُصول پرستی اکثر تنفّر پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ اُس نے خود اپنی آخری عمر میں اس کمزوری کا اقبال یوں کیا کہ "میں ہمیشہ سے نادر اور انوکھے خیالات کا شائق رہا اور اُن پر حد سے زیادہ جوش اور ہٹ دھرمی کے ساتھ جما رہتا تھا"۔ یہ امر حیرت افزا ہے کہ اوّل اوّل میک کلاک کی

[1] Elements

بہت قدر افزائی کی گئی اور نہ صرف اُس کے مداح بلکہ اس کے مخالف جیسے شمنڈی وغیرہ بھی اس کو اس زمانے کے حامیان مسلک کا خاص نمائندہ تصور کرتے تھے۔ مگر موجودہ زمانے میں خود اس مسلک کے ارکان کے تصانیف میں اُس کا نام نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اُس نے اصول آزاد تجارت کو صحیح طریق کار ثابت کر دکھانے میں ایک حد تک قابل قدر خدمت انجام دی مگر ہمارے معاشری مستقبل کی نسبت کچھ رائے زنی نہیں کرتا۔

ناساؤ ولیم سینیر (۱۷۹۰ء تا ۱۸۶۴ء)

سینیر جامعہ اکسفورڈ میں معلم معاشیات تھا، اُسکی متعدد تقریریں شائع ہوئیں اور ایک کتاب بھی شائع ہوئی جسکا مضمون پہلی مرتبہ انسیکلوپیڈیا میٹروپولیٹانا میں چھپ چکا تھا۔ سینیر ایک بلند مرتبہ اور قابل مصنف تھا، اُس نے معاشی اُصول کی تشریح میں بہت بڑا حصہ لیا اور وہ عملاً اصطلاحات علمیہ کو صحت اور تعیین مفہوم کے ساتھ وہ استعمال کرتا ہے اور طریق استخراج کو بالکل مناسب اور صحیح طریقے سے کام میں لاتا ہے۔ اُس نے مختلف مسائل پر بحث کی، مثلاً قیمت پر مصارف پیدائش کا اثر، لگان، شرح اجرت اور محنت کی قیمت کا فرق، اجرت اور منافع کا تعلق (اس آخری مسئلے میں ریکارڈو کے نظریے کا خاص طور پر حوالہ دیتا ہے اور مقدار مطلق کی بجائے مقدار متناسب تجویز کرتا ہے) اور مختلف ممالک میں قیمتی فلزات کی تقسیم وغیرہ۔ یہ مباحث خاص طور پر قابل قدر ہیں، وہ ایک نئی اصطلاح یعنی "اجتناب" ماہیت سود کی توجیہ کے سلسلے میں استعمال کرتا ہے کہ گویا سود عمل اجتناب کا معاوضہ ہے اگرچہ یہ اصطلاح کارآمد ہے لیکن موزوں نہیں ہے کیونکہ اس کا مفہوم منفی ہے سینیر کا سب سے کم اطمینان بخش نظریہ "نظریۂ اجرت" ہے، اس لحاظ سے کہ وہ اجرت فنڈ کو شمار کنندہ

136

اور مزدوری پیشہ آبادی کو نسب نما قرار[۱] دے کر شرح اجرت کا اوسط دریافت کرتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ طریقہ غیر صحیح ہے کیونکہ اول تو اجرت فنڈ ایک فرضی رقم ہے۔ اس کا صحیح تخمینہ لگانا بہت دشوار ہے، ہم صرف اتنا معلوم کر سکتے ہیں کہ کس قدر مجموعی اجرت ادا کی گئی، اس کے ماسوا رقم کا اندازہ کرنا ناممکن ہے اور دوسرے یہ کہ صرف ایک پیشے یا ایک خاص نواح کی شرح اجرت کا اوسط نکالا جا سکتا ہے، پورے ملک میں یا اس ملک کے سب پیشوں میں شرح اجرت کا اوسط نکالا جائے تو وہ حقیقی مقدار نہیں ہو سکتی اس پر طرّہ یہ کہ اس طرح پر شرح اجرت کا اوسط نکالنے کے بعد وہ اس طریقے سے بہت ہی اہم اور بعید از قیاس نتائج اخذ کرنا شروع کر دیتا ہے، حالانکہ اس کے نتائج جن مساوات پر قائم ہیں وہ محض ایک حسابی چیز ہے، اس کو حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، اگر افراد کی تعداد کی تقسیم کے بارے میں اسکو استعمال کیا جاتا تو صحیح نتیجہ نکلتا، باقی موجودہ مثال میں تو یہ طریق کسی معاشی واقعات پر مبنی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ "اجرت فنڈ" کا بھی غلط طریقے پر استعمال کیا گیا ہے۔ یہ اصطلاح ابتداءً اسمتھ نے اپنی بعض تحریروں میں محض تمثیل کے موقع پر استعمال کی تھی اور اس میں کبھی خاص طور پر کوئی معنی نہیں پہنائے تھے جیسے کہ سینیر نے پہنائے ہیں۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا جیسا کہ آگے معلوم ہوگا کہ "قدیم مسلک معاشیات" کے اکثر پیرووں نے اس طریقے کی اور اس سے اخذ کردہ اصول کی تردید کی۔

سینیر کا طریق — طریق تحقیقات کا جہاں تک تعلق ہے۔ سینیر

---

[۱] $\frac{\text{اجرت فنڈ}}{\text{آبادی}}$ = شرح اجرت۔

معاشیات کو ایک استخراجی علم قرار دیتا ہے، گویا اس میں سوائے ان چار اساسی قضیوں کے جن سے وہ تمام معاشی حقائق اخذ کرتا ہے دوسرے "واقعات" کو کوئی دخل نہیں ہے، حالانکہ وہ محض فرضی واقعات سے فرضی نتائج اخذ کرتا ہے، لیکن ان فرضی نتائج اور موضوعات کو حقیقی مظاہر کا آئینہ سمجھتا ہے۔

137 کرنل روبرٹ ٹارنس ۱۷۸۰ء-۱۸۶۴ء ٹارنس متعدد کتابوں کا مصنف ہے، انہیں سے چند ہی کتابیں معاشی نظریے سے متعلق ہیں، باقی زیادہ تر عملی معاشیات یعنی مالی و تجارتی حکمت عملی پر لکھی گئیں۔ سر روبرٹ پیل نے جو جو قوانین وضع کیے تھے تقریباً سب کو ٹارنس اپنی تحریروں میں اصول کی شکل میں پیش کرتا ہے۔ تجارت خارجہ کے متعلق اس کا نظریہ بعینہ وہی ہے جو کہ بعد میں جے۔ یس۔ مل نے ایک مجموعۂ مضامین یعنی "حل طلب سوالات"[1] میں پیش کیا۔ ٹارنس قوانین غلہ کا سب سے پہلا مخالف ہے اور اور ان کی تنسیخ کی نہایت پرجوش وکالت کرتا ہے۔ لیکن تجارت کو تمام قیود سے کامل طور پر آزاد رکھنے کا مخالف ہے اور یہ مشورہ دیتا ہے کہ انتقامی طریقے پر محصول عائد کیا جائے تاکہ ملک کے مال پر غیر ممالک میں جو محصول عائد کیے جاتے ہیں اس سے ان کا سدباب نہ ہو سکے تو کم از کم ان کا جواب تو ہو جائے، ورنہ دوسرے ملک اپنے ہاں تامینی محصول قائم رکھیں گے اور پیداوار پر آمد کرتے رہیں گے، اگر کوئی ملک ایسے ملک سے پیداوار درآمد کرے جس نے اپنے ہاں مخالفانہ طریق پر درآمد پر محصول عائد کرنے کا نیا طریقہ قائم رکھا ہو اور خود درآمد پر محصول عائد نہ کرے تو اس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ قیمتی فلز اس ملک سے جہاں آزاد تجارت ہے باہر چلے جائیں گے اور قیمتوں، منافع اور

[1] Essay on unsettled questions

اجرت میں بھی تخفیف واقع ہوگی۔ مذکورۂ بالا کتابوں کے علاوہ ٹارنس کی دوسری کتابیں بھی جو عام نوعیت رکھتی ہیں شائع ہوئیں[1]

ہریٹ مرٹینا و ۱۸۰۲ء - ۱۸۷۶ء

مرٹیناو نے قصے کہانیوں کے پیرایے میں ایک کتاب "معاشیات کی تشریح"[2] ۱۸۳۲ء میں شائع کی۔ اس میں مالتھس اور ریکارڈو کے اصول کی تشریح و توضیح کی گئی ہے۔ مصنّف کا طرز بیان نہایت دلکش ہے، جا بجا مکالمے کے پیرایے میں عالمانہ بحث بھی کی گئی ہے، لیکن اس سے بعض اوقات ثقالت پیدا ہوگئی ہے۔

بعض دیگر مصنّف

معاشیات کی تاریخ میں ان مصنّفین کا ذکر بھی ضروری ہے:-

(۱) چارلس بے بج۔ اس نے ایک کتاب "صنعت اور اس پر مشینوں کے رواج کا اثر"[3] نامی ۱۸۳۲ء میں شائع کی۔ اس میں عملی بحث کا زیادہ حصہ ہے اور نظریات صرف خفیف حد تک پیش کیے گئے ہیں۔

(۲) ولیم تامس تھارنٹن۔ اس کی دو کتابیں قابل ذکر ہیں ایک "آبادی کی افراط اور اس کا علاج" (Over population and its Remedy) جو ۱۸۴۶ء میں شائع ہوئی اور دوسری "ملکی کاشتکاروں

---

[1] (۱) "فطرآئینوں کی تردید" ۱۸۰۸ء The Physiocrat Refuted
(۲) "پیدائش دولت" ۱۸۲۱ء Production of wealth
(۳) "غلّے کی تجارت خارجہ" ۱۸۲۶ء External corn Trade
(۴) موازنہ ۱۸۳۳ء The Budget

[2] Illustrations of Political Economy

[3] On the Economy of machinary and manufactures

کی وکالت" A plea for Peasant Proprietors جو ۱۸۴۸ء میں شائع ہوئی۔ اور تیسری کتاب "محنت" ۱۸۶۹ء میں شائع ہوئی۔

(۳) ہرمن میری ویل۔ اس نے ایک لکچر "نوآبادیات" (Lectures on colonisation and colonies) کے موضوع پر ۱۸۶۱ء میں شائع کیا۔

(۴) ٹی۔ سی۔ بین فیلڈ۔ نے "تنظیم صنعت کی تشریح" (Organisation of Industry Explained) ۱۸۴۸ء میں شائع کی۔

(۵) ایڈورڈ گبن ویکفیلڈ نے "مستعمرات پر ایک نظر"[1] ۱۸۴۹ء میں شائع کی۔

(۶) تامس شامرس نے معاشیات کے علاوہ دوسرے علوم میں متعدد کتابیں تصنیف کیں، اس کے معاشی تصانیف حسب ذیل ہیں: "عیسائی معیشت اور بڑے شہروں کی معیشت"[2] ۱۸۲۶ء۔ "معاشیات پر اخلاقیات کا اثر"[3] ۱۸۳۲ء۔ شامرس ایسی خیرات کا جو قانونی طور پر سرکار کی جانب سے دی جائے مخالف تھا۔ عمدہ اخلاق وصفات، جفاکشی وکفایت شعاری کو خوشحالی کی اوّلین شرط قرار دیتا ہے اور مالتھس کے نظریات کو بہت شدومد کے ساتھ تسلیم کرتا ہے۔

آئرلینڈ کے مصنف | اس عہد کی معاشی تحریک میں آئرلینڈ نے بھی حصہ لیا مثلاً وھیٹ لی جو آئرش نسل سے تھا، جامعۂ آکسفورڈ میں معلم معاشیات تھا جہاں اسکی ایک کتاب "ابتدائی تقریریں"[4] ۱۸۳۱ء میں

---

[1] A view of the Art of colonisation

[2] The Christian and Civic Economy of large towns

[3] On political Economy in connection with the moral state and moral prospects of Society

[4] Introductory Lectures

شائع ہوئی، یہاں سے وہ ڈبلن چلا گیا جہاں پر اسقف اعظم بنایا گیا۔ اس عہدے پر پہنچ کر اس نے ٹرینٹی کالج ڈبلن میں بھی معلم معاشیات کی ایک جگہ قائم کی، اس جگہ پر سب سے پہلے ماؤنٹی فورٹ لانگ فیلڈ جو بعد میں جائداد ہائے غیر منقولہ کی عدالت کا جج ہو گیا تھا، مقرر ہوا۔ اور ۱۸۸۴ء میں فوت ہوا۔ اُس نے ۱۸۳۴ء میں چند معاشی مضامین کا ایک مجموعہ اور ایک کتاب "قوانین مفلسی"[1] شائع کی اور ۱۸۳۵ء میں ایک کتاب "تجارت اور غائب باشی"[2] شائع کی۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف بہت آزاد خیال ہے اور دانشمندی کے ساتھ مشاہدہ کرتا ہے۔ اس میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے خیالات اس کے معاصرین کے برعکس مبالغہ آمیزی سے پاک صاف ہیں، چنانچہ لکھتا ہے کہ "معاشیات میں مجرد تصورات سے بہت زیادہ کام نہ لینا چاہیے" اور اس مفروضے سے کہ انسان کے ہر فعل و حرکت کا محرک اُس کی عاقلانہ خود غرضی ہوتی ہے سخت اختلاف ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد جیمس۔ اے۔ لاسن، جو بعد میں عدالت کا جج ہو کر ۱۸۸۷ء میں فوت ہوا، معلم معاشیات مقرر ہوا۔ اس کی بعض تقریریں ۱۸۴۴ء میں شائع ہوئیں، یہ موجودہ زمانے میں بھی دلچسپ اور مفید خیال کی جاتی ہیں، خاصکر مسئلۂ آبادی کے متعلق اس کے خیالات بہت عمدہ ہیں، اس نے سینیر کے بالکل برعکس یہ خیال ظاہر کیا کہ "معاشیات کا علم واقعات کا طالب ہے۔ اسمیں مادی دنیا اور انسانوں کے حقیقی حالات و واقعات سے بحث ہونی چاہیے"۔

139 (۱) رچرڈ جونس (۱۷۹۰ء ۔ ۱۸۵۵ء) جو ہیلی بری میں پروفیسر تھا

[1] On Poor Laws

[2] Commerce and Absenteeism

ریکارڈو کا سب سے پہلا نقاد تھا اور سب سے زیادہ باقاعدہ اور شدید طریقے سے ریکارڈو کے خیالات کو نقد کرتا ہے۔ مگر متاخرین نے جونس کی کافی قدر و منزلت نہ کی۔ مثلاً جے۔ یس۔ مل کو اگرچہ جونس کی کتاب سے بڑی حد تک مدد ملی مگر مل اس کی قابلیت کا معترف نہ تھا۔ روشر بھی یہی لکھتا ہے کہ جونس ریکارڈو کو پوری طرح سمجھنے سے قاصر رہا (اگرچہ اپنے دعوے کے ثبوت میں وہ دلائل نہیں پیش کرتا) اور جو ہر مانی تاریخی مسالک کے بہت سے تعلیمات جونس کی تحریروں میں پائے جاتے ہیں اس بارے میں روشر کوئی رائے زنی نہیں کرتا۔ بعض مصنفوں کا خیال ہے کہ جونس کو انڈرسن کے نظریۂ لگان سے اختلاف تھا، لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ جونس اس نظریے کو مالتھس سے منسوب کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "مالتھس نے اس امر کو اطمینان بخش طریقے سے ثابت کر دیا ہے کہ اگر اپنے اصل کے منافع پر بسر کرنے والے اور اپنے اصل کو اپنی مرضی کے مطابق دوسرے پیشوں میں منتقل کرنے والے اصلدار زمین پر کاشت کریں تو پیداوار زمین کی اوسط قیمت ادنیٰ ترین زرخیزی والے کھیت کے مصارف کاشت کی بنا پر متعین ہوگی اور زیادہ زرخیز زمینوں) کے فرق سے لگان پیدا ہوگا۔" گویا جونس نے نظریے کو مسترد نہیں کیا بلکہ ہر جگہ اُسکے عام اطلاق کو ان تمام صورتوں میں غلط سمجھتا تھا، جہاں لگان ادا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اپنے مضمون "تقسیم دولت اور ذرائع محصول"[1] میں جو ۱۸۳۱ء میں شائع ہوا لکھتا ہے کہ "زمینداری لگان" کے علاوہ جو مفروضہ حالات کے تحت مذکورہ بالا قانون سے تطابق رکھتا ہے، "کاشتکاری لگان" بھی ہوتا ہے جو تاریخ میں بہت قدیم زمانے سے ادا کیا جا رہا ہے اور اب بھی صفحۂ زمین کے بڑے حصے میں

[1] On Distribution of wealth and on the sources of Taxation

ادا کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ کہ کاشتکاری لگان اس طرح منضبط نہیں ہوتا جسطرح زمینداری لگان ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں کاشتکاری لگان کی وہ حسب ذیل قسمیں قرار دیتا ہے:۔ (۱) سرفی لگان (۲) بٹائی لگان (۳) رعیتی لگان اور (۴) جھونپڑے کا لگان یا کٹی لگان[1] اور لکھتا ہے کہ ان کا تعین ازروئے رسم ورواج ہوتا ہے نہ کہ آزاد مسابقت کے ذریعے سے۔ اور مل اس کی پیش کردہ ترتیب کو اپنی کتاب میں اختیار کرتا ہے لیکن اس کے بعد جونس ریکارڈو کے ان اکثر نتائج کی تردید کرتا ہے جو اس نے اپنے بنائے ہوئے مفروضات وموضوعات سے اخذ کئے تھے، اور خاصکر مندرجۂ ذیل نتائج سے سخت اختلاف ظاہر کرتا ہے۔

کہ (۱) کاشتکاری لگان میں اضافہ اور زمین کی پیداآور قوتوں کا انحطاط ساتھ ساتھ ظاہر ہوتے ہیں اور ان کا نتیجہ نقصان اور مصیبت ہوتا ہے۔

140 (۲) زمینداروں کے اعراض ہمیشہ اور لازمی طور پر حکومت اور قوم کے بقیہ طبقے کے اعراض کے خلاف ہوتے ہیں۔

(۳) شرح منافع کی تخفیف کا مدار کلیتہً اصل کے اس آخری جزے کی پیداوار پر ہوتا ہے جو کہ زمین پر لگایا جائے۔

(۴) اجرت میں اضافہ کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ منافع میں تخفیف ہوجائے گی۔

جونس کا طریق تحقیقات طریق تحقیقات کا جہاں تک تعلق ہے جونس نے استقرائی طریق سے کام لیا اور تاریخی مطالعے کی مدد سے نیز اپنے زمانے کے واقعات کا وسیع مشاہدہ کرکے نتائج اخذ کیے، چنانچہ لکھتا ہے کہ اگر ہمیں یہ معلوم کرنا ہو کہ کرۂ ارض

[1] (1) Serf (2) Metayer (3) Ryot (4) Cottier Rents.

پر بسنے والی قومیں اپنے ذرائع معاش اور دولت کی پیدائش اور تقسیم میں کس طرح جدّ وجہد کرتی اور کیا کیا انتظامات عمل میں لاتی ہیں اور ان کا طرز معیشت کیا ہے تو اس کا بہترین طریقہ صرف مشاہدہ ومطالعہ ہے یعنی ہمیں وسیع اور دقیق نظر سے واقعات کا مطالعہ کرنا چاہیئے تاکہ صحیح اور وسعت آفرین اُصول مستخرج ہوں، اگر اس کے ماسوا کوئی دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا یعنی محض مفروضات سے کام لے کر عام اُصول قائم کرنے کی کوشش کی گئی اور محدود طریقے پر مشاہدہ کیا گیا تو اس سے دو خرابیاں پیدا ہوں گی ایک تو یہ کہ جو اُصول بنائے جائیں گے وہ عام نہ ہوں گے، ان میں صحت وعمومیت مطلقاً نہ ہوگی یعنی جن اُصول کے متعلق مسلم الثبوت ہونے کا دعویٰ کیا جائے گا وہ اثنائے تحقیقات میں جا بجا غلط ثابت ہوں گے دوسری خرابی یہ ہوگی کہ مفروضی نظریہ بنانے والا اس مفید اور بیش بہا ذخیرۂ معلومات سے محروم رہے گا جس کو واقعات کا وسیع و دقیق مشاہدہ کرنے والے محقق پالیتے ہیں۔

اُس کی بحث کا موضوع۔ جونس کو جس دُنیا کے مطالعہ کرنے کا دعویٰ تھا وہ خیالی دُنیا یا فرضی "معاشی انسانوں" کی بستی نہ تھی بلکہ ایک حقیقی دُنیا تھی اور اس حقیقی دُنیا میں زمین کی ملکیت کاشتکاری کے حالات اور پیدائش وتقسیم دولت مختلف ممالک اور مختلف اوقات میں مختلف شکلیں اختیار کرتے ہیں۔ جونس یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ مختلف قومیں تمدنی ترقی کے مختلف مرحلوں میں مختلف طریقوں سے زندگی بسر کرتی ہیں اس لیئے اُس نے یہ تحریک کی کہ علم معیشت کو "سیاسی معاشیات اقوام" سے منسوب کرنا چاہیئے، گویا یہ خیال اس مفروضے کے خلاف کہ کرۂ ارض کے کسی ایک چھوٹے حصے کے خاص حالات ہر ملک پر اور ہر انسانی جماعت پر صادق آتے ہیں ایک زبردست احتجاج تھا۔ اور وہ اس دعوے کو

141 - بھی باطل کر دیتا ہے کہ کسی ملک کی گزشتہ تاریخ کا اور قوم کے خاص خاص حالات اور ترقیات کا اثر اُس ملک کے معاشی مظاہر پر نہیں پڑتا۔

بعض مصنّف محض ایک ملک کی موجود الوقت صورت حالات کے مطالعے پر اکتفا کرتے ہیں اور اس ملک کی تاریخی نشو و نما یا دوسرے ملکوں کے خاص خاص حالات کی تحقیق کو نظر انداز کرتے ہیں، اس بنا پر کہ ہر جگہ مظاہر کا رجحان یکساں ہے، اوّل تو اسی رجحان میں صرف جزوی حیثیت سے حقیقت ہوتی ہے، کیونکہ ان کا موجودہ نظام قطعی اور معین نہیں کہلایا جا سکتا لیکن اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ رجحان حقیقی ہے، تب بھی یہ امر کسی طرح تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ مغربی ممالک کے تمدن میں اور دوسرے کم ترقی یافتہ ملکوں کے تمدّن میں معاشی مظاہر ایک دوسرے سے اس قدر قریب اور مشابہ ہیں کہ دونوں کو ایک ہی ضابطے اور قانون کے تحت لا سکتے ہیں، جس طرح رچرڈ جونس کی ایک کتاب "باقیات" (۱۸۵۹ء) پر تمہید لکھتے ہوئے بہت خوب رائے زنی کرتا ہے کہ "طبعیات میں تو یہ مسئلہ بالکل صحیح ہے کہ سب اشیاء میں وہی صورت اختیار کرنے کا میلان ہوتا ہے جو کہ قوت جاذبہ ارض متعین کرتی ہے مثلاً رجحان یہ ہے کہ پہاڑیاں میدان بن جائیں، آبشار اپنی رہگزار کاٹ کرنا پیدا ہو جائے، دریا وادیوں میں جھیل بن جائیں اور تودہ ہائے یخ گھل کر بہہ جائیں" لیکن یہ صرف فطرت کا اقتضا اور رجحان ہے لیکن محض اس بنیاد پر کہ ایسی قوتیں عمل کر رہی ہیں جو ممکن ہے کہ آخر الامر یہ نتائج پیدا کریں یہ کہنا کہ یہ نتائج حقیقی اور قطعی طور پر حاصل ہو چکے ہیں کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے ؟ اسی طرح معاشیات کا بھی حال ہے یعنی تمام انسانی مسائل کا مدار بیشتر وقت پر ہے اور معاشی مظاہر در اصل

Remains ۹۵

انسان کی مختلف تحریکوں اور جدّ و جہد کا نتیجہ ہیں جو کہ مختلف عہدوں میں انسان نے کیں ہیں ان کا اُسی طرح مطالعہ کرنا ضروری ہے جس طرح کہ وہ حقیقت میں موجود ہیں، ورنہ بصورت دیگر یہ یقین رکھنا چاہیئے کہ ہم نہ صرف نظری بحث میں بلکہ اُس سے جو عملی سوالات رونما ہوتے ہیں اُن کے حل کرنے میں بھی سخت غلطیوں کے مرتکب ہوں گے۔

جونس کی عظمت کی اصلی وجہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ مبالغے اور جنبہ داری سے بہت دور رہتا ہے۔ چنانچہ وہ مالتھس کی غالباً حد سے زیادہ قدر و منزلت کرنے کے باوجود اس کے اس نظریے کو تسلیم کرنے سے منکر ہے کہ ذرائع معاش کے اضافے سے لازمی طور پر آبادی میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور یہ خیال ظاہر کرتا ہے (اور اس کی صحت میں کوئی شبہ نہیں) کہ جہاں عمدہ حکومت اور خوش حالی ہوگی وہاں اضافۂ آبادی کے ساتھ ذرائع معاش پر قابو گھٹ جانے کی بجائے بڑھ جاتا ہے۔

جونس سے ہمیں جو کچھ ترکے میں ملا (جس کا بڑا حصہ بدقسمتی سے منتشر اجزا کی شکل میں ہے) اس کا بیشتر حصہ کلف لزلی کے خیالات سے مماثلت رکھتا ہے۔ لیکن جونس پر کلف لزلی کو اس لحاظ سے تفوق حاصل ہے کہ آخرالذکر کونت کی عمرانیات سے واقفیت رکھتا تھا جس کی وجہ سے "طریق تحقیق" پر اُس کا قابو بہت زیادہ تھا اور وہ عام اجتماعی تحریک پر ایک وسیع نظر ڈال سکتا تھا۔ جونس کی شنوائی معاشی دُنیا میں اس وجہ سے نہ ہوئی کہ اُس زمانے میں ہر طرف ریکارڈو کا چرچا تھا اور ریکارڈو کی مدح ہو رہی تھی مگر کلف لزلی نے ایسے زمانے میں تصنیف لکھی جبکہ انگلستان میں عام بیداری پیدا ہو چکی تھی اور معاشیاتِ ملیّ (یا ادلی) کے خلاف عام تحریک شروع ہو چکی تھی۔

142

کونت کسی مقام پر لکھتا ہے کہ "مغربی یوروپ معاشیات کی طرف عام طور پر مائل و راغب ہو چکا تھا، اگرچہ یہ رجحان محض عارضی تھا"۔ انگلستان میں موجودہ صدی کے تیسرے عشرے سے پانچویں عشرے تک یہ رجحان خاص طور پر نمایاں نظر آتا ہے۔ کسی شخص نے "ویسٹ منسٹر" میں لکھا تھا کہ "۱۸۱۸ء تک فلاسفہ کے ماسوا نہ تو کوئی شخص علم المعیشت کو سمجھتا تھا اور نہ کہیں اس کا نام لیا جاتا تھا اور ملک کے آئین و قوانین معاشی اصول کے مطابق وضع کئے جانے کی بجائے روز بروز ان سے دور ہوتے جاتے تھے"۔ مل لکھتا ہے کہ اس کے چند سال کے بعد ہی قلیل مدت میں نمایاں تبدیلی واقع ہوئی۔ چنانچہ اس کا بیان ہے کہ اس کے بعد سے معاشیات بڑے شد و مد کے ساتھ سرکاری معاملات میں دخیل ہو گئی اور وہ اس طرح کہ اول تو "ایک محضر جس کو مسٹر ٹک نے مرتب کیا تھا، الگزنڈر بیرنگ کے توسط سے شہر لندن کے تاجروں کی جانب سے پیش ہوا جس میں آزاد تجارت کی وکالت کی گئی تھی" اور دوسرے یہ کہ ریکارڈو نے اپنی پنج سالہ پارلیمانی زندگی میں نہایت خلوص و محنت کے ساتھ معاشیات کو سرکاری معاملات میں دخیل بنانے کی کوششیں کیں۔ قیمتی فلزات کے سوال پر جو بحث مباحثہ ہو رہا تھا اس کے متعلق ریکارڈو نے چند مضامین لکھے اور اس کے بعد میرے والد اور یم کلاک نے (جن کے مضامین اس زمانے میں ایڈنبرا ریویو میں بہت زیادہ دلچسپی سے پڑھے جاتے تھے) متعدد معاشی مسائل کے تشریحات و توضیحات شائع کئے۔ ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام کی توجہ عام طور پر معاشیات کی طرف منعطف ہو گئی اور خود کابینہ کے چند ارکان بھی ان تحریرات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اس کے ساتھ ہسکسن اور کیننگ نے مل کر تامینی نظام کو بتدریج منہدم کرنا شروع کر دیا اور اس انہدامی کام کو انہیں کے ایک ساتھی

پیل نے ۱۸۴۶ء تک فی الحقیقت ختم کر دیا" گو مسٹر گلاڈسٹن نے اُسکے آخری علائم و آثار ۱۸۶۰ء میں جاکر دور کیئے" اس طرح یہ علم مستعد دماغوں کی توجہ اپنی طرف منعطف کرا رہا تھا مگر یہ تسلیم کیا جاتا تھا کہ اس علم کی حالت عام طور سے متزلزل اور غیر معین ہے علمائے معاشیات کی رایوں کا باہم اختلاف عام شکایت پیدا کر رہا تھا لیکن ان اختلافات اور نقائص کے بہت جلد دور ہو جانے کی قوی امید تھی۔ چنانچہ کرنل ٹارنس نے یہ پیشین گوئی کی کہ "بیس سال کے اندر معاشیات کے اساسی اصول کے متعلق تقریباً تمام شبہات دور ہو جائیں گے" سجوک کہتا ہے کہ "قوانین غلہ کی تنسیخ کے بعد جو خوش حالی رونما ہوئی اُس سے باعمل اشخاص کو اس مجرد استدلال کے صحیح اور موثر ہونے کا کافی اطمینان بخش ثبوت ملا جس سے آزاد تجارت کی ضرورت مستخرج کی گئی تھی" اور جب ۱۸۴۰ء میں "ایک فاضل مصنف نے جدت دکھا کر گزشتہ نسل کے بحث مباحثوں کے خاص خاص نتائج کا ایک بیان اور اسی کے ساتھ موجود الوقت مصنفین کے خیالات مناسب تشریحات و ترمیمات کے ساتھ شائع کئے تو چند سال تک عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ معاشیات کم از کم اس کے بڑے بڑے اصول کا جہاں تک تعلق تھا بحث مباحثے کے دور سے نکل گئی اور بالآخر مستقل بنیادوں پر ایک مستحکم اور صحیح عمارت قائم ہو گئی"

یہ مصنف جان اسٹوارٹ مل (۱۸۰۶ء تا ۱۸۷۳ء) تھا بلاشبہہ ریکارڈو کے بعد انگلستان کی معاشیات پر کسی دوسرے مصنف کا اس قدر قوی اثر نہیں پڑا جتنا کہ جان اسٹوارٹ مل کا۔ اسکی تصنیف کردہ باقاعدہ علمی کتاب، خواہ براہ راست یا دوسرے رسالوں کی وساطت سے جو اس پر مبنی ہیں (اور جن میں خاص طور سے فاسٹ کا رسالہ قابل ذکر ہے) ہمارے زمانے میں ممالک مغربی کیلیے علم معاشیات کی تحصیل کا سرچشمہ بنی رہی لیکن

143

اس ایک وجہ کے ماسوا دوسرے اہم وجوہ بھی ہیں جن کے باعث، جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، یہ مصنف نہ صرف اس شعبۂ علم میں بلکہ دوسرے شعبہ ہائے علوم میں بھی بغایت دلچسپ اور مخصوص حیثیت و شخصیت رکھتا ہے۔

سنہ ۱۸۴۴ء میں اس نے پانچ مضامین "معاشیات کے چند حل طلب سوالات"[1] شائع کئے جو اس سے قبل سنہ ۱۸۲۹ء اور سنہ ۱۸۳۰ء میں لکھے جا چکے تھے، مگر باستثنائے پانچویں مضمون کے، سب غیر مطبوعہ حالت میں تھے۔ وہ سب معاشی اصول ان مضامین میں موجود ہیں جن کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ مل نے علم میں اضافے کیئے۔ پہلے مضمون میں بین الاقوام مبادلات کے قوانین کی بحث ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ جب دو ملک آپس میں دو اشیاء کا مبادلہ کرتے ہیں تو ان اشیائے متبدلہ کی قیمتیں (جن کو ریکارڈو نے ثابت کیا تھا کہ مصارف پیدائش کی بنا پر متعین نہیں ہوتیں) باہمی طلب کے عمل سے قرار پائیں گی۔ اور وہ اس طرح کہ ایک ملک کو دوسرے ملک سے جن اشیاء کی ضرورت ہو اور جن کو وہ ایکدوسرے سے درآمد کریں اُن کی مقداریں ایک دوسرے کی قیمتیں ادا کرنے کے لیئے بالکل کافی ہوجائیں گی۔ یہی وہ قانون ہے جس کو مل نے اپنی تصنیف میں چند ترمیمات و اضافہ کے ساتھ "بین الاقوامی طلب کی مساوات" کے نام سے پیش کیا۔ اس کے بعد مل تجارت بین الاقوام کے منافع کی تقسیم سے بحث کرتا ہے۔ اور اس بحث میں ایک اہم ترین عملی نتیجے پر پہنچتا ہے (گو یہ نتیجہ کسی حال مسلم نہیں ہے) وہ نتیجہ یہ ہے کہ جو محصول بغرض توفیر مداخل سرکاری نہ کہ بغرض تامین لگایا جائے اس میں اس شرط سے تخفیف کرنی چاہیئے کہ دوسرے

[1] Essays on some unsettled questions of P. Economy.

ملک بھی جو اپنے اشیاء انگلستان کو بھیجتے ہیں انگلستان کے ساتھ اسی کے مماثل کوئی تجارتی مراعات ملحوظ رکھیں۔ دوسرے مضمون میں یہ بتایا گیا ہے کہ پیدائش پر صرف کا کیا اثر پڑتا ہے۔ اس میں سب سے عجیب نتائج جو اخذ کئے گئے ہیں وہ یہ قضیے ہیں کہ (۱) غائب باشی ایک مقامی خرابی ہے نہ کہ قومی خرابی (۲) اگرچہ پیدائش کی افراط مستقل شکل اختیار نہیں کرسکتی لیکن ممکن ہے کہ عارضی طور پر افراط ہو اور ایسی افراط کسی ایک شے میں نہیں ہوتی بلکہ عام طور سے تمام اشیاء میں ہوسکتی ہے۔ لیکن اس افراط کا سبب کثرت پیدائش نہیں ہے بلکہ تجارتی اعتبار و اعتماد کی کمی ہے۔ تیسرے مضمون میں محنت، صرف اور خرچ پر "پیدا آور" اور "غیر پیدا آور" کی اصطلاحوں کے اطلاق و استعمال سے بحث کی گئی ہے۔ چوتھے مضمون میں منافع اور سود سے بحث کی گئی ہے اور خاصکر ریکارڈو کے اس مسئلے کی تشریح و توجیہ کی گئی ہے کہ منافع کا مدار اجرت پر ہے۔ "اجرت کی تخفیف سے منافع میں اضافہ ہوتا ہے اور اجرت کے اضافے سے منافع میں کمی ہوتی ہے"۔ ریکارڈو کا مطلب یہ تھا کہ منافع کا مدار مزدور کی اجرت کے مصارف پر ہے، اس لئے مزدور کو جو اشیاء عادتاً درکار ہوتے ہیں ان کی پیدائش کی ترقی و اصلاح سے مزدور کی اجرت صحیحہ میں تخفیف ہوئے بغیر منافع میں اضافہ ہوسکتا ہے۔ آخری مضمون میں معاشیات کی تعریف اور اس کے طریق پر بحث کی گئی ہے جس سے مصنف نے بعد میں چل کر نہایت تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب "اصول منطق"[1] میں بحث کی ہے۔

۱۸۴۸ء میں مل کی ایک تصنیف موسوم بہ "اصول معاشیات اور

[1] System of Logic

اس کے چند اطلاقات فلسفۂ اجتماع پر[1] شائع ہوئی۔ گو یہ عنوان، جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، قابل اعتراض ہے۔ مگر اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف بمقابلہ اپنے متقدمین کے، جو اس علم کا دائرہ نہایت تنگ و محدود سمجھتے تھے، عام طور سے اس پر بہت ہی وسیع اور دقیق نظر رکھتا تھا۔ مل کا مقصد دراصل ایسی تصنیف تیار کرنا تھا جو عام استعمال میں "دولت اقوام" کا جانشین بن جائے، اس لئے کہ اس کی دانست میں "دولت اقوام" کا بیشتر حصہ متروک اور ناقص ہو گیا تھا۔ آدم اسمتھ معاشی کلیات کو ان کے اطلاقات کے ساتھ منسوب کرتا تھا اور اطلاقات پر بحث کرتے وقت وہ اکثر ان امور سے بحث کرتا تھا جو خالص معاشیات کے دائرے سے باہر اور اس سے بہت زیادہ وسیع تھے۔ اسی انداز میں مل کی بھی یہی خواہش تھی کہ ایک طرف تو اسمتھ کے متاخرین نے خاص علم میں جو نتائج اخذ کئے تھے ان سب کو مرلوط کرے اور دوسری طرف خالص معاشی مظاہر کو اپنے زمانے کے عام فلسفۂ اجتماع کے ترقی یافتہ تصورات کے مطابق اسی طرح پیش کرے جس طرح کہ اسمتھ نے معاشی مظاہر کو اٹھارھویں صدی کے فلسفے کے مطابق پیش کیا تھا۔

مگر بلا شبہ مل اس تدبیر میں ناکام ہوا۔ اس کی کتاب "جدید آدم اسمتھ" کے معیار کو نہ پہنچ سکی۔ اس میں شک نہیں کہ یہ کتاب ریکارڈو کی نہایت پاکیزہ اور عمدہ تشریح ہے، جس میں مالتھس کا نظریہ بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ لیکن بہت سی چھوٹی چھوٹی جدتوں کے باوجود اس میں علمی اعتبار سے ریکارڈو کی نسبت

[1] Principles of Political Economy with some of their applications to Social Philosophy.

زیادہ مواد موجود نہیں ہے، بلکہ ایک حد تک کم ہی ہوگا۔ کلف لزلی کا یہ بیان کہ مل نے ریکارڈو کے نظریوں کی اس طرح پر ترمیم و اصلاح کر دی کہ موخر الذکر بھی ان کو بمشکل شناخت کر سکتا تھا یقیناً ایک مبالغہ آمیز بیان ہے۔ بیجہٹ نے اس بارے میں اس سے زیادہ کر دکھایا۔ مل کی کوشش بالعموم یہ ہوتی ہے کہ جہاں کہیں اس کے اُستاد پر اعتراض کیا جاتا ہے وہ اُس کی تردید کرتا ہے اور اپنے اُستاد کو حق بجانب ثابت کرتا ہے اور اُس کے بیان کی مسلمہ بے ربطی کے الزام کو رفع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ریکارڈو کی معاشیات کی خدمت کی جو قدر و منزلت مل کرتا تھا اس کا ثبوت اُس کی کتاب "مضامین"[1] سے مل چکا ہے اس میں مل اُستاد کے حق میں کسی قدر نا انصافی سے کام لے کر کہتا ہے کہ چونکہ ریکارڈو کو ایک علم کی بنیاد قائم کرنی تھی اس لیئے وہ اساسی اُصول کے ماسوا کسی دوسری طرف توجہ نہ کر سکا۔ اور یہ بھی لکھتا ہے کہ "ریکارڈو کے نئے اُصول کو کماحقہٗ سمجھنے کے بعد اُس کے فروع پر حاوی ہونے میں کسی کو کوئی دقت محسوس نہ ہوگی"۔ جیمس مل بھی لازمی طور سے ریکارڈو کا شارح تھا۔ اور اگرچہ جان مل طرز بیان کی دلکشی میں اپنے باپ سے بہت زیادہ بلند درجہ رکھتا ہے۔ لیکن جہاں تک نظریے کا تعلق ہے جیمس اور اس کے فرزند دونوں کا نقطۂ نظر تقریباً ایک ہی ہے۔ عام فلسفیانہ تصورات اور عمرانی مقاصد و نصب العین کے متعلق خیالات کا جہاں تک تعلق ہے پدر و فرزند میں اختلاف ہے اور دونوں کا نقطۂ نظر جداگانہ ہے۔ مثلاً جان مل (فرزند) سن رسیدہ ہونے کے بعد ان سطحی اور نامعقول دلائل کو نظریۂ حکومت میں پیش نہیں کر سکتا تھا جو بقول میکولے جیمس مل

146

[1] Essays on

کی تحریرات میں کافی طور پر نمایاں حیثیت رکھتے ہیں، اور جان کے جذبات اس قدر عالیشان تھے کہ انھوں نے اعلیٰ معاشری مسائل میں اس کو بنتھم کے معمولی اور غیر تربیت یافتہ افادیت سے بہت زیادہ ارفع واعلیٰ کر دیا تھا۔

جان مل نے معاشری مباحث کو بمقابلہ اپنے پیشروؤں کے زیادہ وسیع فلسفیانہ انداز میں بیان کیا تھا۔ اس کی وجہ بلاشبہ بڑی حد تک کونت کا اثر تھا۔ اور بقول بین، مل پر کونت کا اس سے بہت زیادہ احسان تھا جتنا کہ خود مل تسلیم کرنے کے لئے تیار تھا۔ اگر مل اس سے زیادہ کامل طور پر متاثر ہوا ہوتا تو ہمیں بعض اوقات یہ کہنے کی جرات ہوتی ہے کہ اُس کے ہاتھوں معاشیات کی کامل اصلاح و ترمیم ہو جاتی اور جو نقائص اس وقت موجود ہیں وہ محتاج اصلاح باقی نہ رہتے۔ ہمارا علم ملی طریق سے مستغنی اور آزاد ہو جاتا اور صنعتی زندگی کے ایک حقیقی نظریئے کی بنیاد وسیع ترین معنوں میں مشاہدات پر قائم ہو جاتی۔ لیکن غالباً ابھی ایسی تعمیر کا وقت نہیں آیا تھا۔ اور ممکن ہے کہ خود مل کے عقلی و ذہنی نقائص نے اس کو اس کام کا اہل ثابت نہ کیا ہو۔ کیونکہ روشر کا قول ہے کہ "وہ تاریخی دماغ نہ رکھتا تھا"۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو اتنا یقینی ہے کہ اُسکی ابتدائی تعلیم و تربیت کے اثرات نے جس میں ایجابی عناصر کی مابعد الطبیعی عناصر سے بڑی حد تک آمیزش ہوئی تھی فی الحقیقت اُس کی کامل اور صحیح تر دماغی نشو و نما میں رکاوٹ پیدا کی۔ وہ کبھی ان مذموم رجحانات پر غلبہ نہ پاسکا جو اُس کے باپ کی تعلیم سے اور پیروان بنتھم کے اثر سے، جس میں اُس نے نشو و نما پائی تھی اسکو ملے تھے۔ چنانچہ روشر کے ایک عجیب و غریب قول[1] کے مطابق

[1] Zu wenig Aus Einem Gusse.

حیات کے متعلق اُس کا جو نقطۂ خیال تھا اُس میں تذبذب اور کجی تھی۔ عہد طفلی میں اُس کو نہایت تنگ و محدود اُصول کی تعلیم دی گئی تھی اور بعد میں اُس نے وسیع خیالات قائم کیئے تھے۔ ان دونوں عہدوں کے خیالات کی آمیزش نے اُس کے پورے فلسفے کو غیر معیّن اور متزلزل بنا دیا۔ چنانچہ اس کی عام خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی جگہ ایک قطعی نتیجے پر نہیں پہنچتا۔ وہ رجحانات کو نئے نئے خیالات کی شکل میں ظاہر کرتا اور مختلف شعبوں میں نئے نئے نظریئے قائم کرتا ہے مگر اس سب کے باوجود کسی معیّن نتیجے یا فیصلے پر نہیں پہنچتا۔ اور اس کا استدلال ناقص اور غیر مکمل ہی نہیں ہوتا بلکہ غیر مربوط بھی ہوتا ہے۔ پھر بھی اس کی یہی غیر معیّن اور مشکوک حیثیت بظاہر اُس کی زندگی میں ہمارے لیئے ایک خاص دلچسپی پیدا کرتی ہے۔ وہ اسی عجیب و غریب طریقے سے تغیرات کی تیاری کرنے اور اُس میں سہولتیں پیدا کرنے کے قابل ہوتا ہے۔

مِل کی تصنیف کی ممتاز خصوصیت خود اُسی کے بقول وہ نمایاں فرق ہے جو نظریۂ پیدائش اور نظریۂ تقسیم دولت میں قائم کیا گیا تھا۔ اور وہ یہ ہے کہ پیدائش دولت کے قوانین ناقابل تغیر فطری واقعات پر مبنی ہیں اور اس کے برعکس تقسیم دولت کے حالات میں مُلک کے وقتاً فوقتاً بدلنے والے آئین و قوانین کے مطابق تبدیلی ہوتی ہے۔ ہمارے خیال میں یہ ضروری معلوم

147

۱ؔ مسٹر جان مارلے نے اپنی کتاب Critical miscellanies (متفرق انتقادات) میں بعنوان "مذہب کے متعلق مل کا خیال" حیرت و استعجاب کا اظہار کیا ہے کہ مل کی وفات کے بعد مل کی جو کتابیں شائع ہوئیں اُن میں مصنف نے ایسے خیالات کا اظہار کیا ہے جو ان فلسفیانہ اصول سے نمایاں تضاد رکھتے ہیں جن کو وہ اپنی زندگی بھر میں نہایت شد و مد کے ساتھ پیش کرتا رہا۔

ہوتا ہے کہ اس فرق کو بہت زیادہ مطلق طریقے پر بیان نہ کیا جائے اس لئے کہ تنظیم پیدائش میں بھی معاشری ترقی کے ساتھ تبدیلی ہوا کرتی ہے اور جیسا کہ لاڈر ڈیل نے ایک مدت قبل ثابت کر دکھایا تھا کسی قوم میں تقسیم دولت کی جو نوعیت ہوتی ہے اس کا اثر پیدائش پر پڑتا ہے۔ لیکن اس فرق میں کافی اصلیت و حقیقت ہے اور اس کو تسلیم کر لینے کے بعد یہ اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ تقسیم دولت کے موجودہ طریقے میں کس طرح اصلاح کی جا سکتی ہے؟ جتنی جتنی مل کی عمر بڑھتی گئی اتنا اتنا وہ اس مسئلے کی تحقیق میں اشتراکیت کی طرف زیادہ مائل ہوتا گیا۔ اور اگرچہ وہ آخر تک اپنی کتاب میں (خواہ اس میں کچھ ہی تبدیلیاں ہوئی ہوں) اصول عاقلانہ خود غرضی سے ریکارڈو کے نظریئے مستخرج کرتا رہا۔ لیکن وہ ایک ایسے نظام اشیاء کا متلاشی رہا جس میں تعاون، ہمدردی عام پہ مبنی ہو۔

قوم کی معاشی تنظیم کے متعلق مل کے خیالات میں بتدریج جو تغیر واقع ہوا اس کو مل اپنی کتاب "سوانح"[a] میں بیان کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اوائل عمر میں اجتماعی امور کی اساسی اصلاح کے امکانات کے متعلق اس کی نظر معاشیات کے "قدیم مسلک" (یہ خاص لقب غور طلب ہے) سے زیادہ متجاوز نہ ہوئی تھی اور شخصی یا خانگی ملک (اس اصطلاح کا جو جدید مفہوم ہے اس کے لحاظ سے) اور توریث وضع آئین و قوانین کی بہترین اور کامل ترین صورت معلوم ہوتی تھی۔ وہ ابتدائے دنیا میں مالداروں کی قلت اور اہل اخلاس کی کثرت کو ناانصافی خیال نہ کرتا تھا اور نہ اس عدم مساوات کو دور کرنے کا کبھی کوئی وہم و گمان رکھتا تھا۔ لیکن اب اس کے خیالات میں اس قسم کا

148

[a] Autobiography.

تغیر واقع ہوا تھا کہ اُس کو قطعاً اور عام طور سے "اشتراکی" کا لقب دیا جا سکتا تھا۔ اُس کے تصورات نے اس کو اس نتیجے پر پہنچایا تھا کہ اُس کے زمانے کی معاشی زندگی کا پورا نظام محض عارضی اور ہنگامی تھا اور یہ کہ ایک وقت ایسا آئیگا جب کہ محنت کی پیداوار کی تقسیم کا مدار بجائے حادثۂ حسب و نسب پر ہونے کے، جیسا کہ اب تک بڑی حد تک ہو رہا تھا، متفقہ طور پر مسلّمہ اصول انصاف و مساوات پر قائم کیا جائے گا۔ اُس کے خیال میں مستقبل کا معاشری سوال یہ تھا کہ بیشترین آزادیٔ عمل کو (جس کو اشتراکیوں کے تدابیر میں اکثر نظر انداز کیا جاتا تھا) کرۂ ارض کی پیداوار خام کی مشترکہ ملکیت اور متحدہ محنت کے ثمرات کی مساوی تقسیم سے کس طرح پر متحد کیا جائے۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ خیالات اُس کی کتاب اصول معاشیات کے پہلے ایڈیشن میں ظاہر نہیں کیئے گئے تھے۔ دوسرے ایڈیشن میں زیادہ توضیح کے ساتھ ظاہر کیئے گئے اور تیسرے ایڈیشن میں قطعی طور پر پوری صراحت کے ساتھ بیان کیئے گئے کیونکہ ۱۸۴۸ء کے انقلاب فرانس نے عوام میں نئے نئے خیالات قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کر دی تھی۔

اس طرح مِل کو ایک نئے معاشی نظام کا متوقع و منتظر ہے پھر بھی وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس نظام کو شروع ہونے کے لیئے ابھی ایک مدت دراز درکار ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس دوران میں ذاتی مفاد و اغراض کے ترغیبات ناگزیر رہیں گے۔ روحانیات کے قضیے میں بھی وہ اسی قسم کے توقعات قائم کرتا ہے اور یہ پیشین گوئی کرتا ہے کہ بالآخر خدا پرستی کا خاتمہ ہو جائے گا اور اسکی جگہ ایک خالص انسانی مذہب قائم ہو جائے گا۔ لیکن یہ خیال کرتا ہے کہ موجود الوقت مذہب کی ضرورت ابھی ایک مدت دراز تک بطور مہیج باقی رہیگی اور وہی انسان کے اعمال کی نگرانی و تربیت کریگا

اس طرح وہ موجود الوقت عمارت کو تو منہدم کر دیتا ہے مگر نئی تعمیر
کے لیئے مسالہ فراہم نہیں کرتا اور وہ جن چیزوں کو کلیتہً مذموم قرار دیتا
ہے انہی کو ایک غیر معین زمانے تک محفوظ رکھنے پر زور دیتا
ہے۔ یہی نہیں بلکہ وہ ایک طرف تو معاشری تنظیم کو اشتراکیت کی
صورت میں مبدل کرنے کے لیئے تخم بوتا ہے اور دوسری طرف
149 زمانۂ قریب میں ایسے انتظامات کرنے کی وکالت کرتا ہے جن سے
صنعتی دنیا میں اس کے برعکس نتائج رونما ہوں۔ اگرچہ کاشتکاروں
کی تملیک زمین کا رجحان صاف طور پر انفرادیت کی طرف ہے
پھر بھی وہ اپنی کتاب کے ابتدائی حصے میں اس کی بہت مبالغے
کے ساتھ تعریف کرتا ہے اور اس موقع پر اس مدح سرائی سے ہاتھ روکتا ہے جبکہ وہ
مزدوری پیشہ طبقے کے مستقبل پر بحث کرتا ہے اور پیدائش میں نام نہاد تعامل کا نظام، جس کی
وہ مابعد ایڈیشن میں اس قدر گرمجوشی کے ساتھ سفارش کرتا اور اس طرح
اپنے پیروؤں کے لیئے یہ موقع بہم پہنچاتا ہے کہ وہ اسی کو ایک
واحد ضروری چیز قرار دے کر اسی پر زور دیں، ایک ایسا نظام
ہے جو شخصی ملکیت کے اصول کو بلا شبہہ تقویت پہنچائیگا اور اگرچہ
اس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس کی وجہ سے انفرادی مقابلے
کی بجائے اجتماعی مقابلہ صورت پذیر ہوگا لیکن اس سے افراد
کلیتہً خارج نہیں ہو سکتے۔

مل مزدوروں کی فلاح و بہبود کو مالتھس کے اخلاقیات
پر بلا استثنا مشروط قرار دیتا ہے اور اس طرح ان اخلاقیات پر
بہت زیادہ اور ناواجب زور دیتا ہے۔ گو بقول بین اس مبحث پر
اس کے صحیح خیالات کا پتا لگانا اسی قدر مشکل ہے جس قدر کہ اسکے
باپ کے خیالات کا۔ ہمارے لیئے یہ خیال کرنے کی کوئی
وجہ نہیں کہ اس نے کبھی آبادی پر بندشیں قائم کرنیکی ضرورت کے بارے
میں اپنے خیالات میں تبدیلی کی۔ بریں ہمہ یہ عنصر اس اشتراکی تحریک

کے لیئے نیا معلوم ہوتا ہے جس کی طرف وہ روز بروز زیادہ مائل ہوتا گیا۔ کم از کم یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ اہل وعیال کی کفالت کی انفرادی ذمہ داری کے قطع نظر اس چیز کی جس کو مالتھس اخلاقی اجتناب کہتا ہے کس طرح پر کامل طریقے سے تعمیل کرائی جا سکتی ہے۔ یہی مشکل درحقیقت ایک بڑا بھاری نقص ہے جس نے بقول مالتھس گاڈون کی تجویز کو بگاڑ دیا۔

ہمیں مل کے صفات کی بہت زیادہ تعریف کرنی چاہیئے کہ وہ نئے نئے خیالات کا پرستار اور اصلاح کے لیئے سرگرم ہے۔ لیکن ان عمدہ دماغی صفات کے ساتھ ساتھ اس میں عملی حس کی کمی اور انسانی حیات کے ضروری حالات کو تسلیم و قبول کرنے کا رجحان بھی موجود ہے۔ اور وہ معمولی طریقے پر زندگی بسر کرنے پر قانع نہیں معلوم ہوتا بلکہ تعیش کے ساتھ بسر کرنے کا آرزومند ہے۔ وہ صنف نازک کے حقوق، اور ان کے فرائض اور ان کی محکومیت کے متعلق عجیب اور مبالغہ آمیز بلکہ بے سروپا خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ وہ مزدوروں کو ہمت دلاتا ہے کہ بحیثیت ایک جماعت کے اپنی ابدی غلامی اور اجرت پر گزارہ کرنے کے طریق کے خلاف سخت ترین احتجاج کریں۔ مگر اس بات کا کوئی اطمینان بخش ثبوت نہیں پیش کرتا کہ اس صورت حالات میں تبدیلی کی صلاحیت ہے اور نہ یہ بتاتا ہے کہ یہ صورت حال اگر قانونی اور اخلاقی ذرائع سے اس کا انضباط کیا جائے، تو مزدوروں کی حقیقی خوشحالی کے منافی ہے۔ وہ مزدوری پیشہ جماعت کی "آزادی" پر (جو بقول اس کے اس کے لوازم میں سے ہے) اس طرح زور دیتا ہے جس سے یہ حقیقت کہ صاحبان دولت و ثروت کو فطری طور پر حکومت بھی ودیعت کی جاتی ہے اور ان کا فریضہ ہے کہ اس کو عامۃ الناس اور خصوصاً غیر مستطیع طبقے کے مفاد کی غرض سے کام میں لائیں اگر مسترد نہیں ہوتی تو کم از کم موہوم ہو جاتی ہے اور وہ بعض سطحی اور

150

خیالی تجاویز کو نہایت ناواجب اہمیت کے ساتھ پیش کرتا ہے مثلاً یہ کہ اختیارات توریث کو محدود کیا جائے اور غیر مکتسب لگان کو بحق سرکار ضبط کر لیا جائے۔
معاشی طرز تحقیق کے بارے میں بھی اُس نے اپنا استدلال بدل دیا، پھر بھی آخر تک غیر معین اور متزلزل رہتا ہے۔ اُس نے اپنے ابتدائی مضامین میں سے پانچویں مضمون میں یہ امر منوانے کی کوشش کی تھی کہ علوم عمرانی میں تحقیقات کا واحد طریق لمّی یا اوّلی طریق ہے اور یہ کہ ان علوم میں اِنّی یا غیر اوّلی طریق بیکار اور بے اثر ہوتا ہے اور اُس کے ذریعے سے کوئی مفید حقیقت قابل لحاظ مقدار میں دریافت نہیں ہوسکتی۔ جب اُس نے ایک کتاب "منطق[1]" تصنیف کی تو اُس نے کونت سے یہ سیکھا کہ علوم عمرانی میں تحقیق کا واحد طریق اِنّی یا "غیر اوّلی" طریق ہے (وہ اس طریق کو معکوس استخراج کہتا ہے)۔ اور محض اس اعتراف ہی سے اُس کا مذکورہ بالا مضمون بالکل ناکارہ اور متروک ہوجاتا ہے۔ لیکن وہ اپنی اوائل زندگی کے لمّی یا اوّلی طریقے سے دست بردار نہیں ہونا چاہتا اور معاشی تحقیقات کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ ان میں سے ایک میں بالضرور اس طریق کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔ بعض اوقات وہ یہ لکھتا ہے کہ معاشیات، عمرانی علوم کا ایک شعبہ ہے اگرچہ دوسری طرف اُس کی باقاعدہ اُصولی تصنیف کے عنوان سے یہ شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ معاشیات کو فلسفۂ عمرانیات سے کوئی لگاؤ ہی نہیں ہے اور معاشیات سے عمرانیات کے مطالعے کی ابتدا نہیں ہوتی اسطرح منطقی اور اُصولی پہلو پر وہ دو متضاد خیالات کے مابین قائم رہتا ہے۔ پھر بھی اُس کے تذبذب، شبہات اور تردیدات کے باوجود

[1] "Logic"

جہاں تک طریق کا تعلق ہے وہ قدیم مسلک کا ہی رکن رہا اور نئے یا تاریخی مسلک میں داخل نہیں ہوا جس پر مستقبل کا دار و مدار ہے۔

جے۔ای۔کیرنس | 161

مِل کے شاگرد رشید جان ایلیٹ کیرنس (۱۸۲۳ء تا ۱۸۷۵ء) نے بھی معاشی طریق کے سوال پر بحث کی اور اس پر ایک جداگانہ کتاب[1] تصنیف کی۔ پروفیسر واکر کا قول ہے کہ کیرنس نے جس طریق کی وکالت کی تھی وہ مِل کے پیش کردہ طریق سے مختلف ہے اور جرمنی کے تاریخی مسلک کے طریق کا مثنیٰ نہیں تو اس سے مماثلت ضرور رکھتا ہے۔ لیکن یہ یقیناً ایک غلط بیان ہے۔ بظاہر اگرچہ کیرنس کے خیالات میں بعض اوقات تذبذب پایا جاتا ہے لیکن وہ استخراجی طریقے کا نہایت سرگرم وکیل ہے۔ وہ صاف طور پر لکھتا ہے کہ معاشیات میں استقرائی طریق کے لیئے قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ کہتا ہے کہ "ایک عالم معاشیات کو اپنی تحقیق کا کام شروع کرنے سے قبل ہی ان اسباب وعلل کا علم ہوتا ہے جو قرنوں کی دقت طلب تلاش کے بعد عالم طبیعات کو معلوم ہوتے ہیں۔" سینیر نے تمام معاشی حقائق کو چار ابتدائی اصول سے اخذ کرنے کا دعویٰ کیا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ کیرنس اُس کے نقطۂ نظر سے آگے بظاہر قدم نہیں بڑھاتا۔ گو مِل اپنی کتاب "منطق" میں یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ معاشی قوانین کو ثابت کرنے کا لازمی طریقہ تصدیق ہے۔ لیکن کیرنس یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ "چونکہ معاشی قوانین مظاہر کی نوعیت اور ان کے تسلسل کے متعلق کوئی دعویٰ نہیں ہوتے (اگرچہ علم میں قانون کی اس سے زیادہ کیا حیثیت ہوسکتی ہے؟) اس لیئے اُن کو اعداد و شمار کے ذریعے سے یا واقعاتی شہادت کے ذریعے سے صحیح یا غلط ثابت نہیں کیا جاسکتا۔" ایک اصول جو

[1] Logical method of P. Economy (1857)

مظاہر کی صحیح ترجمانی نہیں کرتا مظاہر کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔ اس میں شبہہ نہیں ہو سکتا کہ کتاب نہایت قابلیت سے لکھی گئی لیکن بعض اعتبارات سے وہ معاشی طریق میں ترقی معکوس کو ظاہر کرتی ہے اور آئندہ کے لیئے یہ کتاب محض تاریخی حیثیت سے دلچسپ ہو سکتی ہے۔

اس طرح سے نظر ڈالی جائے تو مل اور کیرنس نے طریق کے متعلق جو خدمات انجام دیئے، اگرچہ وہ حقیقت میں غیر صحیح تھے، اُن کا اثر سلبی حیثیت سے بہت بڑا پڑا۔ انھوں نے معاشیات کی قدیمی حالت کو بالکل متغیر کر دیا اور اُس کے مبالغہ آمیز دعووں میں دو قسم کے ترمیمات کیئے اور یہ دونوں عام طور سے صحیح تسلیم کیئے جاتے ہیں۔

(۱) پہلی ترمیم یہ کہ اگرچہ ریکارڈو کو اس میں ہرگز شبہہ نہ تھا کہ وہ اپنے 152 مباحث میں حقیقی انسانوں اور اُن کے روزمرہ کے حالات سے بحث کر رہا ہے، مگر مل اور کیرنس نے یہ ثابت کیا کہ ریکارڈو نے علم کا جو تصور قائم کیا تھا وہ لازماً ایک مفروضی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ اسمیں جو نتائج اخذ کئے گئے ہیں وہ غیر حقیقی اور فرضی ہیں یا کم از کم ایسے مفروضا ہیں جن میں طرفدارانہ انداز اختیار کیا گیا ہے مثلاً سب سے اہم نام نہاد "معاشی انسان" کے وجود کا مفروضہ ہے جس میں یہ فرض کیا گیا ہے کہ معاشی انسان کے دل میں دو قسم کے خواہشات موجزن ہوتے ہیں۔ ایک تو اکتساب دولت کی خواہش اور دوسرے محنت کی تکان سے بچنے کا خیال۔ اس تصور کے لحاظ سے جو مقدمات قائم کیئے گئے ہیں اُن کے نتائج صرف اسی حد تک قابل اعتبار ہو سکتے ہیں جس حد تک وہ حقیقی واقعات کے مطابق ہیں۔ معاشیات کے علم پر اس طرح نظر ڈالنے کے خلاف سینیر نے اس بنا پر احتجاج کیا تھا کہ بقول اُس کے اس سے اُس کی حقیقی معاشری تاثیر میں کمی ہو جاتی تھی اگرچہ اُس کا یہ احتجاج سودمند ثابت نہ ہوا۔ مگر ٹارنس نے

جو پہلے ہی ریکارڈو کے اُصول کی مخالفت کرچکا تھا آن کے پیش کردہ نئے اُصول معاشیات کو بے انتہا پسند کیا کیونکہ اُن کی مدد سے وہ ریکارڈو کے نظریوں کے محاسن واستقام بخوبی جانچ سکتا تھا اور اُن میں امتیاز پیدا کرسکتا تھا۔

(۲) دوسرے یہ کہ اکثر یہ کہا جاتا تھا کہ علم المعیشت کے دوش بدوش فن معیشت بھی موجود ہے۔ یعنی یہ کہ اول الذکر معاشی مظاہر کے متعلق قوانین کی تحقیق کرتا ہے اور موخرالذکر صحیح معاشی عمل کی ہدایت کرتا ہے۔ اور اکثر اشخاص نے یہ فرض کرلیا تھا کہ اگر علم تیار ہوگیا تو فن کی تخلیق وتکوین کوئی دشوار کام نہیں، یعنی محض نظریوں کو مشوروں اور قواعد کی صورت میں بدل دینے سے فن مرتب ہوجائے گا۔ لیکن مل اور کیرنس نے اس کو واضح کردیا کہ یہ بیان تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ کہ جسطرح صرف ایک ہی شعبۂ علم سے چند قوانین اخذ کرکے زندگی کو اُن کا پابند نہیں بنایا جاسکتا اسی طرح معاشی عمل کو بھی اُن کا پابند نہیں بنایا جاسکتا۔ اور یہ کہ معاشیات کے مطالعے سے بلاشبہہ بہت سے خیالات ملتے ہیں لیکن محض معاشیات کو عمل کی ہدایت کا واحد ذریعہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس کے لیئے انسانی معاملات پر بہت زیادہ وسیع نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ اس معاملے کی بہترین تشریح کونت کے تقسیم علوم (یا علوم کی درجہ بدرجہ تقسیم) کے حوالے سے ہوسکتی ہے۔ سب سے آسان علم یعنی ریاضیات سے شروع کرکے ہم بتدریج ہیئت، طبیعات، کیمیا، حیاتیات اور اس کے بعد پھر عمرانیات کی طرف بڑھتے ہیں۔ اس سلسلے کے ساتھ آگے قدم بڑھائیے تو ان علوم میں وہ سب قوانین معلوم ہوں گے جو غیر نامیاتی اور نامیاتی عالم میں اور اجتماع انسانی کے مظاہر سے متعلق ہیں۔ اس کے بعد ایک اور منزل باقی رہ جاتی ہے جس کو اخلاقیات کہتے ہیں اور اسی مقام پر نظریئے اور عمل کے شعبے باہم ملتے ہیں۔ کیونکہ عمل کے ہر عنصر پر باعتبار عام مفاد کے

نظر ڈالنی پڑتی ہے۔ آخری ترکیب میں تمام سابقہ تحلیلات کو یہ معلوم کرنے کی غرض سے بطور آلات استعمال کرنا پڑتا ہے کہ اشیاء اور انسانوں کی ہر حقیقی صفت کو انسانی فلاح و بہبود کے لیئے کس طرح کام میں لایا جاسکتا ہے۔

153

کیرنس کی اہم ترین معاشی تصنیف اُس کی آخری کتاب ہے[ا]۔ اس کتاب کے مکمل علمی تصنیف ہونے کا دعویٰ تو نہیں کیا گیا ہے مگر اس میں سابقہ مصنّفین کے معاشی اصول کے تشریحات کی تنقید و ترمیم کی گئی ہے اور ان حدود پر تفصیلی نظر ڈالی گئی ہے جن کے اندر ان اُصول کو سمجھنا چاہیئے اور اُن کے مستثنیات بھی پیش کیئے گئے ہیں جو خاص خاص حالات میں رونما ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس تصنیف سے مصنّف کی اعلیٰ قابلیت کا بیّن ثبوت ملتا ہے لیکن اس سے وہ چیز بھی ظاہر ہوتی ہے جسے بجا طور پر کیرنس کی دماغی کمزوری کہا گیا ہے۔ یعنی اس میں ذہنی ہمدردی کی بھی کمی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ اکثر حقیقت کے ایک پہلو سے زیادہ پر نظر نہیں ڈال سکتا۔

کتاب کے تین حصّے ہیں جن میں علی الترتیب (۱) قدر (۲) محنت و اصل اور (۳) بین الاقوامی تجارت کی بحث ہے۔ پہلے حصّے میں لفظ قدر کی تشریح اور اُس کے بعد جیونس کے اس خیال کی تردید کی گئی ہے کہ "کسی شئے کی قدر مبادلہ کا انحصار کلیۃً اسکے افادے پر ہے" جس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ وہ غالباً جیونس کے مفہوم کو نہیں سمجھا۔ جس طرح قبل ازیں تھے نے ثابت کیا تھا کیرنس بھی مسئلۂ رسد و طلب کے بارے میں یہ بتاتا ہے کہ

[ا] Some Leading Principles of Political Economy newly expounded, ed. 1874

رسد و طلب بحیثیت مجموعی ایک دوسرے سے علیحدہ اور آزاد نہیں ہیں بلکہ آپس میں گہرا تعلق رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کا تابع ہے۔ یعنی اشیا کے ادل بدل کے طریق کے تحت یہ دونوں چیزیں ایک ہی ہیں اور نظام زر میں یہ دو جداگانہ حیثیتیں اختیار کرسکتی ہیں خاص خاص اشیاء کے بارے میں جب رسد و طلب کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے یہ مفہوم لینا ضروری ہے کہ ایک مقررہ قیمت پر رسد و طلب کا توازن ہوتا ہے اور اس طرح بازاری قیمت اور معمولی قیمت سے ہم متعارف ہوتے ہیں (اور موخر الذکر قیمت کو وہ شرلولتیز کی تقلید میں اسمتھ کی اصطلاح کے مطابق قدرتی قیمت سے موسوم کرتا ہے) اور پھر معمولی قیمت سے مصارف پیدائش کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اور اس مقام پر وہ مل اور دیگر مصنفین کے برعکس اس امر سے انکار کرتا ہے کہ "منافع اور اجرت مصارف پیدائش میں شامل ہیں" بالفاظ دیگر وہ اس چیز کو تسلیم کرانا چاہتا ہے جس کو سینیر نے (جس کا وہ اس مقام پر نام نہیں لیتا) اس سے قبل پیش کیا تھا اگرچہ سینیر نے اصطلاحات اسی قسم کی پابندی کے ساتھ استعمال نہیں کئے تھے کہ "مصارف پیدائش مجموعہ ہے محنت و اجتناب کا جو پیدائش کے لئے ضروری ہو۔ اور اجرت و منافع مصارف پیدائش کا عنصر نہیں ہیں بلکہ ایثار کا معاوضہ ہیں" لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مقدار محنت کے ساتھ انتظار کشی و اجتناب کو کس طرح پر جوڑ سکتے ہیں؟ کیا منافع و اجرت کو پیمانہ "مصارف" شمار نہ کرنا چاہیئے؟ کیرنس "ایثار" کے تصور پر قائم رہ کر اس دعوے کو جھوٹا کر دکھاتا ہے کہ "انگریزی تجارت کی راہ میں گرانی محنت بہت بڑی رکاوٹ ہے" اس جملے میں "انگریزی تجارت" سے اصلاً اس کا منافع مراد ہے۔

اس مقام پر ہم ایک ایسے اصول سے روشناس ہوتے ہیں جس کی اب سب سے پہلے تشریح ہوئی ہے، اگرچہ مل کی تصنیف میں اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ سچ پوچھئے تو مل کے ہی

قانون بین الاقوامی قدر کی یہ تشریح و توضیح ہے۔ تجارت خارجہ میں مصارف پیدائش سے (کیرنس کے مفہوم کے لحاظ سے) قیمتوں کی تنظیم نہیں ہوتی۔ اس لیئے کہ مصارف پیدائش سے یہ فعل سوائے اس حالت کے جبکہ موثر مقابلہ و مسابقت کا دور دورہ ہو، انجام نہیں پا سکتا، اور موثر مسابقت مختلف ممالک کے درمیان اسوقت موجود نہیں ہے لیکن کیرنس یہ سوال کرتا ہے کہ ملکی صنعتوں میں مسابقت کا وجود کس حد تک پایا جاتا ہے؟ جہاں تک اصل کا تعلق ہے وہ یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ ہر طرف مقابلہ موجود ہے۔ ہماری رائے میں اس کا یہ جواب محتاج تشریح ہے کیونکہ اصل دائر کے علاوہ بہت سا حصہ اصل قائم کا بھی ہے جو عملاً قابل انتقال نہیں ہے۔ لیکن مزدوروں میں جو ضروری مقابلہ ہوتا ہے وہ صرف چند معاشری اور صنعتی طبقوں سے مخصوص ہے۔ صنعتی طبقوں کی گروہ در گروہ تقسیم کی جاسکتی ہے اور یہ گروہ مقابلے سے عملاً ناآشنا ہوتے ہیں اور ان میں کے وہ زائد مزدور جو کام کرنے پر آمادہ ہوں وہ بھی عدم مہارت کی وجہ سے اعلیٰ پیشوں میں کام کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے[1] چنانچہ یہ قانون کہ مصارف پیدائش کی بنا پر قیمت متعین ہوتی ہے نہ صرف داخلی تجارت میں بلکہ خارجی تجارت میں بھی مطلق اور عام طریقے سے

---

[1] علمائے معاشیات عام طور سے یہ فرض کرنے کے خوگر ہیں کہ کسی ملک میں (اُس کے معاشی مفہوم کے لحاظ سے) شرح منافع اور شرح اُجرت کی سطح بہتے پانی کی طرح یکساں رہتی ہے جس میں عارضی اثرات کی وجہ سے مسلسل خلل واقع ہوتا رہتا ہے اور جو ہمیشہ اپنی اصولی سطح پر عود کرتی رہتی ہے۔ لیکن ہمیں ان مختلف ملکوں میں جو شرحیں ہوتی ہیں اُن کی تمثیل ایسے مخزن ہائے آب سے دینی چاہیئے جو ایکدوسرے سے تعلق نہیں رکھتے اور جنکی سطحیں ہمیشہ مختلف گو تغیر پذیر ہوتی ہیں۔ اور یہ موخرالذکر مثال ایسی شرحوں پر بھی؟ کم انکم شرح اجرت پر) صادق آتی ہے جو کسی ایک قوم کے مختلف معاشی گروہوں میں رائج ہوں۔

بیان نہیں کیا جا سکتا جس طرح یہ قانون تجارت خارجہ یا بین الاقوام تجارت کے بارے میں عام طور سے صادق نہیں آتا اسی طرح داخلی تجارت کے بارے میں بھی مقابلہ نہ کرنے والے گروہوں کی حد تک صادق نہیں آتا۔ ان کے لیے جو قانون صادق آتا ہے وہ اسی طرح کا قانون ہے جو بین الاقوام قدر کی تنظیم کرتا ہے اور جس کو باہمی طلب کی مساوات کہا جا سکتا ہے۔ ان گروہوں کی پیداواروں میں اضافی قیمتوں کی ایسی حالت خود بخود قائم ہو جائے گی جو ہر گروہ کی پیداوار کے اس جزو کی قیمت کو جو دوسرے تمام گروہوں کی پیداوار کے خریدنے میں صرف ہو اس قابل بنا دیگی کہ وہ جزو اُس گروہ کے ذمے کے واجب الادا رقوم کو ادا کر سکے۔ گروہوں کی باہمی طلب قیمتوں کی "اوسط اضافی سطح" کو ہر گروہ میں متعین کرتی ہے اور اس کے برعکس ہر گروہ کی انفرادی پیداواروں کی قیمت مصارف پیدائش کی بنا پر متعین ہوتی ہے۔ غالباً یہ نظریہ کوئی زیادہ عملی قدر و قیمت نہیں رکھتا۔ لیکن پوری تحقیق کا رجحان یہ ہے کہ مصارف پیدائش کی اہمیت کو گھٹایا جائے اور یہ ثابت کیا جائے کہ معمولی قیمت مصارف پیدائش کی بنا پر منتظم نہیں ہوتی۔ اور اس طرح اس کا رجحان یہ ثابت کرنا ہے کہ معاشیات کے ایک اور مسلمہ نظریئے کی تشریح بہت زیادہ قطعی اور شدید طریقے پر کی گئی تھی۔ مل نے بازاری قیمت کی تعریف یہ کی تھی:۔ "وہ قیمت جو رسد و طلب میں مساوات پیدا کرے" مگر کیرنس یہ تعریف کرتا ہے:۔ "وہ قیمت جو سب سے زیادہ فائدے کے ساتھ موجودہ رسد کو موجودہ طلب کے ساتھ اُس وقت تک متوازن رکھے جب تک کہ پیدائش کے ذریعے سے تازہ رسد مہیا ہو۔

اُس نے اپنی کتاب کے دوسرے حصے میں اُس چیز کی تائید کی ہے جس کو اُصول اجرت فنڈ کہا جاتا ہے اور جس پر ہم سینیر کی تنقید کے سلسلے میں بحث کر چکے ہیں۔ تھارنٹن کے استدلال کی بنا پر

155

مل تو قائل ہوگیا تھا کہ یہ مسئلہ غلط ہے اور اسی لیئے اس کی بحث کو اُسنے ترک کردیا تھا۔ لیکن کیرنس اپنے اُستاد کی تقلید سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مل کو اس طرح قائل نہ ہونا چاہیئے تھا۔ لونگ نے "وسط شرح اجرت" کی اصطلاح پر جو نکتہ چینی کی تھی کیرنس اُس کا مغالطہ آمیز جواب دیتے ہوئے اُصول زیر بحث کی تائید کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ قوم کی دولت کا وہ حصہ جو کسی وقت ادائی اجرت کے لیئے وقف ہو قوم کے مشترکہ اصل کی مقدار سے ایک معین تعلق رکھتا ہے بشرطیکہ قومی صنعتوں کی نوعیت اور طریقہ ہائے پیدائش کی حالت یکساں رہے۔ اگر مشترکہ اصل مقررہ ہو تو اجرت فنڈ کی مقدار بھی مقررہ ہوگی۔ اس مسئلے پر اپنے خیالات کی تشریح کرتے ہوئے وہ اس اُصول پر (جو بڑی حد تک صحیح ہے مگر مل نے اس کو بہت زیادہ قطعی شکل میں پیش کیا تھا) زور دیتا ہے کہ "اشیاء کی مانگ محنت کی مانگ نہیں ہے"۔ اس مقام پر اسکی تحقیق کا مزید حال دریافت کرنا فضول ہے کیونکہ اس کے استدلال سے اُس کے متاخرین بجز فاسٹ کے مطمئن نہیں ہیں اور مسئلۂ اجرت پر آجکل بغیر فرضی معینہ اجرت فنڈ کے حوالے کے عام طور پر بحث کی جاتی ہے۔ اس کے بعد کیرنس اجرت کے تعلق سے انجمن اتحاد مزدوراں کے طریق پر بحث کرتا ہے اور آخر میں اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ یہ تحریک اتحاد صرف ایک طریقے سے شرح اُجرت کو متاثر کرسکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ شرح اجرت میں جو اضافہ اس اتحاد کے بغیر بھی ممکن ہے وہ اتحاد اس اضافے کی رفتار کو زیادہ تیز کردے۔ وہ اس موقع پر مسٹر براسی کے (جواب لارڈ ہیں) معروضہ قانون کی کہ دُنیا کے ہر حصے میں مزدوروں کے مصارف یکساں ہیں تردید کرتا ہے پھر وہ مزدوروں کے مادّی توقعات پر نظر ڈالتا ہے اور اس سوال کو جانچتا ہے کہ جس فنڈ سے اجتناب اور محنت کے معاوضے کا تادیہ ہوتا ہے

156

اس کی مقدار اور تقسیم میں کن تغیرات کی توقع ہوسکتی ہے۔ وہ یہاں یہ اصول پیش کرتا ہے (جس کو بہر کیف اس سے قبل ریکارڈو اور سینیر نے پیش کیا تھا) کہ صنعت کی پیداآوری کے اضافے سے نہ تو منافع پر اثر پڑ سکتا ہے اور نہ اجرت پر تاوقتیکہ پیداآوری کی یہ ترقی مزدور کے صرف میں آنے والے اشیاء کو ارزاں نہ کرے اور چونکہ یہ بیشتر ایسے اشیاء ہوتے ہیں جن میں واحد عنصر یا بڑا عنصر پیداوار خام ہوتے ہیں اس لیئے اُن کے مصارف پیدائش میں باوجود علم وفن کی ترقیات کے اُس وقت تک اضافہ ہوتا رہے گا جب تک کہ مزدوروں کی آبادی کو بڑھنے سے نہ روکا جائے۔ اسی لیئے اگر بیچارہ مزدور اپنے ہی پیشے پر قناعت کرے تو اُس کی حالت کی اصلاح کا امکان بہت کم اور محدود گنجائش رکھتا ہے۔ اُس کی حالت کی حقیقی اور مستقل اصلاح کی شرط یہ ہے کہ وہ اپنے پیشے پر اکتفا کرنا ترک کردے یعنی مطلب یہ ہے کہ اجرت فنڈ میں منافع کو بھی شریک کیا جائے کیونکہ صنعتی ترقی کے ساتھ ساتھ اجرت فنڈ میں بمقابلہ ملک کے مجموعی اصل کے کمی ہونے کا رجحان ہے۔ چنانچہ کیرنس نظری پہلو پر قائم نہ رہ کر (جس کے متعلق ایک مقام پر خود اُسی کا یہ قول ہے کہ معاشی کے لیئے نظری طریق پر قائم رہنے کا طریقہ ہی مناسب ہے) نام نہاد اتحاد باہمی کے طریقے کو رواج دینے کی سفارش کرتا ہے (یعنی مطلب یہ کہ بڑے بڑے اسلداروں کا خاتمہ کردیا جائے) کہ یہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے مزدور لوگ مستقبل کے آلام ومصائب سے نجات پائیں گے"۔ اور ایجابئین نے مسئلے کو اس طرح پر حل کرنے کی جو مخالفت کی تھی کیرنس اُس کو کسی قدر حقارت کے ساتھ نظرانداز کرتا ہے۔ ایجابئین پر کیا موقوف ہے ان کے علاوہ اکثر اشخاص مثلاً لزلی اور ایف۔ اے۔ واکر اس تجویز کو خیالی اور ناقابل عمل تصور کرتے ہیں۔

157

کتاب کا تیسرا حصہ بیشتر ریکارڈو کے اُصول "بین الاقوامی تجارت کے شرائط" اور مل کے نظریۂ "بین الاقوامی قدر" کی تشریح پر مشتمل ہے۔ کیرنس پہلے اُصول میں یہ ترمیم کرتا ہے کہ داخلی اشیاء کی قیمتوں کی تنظیم پر مصارف پیدائش کی بجائے باہمی طلب کا ایک حد تک اثر پڑتا ہے اور اسی سلسلے میں ملک کی اجرت اور اُس کی تجارت خارجہ کی نوعیت و وسعت میں جو تعلق ہے اُس پر ایک دلچسپ بحث کرتا ہے۔ مل کا نظریہ یہ تھا کہ ایک مُلک کی پیداوار کا دوسرے مُلک کی پیداوار سے ایسی قیمت پر مبادلہ ہوتا ہے کہ ایک ملک کے اشیائے برآمد سے جو قیمت وصول ہو وہ اشیائے درآمد کی قیمت واجبی طور پر ادا کر سکتی ہے۔ اس آخری جملے کو بدل کر کیرنس یہ شرط لگاتا ہے کہ ہر مُلک کو چاہیئے کہ اپنے اشیائے برآمد کے ذریعے سے اپنے ذمے کے خارجی مطالبات کی ادائی کر دے۔ بہ الفاظ دیگر وہ "توازن قرضہ جات" کے تصوّر کا اضافہ کرتا ہے۔ یہ کوئی جدید تصوّر نہ تھا۔ جان لزلی فاسٹر نے اس سے بہت عرصے قبل ۱۸۰۴ء میں یہی تصوّر پیش کیا تھا[1]، اور خود مل نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مگر کیرنس نے اس کی نہایت خوبی سے تشریح کی ہے اور یہ تشریح اس لحاظ سے اہمیت رکھتی ہے کہ اس سے عام غلط فہمیاں بالکل رفع ہو جاتی ہیں اور بعض اوقات بے بنیاد خوف و ہراس بھی دور ہو جاتا ہے[2]۔

کیرنس اس کے بعد آزاد تجارت کے سوال پر غور کرتا اور تائین کے وکیل جن دلائل کو بار بار پیش کرتے ہیں اُن میں سے بعض کی اور

---

[1] دیکھو Essay on the principle of Commercial Exchanges

[2] اس مکمل بحث کے بارے میں دیکھو پروفیسر سی، ایف، بیسٹبل کی کتاب Theory of International Trade, 1887

بالخصوص امریکہ والوں کے اس دعوے کی تردید کرتا ہے کہ امریکہ کے اعلیٰ اجرت پانے والے مزدور یورپ کے نادار مزدوروں کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ لیکن وہ اس "سیاسی دلیل" کی کامیابی کے ساتھ تردید نہیں کرسکتا جو اس امر پر مبنی ہے کہ مختلف قومی صنعتوں کو ترقی دینا اعلیٰ تمدن کے لیئے نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ اور مل کے اس اصول کے جواب میں کہ "تاہم ان ابتدائی صنعتوں کی پرورش کرسکتی ہے جو ملک کے لیئے موزوں ہوں، چنانچہ ان کی اس وقت تک حفاظت کرنی چاہیئے جس وقت تک کہ وہ جڑ پکڑ لیں اور بیرونی مقابلے کے لیئے تیار ہو جائیں" وہ اصول پرست معاشئین کے قابل اعتراض اور لغو دلائل میں سے ایک دلیل سے کام لیتا ہے۔ 158

ہم نے کیرنس کی اس کتاب کا تفصیلی تبصرہ کیا اور یہ صرف اسی وجہ سے نہیں کہ اس میں اکثر مسلمہ معاشی اصول کو جدید ترین شکل میں پیش کیا گیا ہے بلکہ یہ ضرورت اس وجہ سے بھی داعی ہوئی کہ یہ کتاب انگلستان میں قدیم مسلک کی آخری یادگار ہے اور ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ آئندہ بھی رہیگی۔ مصنف نے کتاب کے شروع میں یہ توقع ظاہر کی ہے کہ "آدم اسمتھ، مالتھس، ریکارڈو اور مل کی محنت سے جو علمی عمارت تیار ہوئی تھی اُس کو یہ تصنیف اور زیادہ مضبوط اور پائدار کردے گی"۔ اگرچہ ہم اسمتھ کی اعلیٰ قابلیت اور اُس کے متذکرۂ بالا تینوں متاخرین کے حقیقی خدمات اور قابلیتوں کا اعتراف کرنے میں کیرنس کے ہمخیال ہیں مگر اُس کے اس خیال سے اتفاق نہیں کرسکتے کہ ان کی عمارت مستحکم و مستقل ہے۔ ہماری رائے میں ایک نئی عمارت کی تعمیر کرنے کی ضرورت ہے، جس میں ایک طرف تو بہت سا قدیم مواد موجود ہو اور دوسری طرف نئے تخیل سے کام لیا جائے اور بعض امور میں جداگانہ مقاصد پیش نظر رکھے جائیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کی بنیادیں جدید فلسفے پر قائم کی جائیں۔ اور اُس کے عمل نما کے کا تعلق

[مع]انیات کی وسیع عمارت سے ہو جس کا وہ صرف ایک شعبہ رہیگی۔
کیرنس کی کتاب "غلاموں کی محنت"¹ (۱۸۶۲ء) امریکہ کی مشہور
[خا]نہ جنگی کے مسئلے پر ایک بیش بہا تصنیف ہے۔

فرانس

اس کے بعد کے تمام یورپین مسلک کے افراد آسمتھ سے لیکر
[ر]یکارڈو اور اُن کے حلقہ بگوش معاشئین کے تصانیف پر اپنی بنیاد
[قا]ئم کرتے ہیں۔ اور ان تصانیف کے کچھ حصے کی موافقت کرتے
[ہی]ں اور کچھ حصے کی مخالفت کرتے ہیں۔ جرمانی مسلک دوسرے
[س]ب مسلکوں سے بڑھ کر اپنی ایک جداگانہ خاص اور اصلی تحریک
[ر]کھتا تھا۔ کم از کم آخر زمانے میں جرمانی مسلک نے ایک جدید طریقہ
[ا]یجاد کیا اور وہ بعض اہم اور خاص خاص نتائج پر پہنچا۔ اس کے برعکس
[ف]رانسیسی مسلک نے (اگر ہم اشتراکئین سے قطع نظر کریں جن سے
[اس] وقت بحث کرنا مقصود نہیں) اکثر و بیشتر علمائے انگلستان کے اُصول
[کو] اختیار کر کے اُنھیں کو دوبارہ پیش کیا۔ البتہ ریکارڈو اور اُس کے
[پی]رووں کے اکثر مبالغہ آمیز نظریوں کو نظرانداز کر دیا۔ تشریح کا جہاں تک
[تع]لق ہے اہل فرانس عدیم النظیر ہیں۔ اور اُنھوں نے معاشیات میں
[کم] و بیش اور مشہور اور متعدد باقاعدہ تصانیف، نصاب کی کتابیں اور
[رس]الے لکھے ہیں جن میں سب سے مشہور جے۔ بی سے کی تصنیف
ہے۔ لیکن ایسے جدت طراز مصنفین کی تعداد زیادہ نہیں ہے جنھوں
نے اہم حقائق دریافت کیئے ہوں یا طرق معاشیات میں نئی بات پیدا

159

¹ Slave power 1862

کی ہو یا معاشی مظاہر کو فلسفۂ جدید کی روشنی میں پیش کیا ہو۔ سسمنڈی ڈونوبر اور لبستیا ہماری توجہ کے مستحق ہوں گے اس لئے کہ آزاد خیالی و جدت طرازی میں یہ اشخاص خواہ اُن کے خیالات ہمیشہ کے لئے محکم ہوا یا نہ ہوں، سب سے پیش پیش ہیں۔ مگر ہم فی الوقت اگست کونت سے قطع نظر کر لیتے ہیں جسکا جدید فلسفہ، عمرانی تحقیقات کے سب شعبوں پر عملاً یا بالقوہ حاوی ہے۔ بستیا کی عرق ریزی کا اندازہ کرنے سے قبل کیری کے خیالات کی تنقید مناسب ہوگی۔ امریکہ کے علمائے معاشیات میں سب سے زیادہ مشہور رہی کیری ہے جس کے خیالات بستیا جیسے ذہین و فصیح شخص کے سب سے آخری تعلیمات سے ایک حد تک نمایاں طور پر ملتے جلتے ہیں۔ اس دور کے فرانسیسی مصنفین کی صف میں کورنو کو بھی جگہ ملنی چاہیئے جو معاشیات میں ریاضی طریق کے تصور کا سب سے بڑا نمائندہ تھا۔

ژین بپ تست سے (۱۷۶۷ء - ۱۸۳۲ء) کے متعلق ریکارڈو لکھتا ہے کہ "وہ آن یوروپین مصنفین میں سب سے اوّل یا صفِ اوّل میں سے ایک ہے جس نے اسمتھ کے اُصول کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور ان کا صحیح استعمال کیا اور آس نے اس مفید و دانشمندانہ نظام کی اقوام یورپ سے سفارش کرنے میں جتنی کوشش کی اس قدر جملہ مصنفین یورپ نے بھی متحدہ طور پر نہیں کی"۔ کلاویر جو بعد میں وزارت کے رتبے پر ممتاز ہوا اور اُس وقت انجمن بیمہ کا ناظم تھا اپنے محکمے کے اہلکار ژے بی۔ سے کو "دولت اقوام" انگریزی زبان میں مطالعہ کرنے کے لئے دی۔ چنانچہ کتاب کے مطالعے نے، سے کو بیحد متاثر کیا۔ ایک عرصۂ دراز کے بعد ڈوپون دی نیمور نے جب سے سے شکایت کی کہ وہ فطرئیون کے حق میں ناانصافی کر رہا ہے حالانکہ وہ (یعنی سے) اسمتھ کے تعلق سے کونیسے کا نبیرۂ روحانی اور ترگو کا برادر زادہ ہوتا تھا تو سے نے یہ جواب دیا کہ "تجارئین کی تصانیف نے

160 Cournot

مجھے پڑھنا سکھایا اور کوشنے اور اُس کے پیرووں کے تحریرات نے مجھ میں غور وفکر کا مادہ پیدا کیا مگر اسمتھ کی کتاب کے مطالعے سے میں نے عمرانی مظاہر کے اسباب ونتائج کو نوعیت اشیاء میں تلاش کرنا سیکھا اور یہ معلوم کیا کہ یہ تلاش دقیق تحلیل ہی سے کامیاب ہوسکتی ہے۔ اُس کی کتاب[1] (۱۸۰۳ء) لازمی طور پر اسمتھ کی تصنیف پر مبنی تھی لیکن سے کا مقصد یہ تھا کہ مواد کو اس سے زیادہ محکم استدلال اور زیادہ سبق آموز طریقے سے منتظم کرے۔ اگرچہ اس کی سلاست بعض اوقات بگڑ کر سطحی اور بناوٹی ہوجاتی ہے، لیکن سلاست اور روانی کے ساتھ بیان کرنے کا فرانسیسی کمال اس میں عام طور پر موجود تھا اور اسی لیے اُس کی کتاب مقبول عام ہوئی۔ اصلی زبان میں اور تراجم کے ذریعے سے اس کی وسیع اشاعت ہوئی اور اس طرح مہذب دنیا میں اسمتھ کے اُصول بہت جلد پھیل گئے۔ بقول روشر عام زندگی کے متعلق سے اور اسمتھ کا مبلغ علم مساوی تھا۔ مگر جہاں تک سیاسیات کے عام اور وسیع معلومات کا تعلق ہے، سے، اسمتھ سے بہت پیچھے ہے اور نہایت ہوشیاری کے ساتھ تاریخی وفلسفی تشریحات کو ترک کرتا ہے بعض اوقات یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ سے کے بیان میں عمق نہیں ہوتا مثلاً وہ یہ کہتا ہے کہ "جو محصول مقدار میں اقل ترین ہو وہی بہترین محصول ہے"۔ وہ معاشیات میں بظاہر اصلی محقق ومفکر کے رتبے کا کوئی بڑا دعویدار نہیں معلوم ہوتا۔ ریکارڈو اس کے متعلق لکھتا ہے کہ "اس نے اس علم میں اصلی صحیح اور سنجیدہ مباحث کا اضافہ کیا"۔ ان الفاظ کو لکھتے وقت اس کے ذہن میں وہی بات تھی جسے کسی قدر مبالغے کے ساتھ اور مدعیانہ طور پر سے کا "نظریۂ برآمد" کہا جاتا ہے جس کے سلسلے میں سے نے عالمگیر افراط رسد کے امکان کا ابطال کیا ہے۔ اس نظریے کا

[1] Traite d' Economie Politique (1803)

لب لباب محض یہ ہے کہ خریدنے کا فعل بھی فروخت ہے اور یہ کہ پیدائش کر کے یا اشیاء تیار کر کے ہم دوسروں کے اشیاء خریدنے کے قابل ہوتے ہیں۔ متعدد مشہور علمائے معاشیات خصوصاً مالتھس اور سسمنڈی نے تجارتی آفتوں کے مظاہر کا غلط مفہوم سمجھ کر یہ رائے قائم کی کہ بہ نسبت طلب کے سب اشیاء کی رسد کی زیادتی ممکن ہے۔ اس کی سے نے واجبی طور پر مخالفت کرتا ہے۔ یہ تسلیم کرنا بلاشبہ ضروری ہے کہ ممکن ہے کہ پیدائش کا کوئی خاص شعبہ بازار کی موجودہ مانگ سے زائد ہو۔ لیکن اگر ہم یہ یاد رکھیں کہ رسد طلب ہے اور اشیاء قوت خرید ہیں تو ہم رسد کی عام کثرت کے امکان کے اصول کو اس بات کے ماننے بغیر تسلیم نہیں کر سکتے کہ کہیں ہر چیز بہت افراط کے ساتھ مل سکتی ہے۔ یعنی یہ کہ "جملہ انسانوں کو جن اشیاء کی خواہش ہو وہ سب اتنی افراط کے ساتھ مہیا کی جا سکتی ہیں کہ ایک دوسرے کے زوائد کی خرید و فروخت کی گنجائش باقی نہ رہے"۔ پھر بھی ان مباحث پر یا دوسرے مباحث پر اصلی خیالات کا اظہار کر کے سے نے خواہ کچھ بھی خدمات انجام دیئے ہوں لیکن اتنا یقینی ہے کہ اس نے علم کی نہایت قابلیت سے اشاعت کی اور اس کو عام فہم بنا دیا۔ 101

شاہی محکمۂ کوتوالی نے اس کی تصنیف کی دوبارہ طباعت کی اس شرط سے اجازت دی کہ اس میں چند تبدیلیاں کی جائیں مگر سے نے نہایت عالی ہمتی اور آزادی کے ساتھ تبدیلی کرنے سے انکار کر دیا اور اسی لیئے یہ ۱۸۱۴ء تک شائع نہ ہو سکی۔ مصنف کی زندگی میں یہ کتاب اور تین مرتبہ شائع ہوئی (۱۸۱۴ء، ۱۸۱۷ء، ۱۸۱۹ء، ۱۸۲۶ء)۔ ۱۸۲۸ء میں سے نے ایک دوسرا رسالہ شائع کیا[1]، یہ اس کے ان تمام

[1] Cours Complet d' Economie Politique pratique

تقاریر کا خلاصہ تھا جو اُسنے عجائب خانۂ صنعت وفنون[1] اور فرانس کالج[2] میں کئے تھے۔ اُس نے اگرچہ اپنی پہلی تصنیف میں خالص معاشیات کے محدود دائرے کے اندر اندر بحث کی تھی مگر بعد کی تصنیف میں خاصکر ایسے امور کا اضافہ کرکے جو عمرانی آئین اور رسم ورواج کے معاشی اثر سے متعلق تھے مباحث کے دائرے کو وسیع کردیا۔

چارلس سسمنڈی

جان چارلس یل ۔ سسمنڈی دی سسمنڈی (۱۷۷۳ء۔ ۱۸۴۲ء) ایک کتاب[3] کا مصنف معاشیات کے رائج الوقت اُصول کے خلاف احتجاج کرتا ہے اور اُس کا یہ احتجاج انسانی ہمدردی کے جذبے پر مبنی تھا۔ اُس نے پہلے ایک رسالہ[4] جس میں آدم اسمتھ کے اُصول کی سختی کے ساتھ پیروی کی گئی تھی تصنیف کیا۔ مگر اس کے بعد انھیں اُصول کو غیر مکتفی اور محتاج اصلاح تصوّر کرنے لگا۔ اُس نے ایڈنبرا انسائکلوپیڈیا[5] میں معاشیات پر ایک مضمون لکھا جس میں جدید خیالات کا اظہار خفیف حد تک کیا اور ان خیالات کو مکمل طور پر اپنی تصنیف[6] میں شائع کیا۔ بقول اُسی کے اس کتاب کو علماے معاشیات نے پسند نہیں کیا۔ جس کی وجہ وہ یہ بیان کرتا ہے کہ اُس نے قدیم ومتعصّب فرقے پر حملہ کیا تھا اور مذہب وفلسفہ دونوں میں یہ وتیرہ از حد خطرناک ہے۔ اُس کی رائے میں یہ علم باعتبار عام مفہوم کے

162

[1] Conservatoire de Arts et metiers

[2] College de France

[3] Histoire des Republigres Italiennes du moyen age,

[4] De la Richesse Commerciale. (1803)

[5] Edinburgh Encyclopaedia

[6] Principes d'Economie Politique, ou de la Richesse danses rapports avec la Population 1819; 2nd ed. 1827)

بہت زیادہ معاشی تھا۔ اس میں محض دولت کو بڑھانے کے ذرائع سے بہت آزادی کے ساتھ بحث کی جاتی تھی اور اس امر پر کافی روشنی نہیں ڈالی جاتی تھی کہ عام مرفہ الحالی کے حصول میں اس دولت کو کس طرح صرف کرنا چاہیئے۔ وہ کہتا ہے کہ جو عملی نظام اس علم پر مبنی تھا اس کا رجحان یہی نہیں تھا کہ وہ متموّل کو زیادہ متموّل بنا دیتا ہے بلکہ مفلس کو اور زیادہ مفلس ومحتاج بنا دیتا ہے اور وہ اسی لیئے تقسیم دولت کے سوال پر جو خصوصاً موجودہ زمانے کے عمرانی حالات میں اہم ترین سوال ہے بہت زیادہ توجہ صرف کرنا چاہتا ہے۔

چونکہ سسمنڈی خاندانی ونسبی اعتبار سے اطالوی فرانسیسی وسویسی (Swiss) تین قوموں سے تعلق رکھتا تھا اور تواریخ میں اسکو خاص تبحر حاصل تھا۔ اس لیئے اس کی نظر بھی غیر معمولی طور سے وسیع تھی اور اُس کا دل بنی نوع انسان کے مصائب کی ہمدردی سے بھرا ہوا تھا وہ بمقابلہ کسی دوسرے فرانسیسی عالم معاشیات کے اشتراکیت سے بہت زیادہ قریب ہے مگر یہ قرب محض اعتقاداً اور جذبات کے لحاظ سے ہے نہ کہ از روئے خیال۔ وہ کوئی اشتراکی تجویز نہیں پیش کرتا' اس کے برعکس ایک خاص مقام پر یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ "اگرچہ جہاں جہاں انصاف کی ضرورت ہے مجھ کو معلوم ہے مگر یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ عملاً انصاف کی غرض سے میں کسی قسم کے تدابیر پیش کرنے سے قاصر ہوں" وہ جملہ پیداوار کو جملہ عاملین پیدائش میں تقسیم کرنے کے خیال کو مذموم خیال کرتا ہے لیکن اس کی رائے ہے کہ موجودہ نظام املاک جو ہمارے زمانے میں رائج ہے بہترین ہے اور تجربے سے ہم کو جس نظام کا علم ہے اُس سے قطعاً ایک جداگانہ نظام کا تصوّر انسانی قوت سے تقریباً باہر ہے۔ وہ اپنے زمانے کے بڑے بڑے نقائص دیکھ کر اُصول عدم مداخلت کے خلاف بہت شدومد کیساتھ صدائے احتجاج بلند کرتا ہے اور کسی قدر مبہم طریق پر حکومت سے

استعانت کرتا ہے کہ وہ مداخلت کرکے " ترقیِ دولت کی تنظیم " اپنے ہاتھ میں لے اور قوم کے کمزور افراد کی حفاظت کرے۔

سسمنڈی نے کسی تجویز کے پیش کرنے سے اپنی ناقابلیت کا جو اعتراف کیا ہے اس سے اُس کی شہرت میں کوئی فرق واقع نہ ہوا۔ بلکہ یہ اعتراف ناقابلِ عمل تجاویز یا قرونِ وسطیٰ کے قدیم و فرسودہ آئین و رسوم کو از سرِ نو رائج کرنے کے تجاویز سے کہیں زیادہ شاندار و معقول ہے۔

163

اس میں کوئی شک نہیں کہ شروع شروع میں اس کی کتاب کے خلاف اس وجہ سے بدظنی سی پیدا ہوگئی تھی کہ اس میں مصنف کا میلان نظری طور پر اشتراکیت کی جانب تھا (اگرچہ جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے یہ میلان عملاً نہ تھا) جس کی تحریک اُس وقت شدومد کے ساتھ شروع ہوگئی تھی۔ نیز اس وجہ سے بھی یہ کتاب عام قبولیت حاصل نہ کرسکی کہ جدید صنعتی نظام اور خصوصاً انگلستان کے موجودالوقت صنعتی نظام کا اس قدر ناگوار طریقے سے ذکر کیا گیا تھا جس سے نام نہاد " قدیم و مروج مسلک " کے بعض افراد کی طمانیت افزا امیدوں میں خلل واقع ہوتا تھا۔ یہ افراد کتاب کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے چنانچہ بستیا کا اس کے متعلق یہ قول تھا کہ وہ معاشیات کے غلط اُصول کی تلقین کرتی تھی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ علم المعیشت کی کتابوں میں یہ بھی ایک مرتبہ رکھتی تھی اور گزشتہ زمانے کے مقابلے میں اب یہ کتاب بہت زیادہ دلچسپ ہوگئی ہے، کیونکہ اس زمانے میں گزشتہ عہد کے برعکس صنعتی زندگی کے نقائص سے نہ تو انکار کیا جاسکتا ہے اور نہ چشم پوشی، بلکہ جتنے نقائص و اسقام پائے جاتے ہیں یا تو اُن کا استیصال کرنے کا میلان پایا جاتا ہے یا اُن کی اصلاح کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اُصول عدم مداخلت بھی اُصولاً مذموم قرار پاچکا اور عملاً بھی ترک کیا جاچکا ہے چنانچہ ہم سسمنڈی کے اس خیال کو تسلیم کرنے کے لیئے تیار ہیں کہ صرف قیامِ امن و امان کا کام ہی حکومت کا فریضہ نہیں ہے بلکہ اسکا فریضہ یہ بھی ہے

کہ تمدن کی خوبیوں اور جدید ترقیات کے اثرات کو جتنی وسعت کے ساتھ
ممکن ہو قوم کے تمام طبقوں میں پھیلائے۔ تاہم اس کتاب کو پڑھنے کے بعد
دلوں پر جو اثر ہوتا ہے وہ حوصلہ شکن ہے اس لیے کہ مصنف نے
اکثر ان مذموم نتائج کو جو مصنوعات کی ترقی سے ظاہر ہوتے ہیں اس
قسم کی ترقی کا لازمی نتیجہ بتایا ہے۔ وہ متمول اصلداروں کی جماعت
اور صنعت بر پیمانۂ کبیر کی روز افزوں ترقی، مزدور پیشہ جماعت کی تعداد
کا [illegible] ترقیات کا [illegible] آگیا ہے [illegible] اور مشینوں کا بڑھتا ہوا رواج اور
بڑے بڑے کھیتوں کو جن پر آلات کشاورزی کے ذریعے سے جوتنے کا طریق ناپسند کرتا
اور ان کو [illegible] قرار دیتا ہے۔ مگر [illegible] یہ ناگزیر معلوم ہوتے ہیں۔ اگر مقصد کامل معاشری
انقلاب ہے تو یہ دوسری بات ہے ورنہ اس نظام کو اصولاً تسلیم کرنا
یقیناً ضروری ہے۔ لیکن اس کو تسلیم کر لینے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا
ہے کہ یہ نظام جس نظام کی نمائندگی کرتے ہیں اس کی اخلاقی اصلاح
و تنظیم کس طرح پر کی جائے۔ سسمنڈی کو ان جرمانی علمائے معاشیات
کا پیشرو کہا جا سکتا ہے جو "خیالی اشتراکیین[1]" کے غلط لقب سے مشہور
ہیں مگر جن کی تصانیف بہت زیادہ امید افزا اور امنگ بڑھانے
والے ہیں۔

164 وہ مسئلۂ آبادی پر اس لحاظ سے خاص طور پر توجہ کرتا ہے کہ یہ مسئلہ
مزدور پیشہ جماعت کی بہبود سے متعلق ہے۔ جہاں تک کاشتکاروں
کا تعلق ہے وہ اس نظام کو جس کا اس نے ابوتی استحصال[2] نام رکھا
ہے جس میں کاشتکار زمین کا مالک بھی ہوتا ہے اور اس کا خاندان
کھیتی باڑی میں اس کو مدد دیتا ہے آبادی کے نامناسب اضافے کو
روکنے میں سب سے زیادہ موثر خیال کرتا ہے۔ اور اس میں یہ فرض

[1] Socialists of [illegible] Chair

[2] Patriarchical Exploitation

کرلیتا ہے کہ اصلی ورثہ میں مساوی تقسیم کا قانون بظاہر رنج ہے۔ ایسی صورت میں باپ خوب سمجھتا ہے کہ آیندہ تقسیم کس حد تک ہوگی، اُس کو یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ہر ایک کو کتنا کتنا حصہ ملیگا اور کس نوبت پر خاندان مادی و تمدنی رتبے سے جو اس کو پہلے حاصل تھا گرجائے گا۔ اگر اس سے زیادہ بچے پیدا ہوں تو وہ شادی نہیں کرتے یا اپنے میں سے ایک فرد کو نسل انسان کی بقا کے لیے منتخب کرتے ہیں۔ یہی وہ خیال ہے جس کو جے۔ یس۔ مل نے اختیار کرکے ملکی کاشتکاروں کے نظام کو اس قدر شد و مد کے ساتھ پیش کیا تھا۔

چارلس ڈونیر (۱۷۸۶ء تا ۱۸۶۲ء) کے خیالات بہ نسبت کسی دوسرے فرانسیسی مصنف کے خیالات کے بہت زیادہ پر مغز و موثر ہیں۔ بادشاہ کی بحالی کے زمانے میں یہ مصنف اپنی آزادی و دیانت کے باعث عزت و شہرت رکھتا تھا۔ وہ ایک کتاب[1] کا مصنف تھا (اس کتاب کی پہلی جلد کا لب لباب ۱۸۲۵ء میں کسی دوسرے نام سے چھپ چکا تھا)۔ اس کو علم المعیشت کی تاریخ میں اس وجہ سے خاص رتبہ حاصل ہے کہ علم کے طریق اور اُس کے فلسفے کی بنیادوں کے متعلق اُس کا ایک خاص نقطۂ نظر تھا۔ وہ "طریق" کی بحث کے سلسلے میں شروع ہی میں یہ گُر کی بات بتاتا ہے کہ مشاہدات کے ذریعے سے تحقیقات کرنی اور طریق کی بنیاد عملی تجربہ و مشاہدہ پر رکھنی چاہیئے۔ اس کی طبیعت کا رجحان معاشیات کو وسعت دے کر علم عمرانیات میں شامل کردینے کی طرف ہے اور وہ صاف طور پر معاشیات کی یہ تعریف کرتا ہے کہ اُس کے حدود کے اندر وہ تمام نظام اشیاء شامل ہے جو معاشری قوتوں کی ترقی و عمل سے پیدا ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس وسیع شعبے کا نام عمرانیات بہت مناسب ہے اور معاشیات کو اُس کا ایک شعبہ سمجھنا چاہیئے۔ لیکن خاص بات

[1] La Librete du Travail 1845

یہ ہے کہ ڈنویر نے جس طریقے سے اس علم سے بحث کی ہے اُس میں وسیع ترین عقلی، اخلاقی اور سیاسی امور کو خالص معاشی خیالات کیساتھ ربط دیا گیا ہے۔ اس کی کتاب کے نام میں "آزادی" کا جو لفظ ہے اس سے یہ قیاس نہ کرنا چاہیئے کہ اس کے معنی محض قانونی قیود اور حکومت کی مداخلت سے آزادی کے ہیں بلکہ وہ اس لفظ سے ہر وہ چیز مراد لیتا ہے جس سے مزدور کی کارگزاری میں اضافہ ہو۔ اس طرح وہ انسانی ترقی کے جملہ اسباب کی بحث پر پہنچتا اور اُن کو اُن کے تاریخی اثر کے لحاظ سے بیان کرتا ہے۔ 165

پہلے حصے میں اس مسئلے سے بحث کرنے کے بعد کہ قوم اور تمدن کے خارجی حالات کا آزادی پر (اس کے وسیع معنوں میں) کیا اثر پڑتا ہے وہ پیدآآور محنت کو دو بڑی قسموں میں تقسیم کرتا ہے۔ ایک تو وہ جو اشیا کی تیاری میں صرف ہو اور دوسری وہ جو نوع انسانی کی خدمت میں صرف ہو۔ اور علما نے معاشیات کو مورد الزام قرار دیتا ہے کہ انھوں نے اپنا تعلق محض اوّل الذکر سے رکھا۔ وہ دوسرے اور تیسرے حصے میں علی الترتیب انسانی محنت کی ان دونوں قسموں کی کارگزاری کے حالات سے بحث کرتا ہے۔ معاشی زندگی سے اُس کے موردو معنوں میں بحث کرتے ہوئے وہ صنعت کو چار حصّوں میں تقسیم کرتا ہے چنانچہ مل نے بھی ایک حد تک یہی کیا تھا:۔ (۱) استخراجی (۲) نقل وحمل (۳) مصنوعات (۴) زراعت۔ یہ تقسیم طبیعی معاشیات کے لیئے مفید ہے لیکن جب وسیع تر عمرانی شعبے پر نظر ڈالی جاتی ہے تو ذیل کی مسلمہ تقسیم اس سے زیادہ بہتر اور زیادہ عام معلوم ہوتی ہے یعنی (۱) زراعت (۲) مصنوعات (۳) تجارت۔ اور بنک کا کاروبار ان سب کا مشترک صدر اور منتظم خیال کیا جاتا ہے۔ ڈنویر کے پیش نظر محض وہی محنت ہے جو مادی اشیا پر صرف ہوتی ہے اس لیئے وہ بنک اور تجارت خالص کو مبادلے کی ایک جداگانہ قسم کے تحت

شمار کرتا ہے اور رہبہ اور توریث کے آئین و رواج کو بھی اسی زمرے
میں شامل کرتا اور ان سب کو صنعتی پیشوں سے ایک بالکل علیحدہ
چیز قرار دیتا ہے مگر اس کے ساتھ ان کو ایک ایسا شعبہ خیال کرتا ہے
جو اجتماعی معاشیات کے لیئے ضروری ہے۔
جن صنعتوں میں انسان کے لیئے محنت صرف ہوتی ہے
اُن کی تقسیم وہ باعتبار کام کے اس طرح کرتا ہے:۔ (۱) انسان کی طبیعی
حالت کی اصلاح (۲) جذبات و تصور کی تربیت و تہذیب (۳)
عقلی تعلیم (۴) اخلاقی عادات کی اصلاح۔ اور بنا بریں وہ طبیب،
ماہرین فنون لطیفہ معلم اور پیشوائے دین کے معاشری خدمات کی
بحث شروع کرتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ڈنویہ کے وہی خیالات ہیں
جن پر بعد میں بستیا نے زور دیا تھا کہ "مبادلے کی اصلی بنیاد خدمات
ہیں۔ انسانی جدّ و جہد سے قدر و قیمت پیدا ہوتی ہے، عاملین قدرت
جد و جہد میں ہمیشہ انسان کا ہاتھ بٹاتے ہیں اور زمین کا لگان در اصل
اُس اصل کا سود ہے جو زمین پر لگایا جاتا ہے۔" اگرچہ وہ عملی مشورہ دینا
نہ چاہتا تھا اور اس کا اعلان بھی کر دیا تھا جیسا کہ اُس کے ایک جملے سے
ظاہر ہے جو اکثر بطور حوالے کے پیش کیا جاتا ہے کہ "نہ تو میں کوئی رائے
رکھتا ہوں نہ تجویز پیش کرتا ہوں بلکہ محض تشریح کرتا ہوں" لیکن وہ اپنے آپ
کو مثل جملہ علمائے معاشیات کے مشورہ دینے سے باز نہیں رکھ سکتا۔
اور وہ عملاً صنعت میں حکومت کی مداخلت کا مخالف ہے۔ اس میں کوئی
کلام نہیں کہ وہ انتہائی شدت کے ساتھ اُصول عدم مداخلت کی زیادہ تر
اس بنا پر وکالت کرتا ہے کہ تہذیب و تمدن کو ترقی دینے کا بہترین
ذریعہ یہ ہے کہ افراد اپنی حالت کی اصلاح کے لیئے آزادانہ جدّ و جہد
کریں تاکہ ان میں آل اندیشی و استقلال پیدا ہو اور کام کرنے کی قوت
بڑھے لیکن حکومت کے طرز عمل کو اُصولاً ظالمانہ قرار دینے میں اور اُس
کا نااہل ثابت کرنے میں وہ یقیناً بہت زیادتی سے کام لیتا ہے۔ اس

166

غلو بیانی پر جس چیز نے اُس کو پہنچایا وہ بلا شبہ محنت کی مصنوعی تنظیم کی تجویز ہے جو اُس کے اکثر معاصرین نے پیش کی تھی اور جس کا وہ سخت مخالف تھا۔ اور اُس کو اصول مقابلہ کی حمایت کرنی اور اسکو صحیح ثابت کرنا مقصود تھا۔ اس لیئے اُس نے محنت کی تنظیم کی اس شد و مد کے ساتھ مخالفت کی۔ لیکن بقول کونت اُس کی ان تجاویز کی مخالفت نے بہت زیادہ مطلق اور قطعی شکل اختیار کر لی تھی جس سے صنعت کی حقیقی تنظیم میں[1] ہمیشہ کے لیئے رکاوٹ پیدا ہونے کا میلان پایا جاتا ہے۔

امریکہ

اس مقام پر مناسب ہوگا کہ فرانسیسی علما کی بحث کو چھوڑ کر امریکہ کے عالم معاشیات کیری کے اُصول پر تبصرہ کیا جائے۔ اس سے پہلے باشندگان ریاستہائے متحدہ نے علم کی کوئی نمایاں خدمت انجام نہ دی تھی بنجمن فرانکلن نے، جس کا نام شہرۂ آفاق ہے، متعدد کتابیں تصنیف کیں جن میں سے اکثر میں محض صنعت و کفایت شعاری کے عملی اسباق دیئے گئے ہیں اور بعض میں دلچسپ نظریئے پیش کئے گئے ہیں۔ اسنے اس طرح پر اسمتھ سے پچاس سال قبل یہ رائے ظاہر کی تھی (جس طرح پٹی نے اس سے قبل یہی رائے ظاہر کی تھی) کہ قدر و قیمت[2] کا حقیقی پیمانہ انسانی محنت ہے اور اپنی ایک دوسری تصنیف[3] میں مالتھس کے

---

[1] فرانسیسی علمائے معاشیات کا ذکر صفحہ (171) سے شروع ہوتا ہے۔

[2] دیکھو اس کی کتاب Modest Inquiry into the Nature and necessity of a paper Currency (1721)

[3] Observations Concerning the Increase of Mankind (1751)

خیالات سے مماثل خیالات کا اظہار کیا ہے۔ سنہ ۱۷۹۱ء میں الکزنڈر ہیملٹن معتمد خزانہ نے سرکاری حیثیت سے ریاستہائے متحدہ کے دارالنائبین کی فرمائش پر ایک رپورٹ مرتب کی جس میں مصنوعات ملکی کو ترقی دینے کے تدابیر پر بحث کی گئی ہے اور اس مسئلے کے نظری پہلو پر بھی تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے۔ الکزنڈر خیال کرتا ہے کہ اسمتھ کا نظام آزاد تجارت صرف اسی وقت عملاً ممکن ہو سکتا ہے جب کہ اس کو جملہ اقوام بیک وقت اختیار کرلیں۔ وہ صنعت کو بمقابلہ زراعت کے بہت زیادہ پیدا آور خیال کرتا ہے اور قلت اصل، اعلیٰ شرح اجرت اور ارزانی زمین کی بنا پر مصنوعات کو امریکہ میں ترقی دینے کے خلاف جو اعتراضات کیے گئے تھے ان کی تردید کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ امریکہ کے مصنوعات کو فروغ دینے کے لیے ایک معتدل تامینی محصولات کا نظام ضروری ہے اور پھر اس نظام کے خصوصیات کی تشریح کرتا ہے۔ 167
بعض وجوہ کی بنا پر یہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ لسٹ، جرمنی کا عالم معاشیات، جس کا حال آگے چل کر بیان کیا جائے گا، اپنی جلا وطنی کے بعد اپنے زمانۂ قیام ریاستہائے متحدہ میں ہیملٹن کی تصنیف سے متاثر ہوا تھا۔

ہنری چارلس کیری (سنہ ۱۷۵۳ء - سنہ ۱۸۷۹ء) ایک امریکن باشندے کا بیٹا تھا جو آئرلینڈ کو خیرباد کہہ کر امریکہ میں آبسا تھا۔ وہ اس مذموم نوعیت کی مخالفت کرتا ہے جو اسمتھ کے اصول نے مالتھس اور ریکارڈو کے ہاتھوں میں پڑ کر اختیار کرلی تھی۔ اگرچہ وہ انفرادی معیشت کے خیال پر جما ہوا تھا مگر اس کا مقصد یہ تھا کہ اس کو اعلیٰ اور زیادہ یقینی بنیاد پر قائم کرے اور اشتراکیت کے حملے سے محفوظ کردے۔ کیونکہ ریکارڈو کے بعض اصول نے اس کو اشتراکیت کے حملوں سے غیر محفوظ بنا دیا تھا۔ اسکے خیالات کی سب سے جامع اور مکمل تشریح اس کی کتاب[1] میں موجود ہے۔ وہ توقع افزا

[1] Principles of Social Science (1859)

اُمنگوں اور ولولہ خیز جذبات کے جوش میں آکر جو ایک نوخیز اور ترقی کرنیوالی قوم کے لیئے ایک قدرتی چیز ہے خصوصاً اس حالت میں جبکہ ملک میں ذرائع کی ترقی اور مستقبل کی اصلاح کے لیئے نہایت وسیع اور غیر محدود میدان موجود ہو اس امر کے ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ معاشی قوانین کا ایک فطری نظام موجود ہے جس میں انسان کے ارادوں اور منصوبوں کو دخل نہیں ہوتا۔ یہ نظام لازمی طور پر فائدہ رساں ہوتا ہے اور تمام قوم خصوصاً مزدوری پیشہ جماعت کی روز افزوں خوشحالی اسی کا قدرتی نتیجہ ہوتی ہے اور اس نظام کا مقصد اُسی وقت فوت ہو سکتا ہے جبکہ انسان کی لاعلمی یا خودسری اُس کے عمل کی مقاومت کرے یا اُس میں رکاوٹ پیدا کردے۔ وہ مالتھس کے مسئلۂ آبادی کو یہ کہکر مسترد کرتا ہے کہ ہر ایسی قوم میں جو اعلیٰ تمدن اور حکومت رکھتی ہو آبادی خود بخود کافی طور پر منتظم ہو جاتی ہے اور یہ کہ ذرائع معاش پر آبادی کا دباؤ تمدن کی گری ہوئی حالت کو ظاہر کرتا ہے نہ کہ ترقی یافتہ حالت کو۔ وہ زمین کی کاشت سے متعلق جو قانون تقلیل حاصل ہے اُس کی عالمگیر صداقت سے واجبی طور پر انکار کرتا ہے۔ اُس کا اساسی نظری استدلال دولت و قدر کے مفہوم کے تقابل و تضاد سے تعلق رکھتا ہے۔

اکثر معاشیئین نے "دولت" کو "مجموعۂ قدر مبادلہ" سے مخلوط کردیا تھا۔ اگرچہ شروع میں اسمتھ نے ان دونوں میں امتیاز قائم کیا تھا مگر بعد میں وہ بھی اسی غلطی میں مبتلا ہو گیا گو ریکارڈو نے بیشک ان دونوں کا فرق اپنی کتاب کے آخری حصے میں واضح کیا ہے مگر وہ اپنی پوری کتاب میں قدر ہی سے بحث کرتا ہے۔ بعد کے انگریز معاشیئین معاشیات کے مباحث کو صرف مبادلے سے متعلق خیال کرنے لگے تھے اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ وہیٹلی نے علم کا نام مبادلیات[1] تجویز کردیا تھا۔ جب دولت پر اس لحاظ سے نظر

168

[1] catallactics

ڈالی جاتی ہے جیسی کہ وہ حقیقت میں ہے یعنی "مفید اشیاء کا مجموعہ"
تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس کا مبدأ و ماخذ خارجی عالم میں اس حیثیت سے ہے
کہ وہ اشیا اور طبیعی قوتوں کو مہیا کرتا ہے اور انسان کی محنت میں
اس کا ماخذ یہ ہے کہ وہ ان قدرتی اشیا اور قوتوں کو حاصل کرتا اور
درستی کرکے اپنی ضرورت کے موافق بنا لیتا ہے۔ چونکہ قدرت
انسان کو کسی معاوضے کے بغیر مدد دیتی ہے، اس لیے محنت ہی پر
قدر کا حقیقی مدار ہے۔ فطری قوتوں پر ہماری جس قدر کم دسترس ہوگی اور
پیدائش میں ان سے جس قدر کم مدد لی جائے گی اسی قدر پیداوار کی قیمت
زیادہ ہوگی۔ لیکن بہ نسبت صرف شدہ محنت کے دولت میں اسیقدر
کم اضافہ ہوگا۔ دولت اپنے اصلی معنوں میں (یعنی مفید اشیاء کا مجموعہ)
اُس قوت کا پیمانہ ہے جو انسان قدرت پر حاصل کرتا ہے اور کسی
شے کی قدر سے قدرت کی وہ مزاحمت ظاہر ہوتی ہے جو انسانوں
کو پیدائش اشیاء کی غرض سے دور کرنی پڑتی ہے۔ ترقی تمدن کے
ساتھ ساتھ دولت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور اس کے برعکس اشیاء
کی قدر مبادلہ گھٹتی جاتی ہے۔ انسان اپنی عقل اور معاشری اتحاد کے
ذریعے سے فطری قوتوں پر روزافزوں قدرت حاصل کرتا ہے اور
اُن کو زیادہ وسیع پیمانے پر پیدائش میں استعمال کرتا ہے اور اس طرح
ہر شے کو حاصل کرنے میں کم محنت صرف ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا
ہے کہ پیداوار کی قیمت میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ کسی شے کی قیمت
اس کے گزشتہ مصارف پیدائش کی بنا پر قرار نہیں پاتی بلکہ اُس کی قیمت
کو دراصل وہ مصارف متعین کرتے ہیں جو علم و فن کے جدید حالات
کے تحت اُس شے کی دوبارہ پیدائش کے لئے ضروری ہوں کیری
کی دانست میں مصارف پر قیمتوں کا اس طرح پر مدار (جس کا مفہوم
ابھی بیان کیا جا چکا ہے) عام طور سے سب اشیاء پر صادق آتا ہے۔ اس کے
برعکس ریکارڈو اس کا اطلاق صرف انہیں اشیا تک محدود سمجھتا تھا جنکی

تعداد میں غیر محدود اضافہ کیا جا سکتا ہے اور بالخصوص زمین پر اس کے اطلاق کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ ریکارڈو یہ خیال کرتا تھا کہ زمین کی زرخیزی قدرت کا مفت عطیہ ہے جس پر چند آدمیوں نے اپنا قبضہ و تصرف جمالیا ہے اور جو پیداوار اور اشیائے خوردنی کی مانگ کے اضافے کے ساتھ ساتھ مالکوں کے لیئے روزافزوں تموّل کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ لیکن چونکہ زمین کی قیمت میں جو اضافہ ہوتا ہے وہ مالکوں کی محنت کا نتیجہ نہیں ہے اس لیئے وہ اُس کے جائز حقدار نہیں ہیں اور نہ اُن کو یہ حق حاصل ہے کہ جس چیز کو زمین کی اصلی اور قدرتی قوتوں نے انجام دیا ہو اُس کا کوئی معاوضہ (یعنی لگان) طلب کریں۔ لیکن کیری یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ زمین جہاں تک اُس کا صنعت و حرفت سے تعلق ہے ایک عامل پیدائش ہے جس کو انسان نے مرتب کیا ہے اور اس کی زیادتی قدر کا باعث وہ محنت ہے جو گزشتہ زمانے میں اُس پر صرف ہوئی تھی، گو کہ اُس کی موجودہ قیمت کا اندازہ گزشتہ محنت سے نہیں کیا جاتا بلکہ اُس محنت سے کیا جاتا ہے جو موجودہ حالات کے تحت نئی زمین کو اسی پیدا آوری کی حالت پر لانے کے لیئے درکار ہو۔ کیری زراعت و فلاحت پر جو بحث کرتا ہے اس بحث کے لیئے اُس کو خاص موقع حاصل تھا کیونکہ وہ امریکہ کا باشندہ تھا جہاں لوگ تازہ تازہ آباد ہوئے تھے اور ابتدائی بستی و آبادی کی روایتیں اُس کے ذہن میں بالکل تازہ اور زندہ تھیں اور خود اُس کی آنکھوں کے سامنے یہ عمل ابھی حقیقت میں جاری تھا۔ جو زمین ابتدا سے افتادہ ہو اُس کو درست کر کے قابل کاشت اور نوع انسانی کے احتیاجات رفع کرنے کے لائق بنانے میں جو جو دشواریاں پیش آتی ہیں ان کا اندازہ صرف وہی شخص آسانی کے ساتھ کر سکتا ہے جو ایسے ملک میں رہتا ہو جہاں مدت دراز سے کاشت ہو رہی ہے۔ بقول کیری سخت محنت اور مسلسل کوششوں کے ساتھ ان دشواریوں پر غالب آنیکے بعد

زمین پر سب سے پہلے قبضہ کرنے والا ملکیت کا حقدار بنتا ہے۔ زمین کی موجودہ قیمت اس رقم کا بہت چھوٹا سا جزو ہے جو اس پر صرف ہو چکی ہے۔ کیونکہ اس قیمت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے زمانے کے علم اور آلات کے ذریعے سے زمین کو اس کی ابتدائی حالت سے موجودہ حالت پر لانے کے لیئے کتنا صرف ہوگا۔ چنانچہ تملیک زمین مشغل اصل کی محض ایک شکل ہے، یعنی محنت کی مقدار یا محنت کے ہما اصل زمین کے ساتھ مستقلاً شامل ہوتے ہیں جس کے لیئے کسی دوسرے اصلداروں کے مثل زمین کا مالک بھی پیداوار کا ایک حصہ بطور معاوضہ پاتا ہے۔ مالک زمین کو جو معاوضہ ملتا ہے وہ فطری قوتوں کے کام کا نتیجہ نہیں ہے اور نہ اس کی تملیک کلی کے باعث قوم کی کسی طرح پر حق تلفی ہوتی ہے۔ ریکارڈو کا نام نہاد نظریہ لگان محض خیالی چیز ہے، جس کو مشاہدات

170

یک قلم باطل کرتے ہیں۔ جیسا کہ اس نظریئے میں فرض کیا گیا ہے یہ نہیں ہوتا کہ پہلے بہترین کھیتوں پر کاشت شروع ہوا اور اس کے بعد ادنی زمینوں پر بلحاظ ان کے مدارج زرخیزی کے زراعت ہوئی[1] بلکہ ابتداءً خشک اور صاف زمینوں پر کاشت کی جاتی ہے۔ اور نشیبی زمینیں، جن میں زرخیزی کی زیادتی کے ساتھ ساتھ دلدل، سیلاب اور متعفن بخارات بھی ہوتے ہیں، صرف اسی وقت قبضے میں لائی جاتی ہیں اور ان پر کاشت کی جاتی ہے جبکہ آبادی گنجان اور اصل بافراط فراہم ہو جائے۔ جس طرح رفتار زمانہ کے ساتھ اصل کا سود گھٹتا رہتا ہے اسی طرح لگان میں بھی، پیداوار کا جزو ہونے کی حیثیت سے

---

[1] یہ فرض کرنا غلطی ہے کہ اچھی زمین پہلے کاشت کی جاتی ہے اور کم زرخیزی کی زمینیں مدارج کے لحاظ سے یکے بعد دیگرے زیر کاشت لائی جاتی ہیں۔ اور یہ مفروضہ زیر بحث نظریۂ لگان کی صحت کے لیئے لازمی ہے۔

تخفیف ہوتی رہتی ہے، گو اُس کی مقدار مطلق میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ مزدوروں کی اُجرت متناسب اور مطلق دونوں حیثیتوں سے بڑھتی ہے اور اس طرح ان مختلف معاشری جماعتوں کے اغراض ہم آہنگی رکھتے ہیں۔

لیکن کیری یہ مزید مشورہ دیتا ہے کہ اس ہم آہنگ ترقی کے حصول کی غرض سے یہ ضروری ہے کہ جو کچھ زمین سے حاصل کیا جاتا ہے اُس کو اُسی میں واپس کردیا جائے۔ زمین سے جو اشیار پیدا ہوتے ہیں وہ اُسی کے اجزا سے منتشر ہیں جو اُس سے علٰحدہ کر لیئے گئے ہیں۔ پس یہ اُسی کو ملنے چاہئیں۔ اگر وہ واپس نہ کیئے جائیں گے تو زمین کی قوت زائل ہوتے ہوتے فنا ہو جائے گی۔ اسی وجہ سے زرعی اشیار کے پیدا کرنے والوں اور صرف کرنے والوں کو ایک دوسرے سے قریب رہنا چاہیئے، اور بیرونی مصنوعات کے مبادلے میں زرعی پیداوار برآمد نہ کرنی چاہیئے، کیونکہ اس صورت میں صرف بیرونی ممالک ہی ان اشیاء کی کھاد سے مستفید ہوں گے۔ زمیندار اشیاء کی برآمد سے رقم کی صورت میں منافع یقیناً حاصل کرسکتا ہے، مگر اس مبادلے کا زمین کی زرخیزی پر مضر اثر پڑے گا اور اُس کی پیداآوری زائل ہوگی۔ اس طرح کیری، جو ابتداءً تجارت آزاد کا پرجوش حامی تھا، آخر میں اُصول تامین پر پہنچا ہے، یعنی یہ کہ جب عوام کی مرفہ الحالی میں ذاتی مفاد و اغراض خلل انداز ہوں تو حکومت کو مداخلت کرنی چاہیئے [1] امریکہ کی خوشحالی پر فیاضانہ تامینی

[1] گو اس استدلال کا جواب پروفیسر ایف۔ اے۔ واکر نے اپنی کتاب "اصول معاشیات" میں ایک حد تک دیا ہے لیکن وہ ناکافی ہے۔ لیکن واکر کا یہ خیال غالباً صحیح ہے کہ کیری اپنے استدلال کی بنیاد کی اہمیت کو بہت زیادہ مبالغے کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ لی اور لزلی یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ جہاں تک زمین کی قوتوں کے زائل کرنیکا تعلق ہے، زرعی پیداوار کو مغربی ریاستہائے امریکہ سے مشرقی ریاستوں میں منتقل کرنیکا اثر وہی ہوگا جو یورپ کو منتقل کرنے کا ہوتا ہے اور یہ کہ اسکے علاوہ غیر ممالک سے بھی مختلف قسم کے کھاد حاصل کیئے جاسکتے ہیں۔

محصولوں کا جو اثر پڑا تھا کیری نے اُس کا مشاہدہ کیا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے خیالات کی اس تبدیلی کو اسی مشاہدے کی طرف منسوب کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس مشاہدے نے اُس کو نظریے کی طرف رجوع کر دیا اور اسکو اس نتیجے پر پہنچا یا کہ قدیم اور مالدار قوموں کے عمل سے جو رکاوٹیں نوخیز قوموں کی ترقی کی راہ میں حائل ہوجائیں اُن کو دور کرنے کے لئے محولۂ بالا مداخلت ضروری ہے۔ لیکن اغلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے تبدیلیٔ خیال کا باعث لسٹ کے تحریرات کا اثر اور انگریزوں کے تفوق و تسلط سے اس کا قلبی دموروثی رشک وحسد تھا۔ اس طرح کیری جس عملی نتیجے پر پہنچتا ہے اُس سے، اگرچہ قدرتی معاشی قوانین کے وجود کے اُصول کی کسی حال میں تردید نہیں ہوتی، لیکن وہ نتیجہ اُس کے پُرامید منصوبے پر پوری طرح موافق نہیں بیٹھتا۔ اور ایک دوسرا عالم معاشیات فریڈرک بستیا کیری کے اساسی خیالات کو تسلیم کرکے غیر ملکی زائد عنصر کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے اور معاشرت کی قدرتی نظم و ترتیب کے نظریے کو تجارت آزاد کے عمل کے تعلق سے (اس حیثیت سے کہ اول الذکر آخرالذکر کا اصلی نتیجہ ہے) شد و مد کے ساتھ پیش کرتا ہے۔

فرانس

بستیا (۱۸۰۱ء-۱۸۵۰ء) اگرچہ جید و کامل فلسفی نہ تھا، مگر معاشی مسائل کی عمدگی کے ساتھ تشریح کرتا ہے۔ اور اُس کے معاشی تصانیف قبولیت عام رکھتے ہیں۔ اگرچہ اُس کا میلان طبع ہمیشہ معاشیات کے مطالعے کی طرف رہا، مگر اُس نے سب سے پہلے اپنے خیالات کی اشاعت اُس وقت شروع کی جبکہ قانون غلہ کے خلاف انگلستان میں تحریک شروع ہوئی اور اس تحریک سے نہایت جوش وخروش کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا۔ وہ چونکہ فطرتاً جوشیلے مزاج کا تھا اس لیئے سرگرمی کے ساتھ تجارت آزاد کے مباحثے میں حصہ لینے لگا۔ اور اس ذریعے سے فرانس کی معاشی حکمت عملی پر اثر ڈالنے کی توقع رکھتا تھا۔ اور ۱۸۴۵ء میں اس نزاع کی ایک

سرگزشت بعنوان Cobden et la ligue شائع کی۔ ۴۵-۱۸۴۸ء میں اس کی ایک تصنیف بعنوان Sophismes Economiques شائع ہوئی[1] جس سے اُس کی اعلیٰ دماغی قابلیت کا ثبوت ملتا ہے۔ اگرچہ Lettres Provinciales سے اس تصنیف کا مقابلہ کرنے میں کیرنس نے بہت زیادہ مبالغے سے کام لیا ہے۔ لیکن اس تصنیف میں یقیناً بہت زیادہ زندہ دلی جوش اور جامعیت پائی جاتی ہے۔ لیکن معمولی تجارت ناموں کے اُصول کے لغویات کی تردید کرنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ یہ تو کسمت تملی کی صرف وہ شکل تو عیّنہ کی محتاج و مستحق ہوتی ہے جیسی کہ رسٹ نے اپنی تجویز میں فرض کی تھی، جو بالکل عارضی تھی اور صنعتوں کو ابتدائی حالت میں ترقی دینے والی تھی۔ ۱۸۴۸ء کے انقلاب کے بعد جس نے ایک مدت کے لئے فرانس میں تجارت آزاد کی تحریک کا خاتمہ کر دیا۔ بستیاٹی کوششیں اشتراکیئین کی مخالفت میں صرف ہوئیں۔ مختلف مضامین کے علاوہ جن میں یہی خوبیاں موجود تھیں جو (Sophismes) میں تھیں، اُس نے اس مناظرے و مناقشے کو پیش نظر رکھ کر ایک کتاب (Harmonics) (Economiques) تحریر کی جو اُس کی خاص اور سب سے مشہور تصنیف ہے (اس کا انگریزی ترجمہ اسٹرلنگ نے کیا ۱۸۶۰ء) ۔ اس کی صرف پہلی جلد طبع ہو سکی جو ۱۸۵۰ء میں شائع ہوئی اور اسی سال اس کا مصنف راہیِ عالم بقا ہوا۔ مصنف نے جو مواد دوسری جلد کے لئے فراہم کیا تھا اُس کے انتقال کے بعد اکٹھا کیا گیا اور مع اس کے تمام تصنیفات کے عوام کے سامنے پیش ہوا۔ (یہ کام پیلوتیت نے انجام دیا اور اسی کے ساتھ فانتنے نے اس کی حیات لکھی۔ یہ سب سات جلدوں میں ہیں۔) اور اس طرح ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس کی کتاب

---

[1] اس کا انگریزی زبان میں ترجمہ ۱۸۴۹ء میں جی۔ آر۔ پورٹر نے اور ۱۸۷۳ء میں پی۔ جے۔ اسٹرلنگ نے کیا۔

کے آخری حصّوں کا کیا رنگ ہوتا اور اس میں کس قسم کے خیالات کا اظہار ہوتا۔ یہ کتاب تاریخی حیثیت سے ہمیشہ دلچسپ رہیگی، کیونکہ یہ رجائی معاشیات کا آخری اور مکمل نمونہ ہے جو قطعی اور صریحی امید افزا اصول پر مبنی تھا۔ اس رجائیت کا ماخذ و مبدأ قدرتی اصول ہیں اور یہ رجائیت مذہبی امور سے شروع ہوتی ہے۔ بستیا کا انگریز مترجم اس کی مدح سرائی کرتا ہے کہ اس نے معاشیات پر "علل غائیہ کے تعلق سے" بحث کی ہے۔ اس کتاب کا مقصد یہ ہے کہ تمام اصول، تمام جذبات اور تمام محرکات عمل اور تمام اغراض ایک عظیم الشان نصب العین کی طرف تعاون و تعامل کرتے ہیں گو اس نصب العین کی طرف انسان کی قوت کبھی نہ پہنچیگی لیکن اسکی جانب انسانیت کا رجحان روز بروز بڑھتا رہیگا۔ یعنی تمام جماعتیں غیر محدود طریقے سے ایک سطح کی طرف سمٹتی جاتی ہیں اور یہ سطح استقلال کے ساتھ اونچی ہوتی جاتی ہے۔ بالفاظ دیگر عام مرفہ الحالی میں افراد میں مساوات پیدا ہونے کا میلان پایا جاتا ہے۔

اس کے خاکے میں جو چیز خاصکر عجیب و غریب نظر آتی ہے وہ اس کا نظریۂ قدر ہے۔ وہ اس خیال پر زور دیتا ہے کہ قدر سے مراد کوئی ایسی چیز نہیں جو اشیاء کی ذات میں جس کی طرف وہ منسوب کی جاتی ہے مضمر ہے، یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ قدر دو مختلف خدمات کے تناسب کے سوائے اور کچھ ظاہر نہیں کرتی اور اس رائے کو سلیس، دلچسپ اور گوناگوں مثالوں سے پختہ کرتا ہے اس کی دانست میں صرف انسان کے باہمی خدمات میں "قدر" ہوتی ہے، اور ان کا معاوضہ ملتا ہے۔ باقی فطرت پیدائش کے کام میں ہمیشہ کسی معاوضے کے بغیر مدد دیتی ہے اور یہ مدد کبھی جزو قیمت نہیں ہوتی۔ معاشی ترقیات مثلاً کلوں کی اصلاح اور ان کے وسیع استعمال کا رجحان ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ یہ ترقیات افادے کے عنصر کو

شخصی ملکیت یعنی تجارتی قیمت کے عالم سے نکال کر قومی ملکیت کے دائرے میں یا عام مشترک ناخریدنی قیمت کی صورت میں منتقل کر دیتے ہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظریہ کیری کے نظریے سے جو اس سے قبل پیش کیا گیا تھا بہت کچھ مماثلت رکھتا ہے۔ اور کیری اکثر مقامات پر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نظریے کو بستیا نے اسی سے اقبال کے بغیر حاصل کیا تھا۔ غالباً اس امر کی طرف کافی توجہ نہیں کی گئی ہے کہ خیالات کی یہی مماثلت دنوئیر[1] کے نظریے میں بھی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ بستیا کا قول ہے کہ دنوئیر کی تصنیف کا ۱۰ احیائے علم "پر قوی اثر پڑا۔ اور فاتحہ' جو بستیا کا حیات نگار تھا لکھتا ہے کہ بستیا دنوئیر کو اپنا استاد تسلیم کرتا تھا اور اس کا دوسرا استاد چارلس کونت[2] تھا۔

صنعتی عمل اور صنعتی ترقی کے تصور کا جو طریقہ بھی بیان کیا گیا ہے اس حد تک دلچسپ و سبق آموز ہے جس حد تک کہ اس کا حقیقت پر اطلاق ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کی غیر واجبی طور پر اور حد سے زیادہ تعمیم کی گئی۔ کیرنس نے بہت خوب لکھا ہے کہ بستیا کی نظری صحت پر اسکی اس عادت کا برا اثر پڑا کہ وہ اصول کا مطالعہ صرف اپنے زمانے کے معاشرتی و سیاسی مباحث کو پیش نظر رکھ کر کرتا تھا۔ اس طرح وہ ان خیالات کو پہلے سے تسلیم کر لینے کے لیے تیار رہتا تھا جو جائز اور مفید اور رواج کے موافق ہوتے تھے اور ان خیالات کو مسترد کر دیتا تھا جو اس کو خطرناک نتائج کی جانب پہنچاتے معلوم ہوتے تھے۔ اس کا دائمی مقصد بقول اسی کے یہ تھا کہ اشترائین کے دلائل کا ابطال خود انھیں کے دلائل سے کرے۔ چونکہ اس کا دماغ پہلے سے پر تھا لہذا وہ یکسوئی کے ساتھ علمی حقیقت کی تہ کو پورے طور پر

---

۱ Dunoyer

۲ Charles Comte

نہ پہنچ سکا۔
اشتراکئین نے تملیک زمین کے بارے میں جو اعتراضات کیئے تھے اُن کا جواب دینے کی غرض سے بستیا نے اپنا نظریۂ قدر پیش کیا۔ اس بحث کے عملی ضروریات کے لیئے یہ پسندیدہ اور مناسب تھا کہ وہ یہ ثابت کرنے کے قابل ہو کہ سوائے ذاتی کوشش کے کسی 174 چیز کا معاوضہ نہیں ملتا۔ اس لحاظ سے لگان کے متعلق پہلے سے اُسکے ذہن میں تصوّر قائم ہوگیا تھا[۱] گو جیسا کہ اس کی وفات کے بعد جو مضامین شائع ہوئے اُن کا مدیر تسلیم کرتا ہے کہ ممکن ہے کہ لگان کے متعلق اُسکا تصوّر کیری کے تحریرات کی بنا پر قائم ہوا ہو۔ بستیا اور کیری دونوں کا یہ خیال تھا کہ لگان زمیندار یا اس کے متقدمین کی محنت اور اخراجات کا خالص صلہ ہے جو اُن کو زمین صاف کرنے، زائد پانی خارج کرنے، کھیت کا احاطہ کرنے اور کئی طرح سے اس کی مستقل درستی کرکے اُسکو قابل کاشت بنانے کے معاوضے میں ملتا ہے۔ اس طرح بستیا ریکارڈو کے نام نہاد نظریئے کو جسے اشتراکئین صحیح سمجھتے تھے، اور جائداد غیر منقولہ کی تملیک کے مروّجہ طریق کی مخالفت کرنے یا کم ازکم اس "ملکیت غاصبانہ" میں پوری قوم کو جائز اور برابر کا حصہ دار ثابت کرنے کی غرض سے پیش کرتے تھے، مسترد کرتا ہے۔ کیرنس کا قول ہے کہ بستیا پہلے تو قدر کے ممکنہ عناصر سے قدرت کی مفت اعانت کو خارج کرنے اور قدر کو انسان کی محنت کی طرف منسوب کرنیکی (بلکہ دونوں کو لازم و ملزوم قرار دینے کی) بے انتہا کوشش کرتا ہے۔ یعنی یہ کہ قدر کا منبع مطلق محنت ہے اور اس کے بعد وہ انسانی محنت کو "خدمت" سے نامزد کرتا ہے اور اس اصطلاح کو اسطرح استعمال کرتا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قدر کے عناصر میں قدرت کی وہ مفت اعانت بھی شامل ہے جسکا اس اعتبار سے اخراج اُس کے نظریئے کا سنگ بنیاد قرار پا چکا تھا۔ بستیا نے

[۱] دیکھو Essays in Political Economy P. 334.

الماس کی قدر کے سوال کو جس طرح حل کیا ہے اُس پر غور کرنے سے منقولہٗ بالا نکتہ بینی کی صحت و صداقت کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس امر سے کہ انسانی کار و بار کی اکثر صورتوں میں قیمت محنت ہی کا معاوضہ ہوتی ہے کسی کو انکار یا اعتراض نہیں ہو سکتا۔ لیکن ایسی صورت میں جبکہ کسی کو الماس اتفاقاً مفت دستیاب ہو گیا ہو یہ ثابت کرنا کہ پانے والے کو الماس کے حاصل کرنے اور اُس کو منڈی تک بھجوانے میں جو محنت صرف کرنی پڑی اسی کا معاوضہ قیمت ہے اُس کے نظریۂ قدر کا (اس اُصول کے عام اطلاق کے نظر کرتے) لغو اور لایعنی نتیجہ ہے۔ اب رہی زمین، تو اگرچہ لگان کے بیشتر حصے کو عام مفہوم کے لحاظ سے اصل کا سود کہنا چاہیئے، مگر یہ ظاہر ہے کہ زرعی زمین کی اصلی قوتوں سے کام لیا جا سکتا ہے اور یہ کہ اُن کے استعمال کا معاوضہ طلب کیا جا سکتا اور مل سکتا ہے۔

175 بستیا کا فلسفہ نہایت ضعیف ہے۔ اُس کا دماغ مذہبی علل اشیاء کے خیالات سے پُر ہے اور یہی خیالات اُس کو حقیقی واقعات و قوانین کے متعلق لمّی طریق پر مفروضی رائے قائم کرنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ اور قانون فطرت، جو مابعد الطبیعی خیالات کے مثل الٰہیات پر مبنی ہے، بستیا کے نزدیک ویسا ہی اُصول موضوعہ ہے جیسا کہ فطرآئینوں کے نزدیک تھا۔ چنانچہ وہ اپنے مضمون "تجارت آزاد" میں یوں لکھتا ہے :۔ مبادلۂ ملکیت کے مثل ایک قدرتی حق ہے۔ ہر شہری، جس نے کوئی شے تیار یا حاصل کی ہو، اُس کو اس بات کا اختیار حاصل ہونا چاہیئے کہ یا تو اس شے کو اپنے استعمال میں لائے یا کرۂ ارض کے کسی ایسے شخص کو دیدے جو اُس کے معاوضے میں اشیائے مطلوبہ فراہم کرنے پر رضامند و تیار ہو۔ ترگو کا بھی کچھ اسی قسم کا قول تھا۔ لیکن ترگو کے زمانے میں اشیاء پر اس طرح سے نظر کرنے کا طریقہ قابل معافی ہو سکتا تھا اور عارضی طور پر مفید بھی تھا۔ لیکن انیسویں صدی کے وسط میں

اس بات کی قطعی ضرورت تھی کہ اس طریقے پر غور و خوض کر کے اس کو ترک کر دیا جاتا۔

بسٹیا اس علم کا حقیقی جوش رکھتا تھا جس کو وہ خیال کرتا تھا کہ نوع انسانی کے عظیم خدمات انجام دینے والا ہے اور جن اصول نے اس کی تعلیم کو خاص رنگ میں رنگ دیا تھا وہ بظاہر انھیں سے گہری عقیدتمندی رکھتا تھا۔ اگر اس کی مبالغہ آمیز رجائیت اصلداروں اور زمینداروں کے طبقے کی موافقت کرتی تھی تو یہ مبالغہ آمیزی ذاتی مفاد یا خوشامد کی بنا پر نہ تھی۔ لیکن پھر بھی یہ مبالغہ ہی ٹھہرا۔ اور موجودہ زمانے کے اصل و محنت کے تنازعات کے درمیان اس کا معاشری نظم و ترتیب میں دوامی ہم آہنگی کا دعویٰ "امن و امان" کا اعلان ہے درانحالیکہ امن و امان کا نشان بھی نہیں پایا جاتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ معاشری آزادی سے، جس کو وہ اکسیر اعظم خیال کرتا تھا، متعدد فوائد حاصل ہوئے مگر تجربے سے اس امر کا کافی ثبوت بہم پہنچتا ہے کہ یہ آزادی معاشری سوال کو حل کرنے سے قاصر ہے۔ معاشی انقلاب کے وکیلوں کو اس بات کا یقین دلانے سے کہ کائنات کی ہر چیز با نظم و ترتیب ہے کس طرح پر تشفی ہو سکتی ہے؟ اور اس امر کو منوانے کی کوشش کرنے سے کیا فائدہ کہ جس چیز کی ان لوگوں کو تلاش ہے وہ پہلے سے موجود ہے؟ اس میں کلام نہیں کہ قدرتی نظم و ترتیب ایک حد تک موجود ہے کیونکہ اس کے بغیر تو بقائے قوم و معاشرت محال ہے۔ لیکن یہ نظم و ترتیب ناقص و ناتمام ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہم اس کی زیادہ سے زیادہ استواری اور تکمیل کیونکر کر سکتے ہیں؟

اگسٹن کورنا (۱۸۰۱ء تا ۱۸۷۷ء) پہلا شخص معلوم ہوتا ہے جو ریاضی اور معاشیات دونوں علوم میں کافی دستگاہ رکھتا تھا اور جس نے معاشی مسائل کی بحث میں ریاضی سے کام لیا۔ اس کی ایک کتاب[1] ۱۸۳۸ء میں

[1] اسکا عنوان یہ تھا:۔ Recherches sur les Principle mathe matiques De la Theorie des Richess Rechershes

شائع ہوی وہ اس میں لکھتا ہے کہ قبل ازیں اس قسم کی صرف ایک تصنیف لکھی گئی تھی (حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ دوسرے تصانیف بھی لکھے گئے تھے) اس سے اس کا اشارہ نکولس فرانکاہی کینرڈ کی تصنیف کی طرف ہے جو ۱۸۰۲ء میں شائع ہوئی۔ انجمن علوم وفنون نے اس کی بڑی قدر کی اگرچہ "اس کے اصول بالکلیہ غیر صحیح اور غلط طور سے استعمال کئے گئے ہیں" اگرچہ کورنا ریاضی کا ایک مشہور مصنف مانا جاتا تھا مگر Recherches کا کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ بعض صورتوں میں اسکے نتائج کوئی اہمیت نہیں رکھتے، بعض کی صحت میں کلام ہے اور یہ کہ وہ اپنے حساب کو سہل بنانے کی غرض سے تجریدات وانتزاعات سے فائدہ اٹھاتا ہے، اور ان میں سوال کے حقیقی شرائط وحالات کا ضروری جز وبعض اوقات نظر انداز کردیتا ہے۔ اس کی کتاب میں ریاضی کی علامتیں بکثرت موجود ہیں جو مجہول افعال کو ظاہر کرتی ہیں اور افعال کی صورت کی تحقیق کو جسے وہ اپنے کام کا جز نہیں خیال کرتا اس نے واقعات کے مشاہدے پر چھوڑدیا ہے یا غیر محقق افعال کے صرف چند معلوم خواص بطور استخراج کی بنیاد کے وہ استعمال کرتا ہے۔ اس کے ان معاشی تصانیف کی فہرست میں جن میں ریاضی سے کام لیا گیا ہے جیونس ایک دوسری کتاب بھی شامل کرتا ہے جسکو کورنا نے ۱۸۶۳ء میں بعنوان Principes de la Theorie des Richesses شائع کیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب جو اس طرح پر موسوم کی گئی تھی۔ اس کی نہایت قابل تصنیف ہے اور اس میں معمولی معاشیین کی مبالغہ آمیزیوں پر نہایت مدلل اعتراضات کئے گئے ہیں۔ مگر اس میں ریاضی طریقے کا کہیں بھی استعمال نہیں کیا گیا ہے اور جبر ومقابلہ کا ایک بھی ضابطہ اس میں موجود نہیں ہے۔ مصنف اقرار کرتا ہے کہ

معاشی مباحث میں ریاضی علامتوں کے استعمال سے عوام کو ہمیشہ نفرت
رہی ہے۔ اور اگرچہ اُس کی دانست میں یہ علامتیں تشریح میں سہولت
پیدا کرنے تصورات کو قائم و ثابت کرنے، اور مزید ترقی کی طرف رہبری
کرنے میں کار آمد ہیں۔ تاہم وہ اقرار کرتا ہے کہ ان کا استعمال خطرے سے
خالی نہیں ہے۔ بقول اُس کے خطرے کا امکان اس چیز میں ہے کہ
جن انتزاعی یا تجریدی مفروضات سے محقق شروع کرتا ہے اور جو انتزاعی 177
مفروضات ضابطے قائم کرنے میں اس کو مدد دیتے ہیں ممکن ہے کہ ان
کو نا واجب اہمیت حاصل ہو جائے۔ چنانچہ وہ یہ عملی نتیجہ اخذ کرتا ہے
کہ ریاضی کے عمل کو نہایت احتیاط کے ساتھ استعمال کرنا چاہیئے یا اگر
عوام کا فیصلہ اُس کے خلاف ہو تو کبھی استعمال ہی نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ
بقول اُس کے اس "فیصلے" کے جو مخفی اسباب ہیں وہ بہ نسبت ان
اسباب کے جو افراد انسانی کے رایوں کا تعین کرتے ہیں اکثر
بہت زیادہ یقینی ہیں۔ یہ ظاہر امر ہے کہ غلط یا یا ط ذ مجر د اصول کو
بحیثیت مقدمات استدلال کے قبول کرنا صرف ریاضی علامتوں کے
استعمال پر ہی موقوف نہیں ہے، اگرچہ یہ ممکن ہے کہ ریاضی کی ان
علامتوں کے استعمال سے ان مقدمات کے صحیح سمجھنے میں دھوکہ ہو۔
لیکن ریاضیات کو معاشی استدلال میں استعمال کرنے کے بارے میں
سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ وہ لازمی طور پر لا حاصل اور بے سود
ہے۔ اس کو استعمال کرنے کی جو کوششیں کی گئی ہیں اگر ہم ان کو جانچیں تو
ہمیں معلوم ہوگا کہ جن اساسی تصوّرات پر استخراجات قائم کیئے جاتے
ہیں وہ نہایت مبہم اور بلحاظ نوعیت حقیقت میں مابعد الطبیعی ہیں۔ حیوانی
احتیاجات اور اخلاقی احتیاجات کی تسکین پذیری کی اکائیاں اور افادے
کی اکائیاں مقرّر کرنا ایجابی علم میں ایسا ہی غیر مقبول ہے جیسا کہ "خوابیدہ"
قوتوں کی اکائیاں مقرر کرنا۔ اور اسی طرح قدر کی اکائی بھی ایک غیر معیّن
تصوّر ہے تاوقتیکہ ہم قدر سے اس شئے کی مقدار مراد نہ لیں جو مقرّرہ

حالات میں دوسری شے سے قابل مبادلہ ہو۔ اس میں شک نہیں اگر اشیا کا مشاہدہ ہو چکا ہو تو ریاضی اُن کے مبادلے کی نسبتوں کو قائم کرسکتی ہے۔ لیکن ریاضی اپنے کسی عمل سے بھی ان نسبتوں کو متعین نہیں کرسکتی۔ اس لیئے کہ مقداری نتائج مقداری مقدمات پر منحصر ہوتے ہیں۔ اور ایسے مقدمات مفقود ہیں۔ پس اس قسم کی تحقیق کے لیئے کوئی مستقبل نہیں ہے۔ اسکو جاری رکھنا محض تضیع اوقات ہے لیکن اس نتیجے سے ریاضی کی اہمیت پر بحیثیت اسکے کہ وہ جملہ اعلیٰ علمی تحقیقات کا زینہ ہے کوئی اثر نہیں پڑتا طبیعی واسطہ یا ماحول کی تحقیق کیلیئے جنیں معاشی مظاہر واقع ہوتے ہیں، اور جن کا معاشی مظاہر پر اثر پڑتا ہے، ریاضی کی بحیثیت ایک آلے کے ضرورت ہوتی ہے اور اس علم کا جو تخریجی فائدہ ہے اُس کو کوئی شے معطل نہیں کرسکتی اس لیئے کہ وہ عقلی تحقیق میں ایک اساسی طریق بہم پہنچاتا ہے، قطعی ثبوت کا پر جذبہ اذعان بخشتا ہے اور دماغ کو پُرفریب وہمی تصورات اور سوفسطائی مصنوعی ترکیبات کی طرف مائل ہونے سے روکتا ہے۔ چنانچہ معاشئین کے لیئے کم از کم ریاضی کے اساسی اصول کا علم ضروری ہے تاکہ وہ مسائل کو صحت کے ساتھ بیان کرسکیں اور ان اصول کی ایسی تشریح اور اعلان کرنے سے باز رہیں جو لایعنی ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ اس بارے میں نامی و ناموَر مصنفوں کا دامن بھی ان نقائص سے پاک نہیں ہے۔ چنانچہ اصل مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ دو مقداروں کی جمع (نہ کہ حاصل ضرب) دائمی ہوتی ہے اور وہ اشخاص دعوے کے ساتھ اس کو یوں بیان کرتے ہیں کہ" دو مقداروں کے تغیرات میں نسبت معکوس ہوتی ہے"۔ یہ اشخاص مختلف عناصر کے مجموعے کی مقدار کو عددی تخمینے کے قابل سمجھتے ہیں حالانکہ یہ عناصر مختلف النوع ہونے کی وجہ سے مشترک معیار میں نہیں لائے جاسکتے۔ اس غلطی کی مثال یہ دی جاسکتی ہے کہ" محنت کی مقدار" میں، جس کو ریکارڈو بکثرت استعمال کرتا ہے اور جس کو اُس نے

178

درحقیقت اسپنے نظام کی بنیاد بنادیا تھا، جدّوجہد کے اس قدر مختلف انواع شامل ہیں کہ ان کا مجموعہ یا مقابلہ کرنا امکان سے باہر ہے۔

اٹلی

"دولت اقوام" کا پہلا ترجمہ اطالوی زبان میں ۱۷۸۰ء میں شائع ہوا۔ لیکن اٹلی میں اس عہد کا سب سے مشہور معاشی ملچیوری گیوجا تھا، مگر وہ آدم اسمتھ کا پیرو نہ تھا۔ اس نے متعدد تصانیف اور اعداد وشمار پر کتابیں لکھنے کے علاوہ وہ ایک ضخیم کتاب[1] (۶ جلدیں ۱۸۱۵ء۔ ۱۸۱۷ء۔ یہ کتاب مکمّل نہیں ہوئی) اس مقصد سے لکھی کہ وہ اُن تمام امور کا دائرۃ المعارف ہو جو نظریاتیوں کے تعلیمات تھے اور جن کو حکومتوں نے نافذ کیا یا جن کو عوام نے قومی اور انفرادی معیشت کے میدان میں انجام دیا تھا۔ یہ ایک نہایت قابلانہ تصنیف ہے۔ لیکن اس میں اس قدر حوالے، اقوال اور جدولیں ہیں کہ ناظرین کو دلچسپی نہیں ہوسکتی بلکہ طبیعت اُکتا جاتی ہے۔ گیوجا[2] انگلستان کے عملی معاشی نظام کو پسند کرتا تھا اور ملکیت ارضی، مصنوعات اور تجارتی کاروبار کو چھوٹے پیمانے کے مقابل بڑے پیمانے پر جاری کرنے کے فوائد کو مفصّل طور پر بیان کرتا ہے۔ وہ بندشیں قائم کرنے کی حکمت عملی کا مؤید ہے اور اس امر پر زور دیتا ہے کہ صنعتی دنیا میں حکومت کا عمل بحیثیت رہنما، محافظ اور منتظم قوت کے ہونا چاہیئے۔ لیکن وہ اسپنے زمانے کے مذاق کے ساتھ جو کلیسائی تسلّط اور قرون وسطیٰ کے دوسرے آثار باقیہ کے خلاف تھا کامل

---

[1] Nuovo Prospetto delle Scienza Economiche

[2] Gioja

ہمدردی رکھتا تھا۔

179 اس شخص کے علاوہ دوسرے مصنفین پر نہایت مختصر سا تبصرہ کیا جا سکتا ہے مثلاً (۱) روماگنوسی[1] نے (۱۸۳۵ء میں فوت ہوا) اپنے زمانے کے رسائل و اخبارات میں مضامین لکھ کر اور تعلیم و تدریس کے ذریعے سے اٹلی میں معاشی خیال کی رفتار کو بڑی حد تک متاثر کیا (۲) انٹونیو اسکیلوجا[2] تجارت آزاد کا نہایت زبردست وکیل تھا (۱۸۷۷ء میں فوت ہوا) (۳) لیوگی سبراریو[3] جو ایک کتاب موسومہ (Economia Politica del medio evo) (۱۸۳۹ء پانچویں ایڈیشن ۱۸۶۱ء - اس کا ۱۸۵۹ء میں برنیو نے فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا) کا مشہور مصنف ہے - اس کی کتاب درحقیقت اس زمانے کے جملہ معاشری نظام پر ایک تبصرہ ہے (۴) جیرولامو بوکاردو[4] (۱۸۲۹ء میں پیدا ہوا - اور اس نے ایک کتاب موسومہ (Tratta to teorico Pratico di Economia Politica 1853) تصنیف کی -

(۵) فرانسسکو فرارا[5] نہایت اچھا مناظر تھا اور ٹیورن میں ۱۸۴۹ء تا ۱۸۵۸ء تک پروفیسر رہا (اسی کے مدرسے میں موجودہ زمانے کے اکثر اطالوی معلمان معاشیات نے براہ راست یا بالواسطہ تعلیم حاصل کی تھی) - یہ اصول عدم مداخلت کا اس کی انتہائی شکل میں وکیل ہے

---

[1] Romagnosi

[2] Antonio Scialoja اس کے دو تصانیف قابل ذکر ہیں یعنی

Principsii d'Economia Sociale (1840).

Carestiae Governo (1853).

[3] Luigi Cibrario

[4] Girolamo Boccardo

[5] Francisco Ferara

اور مبحث لگان پر کیری اور لستیا کے جو عجیب و غریب خیالات تھے ان کا موئید ہے۔ (۶) اور سب سے آخر میں نیاپولس کا وزیر لوڈو ویکو بیا نچینی[1] ایک کتاب موسوم بہ (Principii della Scienza del Ben Vivere Sociale 1845 and 1855. کا مصنف ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے ایک حد تک تاریخی انداز کی پیروی کی اور اصول اضافیت کو دعوے کے ساتھ بیان کیا اور معاشیات اور اخلاقیات کے تعلق سے بھی بحث کی چنانچہ اخلاقیات کی طرف ہی خاص توجہ کرنے کے باعث اطالوی علمائے معاشیات عام طور پر مشہور و معروف ہیں۔

اسپین

جے۔ اے۔ آرٹز[2] نے ۱۷۹۴ء میں "دولت اقوام" کو ہسپانی زبان میں ترجمہ کیا۔ اغلب ہے کہ اس کتاب کا گیسپر ڈی جویلانوس[3] پر بڑا اثر ہوا ہو کیونکہ اُس نے ۱۷۹۵ء میں کیسٹل کی مجلس میں اپنا مشہور مضمون موسوم بہ Informe de la Sociedad economica de Madrid en expediente de Ley Agraria. پیش کیا اور اس میں اصلاح کی سخت ضرورت ظاہر کی۔ خصوصاً محصولات اور اُن قوانین کی اصلاح کی (بشمول وراثت و جائداد مکفولہ کے نظام کے قوانین کے) جن کا زراعت پر اثر پڑتا ہے۔ اس تذکرے کا انگریزی ترجمہ ۱۸۰۹ء میں لیبورڈ[4] کی کتاب "Spain" جلد چہارم میں

---

[1] Ludovico Bianchini

[2] J. A. Ortiz

[3] Gaspar de Jovellanos

[4] Laborde

موجود ہے۔

جرمنی

روشیر لکھتا ہے کہ اسمتھ کو پہلے پہلے جرمنی میں قبولیت حاصل نہ ہوئی[1]۔ فریڈرک اعظم کی اسمتھ سے کوئی واقفیت ظاہر نہیں ہوتی اور نہ اس پر آدم اسمتھ کا کوئی اثر تھا۔ جوزف ثانی نے بھی آدم اسمتھ کی تصنیف کا مطالعہ نہ کیا اور جرمنی کے چھوٹے چھوٹے رؤسا میں کارل فریڈرک آف بیڈن چونکہ فطرتاً آئینی تھا اس لیے آدم اسمتھ کے اصول کی اس تک رسائی نہ تھی۔ انیسویں صدی کے پہلے عشرے سے جس نسل کا خاص حد تک تعلق ہے اس میں معاملہ بالکل برعکس تھا۔ پروشیا کے مدبرین جو اسٹائن[2] کے ارد گرد جمع تھے انھوں نے بحیثیت معاشئین آدم اسمتھ کے اصول پر تربیت حاصل کی تھی اور گنیتز[3] کا بھی یہی حال تھا جو باعتبار عقل و دانش مٹرنخ کی وزارت کے زمانے میں سلطنت آسٹریا میں سب سے مشہور شخص تھا۔

جرمنی میں آدم اسمتھ کے سب سے پہلے شارحین جنھوں نے محض اس کے خیالات کو اپنے الفاظ میں بیان کرنے کے علاوہ بھی بہت کچھ کیا تھا یہ ہیں:- (۱) جیکب کراس ۱۷۵۳ء تا ۱۸۰۷ء (۲)

---

[1] "دولت اقوام" کا پہلا جرمنی ترجمہ ۱۷۷۶ء تا ۱۷۷۸ء میں شائع ہوا اس کا مترجم جوہان فریڈرش سٹلر تھا۔ دوسرا ترجمہ جو بہترین ترجمہ ہے کرسچین گارو نے ۱۷۹۴ء میں کیا۔ اس کے بعد سی ڈبلیو انشر نے بھی ۱۸۶۱ء میں اس کا ترجمہ کیا جس کی بہت قدر و وقعت کی جاتی ہے۔

[2] Stein

[3] Gentz

جارج سارٹوریس[1] (۱۷۶۶ء تا ۱۸۲۸ء) (۳) اور آگسٹ فرڈیننڈ لیوڈر[2] (۱۷۶۰ء تا ۱۸۱۹ء) - ان میں سے ہر شخص نے اپنے اپنے علیحدہ نقطۂ نظر سے مستقل اور آزاد خیالات کا اظہار کیا - جیکب کراس نے اس نقطۂ نظر سے کہ اسمتھ کے نظریئے کا عملی حکومت پر کیا اثر پڑتا ہے سارٹوریس نے اس نقطۂ نظر سے کہ اسمتھ کے اصول کا تاریخ سے کیا لگاؤ ہے اور لیوڈر نے اس حیثیت سے کہ ان اصول کا اعداد وشمار سے کیا تعلق ہے اپنے اپنے خیالات ظاہر کیے - کچھ عرصے بعد گاٹلیب ہیوفلینڈ[3] (۱۷۶۰ء تا ۱۸۱۷ء) جوہان فرڈرش الیسو بیس لوٹز[4] (۱۷۷۰ء تا ۱۸۳۸ء) اور لاڈوک ہین رش فان جیکب (۱۷۵۹ء تا ۱۸۲۷ء) جو اگرچہ لازمی طور پر آدم اسمتھ کے مسلک کے پیرو تھے علم المعیشت کے اساسی تصورات پر نظر ثانی کرتے ہیں - مثل سے کے ان مصنفین کا کوئی وسیع اثر نہیں پڑا - اس کی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ ان کی تحریریں دلکش پیرائے میں نہ تھیں لیکن اس کا زیادہ تر سبب یہ تھا کہ مثل فرانس کے اس وقت جرمنی کی تحریریں یوروپ میں قبول عام نہ رکھتی تھیں -

جولیس فان سوڈن (۱۷۵۴ء تا ۱۸۳۱ء) کے خیالات زیادہ تر آدم اسمتھ پر مبنی ہیں - مگر وہ اسمتھ پر خصوصاً اُس کے طرز اور اُسکی کتاب کی ترتیب پر ناواجب تشدد کے ساتھ یہ نکتہ چینی کرتا ہے کہ اُس نے اپنے کل بحث کو جامعیت اور وضاحت کے ساتھ نہیں پیش کیا اور اُس کے رجحانات یکطرفہ اور بالکلیہ انگریزی ہیں -

اسمتھ کے اعلیٰ ترین اصول اور طریق کی جرمنی میں چار مشہور اشخاص

181

---

[1] George Sartorius

[2] August Ferdinand Ludor

[3] Gottlieb Hufeland

[4] Johan Fredrich Eusebius Lots

نمائندگی کرتے ہیں:۔ (۱) کارل ہین رش راؤ[1] (۱۷۹۲ء تا ۱۸۷۰ء)۔ (۲) فرڈرک بی بے نیس (۱۸۰۸ء تا ۱۸۵۷ء)۔ (۳) فرڈرک ولیم ہرمان (۱۷۹۵ء تا ۱۸۶۸ء) اور (۴) جوہان ہین رش فان تھیونن (۱۷۸۳ء تا ۱۸۵۰ء)۔

راؤ کی خصوصیت علمی تبحر و جامعیت ہے۔ اس کی تصنیف موسوم بہ (Lehrbuch) (۱۸۲۶ء تا ۱۸۳۲ء) ان تمام امور کا مجموعہ ہے جو Volkwirthschaft slehre Volkwirthschaft Politik, Finanzwissen Schaft) کے مختلف عنوانات کے تحت اسکے زمانے تک شائع ہوئے تھے۔ اس کی کتاب عددی مشاہدات سے مالامال اور اس لحاظ سے سبق آموز ہے کہ اس میں مختلف جغرافی حالات کے معاشی اثرات پر خاص طور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ کتاب سرکاری ملازموں کو جن کے فرائض معاشی معاملات سے متعلق ہیں، تعلیم دینے کے لیئے نہایت موزوں ہے۔ چنانچہ جرمنی کے سرکاری حکام اسی ذریعے سے علم المعیشت کے متعلق انیسویں صدی کے ساتویں عشرے تک معلومات اخذ کرتے رہے۔ ابتداءً راؤ معاشی اصول کی اصلاح کی ضرورت پر زور دیتا رہا چنانچہ اُس نے اس بارے میں ایک کتاب[2] لکھی۔ اور اس کا میلان طبع اضافیت اور تاریخی طریق کی طرف تھا۔ لیکن بعد میں اس نے یہ غلط خیال قائم کرلیا کہ تاریخی طریق محض گزشتہ واقعات پر نظر ڈالتا ہے اور موجودہ زمانے کی اصلاح کے ذرائع پر غور نہیں کرتا۔ اور خود خالص عمل کی طرف (اس لفظ کے تنگ معنوں کے لحاظ سے) مائل ہوگیا۔ راؤ اس لحاظ سے قابل تحسین ہے کہ اُسنے اجرت تنظیم Unternehmergewinn

---

[1] Karl Henrich Rau

[2] Ansichten der Volkswirthschaft 1821ء

پر جداگانہ بحث کی ہے۔ فی سے نیس وزیر باڈن، نے کروڑگیری کے نظام اور جنگی کے اتحاد کی تاسیس میں بہت بڑا حصہ لیا تھا، اُس نے قرضۂ عامّہ پر ایک رسالہ ۱۸۲۰ء میں لکھا جس کی بڑی قدر ہوئی۔ ہرمان کی تصنیف موسوم بہ Staatswirthschchaftliche Untersuchungen (1832) میں باقاعدہ مکمل نظام نہیں پیش کیا گیا ہے بلکہ خاص خاص اہم مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ ہرمان کے عدیم المثال صناعیاتی معلومات نے بعض معاشی سوالات پر بحث کرنے میں اُسکے لیئے بڑی سہولت پیدا کردی تھی۔ اس نے علم المعیشت کے اہم اساسی تصوّرات کو مکمل طور سے اور نہایت دقت نظر کے ساتھ جانچا۔ بقول روشیر" ہرمان کی قوّت اس میں مضمر ہے کہ اُس نے پیچیدہ تصوّر کے مختلف عناصر یا پیچیدہ عمل کے مختلف مرحلوں پر غائر نظر ڈالی اور ان میں باریک اور بیّن امتیازات پیدا کیئے" چونکہ عناصر کا تجزیہ کرنے کی قوّت اُس میں بدرجۂ اعلیٰ موجود تھی اس لیئے اس کے ہموطن بھائی اُس کو ریکارڈو کا ہم پلہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن وہ ریکارڈو کے جانبدارانہ خیالات کے سے اکثر خیالات کے اظہار سے باز رہتا ہے چنانچہ انانیت کے دوش بدوش اُس نے عام ہمدردی اور جوش کو معاشی محرک قرار دیا ہے۔ وہ قیمت کو محض محنت ہی کا پیمانہ قرار نہیں دیتا بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ قیمت میں مختلف اجزا شامل ہیں اور مزدور کے خرچ پر اصلدار کے مصارف پیدائش کا صرف جزو ہونیکی حیثیت سے نظر نہیں ڈالتا بلکہ عادتاً اسی صرف یا خرچ کو معاشیات کا خاص عملی مقصد قرار دیتا ہے۔ تھیونن خاصکر اپنی معرکۃ الآرا تصنیف[1] کی وجہ سے مشہور ہے۔ اس کتاب میں، جو معاشیات کے شعبۂ زراعت پر

182

[1] Der Isolitre staat in Beziehung auf Landwirthschaft und National okonomie (1826; 3rd Edition 1875)

ایک معتبر اور مستند تصنیف ہے، صحیح مشاہدہ اور اختراعی تخیل کا عدیم المثال طریقے سے امتزاج ہے۔ وہ زراعت کی قدرتی تدریجی ترقی دکھانے کی غرض سے ایک ایسی سرزمین کی مثال فرض کرتا ہے جو باقی دُنیا سے بالکل الگ تھلگ، ایک دائرے کی شکل رکھتی ہے۔ اس زمین کی زرخیزی یکساں فرض کی گئی ہے۔ یہ بھی فرض کیا گیا ہے کہ اس میں آبپاشی کے لیئے دریا اور نہریں نہیں ہیں، صرف ایک بڑا شہر اس کے عین وسط میں واقع ہے۔ اس شہر میں جو مصنوعات تیار کیئے جاتے ہیں وہ شہر کے گرد و نواح میں بعوض اشیائے خوردنی بھیجے جاتے ہیں۔ یہ امور فرض کر کے وہ اس امر پر غور کرتا ہے کہ اطراف و اکناف میں جو متعدد حلقے یکے بعد دیگرے زیر کاشت آتے ہیں اُنکے مصارف پر اور زرعی معیشت پر فاصلے کا کیا اثر پڑتا ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ یہ طریقہ کلیۃً انتزاعی ہے اور اگرچہ ممکن ہے کہ یہ نتیجہ خیز ہو لیکن اس کا استعمال کرنا بالکل جائز اور درست ہے۔ مصنف اس امر سے بخوبی آگاہ ہے کہ فرضی مثال حقیقی واقعہ نہیں ہو سکتی بلکہ وہ محض قیاسی مفروضہ ہے۔ اُس کی دانست میں مثال کا فرض کرنا اس وجہ سے ضروری ہے کہ تمام غیر متعلقہ امور سے قطع نظر کر کے ایک ضروری حالت پر علٰحدہ طور سے غور کیا جا سکتا ہے۔ یعنی یہ امر کہ کھیت بازار سے کتنے کتنے فاصلے پر واقع ہیں اور فاصلے کا ان پر کیا اثر پڑتا ہے۔ اُس کا منشا یہ تھا (اگرچہ وہ کماحقہٗ پورا نہ ہوا) کہ اپنی منفرد و دور افتادہ زمین کے بارے میں کئی مختلف مفروضات قائم کرے تاکہ اس طریقے سے دوسرے حالات کا بھی ملاحظہ کرے جو حقیقی زندگی میں متحدہ طور سے یا ایک دوسرے کے متضاد پائے جاتے ہیں۔ اس طریق کے بارے میں اعتراض یہ ہے کہ انتزاعیات سے گزر کر واقعات کی طرف رجوع کرنے میں دشواری

پیش آتی ہے۔ اور اس طریق کے استعمال کے اعتبار سے یہ دشواری
ایسی ہے جس سے عہدہ برآ ہونا قریباً محال ہے۔ پھر بھی یہ طرز تحقیقات
زرعی معیشت کے مختلف نظاموں کے یکے بعد دیگرے واقع ہونے
کے حالات کے متعلق قابل وثوق نتائج تک رہبری کرتا ہے۔ یہ
کتاب زرعی اخراجات و مداخل کے حسابات سے پُر ہے، جس
سے اگرچہ خصوصی ماہر فن یا محقق کو بیش بہا مواد ملتا ہے، مگر عام ناظرین
کی دلچسپی کم ہو جاتی ہے۔ اور تک لن برگ شورن میں مصنف نے
اپنے علاقۂ ٹیلو پر عملی تجربہ کر کے یہ نتائج اخذ کئے تھے۔ تھیونن کے
دل میں یہ خوف بیٹھ گیا تھا کہ اوسط اور ادنیٰ طبقوں کے مابین سخت
نزاع پیدا ہو جائے گی۔ چنانچہ اُس نے اجرت کے مسئلے پر سرگرمی
کے ساتھ غور کیا۔ اجرت کو وہ محض محنت کی قیمت خیال نہیں کرتا
تھا بلکہ عادتاً کل قوم کا ذریعۂ معاش تصور کرتا تھا۔ اُس نے ریاضی کے
بعض پیچیدہ استدلال کے ذریعے سے ایک ضابطہ قائم کیا جس میں
معمولی اجرت کی مقدار کو مزدور کے گزر اوقات کے ضروری
اخراجات اور اُس کی محنت کے ماحصل کے مضروب کے جذر کے
مساوی قرار دیا ہے۔ (یعنی ضابطہ یہ ہے:- $\text{ا} = \sqrt{\text{خ م}}$ جس
میں ا سے مراد معمولی اجرت، خ سے مراد مزدور کی گزر اوقات
کا ضروری خرچ، اور م سے مراد اُس کی محنت کا ماحصل ہے)
اور اس ضابطے سے اس قدر اہمیت منسوب کی کہ اُس نے اس کو
اپنی قبر پر کندہ کرنے کی وصیت کر دی۔ اس ضابطے کا یہ مطلب ہے
کہ محنت کے ماحصل کے اضافے کے ساتھ ساتھ اجرت میں بھی
اضافہ ہونا چاہیئے۔ اس نتیجے کی بنا پر اُس نے اپنے علاقے میں یہ قاعدہ
جاری کر دیا کہ زرعی منافع میں سے مزدور کو بھی حصہ ملا کرے اس کا کچھ
حال سیڈلی ٹیلر کی تصنیف[1] میں ملیگا۔ انگلستان میں تھیونن پر جتنی توجہ

[1] Profit Sharing. between capital and Labour (1884) by Sedley Taylor.

کی گئی وہ اس سے زیادہ کا مستحق ہے۔ انسان اور مصنّف دونوں حیثیتوں سے اُس نے دلچسپ اور جدّت آفرین طبیعت پائی تھی۔ اور اُس کی کتاب موسوم بہ "الگ تھلگ[1] سلطنت" اور اُس کے دیگر تصنیفات میں ایسا مواد بکثرت ملتا ہے جو سبق آموز اور مفید ہے۔

روشیر اس چیز کو تسلیم کرتا ہے جس کو وہ "جرمنی و روسی" مسلک معاشیات سے موسوم کرتا ہے اور جس کی نمائش اسٹارک (1766-1825) خاص طور سے نمائندگی کرتا ہے۔ ایک عالم معاشیات ایوان پرسوکاف نے جو روس کا باشندہ تھا پیٹر اعظم کے عہد میں اصول تجاریت کی اشاعت کی۔ کرسچین فان شلوتسر[2] (1774-1831) نے اپنے تعلیمی لکچروں کے ذریعے سے اور اپنی تصنیف[3] کے ذریعے استعمار کے نظام کے نئے نئے خیالات روسی زبان میں داخل کئے۔ اسٹارک، نکولس کو، جو آئندہ چل کر شہنشاہ ہوا اور اسکے بھائی گرانڈ ڈیوک میکائیل کو معاشیات میں درس دیا کرتا تھا۔ اُسکے ان تدریسات کا خلاصہ اُسکی کتاب (Cours de Economic Politique (1815 میں جمع کیا گیا ہے۔ محکمۂ احتساب کی طرف سے اس کتاب کو روسی زبان میں ترجمہ کرنے کی مخالفت کردی گئی۔ راؤ نے اس کا ترجمہ جرمن زبان میں کیا اور حواشی کا اضافہ کرکے ۱۸۱۹ء میں شائع کیا۔ باعتبار مرتبے کے یہ نہایت بلند پایہ تصنیف ہے۔ "جرمن و روسی" کا لقب اسٹارک پر صادق نہیں آتا۔ بقول روشیر اسٹارک زیادہ تر انگریز و فرانسیسی مصنّفین مثلاً سے، سسمنڈی، ترگو، بنتھم، اسٹورٹ

184

---

[1] Der Isolirte Staat

[2] Christian Von Schlozer.

[3] Anfaugsgrunde der Staatswirthschaft, oder die Libre Vom National reichthm (1805-1807)

اور ہیوم اور سب سے بڑھ کر آدم اسمتھ کی پیروی کرتا ہے معاشی اُصول مغربی یورپ کے ممالک میں مغربی تمدّن کے لحاظ سے مرتب ہوئے تھے لیکن اسٹارک کے شخصی حالات نے (اور شلوتسر کے متعلق بھی یہی کہنا صحیح ہے) اس کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ مغربی ممالک کے مصنّفین کے مرتّب کردہ اُصول کی پیروی نہ کرے کیونکہ اُس کے خیال میں معاشیات کے اساسی اُصول کا تعلق ہر ملک کے تمدن کے مختلف مدارج سے ہوتا ہے۔ معاشی اُصول کے متعلق نقطۂ نظر کی اس تبدیلی نے اضافیت کے سوال کا راستہ کھول دیا اور تاریخی مسلک کی تیاری میں مدد دی۔ اسٹارک نے زرعی غلامی کے معاشی و اخلاقی اثرات کا جو مطالعہ کیا وہ خاص طور سے قابل قدر خیال کیا جاتا ہے۔ جن عام مباحث کے ساتھ اُس نے اپنا نام منسوب کیا وہ یہ ہیں:- (۱) غیر مادّی اشیاء کا اصول (یا قومی فلاح و بہبود کے عناصر) مثلاً صحت، ذکاوت اور اخلاق وغیرہ (۲) "پیدا آور" اور "غیر پیدا آور" کا سوال بحیثیت محنت و صرف کے خصوصیات کے، جس کے بارے میں وہ اسمتھ سے اختلاف رکھتا ہے اور جس کے متعلق یہ ممکن ہے کہ اُس نے دنویر کو اشارے مہیّا کیئے ہوں۔ اور (۳) قوموں اور افراد کے محاصل کا فرق جس کے متعلق وہ لاڈرڈیل کی پیروی کرتا اور سے سے اختلاف رکھتا ہے۔ سے نے (۱۸۲۳ء میں) بمقام پیرس اسٹارک کی کتاب کورس (Cours) کا جدید ایڈیشن مع انتقادات کے جن کا لب ولہجہ بعض اوقات ناگوار ہو جاتا ہے، شائع کیا۔ اسٹارک نے سے کے بعض اعتراضات کا جواب دینے کی غرض سے ایک کتاب[1] لکھی جو اس کی سب سے پختہ اور علمی اعتبار سے اُس کی سب سے زیادہ

[1] Considerations sur la nature du Revenu National (1824; Translated in German by the author himself, 1825)

مشہور تصنیف خیال کی جاتی ہے۔

جرمنی میں اسمتھ کے نظام معاشیات کے خلاف دو مصنفوں یعنی آدم ملر اور فریڈرک لسٹ نے سب سے پہلے مخالف آواز بلند کی۔ یہ دونوں کسی قدر جداگانہ نقطۂ نظر سے ابتدا کرتے ہیں، انکے اعتقادات بھی جداگانہ ہیں اور ہر ایک جداگانہ نظام کی طرف رہبری کرتا ہے تاہم جہاں تک اُن کے انتقادات کا تعلق ہے، دونوں یکساں و مشابہ نتائج پر پہنچتے ہیں۔

آدم ملر (۱۷۷۹ء تا ۱۸۲۹ء) اس میں شک نہیں حقیقتاً صاحب فطانت و ذکاوت شخص تھا۔ اُس کی بلند پایہ تصنیف 185 Elemente der Staatskunst (1809) اور دوسری تحریرات معاشی خیال کی اس تحریک کی نمائندگی کرتے ہیں جو اُس زمانے کے نام نہاد رومانی ادبیات[1] سے ملتی جلتی ہے۔ اسمتھ کے نظام کے خلاف جو انقلاب رونما ہوا، جس کا آدم ملر سرخیل تھا، وہ قرون وسطیٰ کے اُصول سے اور معاشرتی نظام سے اُنس و اظہار عقیدت پر مبنی تھا۔ یہ ممکن ہے کہ جو سیاسی و تاریخی خیالات اس کی امنگ بڑھاتے ہیں، جن خیالات کی بناء پر اس نے اُس زمانے کی آزاد خیالی سے تنفر ظاہر کیا اور باقاعدہ طبعی نشو ونما کے متعلق اُس کے جو خیالات تھے خاصکر اُن کا جہاں تک انگلستان سے تعلق ہے، یہ سب ایک حد تک ایڈمنڈ برک سے اخذ کیے گئے تھے۔ (اس سے قبل برک کی ایک کتاب[2] کو فریڈرک گنٹز، ملر کے دوست اور اُستاد نے جرمن زبان میں ترجمہ کیا تھا)۔ ملر کے انتقادات و اعتراضات میں دور وسطیٰ کا تعصب شامل ہے۔ لیکن اس کی بناء پر یہ نہ ہونا چاہیئے کہ ان میں حقیقت و صداقت کے جو اجزا ہیں ہم اُن سے قطع نظر کریں۔

---

[1] Romantic Literature

[2] Reflections on the Revolution in France.

مُلر آدم اسمتھ کے اُصول اور عام طور سے جدید معاشیات کے
خلاف اس بناء پر احتجاج کرتا ہے کہ اسمتھ انسانی معاشرت و تمدن کو ایسی
صورت میں پیش کرتا ہے کہ گویا وہ محض بے شعور ذرّات کی
خالص مادّی مخلوق ہے، تمام اخلاقی قوتوں کو خارج اور اخلاقی نظام کی
ضرورت کو نظر انداز کرتا ہے، نیز اُس کا علم ذاتی املاک اور ذاتی اغراض
کے نظریئے سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا اور نہ وہ عوام کی زندگی
پر بہ حیثیت مجموعی نظر کرتا ہے کہ آیا قومی استحکام و تاریخی تسلسل بھی کوئی چیز ہے
مُلر کو یہ شکایت ہے کہ اسمتھ کے نظام میں محض انسان کی عارضی
زندگی کی طرف اور ان اشیاء کی پیداوار کی طرف توجہ کی گئی ہے جو افراد
کی زندگی کے لیئے کوئی نہ کوئی قدر مبادلہ رکھتی ہیں۔ اور آئندہ نسلوں
کے لیئے مجموعی پیداوار کی بقاء علمی تصانیف، ذہنی قویٰ، مملوکات
اور مسرتوں کی بقاء اور حکومت کی بقاء بہ حیثیت اس کے کہ اس کے مقاصد
و فرائض اعلیٰ تر ہیں کچھ بھی لحاظ یا اُس پر کچھ بھی غور نہیں کیا گیا ہے حقیقت
یہ ہے کہ قوم کی مثال اس نظام جسمانی کی سی ہے جو اپنا ایک علحدہ
اصول زندگی رکھتا ہے اور اُس کی علحدہ شخصیت ہوتی ہے جو
اُس کی تاریخی ترقی کو خود متعین کرتی ہے۔ ہر قوم ہر وقت ایک جسد واحد
کی حیثیت رکھتی ہے۔ چونکہ حال ماضی کا وارث ہوتا ہے اسلیئے
یہ ہونا چاہیئے کہ زمانۂ حال میں قوم کے مستقبل کی دائمی فلاح و بہبود
کا خیال ہر وقت رکھا جائے۔ کسی قوم کی معاشی زندگی اُس کے
پورے عمل اور جدّ و جہد کا محض ایک شعبہ یا رخ ہے، جس کو قوم
کے اعلیٰ مقاصد کے ہم آہنگ رکھنے کی ضرورت ہے اور ان دونوں
میں مطابقت و ہم آہنگی پیدا کرنے کا موزوں عامل حکومت ہے
جو محض نظم و نسق کا ایک آلہ ہونے کی بجائے قومی زندگی کے مجموعی
قویٰ کا مظہر ہوتی ہے۔ بقول مُلر اسمتھ نے تقسیم عمل کی ابتدا اور
تدریجی ترقی کو نا مکمل طور سے پیش کیا ہے۔ یعنی مبادلے کے خلقی

186

میلان کو تقسیم عمل کی بنا قرار دیا ہے اور اصل پر (یعنی گزشتہ نسلوں کے اندوختوں اور محنت پر) تقسیم عمل کا جو مدار ہے اُس پر کافی زور نہیں دیا ہے، اور نہ اُس نے قوم کی محنت کے اتحاد و تنظیم کے اُصول کو تقسیم عمل کا ضروری اور مکمل کرنے والا اور لازمی عنصر قرار دیا ہے۔ اسمتھ محض مادّی اصل کو تسلیم کرتا ہے اور غیر مادّی اصل کا لحاظ نہیں کرتا۔ جس طرح مادّی اصل کو بذریعۂ زر ظاہر کیا جاتا ہے اسی طرح غیر مادّی اصل، جو ہر قوم کے ادب کی صورت میں محفوظ ہوتا ہے، حقیقت میں ایک ذخیرہ ہے قومی تجربات، عقل و دانش، فہم و فراست اور اخلاقی احساس کا جو نسلاً بعد نسلٍ بڑھتا رہتا ہے اور ہر نسل محض اپنی ہی قوتوں سے جو امور انجام دے سکتی ہے اُن سے بدرجہا زیادہ اس ذخیرے کی مدد سے انجام دینے کے قابل ہو جاتی ہے۔ اسمتھ کا نظام یکطرفہ اور بالکل انگریزی ہے۔ اگر سرزمین انگلستان پر یہ نظام ضرر رساں نہیں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انگلستان ایک جزیرہ ہے اور بیرونی تخریبی اثرات سے محفوظ ہونے کی حیثیت سے اُس کے معاشری نظام کے عناصر یعنی قوانین، آداب و اخلاق، شہرت و عزت، اعتبار و ساکھ میں نسلاً بعد نسل ربط، تسلسل و استحکام قائم ہے۔ اور اُس کی معاشرت کی بنیادیں، جن پر قوم کی روحانی اور مادّی زندگی کا انحصار ہے، جاگیریت کے ماباقی اثرات کی شکل میں محفوظ و مامون ہیں۔ رہا برّ اعظم یورپ تو اس کے لئے ایک کلیّۃً جداگانہ نظام کی ضرورت ہے جس میں افراد کی شخصی دولت کے مجموعے کو مقصد اولیٰ قرار دینے کی بجائے قوم کی اصلی دولت اور مجموعی قوّت کی افزائش کو وقعت و فوقیت دینی ہوگی اور تقسیم عمل کے ساتھ قومی اتحاد و اجتماع کا امتزاج کرنا پڑے گا۔ اور مادّی اصل کے ساتھ ساتھ ذہنی و اخلاقی اصل کو بھی اس نظام میں جگہ دینی پڑے گی۔ مُلر کے ان اساسی خیالات میں بہت سے امور ایسے ہیں جو جرمنی کے

معاشی وعمرانی نظریئے کی جدید ترین صورتوں کا پیش خیمہ ہیں خاص کران صورتوں کا جو "تاریخی مسلک" کی خصوصیت متائز ہیں۔

187 دوسری مخالف آواز فرڈرک لسٹ (۱۷۸۹ء ۔ ۱۸۴۶ء) کی تھی جس میں ذہنی قوت اور عملی قابلیت بدرجۂ اتم موجود تھی، اور اُسنے اپنے تحریرات کے ذریعے سے جرمن Z میں Zollverin (محکمۂ کروڑگیری) کے نظام کے بنانے میں قابل لحاظ ونمایاں مدد دی تھی۔ اس کی مشہور تصنیف (Das Nationale system der Politischem Oekonomie (1841) ہے۔ اگرچہ لسٹ کے عملی نتائج مُلر کے نتائج سے مختلف تھے اس پر مُلر کے طرز خیال کا اور اسمتھ پر اُس نے (مُلر) جو انتقادات کیئے تھے اُن کا بہت بڑا اثر پڑا۔ لسٹ نے جدید معاشی نظام میں اصول عالمیت کو داخل کرنے کی اور تجارت آزاد کے اُصول مطلق کی (جو عالمیت کے ہم آہنگ تھا) سخت مخالفت کی اور قومیت کے خیال کو نمایاں کیا اور ہر قوم کے خاص خاص ضروریات پر جو اُس کے خاص حالات اور بالخصوص اُس کے درجۂ ترقی اور نشوونما کے مناسب حال ہوں، زور دیا۔

وہ اسمتھ کے نظام کو صنعتی نظام کا لقب دینے سے انکار کرتا ہے اور اُس کو "نظام قدرمبادلہ" کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ اُس کی دانست میں صنعتی نظام کا لقب نظام تجاریت کے لیئے زیادہ موزوں ہے۔ وہ اس موازات سے جو اسمتھ کے نزدیک افراد وقوم کے معاشی طرز عمل میں مناسب وضروری ہے انکار کرتا ہے اور یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ افراد قوم کے منفردہ فوری ذاتی اغراض ساری جماعت کے اعلیٰ ترین فلاح ومفاد کی طرف رہبری نہیں کریں گے قوم ایک ایسی ہستی ہے جو منفرد شخص اور نوع انسانی کا درمیانی درجہ ہے اور قوم باعتبار اپنی زبان، آداب واخلاق، تاریخی نشوونما، تہذیب اور نظام ودستور کی وحدت یا ایک فرد کی حیثیت اختیار کرلیتی ہے۔

اور یہی وحدت افراد کے حفظ و امان اور ترقی و تمدن کی پہلی شرط ہے
اور ذاتی معاشی اغراض کو نسل دوسرے اغراض کے قومیت کی بقاء
تکمیل اور استحکام کے تابع کر دینا ضروری ہے۔ چونکہ قوم مسلسل
اور طویل زندگی رکھتی ہے اس لیئے اس کی حقیقی دولت (یہی لسٹ
کا اساسی نظریہ ہے) اشیائے مبادلہ کی اس مقدار پر مشتمل نہیں ہوتی جسکی
کہ وہ مالک ہے بلکہ پیدا آور قوتوں کی پوری اور گوناگوں نشو ونما اور
ترقی پر مشتمل ہوتی ہے۔ قوم کی معاشی تعلیم و تربیت، اشیائے مبادلہ
کی فوری تیاری سے بدرجہا زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ اور یہ بات
جائز اور درست ہو سکتی ہے کہ موجودہ نسل اپنے فوائد اور اپنی خوشیوں
کو آئندہ کے استحکام اور ہنرمندی و مہارت کے حصول پر قربان 188
کردے۔ جب قوم معاشی پختگی حاصل کرنے کے بعد صحیح اور تندرست
حالت میں ہو تو زراعت، مصنوعات اور تجارت کی پیدا آور قوتوں
کو یکساں طور پر اور ساتھ ساتھ ترقی دینی چاہیئے۔ لیکن بعد کے دو
عامل یعنی مصنوعات و تجارت کی اہمیت اس لحاظ سے بہت
بڑھی ہوئی ہے کہ قوم کی مجموعی تہذیب و تربیت اور اسکی آزادی
پر ان کا بہت ہی نتیجہ خیز اور مفید اثر پڑتا ہے۔ تجارت و صنعت
سے ریل، جہاز اور تمام اعلیٰ درجے کے فنون کا چولی دامن کا ساتھ
ہے۔ اس کے برعکس ایک خالص زراعتی ملک کا رجحان جمود،
پست ہمتی، قدامت پسندی اور تنگ نظری کی طرف ہوتا ہے۔
لیکن سب ممالک اعلیٰ درجے کی صنعتوں کو نشو و نما دینے کی
صلاحیت نہیں رکھتے یعنی یہ صلاحیت صرف ان ممالک میں
ہوتی ہے جو منطقۂ معتدلہ میں واقع ہیں۔ منطقۂ حارّہ کے ممالک
صرف چند قسموں کی پیداوار خام میں خصوصیت رکھتے ہیں اور
اس طرح پر ان دو قسموں کے ممالک میں تقسیم عمل اور قوتوں کا اتحاد عمل
آپ سے آپ وجود پذیر ہوتا ہے۔ اس کے بعد لسٹ اپنے اس

نظریئے کی تشریح کرتا ہے کہ منطقۂ معتدلہ کی قومیں جن کو تمام ضروری لوازم میسر ہوتے ہیں اپنی معاشی اعتدالی حالت پر اپنا سائے ترقی میں معاشی نشو ونما کی کن کن منزلوں سے نظرتاً گزرتی ہیں یعنی سب سے اوّل گلہ بانی، اس کے بعد زراعت، تیسری منزل میں زراعت و مصنوعات دونوں مل جاتے ہیں اور آخری نوبت پر زراعت، مصنوعات اور تجارت تینوں مل جاتے ہیں۔ سلطنت کا معاشی فریضہ یہ ہے کہ وضع آئین و قوانین و نظم و نسق کے ذریعے سے ایسے حالات پیدا کرے جو ان منازل میں قومی ترقی کے لیئے ضروری ہیں۔ اس رائے کی بنا پر لسٹ کا صنعتی سیاسیات کا منصوبہ رونما ہوتا ہے۔ بقول اس کے ہر قوم کو تجارت آزاد سے ابتدا کرنی چاہیئے یعنی متموّل اور زیادہ مہذب و ترقی یافتہ قوموں سے تجارتی راہ و رسم پیدا کرے ان کے مصنوعات کے معاوضے میں اپنے یہاں کی پیدا وار خام برآمد کرکے اپنی زراعت کو نشو و ترقی دینی چاہیئے۔ جب ملک خاصی ترقی کرلے اور مصنوعات تیار کرنے کے قابل ہو جائے تو تامینی نظام کو کام میں لانا چاہیئے تاکہ ملکی مصنوعات بازاروں میں بیرونی مصنوعات کے مقابلے کی زد سے محفوظ رہیں، اور پوری طرح نشو و نما پاسکیں۔ جس وقت ملکی مصنوعات میں کافی قوت پیدا ہو جائے اور مزید خطرات کا احتمال باقی نہ رہے تو قوم معراج ترقی پر پہنچ سکتی ہے۔ اس نوبت پر باقاعدہ طور سے پھر تجارت آزاد جاری کرنی چاہیئے تاکہ اس طرح ہر قوم ساری دنیا کے صنعتی اتحاد میں شریک و سہیم ہو جائے۔ لسٹ کے زمانے میں اُسی کے بقول اسپین، پرتگال اور نیپلس خالص زراعتی ملک تھے۔ جرمنی اور ریاستہائے متحدہ امریکہ ترقی کے دوسرے دور میں پہنچ گئے تھے اور اُن کے مصنوعات نشو و نما پا رہے تھے۔ فرانس تیسرے دور میں قدم رکھا ہی چاہتا تھا جس پر صرف انگلستان ہی پہنچا تھا۔ چنانچہ انگلستان اور متذکرۂ بالا

189

زراعتی ممالک کے لیئے تجارت آزاد نہایت درست و صحیح اصول عمل تھا۔ لیکن یہ اصول جرمنی و امریکہ کے لیئے ناموزوں تھا۔ کسی قوم کو تامینی دور میں اشیاء کا مبادلہ نہ ہونے سے جو نقصان اُٹھانا پڑتا ہے بعد میں چل کر اس سے کہیں زیادہ اسکو یہ نفع حاصل ہوجاتا ہے کہ قوم میں خود پیدا آوری قوت کا اضافہ ہوجاتا ہے۔ اگر مجموعی قومی زندگی کے نقطۂ نظر کو ملحوظ رکھیئے تو ان ہنگامی نقصانات کی مثال بعینہٖ اُن اخراجات کی سی ہے جو افراد کی صنعتی تعلیم میں عائد ہوں، اور جنکا فائدہ آئندہ چل کر ظاہر ہوتا ہے۔ لسٹ نے اپنے مُلک کے لیئے یہ عملی نتیجہ اخذ کیا کہ اس کی معاشی ترقی کے لیئے اُس کے حدود وسیع اور مناسب ہونے چاہئیں جو شمال اور جنوب دونوں جانب ساحل بحر تک پہنچتے ہوں، اور صنعت و تجارت کو پوری قوت سے فروغ دینا چاہیئے۔ اور تجارت کو فروغ دینے کا صحیح راستہ یہ ہے کہ نہایت دانائی کے ساتھ تامینی آئین و قوانین وضع کیئے جائیں ایک چنگی کا محکمہ قائم کیا جائے جس کے قواعد سارے ممالک محروسہ میں نافذ ہوں اور جرمانی تجارتی جہازوں کی تنظیم و توسیع بذریعۂ قوانین جہازرانی کی جائے۔ جرمنی میں اتحاد کے ذریعے سے آزادی اور قوت حاصل کرنے کا جوش اور ہیجان پھیلا ہوا تھا اور قوم خواب غفلت سے بیدار ہوکر اپنی گم شدہ صنعتی عظمت کو دوبارہ حاصل کرنا چاہتی تھی۔ یہ دونوں باتیں لسٹ کی کتاب کو کامیاب بنانے میں ممد و معاون ہوئیں اور اس کی کتاب نے ایک ہلچل مچادی۔ لسٹ نے اپنے زمانے میں اپنے مُلک کے رجحانات و مطالبات کی نہایت قابلیت سے ترجمانی کی۔ اس کی تصنیف کا یہ اثر ہوا کہ معاشیات کے سوالات پر سرکاری حکّام اور قیاس آرائی کرنے والے طبقوں ہی کی توجہ مبذول نہ ہوئی بلکہ عام طور سے عملی اشخاص بھی اسکی طرف متوجہ ہوگئے اور جرمنی کی حکمت عملی پر بھی اس کا بلاشبہہ قابل لحاظ

اثر پڑا۔ جہاں تک علم کا تعلق ہے اُس نے مدارج تمدّن کی اضافی تاریخ کے مطالعے پر (جس حد تک کہ معاشی سوالات کو یہ مدارج متاثر کرتے ہیں) زور دیا اور اُس نے مطلق اُصول کی جو سخت مخالفت کی وہ ایک حد تک قابل قدر ہے اور قومی نشو ونما کو افراد کے فوری اغراض پر جو فوقیت اور ترجیح دی تھی وہ اُصولاً صحیح ہے اگرچہ اس کا اُصول قومی وانفرادی دونوں پہلوؤں کے اعتبار سے محض بنیے پن کا اُصول تھا اور اُس کا رجحان اس زمانے کی اصلاح معاشرت کی کوششوں کی اعانت کی بجائے درحقیقت ایک نئی قسم کی تجاریت کی بنا ڈالنے کی طرف تھا۔ انگلستان اور دوسرے ممالک کے اکثر مصنفین نے جن کا اب تک ذکر کیا جا چکا ہے، اسمتھ کے مسلک کے روایات کو باقی رکھا اور اُس کے اُصول کو صرف خاص خاص سمتوں میں پختہ کرتے اور ترقی دیتے رہے اگرچہ بعض اوقات یہ کام طرفداری و مبالغہ کی صورت اختیار کر لیتا تھا، یا اُنکی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کی اصلاح و ترمیم کی یا اُس کے قائم کردہ اُصول کو زیادہ وضاحت اور ترتیب کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی۔ اسمتھ کے متبعین نے معاشیات کو محض خیالی چیز بنا دیا تھا، متذکرۂ بالا مصنّفین میں سے بعض نے اس کی خرابی اور اُس کے نقائص پر سختی کے ساتھ اعتراض کیا اور ریکارڈو اور اُس کے پیروؤں پر یہ نکتہ چینی کی کہ ان کے نتائج انسانی زندگی کے حقیقی واقعات کے مطابق نہیں ہوتے یا (نام نہاد) قدیم و مروجہ اُصول کے استعمال سے جو خلاف تمدّن نتائج پیدا ہوتے نظر آتے تھے اُن کے خلاف معارضہ کیا۔ بعضوں نے اسمتھ کے اساسی خیالات پر حملہ کیا اور اُس کا معاشی نظریہ عام فلسفے کی جس بنیاد پر قائم تھا اُس کو بدلنے کی ضرورت پر زور دیا گو مختلف مصنّفین نے اصلاح کے لیئے راستہ تیار کرنے میں انفرادی طور سے بہت کچھ مساعی کیئے، لیکن اس کے باوجود اس

شعبے میں جس کا ہم نے اب تک تبصرہ کیا کوئی ایسا مادّی اور کارآمد کام نہیں ہوا جس سے معاشی تحقیقات میں جدید طرز خیال یا نیا طریق استدلال قائم ہو جاتا۔ بہرکیف اب ہم ایک عظیم الشان اور بڑھنے والی تحریک کو بیان کریں گے جس نے اکثروں کے تصور میں معاشی بحث کی جو نوعیت تھی اُس کو قابل لحاظ حد تک بدل دیا۔ اور آئندہ بھی یہی توقع ہے کہ اس تحریک سے نہایت قوی اثرات پیدا ہوں گے۔ ہمارا اشارہ "تاریخی مسلک" کی طرف ہے جو علم المعیشت کی جدید نشو و نما کا تیسرا اہم دور خیال کیا جا سکتا ہے۔

چھٹا باب

تاریخی مسلک

191 سلبی تحریک پوری اٹھارھویں صدی میں جاری رہی۔ جہاں تک معاشیات کا تعلق ہے، اس کا دستور العمل صنعتی جدّ و جہد کو جاگیریت کے مابقی اثرات سے اور حکومت کے پنجوں سے آزادی دلانا تھا۔ لیکن اس تحریک کے تمام پہلوؤں میں (خواہ معاشی ہوں یا دوسرے پہلو ہوں) انہدامی عمل، تاریخی اعتبار سے، اس کامل تجدید کا پہلا ضروری کام تھا، جس کی طرف مغربی یورپ شدّ و مد کے ساتھ بڑھ رہا تھا، اگرچہ اس تجدید کی نوعیت کا اُس کو صاف اور صحیح تصوّر نہ تھا۔ قدیم نظام کی تہ میں جو اُصول و آرا تھے اُن کی بے ترتیبی روز افزوں بڑھتی گئی اور اس کے برخلاف نیا نظام جو اُن کی جگہ لینے والا تھا اور جو مستقبل کی رہنمائی کرنے کے لئے موزوں ہو سکتا تھا قائم نہ ہوا۔ انتقادی فلسفے نے یہ بے ترتیبی پیدا کی تھی اور یہ سوائے اس کے کہ اپنی آزادیٔ مطلق کے اُصول دہرائے جائے اور کچھ نہ کر سکا۔ اس میں نیا تعمیری کام کرنے کی صلاحیت ہی نہ تھی اور اسی لئے یہ دیکھا جاتا ہے کہ انقلاب فرانس کے بعد تمام مغربی ممالک میں ایک عام

انتشار و تردد پھیلا ہوا تھا بعض لوگ قدیم اور فرسودہ خیالات کی طرف مائل تھے اور بعض ایک جدید معاشری اُصول و عمل کا جذبۂ موہوم رکھتے تھے اور یہ موہوم جذبہ اکثر نظم شکنی اور نزاع کی شکل اختیار کر لیتا تھا۔

تردد کی اس حالت سے، جس نے اٹھیسویں صدی کو اُس کی مبہم اور متلوّن شکل دی ہے، صرف ایک نتیجہ برآمد ہو سکتا تھا، یعنی یہ کہ معاشری اُصول کی ایسی علمی بنیاد پڑے جو مسائل انسانی پر افکار و آرا کو رفتہ رفتہ متحد کرنے کا وسیلہ بن جائے۔ ایسے نظریئے کی تاسیس ہی وہ لافانی خدمت ہے جو آگست کونت (۱۷۹۸ء۔۱۸۵۷ء) نے انجام دی اور جس کے لئے ساری دُنیا اُس کی ممنون احسان ہے۔

عمرانیات کے ممتاز خصوصیات کے متعلق کونت کا تصوّر یہ تھا کہ (۱) عمرانیات لازمی طور پر واحد علم ہے جس میں معاشری حالت کے تمام عناصر سے باعتبار اُن کے باہمی تعلقات و باہمی عمل کے بحث کی جاتی ہے۔ (۲) عمرانیات کے دو شعبے ہیں ایک سکونی اور دوسرا حرکی (۳) اس طرح پر عمرانیات، اُصول مطلق کو کالعدم کر دیتی اور خیالی تعیّن کی بجائے ایک باقاعدہ و باترتیب تغیّر کا تصوّر پیش کرتی ہے۔ (۴) تاریخی تقابل کا طریق عمرانیات کا اساسی طریق ہے اگرچہ دوسرے طریقے خارج نہیں کیئے گئے ہیں۔ (۵) عمرانیات پر اخلاقی اُصول چھائے ہوئے ہیں جو معاشری فرض کے تصوّرات سے پیدا ہوتے ہیں اور یہ فرض انفرادی حقوق سے مبائن ہے جو "قانون فطرت" کے لزوم کے طور پر اخذ کیئے گئے تھے اور (۶) اپنے منشا اور عملی نتائج کے اعتبار سے عمرانیات کا رجحان ان تمام مقاصد عظیم کو حاصل کرنے کی طرف ہے جو عوام کے حقوق کا (جنکا وہ مطالبہ کرتے ہیں) جزو ہیں۔ تاہم (۷) عمرانیات، ان مقاصد کو پُرامن ذرائع سے یعنی بجائے انقلاب کے ارتقاء کے ذریعے سے

حاصل کرنا چاہتی ہے[1] جو مختلف خصوصیات بیان کیئے گئے وہ ایک دوسرے سے آزاد نہیں ہیں، یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ ان میں آپس میں بہت گہرا تعلق موجود ہے ۔ ان میں سے اکثر خصوصیات کی تشریح یہاں کرنا ضروری ہے اور مابقی سے اس فصل کے اختتام پر بحث کی جائیگی ۔

کونت نے اپنی کتاب[2] کی جلد چہارم میں عمرانی طریق کی کمال قابلیت سے تشریح کی ہے ۔ وہ عمرانیات کو عام طور پر دو حصّوں میں تقسیم کرتا ہے :۔ ایک سکونی اور دوسرا حرکی ۔ سکونی عمرانیات میں معاشری ہمعصری کے قوانین سے بحث کی گئی ہے ۔ اور حرکی عمرانیات میں معاشری نشو و نما کے قوانین سے بحث کی گئی ہے ۔ سکونی عمرانیات کا اساسی اصول یہ ہے کہ مختلف عمرانی اعضا و افعال میں عام توافق پیدا کرے اور بغیر اس کے کہ ہم ایک کارآمد تمثیل کی ضرورت سے زیادہ کھینچ تان کریں، مذکورۂ بالا توافق کو اسی قسم کا توافق سمجھ سکتے ہیں جیسا کہ حیوانی جسم کے اعضا و افعال میں پایا جاتا ہے ۔

حرکی عمرانیات کا مطالعہ سکونی عمرانیات سے مختلف اور

[1] یہ فرض کرنا غلطی ہے کہ معاشی مظاہر کو قوانین قدرت کا تابع ماننے کی وجہ سے تقدیر پر صابر و شاکر رہنے کے خیال کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے ۔ بخلاف اس کے، جیسا کہ علم صحت و علم العلاج کی متوازی حالت پر غور کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے ایسے ہی قوانین کی موجودگی اس تمام باقاعدہ جد و جہد کی لازمی بنیاد ہے جو ہماری حالت اور نوعیت کی اصلاح کے لیئے انجام دی جاتی ہے ۔ اور چونکہ مظاہر جو زیادہ پیچیدہ ہوتے ہیں وہ نسبتہً زیادہ تغیّر و تبدل کی قابلیت رکھتے ہیں اسلیئے بمقابلہ غیر نامیاتی یا حیاتی میدان کے معاشری میدان میں تغیر و تبدل اور انسانی مداخلت کی زیادہ قابلیت ہوتی ہے ۔ گو حرکی عمرانیات کے ارتقا کی سمت اور اسکا نوعیت پہلے سے معین ہوتی ہے لیکن اُسکے ارتقا کی شرح اور اسکے معمولی خصوصیات تغیّر و تبدل کی صلاحیت رکھتے ہیں ۔

[2] (Philosophic Positine 1889)

لازمی طور پر اُس کے تابع ہے (کیونکہ ترقی درحقیقت نظام کے نشو و نما کا نام ہے)۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ علم حیاتیات میں انواع حیوانات کے تغیر و ارتقاء کا مطالعہ حیوانات کی اس ساخت اور ان افعال کے مطالعے سے مختلف اور اُن کے تابع رکھا جاتا ہے جو ارتقائے منازل کے خاص خاص اوقات میں پائے جاتے ہیں۔ قوموں کی حالت سکون و حرکت کے قوانین کی تحقیق بھی اسی طرح کی جا سکتی ہے جیسے کہ کسی انفرادی جسم کی زندگی کے مماثل واقعات کی۔ خاصکر نشو و نما کی تحقیقات کے لیئے اس تقابلی طریق تحقیق میں کسی قدر ترمیم مناسب ہو گی جس سے علمائے حیاتیات عام طور پر کام لیتے ہیں، قوم کے حالات کے مختلف مدارج کا باقاعدہ مقابلہ و موازنہ کرنا پڑیگا، تاکہ ان کی ترتیب و تنظیم کے قوانین معلوم ہوں اور ان کے نمایاں خصوصیات کا باہمی تعلق دریافت کیا جا سکے۔

193

اگرچہ ہم کو احتیاط کرنی چاہیئے کہ سکونی و حرکی عمرانیات دونوں شعبوں میں انسانی فطرت کے اساسی خواص نظرانداز یا مسترد نہ ہونے پائیں، تاہم بغیر راست مشاہدے کے ان خواص سے ہر دو قسم کے قوانین کو مستخرج کرنے کی تجویز بارآور نہیں ہو سکتی۔ انسانی جماعت کی عام ساخت یا اس کے نشو و نما کی رفتار پیش از پیش اس طریق پر بغیر مشاہدے کے معلوم نہیں کی جا سکتی۔ یہ بات حرکی قوانین کے بارے میں خاصکر صادق آتی ہے کیونکہ قوم کے ایک منزل سے دوسری منزل میں گزرنے کے دوران میں جو شئے سب سے بڑا اثر ڈالنے والی ہوتی ہے وہ گزشتہ نسلوں کا مجتمعہ اثر ہوتا ہے جو بجائے خود اس قدر پیچیدہ ہوتا ہے کہ بطریق استخراج اُس کی تحقیقات کرنا محال ہے۔ پس اس نتیجے کو پیش نظر رکھنا اس وجہ سے ضروری ہے کہ اب بعض (نام نہاد) علمائے بغریات علم عمرانیات کو حیاتیات کا محض ایک ضمیمہ اور مشتق قرار دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ

عمرانیات کی بنیاد حیاتیات کے اصول پر قائم ہے۔ لیکن عمرانیات کی تحقیق کا میدان جداگانہ ہے۔ اُس کا جو طریق تحقیق ہے اور ہونا چاہیئے وہ اسی سے مختص ہے۔ اس کا میدان وسیع ترین معنوں میں تاریخ ہے جس میں معاصر واقعات بھی شامل ہیں۔ اسکا خاص طریق تحقیق (اگرچہ دوسرے طرق بھی استعمال کیئے جاتے ہیں) عمرانی تقابل کا وہ عمل ہے جس کو سہولت کی خاطر "تاریخی طریق" کہا جاتا ہے۔

194

یہ عام اُصول عمرانی تحقیقات کے دوسرے شعبوں سے جسقدر متعلق ہیں، معاشی تحقیق سے اس سے کم متعلق نہیں ہیں، بلکہ معاشی تحقیقات کے بارے میں یہ اُصول اہم نتائج تک رہبری کرتے ہیں۔ یہ اُصول یہ ثابت کرتے ہیں کہ قوم کی جدّ وجہد کے دوسرے شعبوں سے علیحدہ ہو کر محض اُس کی معاشی جدّ وجہد کا حقیقی نظریہ بنانے کا خیال غلط اور پر فریب ہے۔ اس قسم کا جداگانہ مطالعہ اس میں شک نہیں کہ عارضی طور پر ناگزیر ہے لیکن قوم کے معاشی اعضا وافعال کو دوسرے اعضا وافعال سے علیحدہ کر کے معاشیات کا کوئی معقول نظریہ نہیں بنایا جا سکتا۔ بالفاظ دیگر ایک جداگانہ علم المعیشت سچ پوچھو تو ناممکن شے ہے، اس لیئے کہ یہ علم اس صورت میں اس پیچیدہ اور مرکب جسم کا محض ایک حصہ ہوگا جسکے تمام اجزا اور افعال آپس میں گہرا تعلق رکھتے اور ایک دوسرے پر اثر ڈالتے ہیں۔ اسی لیے اس سے یہ نتیجہ بھی نکلیگا کہ انسان کی انفرادی فطرت کی عام واقفیت سے جو فوائد مستنبط ہوں وہ کتنے ہی مفید کیوں نہ ہوں، ہم قوم کے معاشی نظام یا اُس کے طریق نشو ونما کو استخراجی طور پر قبل از وقوع معین نہیں کر سکتے۔ بلکہ اس چیز کو براہ راست تاریخی تحقیقات سے معلوم کرنا ضروری ہے۔ ہم نے "قوم کا طریق نشو ونما" اس لیئے کہا کہ جس طرح معاشری عناصر کے لیئے

حرکی نظریئے کی ضرورت ہے اسی طرح معاشی معاملات سے متعلق بھی ایک حرکی نظریئے یعنی قوم کے یکے بعد دیگرے آنے والے معاشی حالات کا نظریہ بھی ضروری ہے۔ لیکن مسلّمہ نظاموں میں یہ ایک ایسی کمی تھی جس کو پورا ہونا ہے کیونکہ مضمون کے اس پہلو پر سوائے جزوی و منتشر خیالات کے ابتک کوئی تفصیلی بحث موجود نہیں ہے۔ اور مزید برآں ایک تاریخی منزل میں جو معاشی نظام وعمل ہوتا ہے وہ دوسری منزل کے معاشی نظام وعمل سے مختلف ہوتا ہے۔ لہذا یہ خیال کہ ایک معیّنہ نظام ہمیشہ اور ہر جگہ مسلّم اور جاری و ساری ہے بالکل غلط ہے اور اس کا ترک کرنا ضروری ہے۔ اور یہ سمجھنا چاہئیے کہ اس قسم کے متعدد سلسلہ وار نظام ہوتے ہیں جنہیں ترتیب و تسلسل محض اختیاری طور پر بیقاعدگی سے مقرر نہیں کیا جاسکتا بلکہ خود بخود ایک باضابطہ قانون سے منضبط ہوتا ہے۔

اگرچہ کونت کا مقصد تعمیر تھا اور وہ عمرانیات کے علمی نظریئے کی بنیاد قائم کرنا چاہتا تھا مگر وہ اپنے ان متقدمین پر اعتراض کئے بغیر نہ رہ سکا جنھوں نے عمرانی تحقیق کے مختلف شعبوں پر بحث کی تھی۔ اس طبقۂ متقدمین میں معاشیین بھی شامل تھے اور اس نے اپنی متذکرۂ بالا کتاب میں متعدد مقامات پر اور (Politique Positive) میں علمائے معاشیات کے خیالات اور طریق استدلال پر بعینہٖ وہی اعتراضات اشارۃً یا علانیہ کئے جو ہم نے دوران تنقید میں ریکارڈو اور اس کے پیروؤں پر کیئے ہیں۔ یہ انتقادات جے ایس۔ مل کو نہایت ناگوار معلوم ہوتے ہیں۔ باوجودیکہ وہ یہ خیال کرتا تھا کہ فلسفی ہونے کی حیثیت سے کونت ڈیکارٹ اور لیب نٹز کے برابر ہی کا رتبہ رکھتا تھا یہ رائے زنی کرتا ہے کہ ان انتقادات سے اس بات کا ثبوت بہم پہنچتا ہے کہ مسٹر کونت بھی بعض اوقات بے انتہا سطحی رہجاتا ہے یہ ایک ناواجب اور قابل افسوس رائے ہے جس کو

عمل کبھی نہ ظاہر کرتا اگر وہ پیش از پیش یہ دیکھ لیتا کہ یوروپی خیالات کی رَو کدھر جارہی ہے اور کونت کے اعتقادات کے خاص خاص پہلوؤں کو لوگوں نے کتنی بڑی حد تک قبول کرلیا ہے یا انھیں نتائج تک بطور خود کتنی حد تک پہنچ گئے ہیں۔

جرمنی

علم المعیشت میں اس تحریک جدید کی دوسری منزل جرمنی کے تاریخی مسلک کا ظہور تھا۔ جس طرح کونت کے عمرانی طریق تحقیقات کے نظریئے کی بنیاد عام فلسفے پر قائم تھی، تاریخی مسلک کے خیالات کی بنیاد عام فلسفیانہ خیالات پر قائم نہ تھی بلکہ اُصول قانون کے تاریخی مسلک کے (جس کا سب سے مشہور نمائندہ سیوگنی تھا) تصورات کو معاشیات میں داخل کرنے کا خیال ان خیالات کا محرک تھا۔ قانونی نظام سے معین عمرانی مظاہر عبارت نہیں، بلکہ جوں جوں قوم ایک حالت سے دوسری حالت کو ترقی کرتی جاتی ہے یہ نظام بھی بدلتا رہتا ہے۔ ہمعصر معاشری عالمین سے اس نظام کا گہرا تعلق ہوتا ہے اور قانونی شعبے میں جو چیز نشو و نما کی ایک منزل کے لیئے موافق و موزون ہوتی ہے وہی دوسری منزل کے لیئے ناموزوں اور بیکار ہوتی ہے۔ یہ خیالات معاشی نظام کے بارے میں بھی بظاہر صحیح ثابت ہوئے اور اس طرح پر اضافی نقطۂ نظر تک رسائی ہوئی اور آزاد و مطلق اُصول ناقابل استعمال اور ناقابل وثوق معلوم ہوئے۔ نظریۂ عالمیت یعنی یہ مفروضہ کہ ہر ملک میں ایک ہی قسم کا نظام رائج ہے اور نظریۂ استمراریت یعنی یہ مفروضہ کہ ہر معاشری دور یا منزل میں ایک ہی قسم کا نظام رائج ہوتا ہے دونوں نظریات ناقابل اعتبار قرار پائے۔ اور اس طرح جرمنی کے تاریخی مسلک کی

ابتدا ہوئی۔

196

ابتدائی قرائن اور اصول کی غیر مکمل شکلوں کو نظر انداز کر کے ہم اس مسلک کا بانی مبانی ولیم روشر (۱۸۱۷ء۔ ۱۸۹۴ء) کو قرار دیتے ہیں۔ اس مسلک کے اساسی اصول روشر کی کتاب[۱] میں ملتے ہیں، اگرچہ یہ اصول کسی قدر پس و پیش کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں اور بدنصیبی سے تاریخی طریق کا فلسفیانہ طریق سے مقابلہ کیا گیا ہے۔ متذکرہ بالا کتاب کے مقدمے میں حسب ذیل خاص خاص مباحث پر زور دیا گیا ہے:-

"تاریخی طریق نہ صرف واقعات کی ترتیب زمانی کی بحث کرتے وقت خارجی صورت میں ظاہر ہوتا ہے بلکہ مندرجۂ ذیل اساسی خیالات و مسائل کی صورت میں بھی ظاہر ہوتا ہے (۱) یہ ظاہر کرنا مقصد ہے کہ قوموں کے خواہشات و خیالات کیا تھے اور معاشی میدان میں انھوں نے کیا انکشافات کئے، ان کی کوششیں کیا تھیں، ان کوششوں کا کیا ثمر ملا اور اُن کوششوں سے جو کچھ حاصل ہوا وہ کیوں حاصل ہوا۔ (۲) قوم صرف زمانۂ حال کے افراد کا مجموعہ نہیں ہے محض اسی زمانے کے واقعات کا مشاہدہ کافی نہ ہوگا۔ (۳) جن قوموں کے متعلق ہمیں کچھ بھی حال معلوم ہو سکتا ہے ان سب کا اور قدیم اقوام کا جن کی نشو و نما کے پورے حالات ہمارے سامنے ہوتے ہیں معاشی نقطۂ نظر سے مطالعہ اور تقابل کرنا ضروری ہے۔ (۴) ہمیں معاشی آئین و رواج کی محض تعریف یا مذمت نہ کرنی چاہیئے۔ ان میں سے بہت ہی کم سب قوموں اور تہذیب کی سب حالتوں کے لئے خالصاً مفید یا خالصاً مضرت رساں ثابت ہوئے ہیں۔

[۱] Grundriss Zu Vorlesungen uber die Staats wirthschaft nach Geschichtlicher methode (1843)

بلکہ علم کا سب سے بڑا کام یہ ثابت کرنا ہے کہ جو چیز پہلے معقول
اور مفید تھی اس سے بے موقع اور مہمل شئے کیوں اور کس طرح
اکثر رفتہ رفتہ پیدا ہو گئی ۔"

روشر کی عبارت کے مذکورہ بالا خلاصے میں جو
اصول ہیں ان میں صرف تیسرے اصول کا ایک جزو بظاہر قابل اعتراض
ہے ۔ قدیم قوموں کی معیشت کی بحث زمانۂ حال کی قوموں کی معیشت
کی بحث سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی ۔ حقیقت یہ ہے کہ
دونوں کی اضافی اہمیت کا سوال نہ اٹھانا ہی بہتر ہے ۔ کیونکہ تمام
صحیح عمرانی تحقیقات کی لازمی شرط یہ ہے کہ تاریخ میں کامل ترین ارتقا
کا جو پورا سلسلہ ہے یعنی قوموں کے اس گروہ کا سلسلہ جس کو
197
"مغربی ممالک" یا مختصراً "مغرب" کہتے ہیں اس پر بطریق تقابل غور
کیا جائے ۔ اس معاشری سلسلے کو منتخب کرنے اور اکثر اسی سلسلے
تک تحقیقات کو فی الحال محدود و موقوف رکھنے کے قوی وجوہ
کونت نے اپنی کتاب[1] میں اس طرح پیش کئے ہیں کہ ان میں اعتراض
کی مطلق گنجائش نہیں ہے ۔ یونان اور رومہ اسی سلسلے کے عناصر
ہیں لیکن عمرانیات میں حرکت کے قوانین کو متعین کرنے کے لئے
بحیثیت مجموعی پورے سلسلے کے نشو و نما پر نظر رکھنی ضروری
ہے نہ کہ اس سلسلے کے کسی خاص حصے پر یعنی بالکل اسی طرح
جس طرح کہ حیاتی ارتقا کی تحقیق میں ایک جسم کی صرف ایک حالت
پر غور کر کے اس کو سب پر ترجیح اور فوقیت نہیں دی جا سکتی
بلکہ یکے بعد دیگرے آنے والے تغیرات کا پورا سلسلہ تحقیق
کا مقصد ہوتا ہے ۔ اس وقت روشر کا ذکر بعض جدید مسلک کی
ابتدا کے سلسلے میں کیا گیا ہے ۔ اس لئے دوسرے عظیم الشان

۱؎ Philosophie Positive

خدمات کا تذکرہ بعد میں چل کر کیا جائے گا۔

۱۸۴۸ء میں برونو ہلڈی برنڈ (۱۸۱۲ء تا ۱۸۷۸ء) نے ایک کتاب[1] کی پہلی جلد شائع کی۔ اگرچہ اس کتاب کی اشاعت کے کئی سال بعد تک وہ زندہ رہا، مگر اُس نے اس کتاب کے سلسلے میں کوئی دوسری جلد نہیں لکھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہلڈی برنڈ ایک بلند پایہ فلسفی تھا۔ اس میں تلاش و تحقیقات کی استعداد جیسی کامل تھی اُس کے نظر کرتے جرمنی کے علمائے معاشیات میں اسکا نظیر و مثیل بمشکل مل سکتا تھا۔ وہ خالی لفاظی اور مبہم طرز تحریر سے جو جرمنی کے اکثر مصنفین کی خصوصیت متمائز ہے بالکل آزاد ہے اور اپنی وسیع تحقیقات کو نہایت جامعیت سے اور پورے استقلال کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ اس کے زمانے کے یا اُس سے قبل کے جو معاشی نظام تھے جن میں اسمتھ، مُلر، لِسٹ اور اشتراکئین کے نظام بھی شامل تھے ان پر نہایت قابلیت سے اپنی کتاب میں اُس نے تنقید کی ہے۔ لیکن یہ کتاب اس وقت اُس کے استدلال کے لحاظ سے اور معاشیات کی حقیقی نوعیت کے متعلق اُس کا جو تصور تھا اُس کے لحاظ سے دلچسپی رکھتی ہے۔ اس کتاب کا مقصد خود بقول اُس کے یہ ہے کہ شعبۂ معاشیات میں ایک وسیع تاریخی مطالعہ اور تاریخی طریق تحقیقات کا راستہ کھولا جائے اور قدیم علم کو بدل کر اُس کی بجائے قوموں کے معاشی نشو و نما کے قوانین کا نظریہ قائم کیا جائے۔ یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہو گا کہ علم معاشیات کی اصلاح کی جو تجویز اُس کے پیش نظر ہے اُس کی بنیاد اُس نے تاریخی اصول قانون کے طرز پر نہیں رکھی بلکہ انیسویں صدی کے نو تعمیر علم لسانیات کے طرز پر رکھی ہے۔ اس انتخاب

[1] Die National Oekonomie der Gegenwart und Zukunft.

198

سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صرف طریق تقابل کو تحقیقات کا مناسب طریق خیال کرتا تھا۔ ان دونوں علوم میں باترتیب تغیر زمانی کا وجود پایا جاتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ "مطلق" کی جگہ "اضافی" کا استعمال کیا جاتا ہے۔

۱۸۵۳ء میں کارل کنیز[1] (۱۸۲۱ء تا ۱۸۹۸ء) کی ایک کتاب[2] شائع ہوئی۔ یہ تاریخی طریق کو معاشیات میں استعمال کرنے کی مکمل تشریح و توجیہ ہے اور مسلک جدید کا کم از کم اس کے منطقی پہلو پر سب سے باقاعدہ اعلان ہے۔ اساسی اصول یہ ہیں کہ (۱) ایک طرف قوم کا معاشی نظام اور دوسری طرف علم المعیشت کا معاصر نظری تصور، یہ دونوں ایک معین تاریخی نشوونما کے نتائج ہیں اور (۲) پھر کہ یہ دونوں اسی زمانے کے پورے معاشری نظام سے گہرا تعلق رکھتے اور اسی معاشری نظام کے ساتھ ساتھ اور وقت، مقام، قومیت کے مقررہ حالات کے تحت رونما ہوتے ہیں اور (۳) اس لحاظ سے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ معاشی نظام ایسی منزلوں کے سلسلے میں سے گزرتا ہے جو تمام ان کی یکے بعد دیگرے آنے والی حالتوں سے ربط و مناسبت رکھتی ہیں اور اس حرکت کے کسی مقام یا حالت میں بھی اس نظام کو مکمل طور پر معین نہیں خیال کیا جا سکتا (۴) جس طرح قوم کے کسی سابقہ معاشی نظام کو مکمل اور صحیح ترین نظام نہیں خیال کر سکتے بلکہ اس کو مسلسل تاریخی ارتقاء کا محض ایک پہلو سمجھنا چاہیئے، اسی طرح زمانۂ موجودہ کے مروّجہ معاشی نظام کو بھی مکمل، قطعی اور بے عیب نہیں خیال کیا جا سکتا

[1] Kari Kuies

[2] Die Politische Oekonomic Von Standpunkte der geschichllichen methode

کیونکہ یہ نظام بام ارتقاء کا محض ایک زینہ ہے یا حقیقت کے ترقی پذیر انکشافات کی ایک منزل ہے۔ اس کتاب میں جزئیات و فروع سے بکثرت بحث کی گئی ہے جو بظاہر بڑی حد تک غیر ضروری سی معلوم ہوتی ہے۔ کتاب سے مصنف کی عقل و دانش اور اعلیٰ علمی قابلیت کا ثبوت ملتا ہے۔ مصنف نے اپنے متقدمین کے اغلاط، مبالغہ آمیزیوں اور گوناگوں نقائص پر نہایت موثر طریقے سے نکتہ چینی کی ہے۔ لیکن تاریخی مسلک کو صحیح ثابت کر دکھانے میں اور اس کو ممتاز بنانے میں اُس نے کونت سے بڑھ کر کوئی نمایاں خدمت انجام نہیں دی۔ کنیز کی کتاب ۱۸۸۳ء میں دوبارہ شائع ہوئی۔ اس نسخے میں مصنف نے اس عجیب و غریب امر کا اقبال کیا ہے کہ ۱۸۵۲ء میں جب اس نے کتاب لکھی تھی کونت کی تصنیف (Politique Positive) اُس کی نظر سے نہیں گزری تھی اور یہ بھی لکھتا ہے کہ غالباً سب جرمانی علمائے معاشیات اس کتاب سے لاعلم تھے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ کونت کی کتاب کی چھ جلدیں ۱۸۳۰ء سے ۱۸۴۲ء تک شائع ہوتی رہیں۔ اس امر سے ان اشخاص کی عام باخبری، کشادہ دلی اور علمی واقفیت کا پتا چلتا ہے۔ کیونکہ ہمیں یہ بات یاد ہے کہ خود مل اور کونت کے درمیان ۱۸۴۱ء میں مراسلت ہو رہی تھی اور مل اپنی کتاب (Logic) میں کونت پر مدح آمیز تنقید کر چکا تھا (۱۸۴۳ء)۔ بایں ہمہ جب کنیز نے اپنی کتاب کی اشاعت کے بعد کونت کی کتاب کا مطالعہ کیا تو وہ لکھتا ہے کہ اُسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس میں خود اُسی کے اخذ کردہ نتائج کا توارد ہوا ہے۔ اس کا تعجب بیجا نہ تھا کیونکہ اُس کے طریق تحقیقات (Methodology) میں جو عمدہ باتیں ہیں وہ کونت کی تصنیف میں موجود ہیں جن کو کونت نے بڑے پیمانے پر استعمال کیا ہے اور ایسی وسیع اور حاوی قوت کیساتھ

190

مرتب کیا ہے جو فلسفے کی منتہا ہے۔

جرمنی کے تاریخی مسلک کے بعض علمائے معاشیات کا جو نقطۂ نظر اور استدلال ہے اس میں بظاہر دو امور قابل اعتراض ہیں:- (۱) کنیز اور دوسرے مصنفین معاشی نظریئے میں اصول اضافیت کو تو تسلیم کرتے ہیں، مگر ایک امر خاص میں پورا توازن قائم نہیں رکھتے۔ کنیز مطلق اُصول کی دو شکلوں یعنی ایک عالمیت اور دوسری (بقول کنیز) استمراریت کو مساوی اور یکساں سمجھتا ہے۔ بالفاظ دیگر وہ مقامی حالات اور قومیت کے اختلافات کو نظرانداز کرنے کی غلطی کو تاریخی نشو ونما کی حالت کے اختلافات سے چشم پوشی کرنے کے مساوی سنگین غلطی خیال کرتا ہے، حالانکہ واقعاً ایسا نہیں ہے۔ عمرانیات کا خواہ کوئی شعبہ کیوں نہو، موخّر الذکر اختلافات سے چشم پوشی کرنا زیادہ سنگین غلطی ہے اور جہاں کہیں اس کا ارتکاب ہوتا ہے وہاں تحقیقات ناقص رہجاتی ہے۔ اگر ہم معاشری تحریک کے کسی واقعے کو نظرانداز کریں یا اس تحریک کے رُخ کا غلط اندازہ قائم کریں تو ہم گویا اہم ترین بنیادی مسئلے میں غلطی کر رہے ہیں اور یہ مسئلہ ایسا ہے جس کا تعلق ہر سوال سے ہے۔ لیکن وہ اختلافات جو اختلاف نسل پر مبنی ہیں اور جن سے جسمانی و دماغی قابلیتوں پر اثر پڑتا ہے یا جو خارجی حالات کی عدم یکسانی سے پیدا ہوتے ہیں ادنیٰ درجے کے مظاہر ہیں۔ ان مظاہر کی بحث اس قدر اہم نہیں ہے کہ اُن کو عام عمرانی نشو ونما کے نظریئے کے مطالعے سے مقدم قرار دیدیا جائے۔

عام عمرانی نشو ونما کی تحقیق ان مظاہر کی تحقیق سے مقدم ہے۔ مقامی حالات اور قومی اختلافات کے مطالعے کو معاشری نشو ونما کے نظام کے مطالعے تک ملتوی رکھنا ضروری ہے اور صرف معاشری نشو ونما کی نوعیت کے فروعی اختلافات پر (جو خاص خاص

حالات کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں) غور کرتے وقت ان مظاہر پر
غور کرنا چاہیئے۔ اور اگرچہ کسی ملک کی طبیعی خصوصیت ایسی حالت
ہے جو ممکن ہے کہ معاشی مظاہر پر خاص طور پر قوی اثر ڈالے، مگر
طبیعی حالت کا اثر فنی صورتوں پر اور صنعت کے مختلف شعبوں
کی ایک دوسرے کے مقابلے میں جو وسعت ہے اُس پر زیادہ
پڑتا ہے اور صنعت کے ہر شعبے کے تمدنی فعل یا ان سب
شعبوں کے باہمی تعلق یا اضافی عمل پر اس کا اثر کم بلکہ بالکل نہیں
پڑتا اور یہی دونوں آخرالذکر چیزیں ماہر معاشیات کی تحقیقات کا
خاص موضوع ہیں۔ (ب) اُس مسلک کے بعض افراد کو اس
بات کی فکر تھی کہ وہ علم المعیشت کی اضافیت کو منوا دیں مگر وہ غلطی
سے یہ سمجھتے ہیں کہ معاشی قوانین سے کلیتہً انکار کرتے ہیں۔ کم از کم
جہاں تک معاشی معاملات کا تعلق ہے وہاں تک وہ "قوانین فطرت"
کا استعمال پسند نہیں کرتے۔ غیر نامیاتی عالم میں جو قانون کا مفہوم ہے
کہ ہر چیز معین، قائم اور غیر تغیر پذیر حالت میں ہے اُس کو بہت زیادہ
ذہن میں رکھ کر یہ گروہ خیال کرتا ہے کہ معاشیات میں بھی لفظ قانون
کا استعمال اسی تعین اور غیر تغیر پذیر حالت کا تصور پیدا کرتا ہے۔ لیکن
اگر ہم نامیاتی علوم پر غور کریں جو غیر نامیاتی علوم کے مقابلے میں عمرانی
علوم سے زیادہ ملتے جلتے ہیں تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ اس میں
لفظ "قانون فطرت" کا اس قسم کا کوئی مفہوم ہی نہیں جس سے تعین ظاہر
ہوتا ہو۔ جیسا کہ ہم کئی دفعہ بیان کر چکے ہیں، حیات کے تصور کا اساسی
جزو "نشوونما" یا بالفاظ دیگر "باترتیب تغیر" ہے۔ اور یہ امر کہ قوم کے
نظام وعمل کے تمام عناصر میں اس قسم کا نشوونما ہوتا ہے ایسا واقعہ
ہے جس میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا اور اس چیز کو خود اس فرقے نے
نہایت شدومد کے ساتھ ثابت کر دکھایا ہے اور اسی کے مثل
یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ مختلف عمرانی عناصر میں ایسے تعلقات

200

موجود ہیں جو ایک عنصر کے تغیر کے ساتھ دوسرے عنصر کے تغیر پر اثر ڈالتے یا اُس کو متعین کرتے ہیں۔ پھر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قسم کی ہمعصری اور تسلسل کے دائمی تعلقات کو قوانین فطرت کے نام سے موسوم کرنے سے کیوں انکار کیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ قوانین عام ہیں اس لئے ان سے معاشی نشو و نما کا تجریدی نظریہ بن سکتا ہے۔ لیکن جرمنی کے تاریخی مسلک کا ایک فرقہ اس نظریئے کی بجائے مختلف قوموں کے معاشی حالات کے بیان پر اکتفا کرنا چاہتا ہے۔ اور خاص خاص ملکی اور نسلی حالات کے اثر کی بحث قبل از وقت شروع کر دیتا ہے بجائے اس کے کہ اُس کو بطور ان ابتدائی عام قوانین کے مابعد ترمیمات کی بنیاد کے محفوظ رکھے جو مشترکہ انسانی ارتقاء کے مطالعے سے مستخرج ہوتے ہیں۔ متذکرۂ بالا تینوں مصنفین یعنی روشر، ہلڈی برینڈ اور کنیز کی طرف جرمنی کے تاریخی مسلک کی تاسیس منسوب کی جاتی ہے۔ لیکن روشر کے اُن تصانیف سے جو بعد میں شائع ہوئے یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ وہ تاریخی طریق سے کسی بڑی حد تک متاثر تھا، حالانکہ اس نے کئی مقامات پر اس طریق کو خصوصیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس کی کتاب[1] میں بجائے اس کے کہ اصول اور تاریخی واقعات کا جدید طریقے سے امتزاج کیا جاتا، ان کو زیادہ تر علٰحدہ علٰحدہ کر کے بیان کر دیا گیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اُس نے اپنے وسیع علم سے مخصوص

[1] System der Volkswirtschaft (Vol. I. Grundlegen der National Okonomie , 1854 ; 23rd Edition 1900 ; English Translation by J. J. Lalor 1878 . Vol. II. N. O. des Ackerbaues, 1860 ; 13th Ed. 1903, Vol. III. N. O. des Handels und Gewerbfleisses, 7th Ed. 1877.

تاریخی تحقیقات میں خصوصاً جہاں تک خود علم المعیشت کی ترقی کا تعلق ہے، مفید طریقے پر کام لیا جس کا ثبوت اُس کی دو کتابوں[1] میں اور سب سے بڑھ کر اُن کی ایک کتاب[2] "جرمانی علم المعیشت کی تاریخ" سے ملتا ہے۔ یہ علمی تبحر و تحقیقات کا عجیب و غریب نمونہ ہے اور جس کی تصنیف کے لیئے وہ پندرہ سال تک مطالعے میں مشغول رہا تھا۔ یہ اپنی نوعیت کی بہترین اور نایاب کتابیں ہیں، اگرچہ موخر الذکر کتاب میں جزئیات سے اس قدر کثرت سے بحث کی گئی ہے کہ خود جرمنی سے باہر اس کا عام مطالعہ کوئی دلچسپی نہیں پیدا کرسکتا۔ ان کے علاوہ اس کی کتاب[3] مختلف دلکش و مفید مضامین کا مجموعہ ہے۔ اور اس کی متذکرۂ بالا تصنیف میں نہ صرف اُصول سے بحث کی گئی ہے بلکہ علم المعیشت کے مختلف اُصول کے نشو و نما کی تاریخ پر تفصیلی طور پر تنقید کی گئی ہے۔ لیکن بایں ہمہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اُس نے معاشیات کی ہیئت و نوعیت بدلنے میں کوئی نمایاں کام کیا، جیسا کہ اُس کی ابتدائی کوششوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ کاسا کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ روشر کی اصولی تصنیف نے ہرمان اور راؤ کے اُصول میں کوئی حقیقی اور نمایاں ترمیم نہیں کی۔

تاریخی مسلک کے ضروری خصوصیات جرمنی کے بعد کی نسل

---

[1] (1) Ueber das Verhaltniss der National Okonomie Zum classischen Atterthme (1849)
(2) Zur Geschichte der Englischen Volkswirth Schaftslehre (1851-2).

[2] Geschichte der National Okonomie in Deutschland 1874.

[3] Ansichten der Volkswirth schaft Vom Geschichtlichen standpunkte, 1861, 3rd Ed. 1878.

کے علمائے معاشیات کے ہاتھوں میں آکر پوری طرح سے ظاہر ہوتے ہیں، ان علمائے معاشیات کے سلسلے میں لیو جو برنٹانو[1] اڈالف ہلڈ، اروان ناسی[2] گسٹاو شمالر، ہیچ روسلر، البرٹ شافلے، ہنس فان شیل، گسٹاو شانبرگ، اور اڈولف واگنر[3] قابل ذکر ہیں۔ اس فرقے نے علم المعیشت کی تاریخی بحث کے عام اصول کے علاوہ جن خاص خاص اساسی خیالات پر شدّ ومد کے ساتھ زور دیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:-

(۱) معاشیات کے مطالعے میں اخلاقی عنصر کے اضافے کی ضرورت۔ اس پر شمالر نے اپنی کتاب[4] میں اور شافلے نے اپنی کتاب[5] میں نہایت شدّ ومد کے ساتھ زور دیا ہے۔ جی کریز (تاریخ وفات ۱۸۹۵ء) نے بھی اس مسئلے پر جے۔ ایس۔ مل پر تنقید کرتے ہوئے نہایت خوبی سے بحث کی ہے۔ بقول اس فرقے کے سرگرم نمائندوں کے، عملی معاشیات میں تنظیم کے تین اصول کام کر رہے ہیں اور ان اصول کے مقابل عمل کے تین مختلف نظام یا شعبے یہ ہیں:- (۱) شخصی معیشت (۲) جبری قومی معیشت (۳) شعبۂ اخلاقی۔ صرف سب سے پہلے شعبے میں ہی ذاتی نفع غالب نظر آتا ہے۔ دوسرے میں جماعت کا عام مفاد غالب ہے اور تیسرے شعبے میں مخیرانہ و فیاضانہ جذبات غالب ہیں۔ لیکن پہلے شعبے میں بھی ذاتی اغراض

202

[1] Lujo Brentano

[2] Erwin Nasse

[3] Adolf Wagner

[4] Grundfragen der Rechtes und der moral (1875)

[5] Das Gesellschaftliche system der menschlichen wirtschaft (1861 & 1873)

کا عمل غیر محدود نہیں ہو سکتا۔ حکومت کی مداخلت کے علاوہ معاشی اخلاق کے ضوابط بھی موجود ہیں جو اساسی اصول کی پیدا کردہ بے اعتدالیوں اور نقائص کے دور کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ معاشی اخلاق کے ان ضوابط کو عملاً جس طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اسی طرح اصولاً بھی وہ نظر انداز نہیں کئے جا سکتے۔ اور تیسرے شعبے میں تو اخلاقی اثرات یقیناً غالب ہیں۔

(ب) معاشیات اور اصول قانون میں لازمی طور پر جو قریبی تعلق ہے اس پر بل فان اسٹائن اور ریچ روسلر نے زور دیا ہے، لیکن سب سے زیادہ باقاعدہ طور پر واگنر نے، جو بلاشبہ زمانۂ حال کے علمائے معاشیات میں سب سے زیادہ مشہور ہستی ہے، اس تعلق کو قائم کیا اور خصوصاً اپنی کتاب Grundlegung میں اس تعلق کی تشریح کی ہے۔ چنانچہ یہ تشریح اب اس جامع تصنیف[1] کا جزو ہے جس کو خود واگنر نے اور پروفیسر ناسی نے مل کر شائع کیا۔ اصول "قانون قدرت" جس پر فطر آئینوں نے، جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے، اپنے معاشی نظام کی بنیاد رکھی تھی نظروں سے گر گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی شخصی آزادی اور ملکیت کے لئے اور مطلق تصورات بھی بیکار ثابت ہو چکے تھے۔ اب یہ دیکھا جاتا ہے کہ فرد واحد کی معاشی حیثیت محض نام نہاد فطری حقوق یا اس کے خود فطری قویٰ پر منحصر ہونے کی بجائے موجود الوقت قانونی نظام کے تابع ہوتی ہے جو بجائے خود تاریخ کی پیداوار ہے۔ اس لئے آزادی اور ملکیت کے متذکرۂ بالا تصورات کو جو نیم معاشی اور نیم قانونی ہیں از سر نو جانچنے کی ضرورت ہے۔ واگنر زیادہ تر اسی نقطۂ نظر سے معاشیات کا مطالعہ کرتا ہے۔ بقول اس کے سب سے اہم سوال جس پر سب سوالات مرکوز ہوتے ہیں افراد اور قوم کے

[1] Lehrbuch der Politischen Oekonomie

تعلق کا قدیم سوال ہے۔

جو شخص قدیمی قانونی و سیاسی فلسفہ اور قومی معیشت میں
فرد واحد کو بحث کا مرکز قرار دیتا ہے اس کو انھیں ناقابل وثوق
نتائج سے سابقہ پڑتا ہے جو معاشی شعبے میں فطرآئینوں اور اسمتھ
کے آزاد مقابلے کے مسلک نے قائم کیے تھے۔ واگنر
اس کے برعکس سب سے پہلے قوم کی معاشی زندگی کے حالات کی
تحقیق کرتا ہے اور اس کے تحت افراد کی معاشی آزادی کے
دائرے کو متعین کرتا ہے۔

(ج) اسمتھ اور اس کے پیروؤں کا جو تصور حکومت
کے فرائض کے متعلق تھا اس سے جداگانہ تصور۔ اسمتھ اور
اس کے پیروؤں نے روسو اور کینیٹ کے ان خیالات کی
عام طور پر پیروی کی کہ حکومت کا فریضہ محض یہی ہے کہ افراد قوم
کو ظلم و فریب سے محفوظ رکھے۔ یہ اصول جو قوانین فطرت
اور معاہدۂ معاشری کے اصول کا ہم آہنگ تھا، قدیم معاشی
نظام اور اس کے ساتھ اس نظام کے پیچیدہ قیود اور بندشوں
کو توڑنے میں صرف عارضی طور پر مفید ثابت ہوا تھا۔ لیکن وہ
ایک معقول تاریخی نکتہ چینی کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتا تھا اور
زمانۂ حال کے تمدن کے روز افزوں عملی مطالبات کے مقابلے
میں تو اس سے بھی کم ٹک سکتا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ جب غیر محدود
مقابلے اور آزادی کے نقائص نمایاں ہوئے تو یوروپی حکومتوں
کی مذموم اور ناعاقبت اندیشانہ حکمت عملی کا خاتمہ ہوگیا اور یہ
بات مکمل طور سے ثابت ہوگئی کہ حکومت کا اصول عمل نئے
اور زیادہ روشن خیال طریقوں پر مبنی ہونا چاہیئے۔ چنانچہ جرمنی کا
تاریخی مسلک یہ تسلیم کرتا ہے کہ حکومت نہ صرف اس جماعت کا
نام ہے جو محض امن و امان قائم رکھتی ہے بلکہ وہ قوم کا نمائندہ

اور اُس کی زبان ہے اور ان تمام مقاصد کو حاصل کرسکتی ہے جو افراد اپنی مرضی اور منفردہ کوششوں سے کما حقہٗ حاصل نہیں کرسکتے۔ جب کبھی حکومت کے عمل سے عمرانی مقاصد پورے طور پر یا بیشترین فوائد کے ساتھ حاصل کیئے جاسکتے ہیں ایسا عمل مناسب و درست ہے۔ جن حالتوں میں حکومت واجبی مداخلت کرسکتی ہے اُس کا تعین خاص واقعات متعلقہ کے اعتبار سے اور قومی نشو و نما کی حالت کے لحاظ سے ہونا ضروری ہے۔ یہ بات حکومت کے فریضے میں داخل ہے کہ وہ لوگوں کی ذہنی عقلی اور جمالیاتی تعلیم و تربیت کو نشو و ترقی دے، عامۃ الناس کی صحت و عافیت کے بارے میں قوانین نافذ کرے اور اُن کی پابندی کرائے، پیدائش دولت و تجارت نقل و حمل کے لیئے مناسب ضوابط مرتب کرے، کمزور افراد خصوصاً مستورات بچوں بوڑھوں اور مزدوروں کی حفاظت کرے، کم از کم اس صورت میں جبکہ وہ بے سہارا اور بے وسیلہ ہوں ان کی ضرور اعانت کرے۔ حکومت کا یہ بھی فریضہ ہے کہ اگر مزدور کو کوئی ایسا جسمانی ضرر پہنچے جو اُس کی ذاتی بے احتیاطی کا نتیجہ نہ ہو تو اُس کی تلافی کا انتظام کرے اور مزدوروں میں اتحاد عمل پیدا کرنے کی کوشش کرے تاکہ یہ مشترکہ یا انفرادی طور پر ایک دوسرے کی امداد کرنے کے قابل ہو جائیں اور اس کے ساتھ ساتھ اُن میں اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی صلاحیت پیدا ہوتی جائے اور اس بات کا یقین اور ضمانت بہم پہنچائے کہ مزدور اپنی کمائی کا مالک خود ہی ہوگا اور اپنا زر امانت حکومت سے واپس پاسکیگا۔

204

اس جدید فرقے پر نظری اشتراکیت کا خاص طور سے اثر پڑا اور آگے چل کر یہ بھی معلوم ہوگا کہ اس فرقے کی عملی سیاسیات پر اشتراکیت نے بحیثیت جماعت بندی بھی اثر ڈالا۔ ایسے مصنفین نے

جیسے کہ سینٹ سائمن، فوریر، پراوڈھن، لاسالے، مارکس، اینجلس، مارلو، اور راڈبرٹس ہیں اس کتاب میں بحث نہیں کی جائے گی۔ لیکن یہ اقرار کرلینا ضروری ہے کہ ان مصنفوں نے مسالک جدید والے علمائے معاشیات کے لئے ایک طاقتور محرک و مہیج کا کام دیا اور نہ صرف اُن کو تقویت پہنچائی بلکہ موخرالذکر طبقے کے علمی نتائج میں، خاصکر نام نہاد "قدیم و مروّجہ" نظام پر نکتہ چینی کر کے، بہت کچھ ترمیم کردی۔ شانفلے اور واگنر کے نام خاص طور سے پیش کئے جاسکتے ہیں کہ انھوں نے ان مصنفین کے دلائل کی طرف خاطرخواہ توجہ کی اور انکو کو بڑی حد تک قبول کرلیا۔ خاصکر اُس اہم امر جس کی طرف ہم اشارہ کرچکے ہیں، کہ فردِ واحد کی معاشی حیثیت کا مدار موجودالوقت قانونی نظام اور بالخصوص ملکیت کے موجودالوقت انتظام پر ہے، سب سے پہلے اشتراکئین نے زور دیا اور اشتراکئین نے یہ بھی ثابت کیا تھا کہ ملکیت، وراثت، معاہدہ وغیرہ کے متعلق قوم کے مروّجہ آئین وضوابط (بقول لاسالے) "تاریخی چیزیں ہیں جن میں تغیر ہوتا چلا آیا ہے اور آئندہ بھی ہوگا"۔ اس کے برعکس قدیم و مروّجہ مسلک معاشیات نے ایک ایسا معیّن نظام اشیاء فرض کیا تھا جس کی بنیاد پر فردِ واحد اپنی حیثیت خود قائم کرلیتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے جے۔ ایس۔ مل نے تو صرف اس امر کیطرف توجہ منعطف کرائی تھی کہ تقسیم دولت کا مدار پیدائش دولت کے برعکس صرف قوانین فطرت پر نہیں ہے بلکہ ملک کے قوانین وضوابط پر ہے۔ لیکن جدید تاریخی مسلک کے بعض جرمانی علمائے معاشیات نے اسی خیال کو نہایت شد و مد کے ساتھ ظاہر کیا۔ پھر بھی اس تصور کی ترمیم و تکمیل کرنے کی غرض سے ہمیں ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ ان ضوابط و قوانین میں جس وقت جی چاہا بے قاعدگی سے تبدیلی نہیں کی جاسکتی بلکہ یہ عام معاشری نشو و نمائی حالت کی بناپر قرار پاتے ہیں۔

ان مصنفوں نے معاشی سیاسیات میں جرمنی کے تجارت آزاد والے مسلک (جس کو بعض اوقات "مینچسٹر اسکول" کہا جاتا ہے، اگرچہ اس نام کی صحت و مناسبت میں کلام ہے) اور جمہوری اشتراکئین کے بین بین حیثیت اختیار کی ہے۔ جمہوری اشتراکئین حکومت کی طاقت سے اس امر کی استعانت کرتے ہیں کہ وہ ادنیٰ طبقے کی فلاح کے مدنظر قوم کے موجودہ معاشی آئین و دستور کو کلیۃً اور فوراً بدل دے۔ آزاد تجارت کے وکلاء حکومت کی مداخلت کو، سوائے امن عامّہ کے قیام اور افراد قوم کے جان و مال اور آزادی کی حفاظت کے، تمام امور میں کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس مسلک سے ہم اس وقت بحث کر رہے ہیں اس کے نمائندے عملی مسائل کی بحث میں ایک درمیانی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ لوگ معاشری انقلاب اور شدید غیر مداخلت دونوں اصول کے مخالف ہیں۔ اگرچہ وہ اشتراکئین کی تجویز کو مسترد کرتے ہیں تاہم وہ چاہتے ہیں کہ حکومت کی مداخلت ان نظری اصول کے مطابق ہو جن کا ذکر کیا جا چکا ہے تاکہ موجودہ صنعتی نظام کا جو دباؤ قوم کے کمزور افراد پر پڑتا ہے وہ کم ہو جائے اور مزدور پیشہ طبقوں کو تمدن کے ترقیات و فوائد سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونیکا موقع ملے۔ شافلے نے اپنی ایک کتاب[1] واگنر نے اپنی کتاب[2] اور شابرگ نے اپنی کتاب[3] میں مزدوروں کے مسئلے کے بارے میں ایسی ہی حکمت عملی پر

---

[1] Capitalismus und Socialismus (1870) یہ کتاب اب ایک زیادہ ضخیم کتاب کا جزو بن گئی ہے۔

[2] Redeuber die sociale Frage (1871)

[3] Arbeitsamter Eine Aufgabe des dentschen Reiehs (1871)

زور دیا تھا اور ان خیالات سے جرمنی کے اکثر علمائے معاشیات ہمدردی رکھتے تھے، مگر تجارت آزاد کے مسلک کے نمائندوں نے اس بناء پر ان کی سخت مخالفت کی کہ یہ خیالات ایک نئی قسم کی اشتراکیت سے مشابہ تھے۔ چنانچہ اسی پر معرکۃ الآراء بحث مباحثہ شروع ہوگیا اور تاریخی مسلک کے نمائندوں اور وکیلوں نے زیادہ قریبی اتحاد اور عملی سیاسی تنظیم کی ضرورت کو محسوس کرکے اکتوبر ۱۸۷۲ء میں بمقام ایسناک ایک جلسہ "معاشری معاملات" پر غور کرنے کی غرض سے منعقد کیا۔ اس جلسے میں جرمانی جامعات کے تقریباً سب معلمان معاشیات، مختلف سیاسی جماعتوں کے نمائندے، مزدوروں کے لیڈر اور بعض بڑے بڑے اصلدار اور کوٹھی والے شریک ہوئے۔ اور اسی جلسے میں مصرحۂ بالا اصول مرتب کئے گئے۔ جن لوگوں نے ان اصول کو اختیار کیا انھیں مخالفین کی جانب سے "نظری معاشئین" یا "خیالی اشتراکئین"[۱] کا لقب ملا۔ اس لقب کا موجد ایچ۔ بی۔ اوپن ہایم[۲] تھا اور یہ ایسا لقب تھا جس کو پانے والے خود قبول کرنے سے منکر نہ تھے۔ ۱۸۷۳ء کے بعد سے یہ گروہ جمعیت سیاست اجتماعی یا انجمن معاشری سیاسیات[۳] کا جزو بن گیا اور مباحثے اور مناظرے کا زور و شور کم ہونے کے بعد اس میں تجارت آزاد کے وکیلوں نے بھی شرکت کی۔ اس انجمن میں بھی پھوٹ ظاہر ہوئی۔ ایک جماعت نے اس امر کی تائید کی کہ قانون املاک میں اس طرح باقاعدہ تدریجی ترمیم و اصلاح کی جائے جس سے اشتراکئین کے جائز و درست

206

۱؎ Katheder Socialisten

۲؎ H. B. Openheim

۳؎ Verein fur Social politik

مقاصد و اغراض کی تکمیل ہو۔ اس کے برعکس غلبۂ آرا اس طرف تھا کہ حکومت موجود الوقت قانونی رواج و آئین کی بنیاد پر اصلاح کا کام کرے۔ شافلے یہاں تک کہتا ہے کہ موجودہ دور جس میں "اصل" کا دور دورہ ہے ایسے دور سے متبادل ہو جائے گا جس کی بنیاد اشتراکی تنظیم پر ہوگی۔ مگر جے۔ یس۔ مل کے مثل اس تبدیلی کو وہ کم و بیش مستقبل بعید کے لئے ملتوی رکھتا ہے۔ اور اس تبدیلی کو فطری نشو و نما یا "معاشرتی انتخاب" کے عمل کا نتیجہ خیال کرتا ہے۔ وہ کسی فوری یا شدید انقلاب کا سخت مخالف ہے اور ہر ایسے نظام حیات کو مسترد کرتا ہے جو افراد کی خدمت و قابلیت کے حقوق کے خلاف "خیالی مساوات" قائم کرے۔

جرمنی کے تاریخی مسلک نے تحقیقات کے نئے شعبے قائم کر کے جس قدر زیادہ تحقیقات کا کام جاری رکھا اسی قدر زیادہ صاف طور پر یہ بات ثابت ہوتی گئی کہ معاشیات کی اصلاح ہی ایک ضروری چیز نہیں بلکہ معاشیات کو کامل علم عمرانیات میں ضم کر دینا بھی ضروری ہے۔ یہی وہ خیال ہے جس پر ایک زمانہ قبل اگست کونت نے زور دیا تھا اور جس کی صداقت اور صحت روز بروز زیادہ واضح اور ثابت ہوتی جا رہی ہے۔ اس وقت جرمنی کے بہترین علمائے معاشیات اسی سمت پوری قوت سے مائل ہیں۔ شافلے (۱۸۳۱ء تا ۱۹۰۳ء) نے جو بیشتر کونت اور ہربرٹ اسپنسر کے زیر اثر تھا، واقعی طور پر اس امر کی کوشش کی کہ معاشیات کا دائرہ وسیع کر کے اس کو علم عمرانیات میں ملا دے۔ چنانچہ وہ اپنی سب سے مشہور تصنیف[1] میں، جو گزشتہ تصانیف کی مدد سے

[1] Bau und Leben des Socialen Korpers (1875-1896)

تیار کی گئی تھی جماعت انسانی کی تشریحی، ہیئتی اور نفسیاتی بیان کا وسیع خاکہ پیش کرتا ہے۔ وہ عمرانی افعال کو نامیاتی اجسام کے افعال کے مماثل خیال کرتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس تمثیل کا خیال جس سے کونت کام لے چکا ہے، صحیح اور نتیجہ خیز ہے۔ مگر شافلے اس کو پختہ کرنے میں تفصیلات سے ناواجب حد تک کام لیتا ہے۔ اسی تصور کو فان لیلین فلڈ نے اپنی کتاب[1] میں بہت کچھ مبالغے کیساتھ پیش کیا ہے۔ اڈولف سیمٹلر کی کتاب (Sozial Lehre 1875) میں بھی نیز شافلر کی کتاب[2] میں جس کا ذکر کیا جا چکا ہے، معاشیات کو عمرانیات میں ضم کر دینے کا رجحان پایا جاتا ہے (اگرچہ اول الذکر کتاب میں قوم کی معاشی حالت سے خاص طور پر بحث کی گئی ہے) اور نیچ فان شبل نے ایک انگریزی کتاب[3] کا جرمنی زبان میں ترجمہ کر کے (۱۸۷۹) اس کے مقدمے میں معاشیات کو عمرانیات میں ملا دینے کی ضرورت پر نہایت شدومد کے ساتھ زور دیا ہے۔

تاریخی مسلک کو اور خصوصاً اس کی جدید ترین شکل کو بعض اوقات حقیقت پسند مسلک کا لقب دیا جاتا ہے۔ یہ لقب موزوں نہیں معلوم ہوتا۔ اس کو اس طرح موسوم کرنے کا منشا یہ ہے کہ اس کو قدیم و مروجہ معاشیات کے "تجریدی و خیالی" طریق سے ممیز و ممتاز کیا جائے۔ لیکن قدیم معاشیات کی غلطی یہ نہیں ہے کہ اس میں تجریدی یا انتزاعی طریق سے کام لیا جاتا ہے بلکہ یہ کہ اس طریق کو بیجا طور پر اور نامناسب موقعوں پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ہر علم میں انتزاع کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ یہ کثرت میں وحدت کو تلاش کرتا ہے۔ ہر علم میں

---

[1] Gedanken uber die social wissen schaft der zukunft (1873-81)

[2] Ueber einige grund Fragen

[3] On the present position and prospects of political Economy

یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ واقعات مقرون کے تعلق سے انتزاعی نظریہ صحیح طور پر کس طرح بنایا جائے۔ جدید مسلک کو "استقرائی" کے نام سے جو موسوم کیا جاتا ہے اس نام سے بھی قدیم و جدید مسلک میں صحیح امتیاز نہیں قائم ہوتا۔ اس میں شک نہیں کہ قدیم علمائے معاشیات تحقیقات میں بیشتر طریق استخراج کو استعمال کرتے ہیں۔ لیکن یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ یہ طریق اس وقت جائز و درست ہے جب کہ کلی مفروضات کی بجائے مسلّمہ و ثابت شدہ تعیمات سے اس کی ابتدا کی جائے۔ اس لحاظ سے عمرانیات کے سب شعبوں کے مثل معاشیات کے لیئے بھی استقرائی طریق اس قدر مناسب و موزون نہیں ہے جس قدر کہ استقرا کی مخصوص شکل موزون ہے، جس کو تقابل کہا جاتا ہے اور تقابل میں بھی خصوصاً وہ طریق جو بقول مل "عمرانی منازل اور سلسلوں" کا تقابل مطالعہ جس کو بجا طور سے "تاریخی طریق" کہا جاتا ہے۔ جن ناموں پر یہاں اعتراض کیا گیا ہے اگر انھیں بحالت خود چھوڑ دیا جائے تو اس بات کا خطرہ ہے کہ یہ مسلک ایک غیر علمی نوعیت اختیار کر لے گا۔ اور ممکن ہے کہ یہ مسلک عددی تحقیق کی طرف حد سے زیادہ مائل ہو جائے اور معاشی زندگی کے خاص شعبوں کی تفصیلی تحقیق میں وسیع فلسفیانہ خیالات اور اصول کے باقاعدہ ارتباط کی ضرورت کو نظر انداز کر دے جب تک علم معاشیات تحقیق کا ایک جداگانہ شعبہ رہے گا اور جب تک معاشیات کو عمرانیات میں شامل نہ کر دیا جائے گا اس وقت تک ان فلاسفہ کے لیئے جو تحریک جدید کے متبع ہیں مناسب و قرین عقل یہ ہوگا کہ وہ اپنے لیئے "تاریخی مسلک" کا ہی نام باقی رکھیں۔

208

اس مسلک کے اور جرمنی کے دوسرے مسلکوں کے نمائندوں نے، ان کتابوں کے علاوہ جن کا اوپر ذکر آچکا ہے،

بہت سے قابل قدر تصانیف لکھے ۔ ان اشخاص نے علم کے مختلف شعبوں میں (بشمول ان کے اطلاقات کے) جو جو اضافے کئے ہیں ان کے تفصیلی تبصرے واگنر اور ناسی کی کتاب[1] اور شانبرگ کی جامع تالیف[2] میں جا بجا ملیں گے ۔ ہم ذیل میں کتابوں کی ایک طویل فہرست، جو کسی طرح مکمل نہیں ہے، نقل کرتے ہیں تاکہ طالب علم اس سے استفادہ کرے ۔ یہ ایسی کتابیں ہیں جن میں اکثر مسائل پر مختلف پہلوؤں اور حیثیتوں سے نظر ڈالی گئی ہے اور طالب علموں کو ایسے مسائل کے مطالعے میں ان کتابوں کو نظر انداز نہ کرنا چاہیئے:۔

فہرست کتب

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	تاریخ اشاعت وغیرہ
۱	۲	۳	۴
(۱)	کنیز	1. Die Eisenbahnen und ihre Wirkungen (1853). 2. Der Telegraph (1857). 3. Geld und Credit (1873-76-79);	سنہ ۱۸۵۳ سنہ ۱۸۵۷ سنہ ۱۸۷۳ تا سنہ ۱۸۷۹
(۲)	روسلر	Zur Critik der Lehre vom Arbeitslohn (1861);	سنہ ۱۸۶۱

[1] Lehrebuck

[2] Hand buck

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	تاریخ اشاعت وغیرہ
۱	۲	۳	۴
(۳)	شمالر	1 Zur Geschichte du deutschen Kleing ewerbe im 19 Jahrh (1870);	۱۸۷۰
(۴)	شافلے	1 Theorie der ausschliessoeden Absatz verhaltnisse (1867) 2. Quintessenz des socialismus (1878) 3. Grundsätze der Steuerpolitik (1880),	۱۸۶۷ ۱۸۷۸ ۱۸۸۰
(۵)	ناسے	Mittelalterliche Feldgemeinschaft in England (1869);	۱۸۶۹
(۶)	برنٹانو	1. History & development of gilds (1870) prefixed to Toulmin Smith's English gilds 2. Die Arbeitergilden der gegenwart (1871-2) 3. Das Arbeitsverhaltniss gemass dem heutigen Recht (1877) 4. Der Arbeitsversicherung zwang (1881) 5. Die Kalassische National okonomie (1888) 6. Die Arbeitsversicherung gemass dem heutigen gewerbe sehafts ordnung (1879).	۱۸۷۰ ۷۲-۱۸۷۱ ۱۸۷۷ ۱۸۸۱ ۱۸۸۸ ۱۸۷۹
(۷)	ہلڈ	1. Die Einkommensteuer (1872)	۱۸۷۲

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	تاریخ اشاعت وغیرہ
۱	۲	۳	۴
	سنہ ۱۸۴۴ میں پیدا ہوا اور سنہ ۱۸۹۰ میں تحسن کے تالاب میں اتفاقیہ ڈوب کر مرگیا۔	2. Die dentsche Arbeiter presse der Gegenver· (1873)	سنہ ۱۸۷۳
		3. Sozialismus, sozial demokraticund Sozial politik (1878)	سنہ ۱۸۷۸
		4 Grundriss fur vorleseungen uber National okonomice (1878)	سنہ ۱۸۷۸
		5. Zwei Bucher zur socialen geschichte Englands (1881).	۱۸۸۱
(۸)	فان شیل پیدائش سنہ ۱۸۳۹	1. Die Theorie der socialen Frage (1871).	سنہ ۱۸۷۱
		2. Unsere social politishen parteien(1878)	سنہ ۱۸۷۸
(۹)	فان بوہم باورک	Kapital und Kapitalzinstheorien 1884-18..	۱۸۸۴-۸۹

ان کتابوں میں پل فان اسٹیل کی دو کتابوں موسوم بہ

(1) Die Verwaltungslehre (1876-1879)

(2.) Lehrbuck der Finanzwissenschaft (1878)

کا اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ کیری کے چند جرمانی متبعین میں سے قابل ترین مصنف ای ڈیہورنگ ہے۔ ہم مقدمے میں اس کی کتاب "تاریخ علم معاشیات" کا ذکر کر چکے ہیں۔ جی فان برن ہارڈی کی کتاب

Versuch einer Kritik der grundewelche fur grosses und Kleines grundeigen thum angefuhrt werden(1848

جو تاریخی نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے، روس وجرمن مسلک سے متعلق ہے۔ جرمن کی تجارت آزاد کے مسلک نے خاصکر قدیم حقوق اور بندشوں کے خلاف باقاعدہ جنگ کر کے اُس ملک میں بڑے بڑے خدمات انجام دیئے۔ اس مسلک کے سیاسی عمل کا نمونہ کابڈن بہم پہنچاتا ہے اور نظری اعتبار سے خصوصاً سے اور بستیا پر یہ مبنی ہے۔ اُس مسلک کے ارکان، جن کے ناموں سے انگلستان کی پبلک بخوبی واقف ہے یہ ہیں:—

(۱) جے پرنس اسمتھ (۱۸۷۴ء میں فوت ہوا) کو اس مسلک کا صدر خیال کیا جاسکتا ہے۔ (۲) ہنرخ وان ٹریشکے[1] جو der Socialismus und seine gonner (1875) کا مصنف تھا۔ (یہ کتاب نظری یا خیالی اشتراکیین کے خلاف لکھی گئی تھی (۳) وی بیوہمرٹ[2]، جس نے مزدوروں کو منافع کا حصّہ دار بنانے کے مسئلے کی وکالت کی تھی، اس نے ایک کتاب Die Gewinnbetheiligung (1875) تصنیف کی۔ (۴) اے ایمنگ[3] ہاسس، جو Das Armenwesen in Europaischen Staaten (1870) کا مصنّف تھا اس کتاب کے کچھ حصّے کا ترجمہ ای، بی، الیسٹ وک نے اپنی کتاب Poor Relief differnt in parts of Europe (1873 میں کیا ہے۔ اور (۵) ہے، ایچ، شولز ڈیلش[4] جو جرمنی کے عوام کے بنک کا مشہور موجد اور "اتحاد باہمی" کے نظام کا وکیل تھا مسئلۂ اشتراکیت پر جن مصنّفوں نے کتابیں لکھی ہیں، جیساکہ پہلے کہا جاچکا ہے،

[1] Treitschke
[2] بیوہمرٹ Bohmert
[3] A. Emminghans
[4] G. H. Schultze Delitzsch

موجودہ تاریخی تبصرے میں ان کو شامل نہیں کیا گیا ہے اور ہم نے عام طور پر ان نام نہاد علمائے معاشیات کو نظر انداز کر دیا ہے جن کی تحریریں تاریخ اشتراکیت یا اُس کے مناظرے و مباحثے سے متعلق ہیں۔

جس تحریک نے جرمنی میں جدید مسلک کی بنیاد ڈالی اور اس سے جو ترقیاں پیدا ہوئیں ان دونوں نے موجودہ زمانے میں جرمنی کو معاشی مباحث میں ایک خاص تفوق دیدیا ہے جرمانی مسلک کا اثر دوسرے ممالک کے آراء کی ترمیم و اصلاح کے بارے میں پڑا۔ یہ اثر اٹلی میں سب سے زیادہ اور فرانس میں سب سے کم پڑا۔ انگلستان میں یہ اثر بتدریج اور استقلال کے ساتھ پھیلنا شروع ہوا' اگرچہ اس ملک کی جزیرے کی سی حیثیت ہونے کی وجہ سے بیرونی خیالات کی موجیں اُس کے ساحل سے ٹکرا کر رہ جاتی ہیں اور آگے بڑھنے نہیں پاتیں اور انگلستان کے مسلک کو اس کی علیحدگی کی وجہ سے خاص وقعت اور امتیاز حاصل ہے۔ اس اثر کے پہلو بہ پہلو "قدیم و مروجہ" نظام سے عام تنفر خود بخود پیدا ہوتا جا رہا ہے اس کی ایک وجہ تو یہ احتمال ہے کہ اس نظام کا طریق تحقیق غیر صحیح ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس نظام کے ناقص عملی شعبے سے تنفر بڑھ رہا ہے اور اُصول غیر مداخلت کے معائب ظاہر ہو جانے سے یہ حکمت عملی نظر میں نہیں ٹھہرتی۔ اس لئے ہر جگہ ایک خاص طریق خیال اور خاص طرز تحقیق ظاہر ہو رہا ہے جو تاریخی مسلک کے علمائے معاشیات کے باقاعدہ تصورات کے ہم آہنگ ہے۔ اور اس طرح معاشی عالم میں دونوں طریقے ساتھ ساتھ جاری ہیں۔ جدید مسلک روز بروز غلبہ و فوقیت حاصل کر رہا ہے۔ اس کے برعکس قدیم مسلک

210

اب بھی اپنی حالت پر قائم ہے اور اپنی مدافعت کرتا ہے اگرچہ اسکے پیروؤں کا رجحان روز بروز اپنے طرز عمل میں ترمیم کرنے اور نئی روشنی کے فوائد کو حاصل کرنے کی طرف ہو رہا ہے

اٹلی

یہ امر قابل افسوس ہے کہ انگلستان اور امریکہ دونوں ممالک میں حال کے اطالوی معاشئین کی تحریروں کے متعلق بہت کم علم ہے۔ لیوگی کاسا[1] کی کتاب Giuda کا ترجمہ جیونس نے مشور ے سے انگریزی زبان میں ہوا تھا اور صرف اسی کتاب سے ہمکو اطالوی معاشئین کی محنت کی نوعیت و اہمیت کا تھوڑا سا حال معلوم ہوتا ہے۔ اٹلی کے نشاۃ سیاسیہ کے بعد اس ملک کے مالیات کے سوالات کی اہمیت و ضرورت نے یہاں کے علماء کی کوششوں کو عملی میدان کی تحقیقات کی طرف پھیر دیا اور ان علماء نے اعداد و شمار اور نظم و نسق سے متعلق مسائل پر متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ لیکن انھوں نے نظری پہلو کو نظر انداز نہیں کیا اور علم المعیشت کے عام اصول سے نہایت قابلیت سے بحث کی ہے۔ کاسا انجیلو مسے ڈاگلیا[2] (تاریخ پیدائش سنہ ۱۸۲۰ء) کو جو پیڈوا میں پروفیسر تھا اپنے زمانے کا سب سے فاضل عالم معاشیات خیال کرتا تھے۔ انجیلو نے سرکاری قرضوں پر سنہ ۱۸۵۰ء میں ایک کتاب اور سنہ آبادی سنہ ۱۸۵۸ء میں ایک مضمون لکھا۔ اور وہ زر و قرض کے مسائل کا ماہر خیال کیا جاتا

---

[1] Luigi Cossa

[2] Angelo messedaglia

ہے۔ اُس کے شاگرد فیڈیلی لیمپرٹیکو[۱] (تاریخ پیدائش ۱۸۳۳ء) نے کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں سب سے باقاعدہ اور مکمل کتاب Economia dei popol ie degli Stati (1874-1884) ہے۔ مارکو منگھیٹی[۲] (۱۸۱۸ء تا ۱۸۸۶ء) ایک مشہور وزیر متعدد تحریروں کے علاوہ ایک کتاب موسوم بہ Economia Publicae le sue attinenze colla moralee coll diritto (1859) کا مصنف تھا۔ لیوگی لزاٹی[۳] نے جو ایک مشہور مدبر سیاست بھی تھا متعدد تصانیف کے ذریعے سے اصلاح کی ضرورت پر زور دیا اور اصلاح کا راستہ کھول دیا۔ ویٹو کیوسومانو اور گیوسپ رکا سیلرنو[۴] سسلی کے باشندوں نے بھی عمدہ کتابیں تصنیف کیں۔ اول الذکر نے ۱۸۷۶ء میں دور وسطیٰ کے علم المعیشت کی تاریخ اور ۱۸۷۵ء میں جرمنی کے معاشیات کے مختلف فرقوں پر، جہاں تک اُن کا معاشری مسائل سے تعلق ہے، ایک کتاب لکھی۔ موخرالذکر نے اصل، اجرت اور سرکاری قرضوں کے مسائل پر کتابیں لکھیں (۱۸۷۶-۷۸-۷۹ء)۔ جی ٹونیالو[۵]، ای نیزانی[۶] اور اے لوریا[۷] نے بھی لگان اور منافع کے مسائل پر اور اس زمانے کے بعض اہم عملی سوالات پر نہایت قابلیت سے بحث

211

[۱] Fedek Lampertico

[۲] Marco minghetti

[۳] Luigi Luzzatti

[۴] Vito cusumano and Giuseppe Ricca salerno

[۵] G. Toniolo

[۶] E. Nazzani

[۷] A. Loria

کی ہے۔ کاسا خود، جس کے ہم ان تفصیلات کے لئے ممنون ہیں، متعدد مشہور کتابوں کا مصنف ہے مثلاً:۔

(1) Scienza delle Finanze (1875 ; 1887)

(2) Primi Elementi di Economia politica (1875 ; 1888)

ان میں سے آخر کی کتاب کا متعدد یورپی زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے۔

مصنفوں کی مذکورۂ بالا نامکمل فہرست سے بھی زیادہ دلچسپ یہ واقعہ ہے کہ انگلستان کے مثل یہاں بھی قدیم و جدید دونوں طریقے جاری تھے، یعنی یہاں پر دونوں مسلک (یعنی قدیم یا نام نہاد" قدیم و مروجہ" اور جدید یا تاریخی) اپنی مرتمہ شکلوں میں ایک دوسرے کے مقابل پائے جاتے ہیں۔ کاسا لکھتا ہے کہ شمالی اٹلی میں مسلک جدید کے علمائے معاشیات کے متعلین پر ۱۸۷۴ء میں علی الاعلان الزام لگایا گیا کہ وہ جرمن پرست، اشتراکئین، اور اطالوی بچوں کے اخلاق بگاڑنے والے ہیں۔ اس الزام کے جواب میں لزاتی، لیمپرٹیکو اور اسکیالوجا نے بمقام میلان علمائے معاشیات کا پہلا جلسہ Congress منعقد کیا (۱۸۷۵ء) اس مجلس کے انعقاد کی غرض اُس خیال کی تردید تھی جو خواہ مخواہ قائم کر لیا گیا تھا کہ "آدم اسمتھ اور اُس کے شارحین کے ہاتھوں علم المعیشت کی ابتدا ہوئی اور انھیں کے ساتھ اس کا خاتمہ ہوا۔ یم۔ ایمل دی لیولی کی دلچسپ کتاب (Lettres.d'Italie) (1878-79) اٹلی کے بہت ہی حال کے زمانے کے معاشی مباحث کی حالت پر روشنی ڈالتی ہے۔

یم۔ ڈی لیولی کو اُس کے اطالوی ہم وطنوں نے ایک ضیافت میں مدعو کیا تھا۔ اس موقع پر من گیھٹی نے صدارت کرتے ہوئے اُن دونوں تحریکات کا ذکر کیا جو اُس وقت جاری تھے اور اپنا میلان طبع

جدید خیالات کی طرف ظاہر کیا۔ کارلو فراریس، واگنر کے ایک شاگرد کا بھی رجحان اسی سمت ہے۔ آر۔ اسکیاٹاریلا[1] نے اپنی کتاب Del metodo in Economia Sociale (1875) اور یس کاگنیٹی دی مارٹیس[2] نے اپنی کتاب Delle attienenze tra L'economia Sociale e la storia (1865) میں تاریخی طریق کی تشریح اور وکالت کی ہے۔ رکاسیلر تو نے بھی عالمانہ و فاضلانہ مضامین لکھ کر تاریخی طریق کی بڑی حد تک اشاعت کی (خاصکر دیکھو اُس کا مضمون (Del metodo in economia Politica (1878)—) لزاٹی اور فارٹی نے کچھ زمانے تک ایک رسالہ Giornale degli economisti کی ادارت کی۔ یہ رسالہ گویا جدید فرقے کی زبان تھا۔ لیکن جس وقت کاسا[3] کتاب تصنیف کر رہا تھا اُس وقت یہ رسالہ بند ہو چکا تھا۔ اگرچہ کاسا خود اس جدید مسلک سے اپنے آپ کو منسوب کرنے سے اس بناء پر منکر ہے کہ یہ مسلک معاشیات کو محض واقعات کے بیان کرنے تک محدود رکھتا ہے (ہم یہ کہنے کی جرأت کرتے ہیں کہ اس رائے زنی سے صاف مترشح ہے کہ کاسا نے معاشیات کے تاریخی مسلک کے صحیح اُصول کا مفہوم غلط سمجھا تھا) بایں ہمہ وہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ یہ مسلک متعدد طریقوں سے مفید ثابت ہوا ہے اور خاصکر اس لحاظ سے زیادہ مفید ثابت ہوا ہے کہ اسی سے قدیم نظریاتیوں کی اصول پرستی و مبالغہ آمیزی کے خلاف ایک پُرامن اور مفید (اگرچہ بقول اسکے) انتہائی اور شدید قسم کی تحریک شروع ہوتی ہے۔

---

[1] R. Schicattarella

[2] S. Cognetti de Martiis

[3] Cossa کاسا یا کوسا۔

فرانس

فرانس میں تاریخی مسلک کا اس قدر قوی اثر نہیں پڑا۔ اسکی وجہ ایک حد تک بلا شبہہ یہ تھی کہ یہاں نظام ریکارڈو کے انتہائی مطلق اُصول کو زیادہ قبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ فرانسیسی مسلک مبالغہ آمیزیوں سے بالکل آزاد تھا۔ اور اسی امر کے نظر کرتے جیونس نے یہ اعلان کیا تھا کہ "فرنچ اسکول میں حقیقت و صداقت ہے اور انگلستان کے علمائے معاشیات خیالی دُنیا میں رہتے ہیں"۔ ممکن ہے کہ قومی تعصب کی وجہ سے فرانس بیرونی اثرات سے بچا رہا ہو کیونکہ فرانس کا معمولی باشندہ بھی اپنے دل سے یہ سوال کرتا ہے کہ کیا ہم کو جرمنی کسی قسم کا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، تاریخی مسلک کی پوری کائنات جن فلسفیانہ اُصول پر قائم ہے ان اصول کو پہلے ایک فرانسیسی فلسفی ہی نے قائم اور پیش کیا تھا جس کے اعلیٰ خدمات کا کما حقہٗ اعتراف اُس کے ہم وطنوں نے اب تک نہیں کیا ہے۔ دوسری وجہ غالبًا یہ تھی کہ اعلیٰ تعلیم پر حکومت کا بہت بڑا دباؤ تھا اور آزاد خیالی کی راہ میں یہ اثر ایک بہت بڑی سدِ راہ تھا۔ یہ بات اس واقعے سے پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ کزن کے سطحی انتخابی خیالات کو وسیع فلسفیانہ میدان میں رواج دینے میں حکومت نے مدد دی۔ دوسرے ممالک کے مثل فرانس بھی تاریخی مسلک کی طرف مائل ہوا مگر اُس کا رجحان عام اُصول کی ترمیم کی طرف اس قدر نہ تھا جس قدر گزشتہ زمانے کے معاشی خیالات و آئین و رواج کے گہرے مطالعے کی طرف۔

213

اہل فرانس نے (جن میں یہاں اہل بلجیم بھی شامل کئے جاسکتے ہیں) معاشیات کی تاریخ میں نظری اور عملی دونوں حیثیتوں سے نہایت مفید کام کیا۔ اس میں شک نہیں کہ بلنکوی کی تاریخ (سنہ ۱۸۳۷ تا سنہ ۱۸۳۸) کسی بلند مرتبے کا استحقاق نہیں رکھتی، صرف پہلی تصنیف ہونے کی حیثیت سے قابل قدر ہے۔ ولی نیو بارجی مونؒ کی تاریخ (سنہ ۱۸۳۹ء) بھی دلچسپ اور مفید ہے، اس میں علم المعیشت کے نشوونما اور اس کے رجحانات پر کیتھولکیت کے نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے۔ سی پیرن کی کتاب موسوم بہ Les doctrines Economique depuis un siecle (1880) کا بھی یہی نقطۂ نظر ہے۔ فرانس کے مصنفین نے مشہور مدبران سیاست اور فلاسفہ پر متعدد بیش بہا کتابیں بہ تفصیل ذیل تصنیف کیں:۔

نام مصنف	کتاب کا نام	سنہ اشاعت
(۱) اے بیٹ بی نے ترگو پر	Turgot Philosophe, Economiste, et Administrateur, 1861	۱۸۶۱
(۲) اے ڈی مارک نے ترگو پر	Turgot et ses doctrines.	۱۸۸۵
(۳) پیری کلیمنٹ نے کولبیر پر	Histoire de Colbert et de son Administration, 2nd ed.,	۱۸۷۵
(۴) بادر لارسٹ نے باڈن پر	J. Bodin et son Temps ; Tableau des Theories politiques et des Idees economiques au 16e siecle,	۱۸۵۳
(۵) الیونسی ڈی لیورنؒ نے فطر آئینوں پر	Les Economistes Francais du 18e siecle,	۱۸۷۰

۱؎ Villeneuve-Bargemont

۲؎ Leonce de Lavergne

یم۔ ڈی لیولی کی کتاب موسوم بہ De La propriete et de ses formes primitives (1874); Engl. Trans. by Marriot. نہ صرف اس وجہ سے خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اس میں ملکیت کی ابتدائی شکلوں کے واقعات کو ترتیب اور سلیقے کے ساتھ پیش کیا گیا ہے بلکہ اس لئے بھی کہ وہ جدید مسلک کے اس رجحان کے ہم آہنگ ہے جس میں معاشی زندگی کے ہر مرحلے کو اضافی نقطۂ نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ معاشی زندگی کی ایک حالت تاریخی ماضی کا نتیجہ اور یورپ کے معاصر عمرانی حالات کے ہم آہنگ ہوتی ہے اور۔ اس میں ایسی قوتیں مضمر ہوتی ہیں جو مستقبل کی اساسی نوعیت کو متعین کرتی ہیں گو اس مستقبل کے ذیلی معاملات اور فروع قابل ترمیم ہوتے ہیں۔ 214

یم۔ ڈی لیولی نے تاریخی مسلک کے عام اصول کو اپنے ملک میں متعارف کرانے کی بہتیری کوشش کی اور اس طرح جرمنی و فرانس کے درمیان ترجمان کا کام نہایت مفید طریقے پر انجام دیا۔ لیکن اس کی سب سے حال کی تصنیف Les Lois naturelles et l'object de l'economie politique (1883) سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس مسلک کے قابل ترین افراد سے علٰحدگی اختیار کرکے ایک بڑی سخت غلطی میں یوں مبتلا ہو جاتا ہے کہ معاشیات کو ایک حقیقی علم (یا شعبۂ علم) تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا ہے اور اس کو فن سے علٰحدہ چیز تصور نہیں کرتا اور معاشی قوانین یا ایسے رجحانات کے وجود سے بھی، جو انسان کی مرضی سے آزاد ہوں، منکر ہے اور یہ انکار اُس کو عام طور پر جملہ عمرانی قوانین کے وجود سے منکر بنا دیتا ہے۔ یہ رجعت اور ترقیٔ معکوس ہمارے زمانے کے فلسفی کے لئے حیرت انگیز ہے اور خصوصاً جبکہ Philosophie Positive جیسی کتاب لکھی جا چکی ہو اس قسم کا طرز عمل

ہرگز قابل معافی نہیں ہو سکتا۔ لیولی مابعد الطبیعی فقرے "لابدی قوانین" کا استعمال کر کے مسئلے کو مبہم بنا دیتا ہے اور جو قوانین درحقیقت جاری ہیں محض اُن کا ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہے۔ یم۔ ڈی لیولی یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ اخلاقیات سے اس کی نظیر بہم پہنچتی ہے، اخلاقیات میں قوانین فطرت سے بحث نہیں کی جاتی بلکہ "تحکم آمیز قواعد" سے بحث کی جاتی ہے۔ گویا ان قواعد واحکام کی بنیاد واقعات ومشاہدات پر نہیں ہوتی اور گویا اخلاقی ارتقاء کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ وہ ایک طرف صحیح نقطۂ نظر سے اسی قدر دور معلوم ہوتا ہے جس قدر کہ اُس کے قدیم مسلک والے مخالفین دوسری طرف دور ہیں۔ اس کے دلائل سے جو چیز درحقیقت ثابت ہوتی ہے وہ یہ قضیہ ہے، جو بلاشبہ صحیح ہے، کہ "معاشی واقعات کی تشریح وتوجیہ ایسے نظریئے سے نہیں کی جاسکتی جس میں دوسرے عمرانی شعبوں کو نظرانداز کر دیا گیا ہو اور اسی لئے معاشی مظاہر کی تحقیقات وتشریحات کو علم عمرانیات کے وسیع نتائج سے متصل رکھنا ضروری ہے"۔

ستے کے بعد سے یا درحقیقت جرمین گا رنیر کی کتاب موسومہ Abrege des principles d l'Economi politique (1796) کے بعد سے مسلسل جو تشریحی کتابیں مختلف مصنّفوں کے قلم سے نکلیں ہم اُس پر صرف ایک عام تبصرہ کریں گے۔ ڈسٹٹ دی ٹریسی[اہ] کی تشریح اُسی کی کتاب (Elements d'Ideologie (1823) میں موجود ہے۔ ڈروز[عہ] نے اخلاقیات سے معاشیات کا اور عامۃ النّاس کی خوشحالی سے دولت کا تعلق ثابت کیا (Economic politique 1829)۔ پیلی گرینو روسی[سہ] اطالیہ کا باشندہ تھا، مگر سوئزرلینڈ میں رہ کر

215

اہ Destutt de Gracy

عہ Droz

سہ Pel egrino Rossi

اُس نے معاشیات کی تعلیم حاصل کی تھی اور پیرس میں معلم معاشیات رہا اور ایک کتاب Cours d'Economique Politique (1834-54) فرانسیسی زبان میں تصنیف کی۔ اُس نے سے، مالتھس اور ریکارڈو کے اصول کی تشریح قدیم و معتبرہ مسلک کے انداز میں کی ہے۔ مائیکل شیوالیر نے (سنہ ۱۸۰۶-۱۸۷۹ء) جس کا تخفیف قیمت طلا والا مضمون La Baissed 'or, 1858 کا بڈن کے ہاتھ سے ترجمہ ہو کر خاص طور پر انگلستان میں شہرت حاصل کر چکا تھا اپنی کتاب موسوم بہ Cours d'Economique Politique (18.5-50) میں جدید ترین معاشی مظاہر کے متعلق خاص طور پر اور زر اور قیمتی فلزات کے متعلق قیمتی معلومات کا اضافہ کیا ہے۔ ہنری باڈر لارٹ نے جو دو کتابوں یعنی (1) Les Rapports de la Morale et de l'Economie Politique

(2) Histoire duc Luxe (1878) — اور

کا مصنّف تھا ۱۸۷۵ء میں ایک کتاب بنام Mannual d'Economique Politique شائع کی جو بقول کاسا[1] ایک قابل تحسین خلاصہ" ہے۔ جوزف گارنیر اپنی کتاب موسوم بہ Trait de L Economic Politique (1872 and 1880) میں بعض امور میں ڈنویر کی پیروی کرتا ہے۔ جے۔ جی۔ کورسیلی سینول[1] جس نے جے۔ یس۔ مل کا ترجمہ کیا تھا اور جس کو پروفیسر ایف۔ اے۔ واکر، جے۔ بی۔ سے کے بعد فرانس کا فاضل ترین عالم معاشیات خیال کرتا ہے، ایک کتاب موسوم بہ (1) Traite theorique et practique des operations de Banque and theorie des Enterprises Industrielles (1856) کے علاوہ دوسری کتاب موسوم بہ (2) Trait d'Economie Politique (1856 1867) کا بھی مصنّف تھا جو نہایت قابل قدر خیال کی جاتی ہے۔ سب سے آخر میں جنیوا کے

[1] J. G. Courcelle-seunil.

باشندے انٹائن ایلیس شربولیز نے (وفات ۱۸۶۹ء) ایک کتاب بنام Precis de La Science Economique (1862) لکھی جو بقول کا سا فرانسیسی زبان میں علم المعیشت کی بہترین کتاب ہے۔ یل والرس نے اپنی کتابوں موسوم بہ (1) Elements de Economie politique pure (1874-77)

(2) Theoric Mathematıque de la Richesse Sociale (1883)

میں کورنا کی تقلید کر کے معاشیات میں ریاضی طریق کو استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔

216

انگلستان

تاریخ معاشیات کی صحیح سنوی ترتیب کو اس سے زیادہ اہم امور پر قربان کر کے ہم قبل ازیں کیرنس کا ذکر کر چکے ہیں جس میں ہم نے بیان کیا تھا کہ یہ شخص انگلستان کا آخری اصلی مصنف ہے جو خالصاً قدیم مسلک کا پیرو تھا۔ طریق تحقیقات اور اصول دونوں اعتبارات سے وہ لازمی طور پر ریکارڈو کا ہم مشرب ہے اگرچہ وہ مل سے حد درجہ اعتقاد رکھتا اور اس کا مدعی بھی تھا لیکن اس سے بچ کر خود کو اپنے اور اس کے مشترکہ استاد (یعنی ریکارڈو) سے متعلق کر دیا۔ سجوک کا یہ خیال بلاشبہ صحیح ہے کہ مل کو اس کے تشریحات کی بدولت جو عدیم النظیر نیکنامی و شہرت تقریباً پندرہ بیس سال تک حاصل رہی اسکو کیرنس کی کتاب Leading Principles نے بڑی حد تک عقبی زمین میں ڈال دیا اور اس طرح پر نیز دوسرے طریقوں سے ممکن ہے کہ انتشار پیدا کرنے والی قوت کا کام انجام دیا ہو اور کامل تبدیلی کی طرف مائل کر دیا ہو۔ لیکن اگر اس نے اس قسم کا کوئی اثر ڈالا بھی ہو تو وہ بالکل بلا ارادہ تھا۔ لیکن اکثر دوسرے

Autoine Elise cherlmlies ۱

اثرات نظام قدیم کی جڑ بنیادوں کو بتدریج کھوکھلا کر رہے تھے۔ کونت کے طالبعلموں کو معلوم ہو گیا تھا کہ قدیم نظام کا طریق تحقیقات غلط تھا۔ کارلائل کی اعلیٰ اخلاقی تعلیم نے بہترین دماغوں کو منچسٹر اسکول کے ادنیٰ اصول سے متنفر کر دیا تھا۔ رسکن نے نہ صرف مروجہ اصول کے جذبۂ انانیت کی سخت مخالفت کی تھی بلکہ اُس کے اصول کو علمی نظریہ ہونے کے اعتبار سے ایک حد تک ناقص قرار دیا تھا۔[1] یہ محسوس کیا جانے لگا اور خود قدیم مسلک کے سرگرم حامی بھی بعض اوقات اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ مسلک قدیم نے وہ تمام کام انجام دیا جس کی اُس میں صلاحیت تھی اور یہ کام زیادہ تر انہدامی تھا۔ کیرنس نے خود اعلان کیا کہ ایک طرف تو اکثر تعلیم یافتہ اشخاص کی یہ رائے تھی کہ قدیم نظام آئندہ چل کر غیر مفید ثابت ہوگا اور دوسری طرف بعض مستعد ارباب فکر یہ خیال کرتے تھے کہ یہ نظام مفید اصلاح کی راہ میں ایک زبردست اور قطعی رکاوٹ ہے۔ مس مارٹینا وجو شروع میں کالا ریکارڈو کی پیرو تھی اس رائے پر پہنچی ہے کہ مس موصوفہ کے مصاحبین نے محنت و جانفشانی کر کے معاشیات کا جو علم مرتب کیا تھا وہ صحیح معنوں میں کوئی علم ہی نہ تھا اور اسمیں اسطرح تغیر و تبدل ہونا ضروری تھا کہ انسانی معاملات کے ایک شعبے میں چند عام قوانین کے قیام کے سوائے آئندہ نسلیں علم المعیشت کے رہین منت نہ رہیں۔[2] مزدوری پیشہ طبقے سے جبلی نفرت

---

[1] ۱۸۶۰ء میں جان لیلور John Lalor کی مشہور و معروف کتاب موسومہ Money & Morels ایک حد تک کارلائل کے زیر اثر لکھی گئی۔ ایک اور عمدہ کتاب موسومہ John Ruskin Economist. پی گیڈیس نے ۱۸۸۴ء میں لکھی۔

[2] دیکھو اُس کے خود نوشتہ سوانح۔ دوسرا ایڈیشن جلد دوم صفحہ ۲۴۴۔

بحال خود جاری رہی باوجودیکہ مزدوروں کے بالا دستوں نے قدیم مسلک کے اصول پیش کر کے اس نفرت کو دور کرنے کی کوشش کی۔ گویہ کوششیں مفاد عام کی خاطر نہیں کی گئی تھیں بلکہ اس میں بالعموم ذاتی اغراض پنہاں ہوتے تھے۔ یہ تمام علامتیں آنیوالے تغیرات کا پتہ دیتی تھیں، مگر یہ علامتیں معاشی دائرے میں رونما ہونے کے بجائے بیشتر عام ادبیات اور عمرانی علوم میں ظاہر ہوئیں[۱]۔ جب یہ بات معلوم ہوئی کہ خصوصاً جرمنی میں ایک جدید عظیم الشان اور امید افزا تحریک رونما ہوئی ہے تو انگلستان کے علمائے معاشیات خود بھی اصلاح کی ضرورت کو محسوس اور اس کو اپنے یہاں شروع کرنے کی کوشش کرنے لگے۔

احیائے علم کی تحریک کے تین بڑے نمائندے بیجہٹ لیزلی اور جیونس تھے۔ اول الذکر نے نظام قدیم کے دائرے کو محدود کرنے کی کوشش کی۔ لیزلی نے نظام قدیم کی شدید مخالفت کی [illegible] کے بجائے وہ اس کے رقیب، جدید طریق کو اس کا جانشین بنانا چاہتا تھا۔ اور جیونس نے مروجہ نظام کے زوال کو تسلیم کیا اور تغیر کی ضرورت کا اعلان کرتے ہوئے جدید مسلک کو (قدیم مسلک کے ساتھ) زمانۂ مستقبل کا مشترکہ مالک قرار دیا۔ اس طرح پر انگلستان میں دونوں طریقے جاری رہے اور برا عظم کے مثل یہاں بھی ثنویت[۲] قائم ہوگئی۔ اس لحاظ سے اس توقع کے کافی وجوہ ہیں کہ یہاں پر فرانس یا اٹلی کی نسبت بہت زیادہ سرعت کے ساتھ تاریخی مسلک اپنے حریف

---

[۱] مسلمہ نظام پر ڈیولڈسم نے اپنی کتاب موسومہ Outlines of an Industrial Science میں سخت حملہ کیا ہے۔

[۲] Dualism

کو قطعی طور پر میدان سے مار بھگائیگا اور واقعہ بھی یہ ہے کہ نئے خیالات کی اشاعت جرمنی کے بعد انگلستان میں سب سے زیادہ موثر طریقے سے اور سب سے زیادہ قوت کے ساتھ شروع ہوئی۔

والٹر بیجہٹ نے (۱۸۲۶-۷۷ء) انگلستان کے زر کے بازار اور اُس کے عجیب وغریب خصوصیات اور نوعیت پر ایک نہایت عمدہ کتاب تصنیف کی Lombard Street 1877-8۔ اس کے علاوہ زر کے خاص خاص مسائل پر اُس نے کئی کتابیں تصنیف کیں اور اُس کا عملی تجربہ اور اُس کے علمی تخیل کے عادات نے اُس کو ان مسائل پر بحث کرنے کا خاص طور پر اہل بنایا تھا۔ اس نے معاشیات کے عام اُصول پر نہایت اہم مضامین تحریر کئے جو ایک کتاب موسوم بہ Eeonomic Studies (1880) میں جمع کئے گئے ہیں (زیر ادارت آر۔ ایچ۔ ہٹن)۔ ان مضامین کا مقصد یہ دکھانا تھا کہ معاشیات کا روایتی نظام (یعنی ریکارڈو اور مل کا نظام) بعض اساسی مفروضات پر قائم تھا جو حقیقت میں عام طور سے صحیح اور عالمگیر ہونے کی بجائے ایک خاص وقت اور مقام پر صادق آتے تھے۔ بجائے اس کے کہ قوم کی تمام حالتوں پر ان کا اطلاق ہو وہ صرف ان حالتوں پر صادق آتے ہیں جن میں تجارت گوناگوں ترقی کر چکی ہو اور جہاں تجارت نے نشو ونما کی وہ شکل یا اس کی مشابہت اختیار کی ہو جیسی کہ انگلستان میں ہے۔ "یہ روایتی نظام محض فن تجارت کا علم ہے اور تجارت کرنے والی بڑی قوموں کی تجارت اور کاروبار پر بحث کرتا ہے۔ یعنی یہ علم گویا اس تجارت عظیم کا تجزیہ ہے جس کی بناء پر انگلستان متموّل بن گیا تھا۔" لیکن اس سے زیادہ اس علم کی کچھ حیثیت نہیں ہے۔ اس سے نہ تو زمانۂ قدیم کی معاشی زندگی کی کوئی تشریح

ہوتی ہے، نہ خود زمانۂ حال میں دوسری قوموں کی جو حالت ہے اسکا
کچھ پتا چلتا ہے۔ چنانچہ آخر الذّکر وجہ کی بناء پر روایتی نظام کی نوعیت
محض مقامی اور خالص انگریزی ہوگئی ہے۔ انگلستان میں اسکو
جس طرح عام طور پر قبول کیا گیا اس طرح بیرونی ممالک میں تسلیم
نہیں کیا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس نظام میں اتنی حسابی سہولت ضرور
ہے کہ ہم مقرّرہ حالات کے تحت لمبارڈ اسٹریٹ، صرّافہ اور دُنیا
کے دوسرے بڑے بازاروں کی آئندہ کیفیت اور حالت بآسانی
حساب کر کے معلوم کرسکتے ہیں۔ یہ نظام ان مناسب وموزوں
نتائج کا ایک سلسلہ ہے جو مفروضہ مسلّمات سے اخذ کئے گئے
ہیں۔ مگر یہ مفروضہ مسلّمات، بالکلیہ صحیح نہیں ہوتے اور بسا اوقات
اور اکثر ملکوں پر صادق نہیں آتے۔ البتہ صرف انگلستان جدید کے
خاص حالات سے وہ اس قدر کافی طور پر قریب ہیں کہ یہ نظام صرف
وہیں کے لئے مفید ہوسکتا ہے۔ اور وہیں کے لئے اسکا مطالعہ
کیا جاسکتا ہے۔

مِل اور کیرنس ثابت کر چکے تھے کہ جس علم کی انھوں نے
تعلیم دی وہ اس لحاظ سے ایک مفروضی علم تھا کہ اس میں حقیقی
انسانوں سے بحث نہیں کی گئی تھی بلکہ فرضی انسانوں سے یعنی معاشی
انسانوں" سے جو محض "زرپرست یا زر کمانے والے انسان" تھے۔
لیکن بیجہٹ اس سے آگے جاتا ہے۔ اُس نے اس چیز کو ثابت
کیا جس کو ممکن ہے کہ مل اور کیرنس نے اشارۃً ظاہر کیا ہو، مگر صاف
طور پر بیان نہیں کیا تھا یعنی یہ کہ جس دُنیا میں معاشی انسانوں کا جدوجہد
کرنا فرض کیا گیا ہے وہ بھی ایک محدود اور مخصوص دُنیا ہے۔
بقول اُس کے اس مخصوص اور عجیب وغریب دُنیا کی خصوصیت یہ
ہے کہ اصل ومحنت ایک پیشے سے دوسرے پیشے میں بہ سرعت
وآزادی منتقل ہوجاتے ہیں اور ان مختلف پیشوں میں جو معاوضے

19

اس لحاظ سے کرے کہ وہ ایک معاشری واقعہ ہے اور دولت میں یکے بعد دیگرے آنے والی صورتوں اور پہلوؤں کو پیش نظر رکھے اور دوسری طرف دولت کا صحیح مفہوم قائم کرے کہ وہ انسانی جماعتوں کے اخلاقی و مادی تحفظ و ارتقاء کا ایک آلہ ہے -

اگرچہ نفس مضمون سے قدرے تجاوز ہوگا مگر یہاں پر استخراجی طریق کے افعال کی ایک دوسری کمزوری کی طرف توجہ کرنا مناسب ہے جس کی طرف سج وک نے اپنی معاشیات کی مشہور تصنیف میں اشارہ کیا ہے - سج وک لکھتا ہے کہ مل اپنے اس اعلان کے باوجود کہ لمّی طریق ہی علم المعیشت کا صحیح طریق ہے اور یہ کہ "سب مشہور علماء کا خیال اور اُن کی تعلیم بھی یہی تھی" خود بیسد ائش کی بحث میں استقرائی طریق یا کم از کم ایسا طریق جو لازمی طور پر استخراجی طریق سے مختلف تھا استعمال کرتا ہے یعنی صنعتی مظاہر کے متعلق جو عام تجربی علم ہے محض اُسی کی تحلیل و تنظیم کر کے اس نے نتائج اخذ کئے - اس نمایاں بے ربطی اور تلوّن کی توجیہ پیش کرنے کے لئے سج وک یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ مل نے طریق کے بارے میں اپنا عام خیال ظاہر کرتے وقت صرف دولت کی تقسیم اور مبادلے کے سکونیات کو پیش نظر رکھا تھا - اور سج وک کا یہ بھی خیال ہے کہ اگر اس آخر الذکر میدان میں اوّلی طریق سے بہ احتیاط کام لیا جائے، سہل و سلیس مقدمات خوبی سے تجویز کئے جائیں اور جو عناصر مقدمات میں نظر انداز کر دئے گئے ہیں اُن کی رعایت سے اخذ کردہ نتائج میں قرین قیاس ترمیمات کر دئے جائیں تو اس طریق کا استعمال ترقی یافتہ صنعتی جماعت کے بارے میں "لازمی طور سے غلط اور گمراہ کن" نہیں ہے - اس طریق سے جو نتائج مستنبط ہوتے ہیں وہ مفروضی طور پر صحیح اور درست ہوتے ہیں، گو "حقیقی واقعات کی تشریح و توجیہ

کا ذریعہ ہونے کی حیثیت سے اس طریق کا جو فائدہ ہے اُس کا انحصار اس امر پر ہے کہ اس طریق کو مشاہدہ و استقراء کے نتائج کے حتی الامکان پورے علم کے ساتھ استعمال کرنا چاہیئے"۔ ہماری رائے میں اس بیان پر اعتراض کرنے کی ضرورت نہیں ہے اگرچہ ہمیں ترجیح اس خیال کو دینی چاہیئے کہ مفترضات سے استخراج کرنے کا طریق کبھی کبھی منطقی حیلہ ہونے کی حیثیت سے مفید ثابت ہے اور اس اعتبار سے اس طریق کا استعمال نہ صرف دوسرے شعبہ ہائے تحقیقات میں بلکہ معاشیات میں بھی پورے طور پر جائز ہے۔ البتّہ معاشیات کے کسی شعبے میں بھی صرف اسی طریق کو تحقیقات کا ذریعہ قرار دے دینا غلطی ہوگی۔ سج وک تقسیم دولت کے سوالات میں طریق استخراج کو اشیاء کی ایسی حالت کی تحقیقات تک محدود کرتا ہے جو تہذیب یافتہ جماعت کا عام طور پر معیار ہوتی ہے اور اس طرح بظاہر بجہت سے اس امر میں متفق ہے کہ ان اوقات و مقامات کے لئے جو اس معیار کے مطابق نہوں تاریخی طریق کو استعمال کرنا ضروری ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ تاریخی طریق ہی ایسا طریق ہے جس میں واقعات کی "تخیّلی و تاملی" تحلیل قطعی طور پر شامل ہے اور یہ طریق ان واقعات کی تشریح و توجیہ انسانی عاملوں کے محرّکات و جذبات اور دوسرے اثرات و حالات سے کرتا ہے۔ سج وک یہ امر تسلیم کرتا ہے کہ دولت کے حرکی مطالعے میں یعنی دولت کی تقسیم و پیدائش کے تغیّرات کے مطالعے میں "لمّی طریق کی بہت ہی ادنیٰ حیثیت ہو سکتی ہے"۔ ہم یہ کہیں گے کہ یہاں بھی لمّی طریق بحیثیت منطقی حیلہ ہونے کے بعض اوقات اگرچہ خفیف حد تک مفید ہو سکتا ہے، لیکن وہ مفروضات جو ترقی یافتہ صنعتی حالت کے ہم آہنگ و مطابق ہوں ہر دوسری حالت کے مطالعے کے لئے استعمال نہیں کئے جا سکتے۔

لیکن تحقیقات کا لازمی آلہ تاریخی طریق ہونا ضروری ہے جو معاشی ارتقاء کے مختلف پہلوؤں کا مقابلہ کرکے مطالعہ کرے۔

جدید صنعت کے نظریے سے متعلق ایک مسئلہ ہے جس سے ہیجہرسٹ نے اگرچہ اتفاقی طور سے مگر اپنے متقدمین سے بہت زیادہ اطمینان بخش طریقے پر بحث کی ہے۔ یہ آجر کی کارگزاری کا مسئلہ ہے۔ کیرنس اور مل نے آجر کی اصلدار سے زیادہ کوئی اور تعریف ہی نہ کی تھی۔ یہ نہایت عجیب بات ہے کہ کیرنس کی کتاب[1] میں آجر کے مستعدانہ تعامل کا ذکر بہت شاذ آتا ہے۔ ہیجہرسٹ "اجرت تنظیم" کی اصطلاح پر جو آجر کے "صلے و معاوضے" کو ظاہر کرنے کے لئے عموماً استعمال کی جاتی ہے اعتراض کرتا ہے کہ وہ آجر کے کام کی نوعیت کا غلط مفہوم ذہن میں قائم کرتی ہے اور آجر کی جدّ و جہد اور اُس کے کام کے فوائد کی گوناگوں وسعت کو نہایت خوبی سے بیان کرتا ہے۔ نیز اس کی وہبی استعداد اور کسبی قابلیتوں کے اتحاد کو بھی جس سے اُس کا کمال جلا پاتا ہے بخوبی واضح کرتا ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا کہ (نام نہاد) تعامل کے نظام کی موافقت میں جو نتیجہ پہلے سے قائم کیا جاتا تھا وہ بعض اوقات معاشئین کو اس امر کی جانب لے جاتا ہے کہ ان اہم اُمور کو عقبی زمین میں ڈال دیا جائے۔ حال میں پروفیسر مارشل اور ایف۔ اے۔ واکر نے اپنی اپنی تصانیف میں ان امور کو کما حقّہٗ نمایاں کیا ہے۔ لیکن انھوں نے بھی اس چیز کو پوری طرح واضح نہ کیا اور نہ اس کو ثابت کر دکھایا ہے کہ کس اُصول کی بناء پر آجر کے معاوضے کی مقدار متعین ہوتی ہے۔

222

[1] Leading Principles

ہم بیان کر چکے ہیں کہ جونس نے جو اُصول قطعی طور پر پیش کئے تھے اُن میں جدید مسلک کے طرزِ عمل کی ایک حد تک جھلک دکھائی دیتی ہے۔ انگلستان کی معاشی تاریخ پر بالخصوص ٹامس ٹاک اور ولیم نیو مارک نے (قیمتوں کی تاریخ) History of Prices (1836-1857) اور جیمس ای۔ تھارولڈ روجرس نے[1] History of Agriculture and Prices in England (1866-82) دو مفید اور دلچسپ کتابیں لکھیں۔ لیکن ٹی۔ کلف لزلی سب سے پہلا انگریز مصنف ہے جس نے اعلان کیا کہ تاریخی طریق جو فلسفیانہ بنیاد پر قائم ہو معاشیات کی تحقیقات کا موزوں آلہ ہے۔ اس مسئلے پر اُس نے اپنے ایک مضمون میں بحث کی جو ڈبلن یونیورسٹی کے میعادی رسالہ (Hermethena) میں ۱۸۷۶ء میں شائع ہوا اور اس کے بعد اُسکی کتاب (Essays Moral and Political 1879) میں شامل کر لیا گیا۔ معاشیات کے منطقی پہلو پر یہ اہم ترین مضمون ہے اور اس سے پہلے صرف مل نے اپنی کتاب (Unsettled questions) میں اسی قسم کا ایک مضمون لکھا تھا۔ اگرچہ کیرنس نے مل کے خیالات کی تشریح کی تھی اور مثالیں دے کر اس کو وسیع کیا تھا لیکن درحقیقت اس نے مل کے خیالات میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ لزلی کا استدلال ان دونوں کے استدلال کا بالکل ضد تھا۔ وہ "قدیم و مروجہ مسلک" کے اصول و عمل پر نہایت شدومد کے ساتھ اعتراض کرتا ہے۔ کینز اور دوسرے جرمانی مصنفین نے اس مسئلے پر جو کچھ لکھا ہے اُس سے جو جو لوگ واقف ہیں وہ لزلی کی بحث کی شگفتگی اور اصلیت کی داد دیں گے۔ قدیم

[1] مسٹر روجرس نے اس کتاب کے بعد بھی تصنیف کا سلسلہ جاری رکھا چنانچہ انکی ایک کتاب موسوم بہ The first nine years of the Bank of England ۱۸۸۷ء میں شائع ہوئی۔

معاشئین جس اُصول سے تمام مظاہر کا سلسلہ ملانے کا دعویٰ کرتے ہیں "یعنی دولت کی خواہش و احتیاج" کا اُصول، اُس کی نوعیت کو وہ مہمل ومبہم ثابت کر دکھاتا ہے۔ "دولت کی خواہش و احتیاج" سے اصل میں گوناگوں احتیاجات خواہشات وجذبات مراد ہیں جو بلحاظ نوعیت و معاشی اثرات بے حد اختلاف رکھتے ہیں اور جنمیں معاشری تحریک کے یکے بعد دیگرے آنیوالے مختلف منازل کیساتھ اسطرح اہم تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں جسطرح کہ حقیقت میں خود دولت کے عناصر ترکیبی میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ معاشی محرکات و جذبات انسانی وغیرانسانی مختلف اور گوناگوں ہوتے ہیں اور اس قسم کی بعتا ہی اور موٹی تعمیم سے ان محرکات کو ایک ساتھ ملاکر پیش نہیں کیا جاسکتا۔ منطقی اور خالص استخراجی طریق نہ تو اُن اسباب کی تشریح کرسکتا ہے جو دولت کی نوعیت یا مقدار کو متعیّن و منتظم کرتے ہیں نہ مختلف معاشری نظاموں مثلاً فرانس و انگلستان کے نظاموں میں تقسیم دولت کے جو انواع ہیں اُن کے اسباب کی وہ تشریح کرسکتا ہے! ہر قوم کی پوری معیشت ایک ایسے طویل ارتقاء کا نتیجہ ہوتی ہے جس میں تسلسل و تبدیلی دونوں ہوتے ہیں اور معاشی پہلو اسی ارتقاء کا ایک خاص رُخ ہے اور وہ قوانین، جن کا معاشی پہلو نتیجہ ہے، تاریخ اور قوم کے عام قوانین اور معاشری ارتقاء میں تلاش کرنے چاہئیں۔ معاشری ترقی کے عقلی، اخلاقی، قانونی، سیاسی اور معاشی پہلو ایک دوسرے کے ساتھ بالاتصال مربوط ہوتے ہیں۔ اس طرح قانونی واقعات، جو ملکیت، پیشہ اور تجارت کے متعلق ہیں اور جو معاشری تحریک کی بناء پر ظہور پذیر ہوتے ہیں وہ بھی معاشی واقعات ہیں۔ بہ الفاظ دیگر اس زمانے میں انگریز یا کسی دوسری قوم کی معاشی حالت اُس پوری تحریک کا نتیجہ ہے جس سے سیاسی نظام، خاندان کی ساخت، مذہب کی شکلیں،

223

اعلیٰ تعلیمی پیشے علوم وفنون پیدا ہوئے ہیں اور جس سے زراعت صنعت وتجارت کی حالت صورت پذیر ہوئی ہے۔" موجود الوقت معاشی تعلقات کو سمجھنے کے لیئے اُن تعلقات کے تاریخی ارتقار کی اصلیت و ماہیت کا سراغ لگانا ضروری ہے اور معاشیات کا فلسفیانہ طریق ایسا ہونا چاہیئے جو اس ارتقار کی تشریح کرے۔ طریق تحقیقات کے بارے میں قدیم مسلک کے جو خیالات تھے یہ مضمون اُن کی علانیہ مخالفت کرتا تھا اور اگرچہ اس مضمون میں جو نتائج نکالے گئے ہیں اُن کے خلاف احتجاج کیا گیا مگر جن حجتوں پر یہ مبنی ہیں اُن کا جواب اب تک نہیں دیا گیا ہے۔

"قدیم ومروّجہ" مسلک معاشیات کے علمار کے قطعی تعمیمات کا جہاں تک تعلق ہے اُن میں سے بعض کو لزلی غلط اور سب میں احتیاط کے ساتھ حد بندی کرنا ضروری خیال کرتا ہے۔ لزلی نے شروع شروع میں نظریۂ اجرت فنڈ کو محض سطحی اور غلط بتایا تھا' اگرچہ وہ پہلا شخص نہ تھا جس نے اس نظریئے کی مخالفت کی۔ اوسط شرح اُجرت اور اوسط شرح منافع کے اُصول کی' سوائے ان بندشوں کے تحت کے جن کو آدم اسمتھ نے بیان کیا ہے اور جن سے "صنعتی دُنیا کی ایک سادہ اور سکونی حالت مراد ہے" اُس نے عام طور پر تردید کی۔ اُس کی دانست میں اوسط شرح اجرت اور اجرت فنڈ کا نظریہ ہے تو بہت ہی سہل مگر اس سے بے حد نقصان پہنچا۔ کیونکہ " اجرت کی حقیقی شرحوں پر اُن کے متعین کرنے والے اصلی اسباب پر اور اجرت کے اصلی ذرائع پر پردہ پڑ جاتا ہے۔" اُسنے دیکھا کہ جو واقعات اُس نے کد وکاوش سے جمع کیئے تھے وہ ہر جگہ اس نظریئے کے خلاف ہی تھے حقیقت یہ ہے کہ ہر ملک میں " اجرت کی مختلف شرحیں ہوتی ہیں اور اصلی سوال یہ ہے کہ شرحوں کے اس عدم مساوات کے وجوہ کیا ہیں؟" جہاں تک منافع کا تعلق ہے

اس حد تک وہ اس امر سے انکار کرتا ہے کہ شغل اصل کے منافع اور
آئندہ توقعات کا حال معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ ہے اور اس کو محض وہم
خیال کرتا ہے کہ اصلدار کو مختلف کاروباری حالات کا پوری طرح
علم ہوتا ہے۔ بج ہٹ سنے، جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے، اجرت
و منافع کے قومی معیار کا خیال ترک کر دیا تھا، صرف انگلستان کی مخصوص
صنعتی حالت کے لئے اس چیز کو صحیح سمجھتا تھا۔ لیکن لزلی انگلستان کی
حالت کے لئے بھی اس اصول کو صحیح نہیں سمجھتا۔ اس اصول کے ساتھ ساتھ
مصارف پیدائش کا مسئلہ، جہاں تک اُس کا تعلق تعیّن قیمت سے ہے
مسترد ہو جاتا ہے اور یہ اُصول قائم ہو جاتا ہے کہ قیمت خواہ وہ اندرون ملک
کی ہو یا بین الاقوامی، اشیاء کے مصارف پیدائش کی بنا پر قرار نہیں
پاتی بلکہ رسد و طلب کے اثر سے قرار پاتی ہے۔ اگرچہ اس ضابطے کو
مکمل طور پر کسی خطرے کے بغیر استعمال کرنے کے قبل اس بات کی
ضرورت ہوگی کہ اس ضابطے کی بخوبی توجیہ کر لی جائے۔ اس طرح
کیرنس نے نہ متقابلہ کرنے والے گروہوں کے خیال کے ذریعے سے
قدیمی اُصول کی جو جزوی تردید کی تھی۔ اُس کے اتباع میں لزلی قومی صنعتوں
کو نہ متقابلہ کرنے والے گروہوں کے مماثل خیال کر کے اُن پر کیرنس
کے مرتّمہ اُصول کا اطلاق کرتا ہے۔ قیمت پر مصارف پیدائش کا
جو اثر اس محدود دائرے میں جس کے اندر منافع اور اجرت کی شرحیں
معیّن و معلوم ہیں پڑتا ہے۔ لزلی اس سے درحقیقت انکار نہیں کرتا مگر اُس کی
دانست میں بڑے پیمانے پر مصارف پیدائش کا اثر اس قدر بعید از
قیاس و غیر یقینی امر ہے کہ مصارف پیدائش کو قیمت کا منتظم کرنے والا
سبب قرار دینا حق بجانب نہیں ہو سکتا۔ لیکن ریکارڈو نے اپنی پوری
عمارت کی بنیاد اس امر پر قائم کی تھی کہ مصارف پیدائش اور قیمت
ایک ہی چیز ہیں۔ اگر ہم لزلی اور کیرنس کے مرتّمہ اُصول کو قبول کر لیں تو
ریکارڈو کی پوری عمارت مع اس عمارت کی ظاہری اگرچہ غیر حقیقی

225

سادگی، تناسب اور کمال کے منہدم ہو جاتی ہے۔ اور ایک جدید عمارت کے لئے راستہ صاف ہو جاتا ہے جس کا قدیم عمارت کا جانشین بننا ضروری ہے۔ لزلی یہ پیشین گوئی کرتا ہے کہ اگر معاشیات میں جس کو واقعی معاشیات کہا جاتا ہے، اس قسم کی جدید عمارت تعمیر کرنے کی صلاحیت پیدا نہ ہوئی تو یہ کام عمرانیات اس کے ہاتھوں سے لے کر انجام دے گی۔

لزلی متعدد خاص خاص معاشی مباحث یعنی زرعی معیشت، محصولات، قیمتی فلزات کی تقسیم اور قیمتوں کی تاریخ، اور جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے، اجرت کی تغیر پذیری کا نہایت کامیابی کے ساتھ مطالعہ کرتا ہے۔ لیکن اس نے سب سے زیادہ اہم اور اسی لئے سب سے زیادہ باموقع اور ضروری کام جو انجام دیا وہ علم المعیشت کے طریق تحقیق اور اساسی اصول کے بارے میں تھا۔ اور گو علمی اغراض کی حد تک اس کا انتقال بہت قبل از وقت ہوا اور جو کچھ خیالات اس نے ظاہر کئے وہ کبھی کبھی اور منتشر اور جزوی حالت میں پیش کئے۔ بایں ہمہ یہ معلوم ہوگا کہ اس کے خدمات ان متعدد اشخاص سے بدرجہا بڑھے ہوئے تھے جنھوں نے سخت محنت کر کے اپنے بعد اس سے زیادہ باقاعدہ، پُرشان بالشان اور مدعیانہ تحریریں چھوڑی ہیں۔

موجودہ زمانے میں معاشیات کے اعلیٰ درجے کے اور اصلی مصنفوں میں سے ایک مصنف ڈبلیو اسٹانلی جیونس تھا (۱۸۳۵ء تا ۱۸۸۲ء)۔ جیونس میں ذہانت و فراست کے ساتھ صحیح عددی تحقیق کرنے کی جیسی صلاحیت و قابلیت تھی وہ اس قسم کی تھی جو ہمارے دل میں پیٹی کی یاد کو تازہ کرتی ہے۔ اس کا میلان، معاشیات کو طبیعیات سے قریب تر کرنے کی طرف قوی تھا۔ اس نے انگلستان میں کوئلے کی جنس کے ذرائع کی کامل تحقیق کر کے عامۃ الناس کے دلوں پر گہرا اثر کیا۔ اس کا یہ خیال کہ تجارتی کساد بازاری کے توارد

وتکرار اور داغہائے آفتاب کے دور میں باہمی تعلق ہے۔ اس امر کی بین شہادت ہے کہ وہ ایک اعلیٰ علمی دماغ رکھتا تھا اور اس کا تخیل نہایت عمیق تھا۔ اگرچہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس قسم کے تعلق کو قائم اور ثابت کرنے میں وہ کامیاب ہوا۔ اُس نے ایک نہایت عمدہ کتاب[1] تصنیف کی اور سکہ اور مالیات پر متعدد مضامین تحریر کئے جو اُس کے انتقال کے بعد اکھٹے[2] کر دئے گئے ہیں۔ ان مضامین میں اس نوعیت کے مسائل پر جیسے کہ فلزینیت ہے (جس میں قطعی رجحان واحد معیار طلائی کی موافقت میں ہے) نہایت پُرجوش بحث مباحثہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مکمل ترین نظام زر، قومی وبین الاقوامی، اور خاص کر کم مقدار کے نوٹوں کو انگلستان میں رواج دینے کے بارے میں متعدد قیمتی مشورے دئے گئے ہیں۔ دوسری تحریروں میں اُس نے متعدد تجاویز جن کی نوعیت صرف خفیف حد تک معاشی ہے، خاصکر مزدوری پیشہ طبقے کی فلاح وبہبود کے بارے میں پیش کئے۔ ان میں سب سے اہم تجویز کارخانوں میں متاہل مستورات کی محنت کے شرائط کے بارے میں ہے۔ یہ اُن متعدد مثالوں میں سے ایک مثال ہے جن میں اُس نے اُصول عدم مداخلت کی مخالفت کی۔ چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ اس اُصول کی وہ اپنی کتاب[3] میں نہایت واضح اور تشفی بخش طریقے سے تردید کر چکا ہے۔ بایں ہمہ وہ تجارت آزاد کا موئد رہا اور اُس کی وکالت سے پیچھے نہ ہٹا۔ اسکے مابعد الطبیعی خیالات وآراء جو ابھی تک معاشری واقعات کے تسلیم کرنے میں مزاحم تھے یا اُن کی تفہیم میں پیچیدگی پیدا کرتے تھے، اُن کا بار

[1] Money and the mechanism of exchange (1875)

[2] یہ سب Method of Social Reform (1883) میں جمع کی گئی ہیں۔

[3] The state in relation to wealth (1883)

226

وہ اپنی آخری عمر میں جو قبل از وقت اختتام کو پہنچی اپنے مسرسے نہایت سرعت کے ساتھ ہٹتا جا رہا تھا۔ خود اسی کے قول کے مطابق وہ اس نتیجے پر نہایت واضح طور سے پہنچ رہا تھا کہ "معاشیات کے حقیقی اور صحیح نظام کو مرتب کرنے کی صرف ایک ہی ذریعے سے توقع ہوسکتی ہے اور وہ یہ کہ "ریکارڈو کے مسلک کے بیہودہ اور مبہم مفروضات کو دور پھینک دیا جائے"۔ جہاں تک طریق کا تعلق ہے اگرچہ وہ اعلان کرتا ہے کہ اُس کا مقصد "تجارت وصنعت کے پیچیدہ مظاہر کی بطریق استقرا تحقیقات کرتا ہے"۔ لیکن اغلب یہ ہے کہ اُس کے خیالات نے معین شکل اختیار نہیں کی تھی۔ تاریخی مسلک کے بارے میں اُس کی کیا حیثیت تھی اس کا صحیح طور سے تعین کرنے کی ذمہ داری اپنے سر لینے سے اُس کے بعض باقی تحریرات کا مدیر انکار کرتا ہے۔ مسئلے کے بارے میں ہمارے پاس جو بہترین قرائن ہیں وہ اُس کی ۱۸۷۶ء کی ایک تقریر[^ف] میں ملتے ہیں۔

معاشیات میں تاریخی تحقیق کی اہمیت و ضرورت کیا ہے وہ بخوبی جانتا تھا اور خود اُس کے جبلی میلان نے تاریخی تحقیقات کی طرف اُس کی بعض سمتوں میں رہبری کی۔ لیکن تاریخی طریق کا صحیح مفہوم وہ پوری طرح نہ سمجھ سکا اور غلطی سے اس طریق کو "نظری" طریق کا ضد تصور کرتا تھا اور بظاہر یہ سمجھتا تھا کہ تاریخی طریق کا استعمال صرف اُن چند مجرد اصول کی تشریح و توجیہ کرنے کے لئے کیا جاتا ہے جو مطلق بنیادوں پر قائم ہیں۔ اس لئے باوجودیکہ اُس نے اس بات کا اعلان کیا کہ وہ "کامل اصلاح و تعمیر نو کا موید ہے۔ بایں ہمہ اُس نے تاریخی طریق کے ساتھ اور اُس کے دوش بدوش لمبی یا "اولی" طریق استدلال

[^ف]: On the future of Political Economy

کو بھی قائم رکھنے کی کوشش کی۔ وہ خیال کرتا تھا کہ علم معاشیات درحقیقت تحقیق کے کئی مختلف شعبوں میں منقسم ہوتا جارہا ہے جن میں سب سے مقدم "نظریہ" ہے یعنی وہ نظریہ جو اُس کے بہترین متقدمین خصوصاً فرانسیسی مسلک کے متقدمین سے نسلاً بعد نسلٍ اُترتا چلا آرہا ہے اور دوسری تقسیم "تاریخی بحث" ہے، جس کی پیروی انگلستان میں جونس، روجرس وغیرہم کرتے آئے تھے اور جس کا کہ اُس کے معاصر کلف لزلی نے عام اصول میں اعلان کیا تھا۔ یہ ان انتخابی آراء میں سے ایک رائے تھی جن میں مستقل صحت نہیں ہوتی لیکن جو انقلاب میں سہولت پیدا کرنے کیلئے مفید ہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ یہ دو طریق ایک مدت دراز تک ساتھ ساتھ موجود رہیں گے لیکن تاریخی طریق اپنے رقیب کو بلا شک وشبہہ زک دے کر اُس کا جانشین بن جائے گا۔ جیونس جس چیز سے "نظریہ" مراد لیتا تھا اُس کی بحث میں وہ ریاضی طریق تحقیقات کو استعمال کرنا چاہتا تھا، چنانچہ دیکھو اُسکی کتاب Theory of Political Economy (1871) یہ منصوبہ جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں، اس سے پہلے کے اشخاص کے ذہن میں بھی تھا۔ چنانچہ اُن اشخاص نے ایک حد تک اُس کو عملی شکل بھی دی تھی، اگرچہ جیونس اس کے قبل اس قسم کی جو کتابیں لکھی گئی تھیں اُن کی تعداد ظاہر کرنے میں مبالغے سے کام لیتا ہے۔ مثلاً وہ لکھتا ہے کہ ریکارڈو اور جے ایس مل نے بھی ریاضی کا استعمال کیا کیونکہ وہ بعض اوقات معین حسابی مقداریں استعمال کر کے اپنے اُصول کے مفہوم کو واضح کرتے ہیں۔ اس قسم کی مثالوں کا ایک نمونہ مسئلہ بین الاقوامی تجارت کی بحث میں مل کی تحریروں میں ملتا ہے لیکن اس قسم کے تمثیلات وتشریحات میں اور ریاضیات کو بحیثیت معاشی تحقیقات کے آلے یا معاشی حقائق کے تطابق کے آلے کے استعمال کرنے میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ کورنا کے تذکرے کے سلسلے میں ہم اپنی رائے واضح کرچکے ہیں کہ معاشیات میں ریاضی کا استعمال اُس کے اعلیٰ مفہوم کے لحاظ سے کیونکر لازمی طور پر

ناکام ثابت ہوگا۔ چنانچہ اس موقع پر بھی ہماری رائے یہ ہے کہ جیونس بھی اس طریق کو استعمال کرنے میں کامیاب نہ ہوا۔ گو اُس کا "افادۂ اتم" کا تصور بالکل جدید ہے، جس سے اُس کی ذکاوت طبع کا پتا چلتا ہے۔ لیکن یہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اُس کو باعتبار صفت کے جو اشیاء ہمجنس ہوں اور جن کی رسد کو صغیر ترین کسور کے ذریعے سے بڑھایا جا سکتا ہے اُن کی قیمت کے تصور کو پیش کرنے کا ایک طریق کہا جائے۔ اس کے ذریعے سے معاشی اُصول کو ریاضی طریق کے تابع ثابت کرنے کی توقع ایک دھوکا ہے۔ وہ ایک سو صفحے میں ریاضی طریق پر استدلال کرکے وہ چیز پیش کرتا ہے[1] جس کو وہ "ایک مخصوص یا عجیب وغریب نتیجہ"[2] کہتا ہے جو پورے مبادلے کے نظریئے اور معاشیات کے خاص خاص مسائل کی بہترین کلید ہے۔ قضیہ یہ ہے کہ "کسی دو اشیاء کے مبادلے کا تناسب اُن اشیاء کی مقداروں کے افادۂ اتم کے تناسب کا متکافی[3] ہوگا جو مبادلے کی تکمیل کے بعد صرف کے لئے مل سکیں"۔

لیکن جب تک ہم مابعد الطبیعی موجودات (جن کو افادے کہتے ہیں) کے عالم میں ہیں یہ مسئلہ ناقابل تصدیق اور بلاشبہہ ناقابل فہم ہی رہے گا، کیونکہ ہمارے پاس افادۂ اتم یا کسی دوسرے افادے کے ذہنی ارقام کا مقداری تخمینہ کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ لیکن جب ہم حقیقی زندگی کی زبان میں اس مسئلے کی ترجمانی کرکے انسان کے نزدیک کسی شئے کا جو افادہ ہو اُس کا اس قیمت سے تخمینہ کرتے ہیں جو انسان

228

[1] دیکھو اُس کی کتاب Theory of Pol. Economy صفحہ ۱۰۳۔

[2] دیکھو رسالہ Fortnightly Review نومبر ۱۸۷۶ء صفحہ ۶۱۷۔

[3] متکافی کسی عدد کی وہ مقدار ہے جو واحد کو اس عدد پر تقسیم کرنے سے حاصل ہوتا ہے مثلاً دس کا متکافی $\frac{1}{10}$ ہے۔ مترجم۔

اُس شئے کے معاوضے میں دے گا تو ہم کو یہ مسئلہ ایک سیدھی سی بات معلوم ہوتی ہے۔

جس چیز کو جیونس "افادۂ اتم" کہتا ہے وہ صرف مقدار کی اکائی کی قیمت ہے۔ اس قضیے سے یہ مطلب ہے کہ مبادلے کی صورت میں اُس شئے کی مقدار کا جو دی گئی ہے اور اُسی شئے کی بحساب فی راس مقدار قیمت (جس کا تخمینہ تیسری جنس میں کیا گیا ہو) دونوں کا حاصل ضرب اس حاصل ضرب کے مساوی ہوگا جو کہ وصول شدہ شئے کی مقدار کو اُس کی قیمت بحساب فی راس مقدار سے ضرب دینے سے حاصل ہوتا ہے۔ یعنی یہ ایسی صریح اور واضح حقیقت ہے جس کو معلوم کرنے کے لئے اعلیٰ ریاضی کے استعمال کی ضرورت نہیں رہتی اگر ہم اس سے زیادہ مادی اور حقیقی نتائج کی توقع نہ رکھ سکیں تو اس قسم کی تحقیقات کو جاری رکھنے میں کوئی حوصلہ افزائی نہ ہوگی کیونکہ اس قسم کی تحقیقات کرنے میں سوائے علمی تفریح کے اور کچھ نہ ہوگا اور اس میں خرابی یہ ہے کہ خواہ مخواہ مابعد الطبیعی بحثوں اور خیالات کو جو متروک ہو چکے ہیں از سرِ نو قائم کرنا پڑتا ہے۔ جیونس کو ذکی اور زبردست دماغ کا فلسفی اور عامتہ الناس کا ہمدرد ہونے کی حیثیت سے کافی شہرت حاصل ہے۔ لیکن اُس کو ریکارڈو کا پیرو اور اسکے خیالات کا قائم رکھنے والا اور معاشی نظریئے ("نظریہ" سے مراد قدیم "ملتی" اُصول ہے) کے خاص موجدین میں سے ایک موجد ثابت کرنے کی کوشش باوجود اس کے کہ جیونس خود اس کو تسلیم نہ کرتا تھا اُس کی قدر و منزلت گھٹانے کے سوائے اور کچھ نہیں کر سکتی اور یہ کوشش اُس کے خدمات کو ایسے وجوہ پر قائم کرتی ہے جو انتقاد کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ جدید "نظری تعمیر" کے سلسلے میں اُس کا نام باقی نہیں رہے گا بلکہ اُس کا نام عملی سوالات کی بحث، اُس کے تازہ و شگفتہ تشریحات اور، جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں، اُسکے

معاشی طریق کے احیاء و تجدید کے رجحان کے سلسلے میں قائم رہیگا۔
آرنلڈ ٹائینبی[1] (۱۸۵۲ء تا ۱۸۸۳ء) جس کی یاد لوگوں کے دلوں میں ہمیشہ تازہ رہے گی حقیقت کا سچا پرستار اور عامۃ الناس کا حقیقی بہی خواہ و ہمدرد تھا۔ اُس کی تحریریں منتشر اور نامکمل حالت میں ہیں۔ پھر بھی کیا بلحاظ ذاتی خوبیوں کے اور کیا بلحاظ اس امر کے کہ اُس کے تحریرات اس بات کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ معاشی مسائل کی بحث میں موجودہ زمانے میں خصوصاً ہماری موجودہ نسلوں کے اعلیٰ ترین رجحانات کی رو کدھر ہے یہ تحریریں کامل توجہ کی مستحق ہیں۔ جمہوریت کی تنظیمی قوت کے بارے میں اُس کا اعتقاد ایسا تھا جس کی تقلید ہرکس وناکس سے ممکن نہیں اور وہ جوش شباب میں بعض عجیب وغریب خیالات رکھتا تھا مثلاً یہ کہ "مزینی ہمارے زمانے کا حقیقی معلم ہے" اور ریکارڈو کی معاشیات کے بارے میں کبھی کچھ خیال ظاہر کرتا ہے کبھی کچھ مثلاً ایک مقام پر یہ اعلان کرتا ہے کہ ریکارڈو کی معاشیات محض ایک "غضب ذہنی" ہے جس کا راز فاش ہوچکا ہے اور دوسری جگہ بظاہر بیج ہٹ کے اثر میں آکر یہ لکھتا ہے کہ "زمانۂ حال میں اس معاشیات کی صرف اصلاح کی گئی، اُس کو دوبارہ درست کرکے پیش کیا گیا اور علم حیات سے اُس کا صحیح تعلق قائم کیا گیا ہے" اُس کا مطلب علم حیات سے بظاہر عمرانیات ہے، بایں ہمہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ جس طرح تاریخی طریق سے بہت کچھ مدد لی جاچکی ہے۔ زمانۂ حال میں بھی اسی طریق سے مدد لینا ضروری ہے۔ چنانچہ اس طریق کو اُس نے اپنی تحقیقات میں خاص اور کافی جگہ دی۔ تاریخی طریق کی صحیح نوعیت کو وہ اُن اکثر اشخاص سے بہت بہتر سمجھتا تھا جنھوں نے اس طریق کی سفارش

[1] Arnold Toynbee

کی تھی کیونکہ اُس کو معلوم تھا کہ یہ طریق نہ صرف خاص مقامی یا ہنگامی حالات یا معاشی مظاہر کی تشریح کرتا ہے بلکہ مختلف ممالک و واقعات میں معاشی نشو ونما کے جو منازل ہیں اُن کا مقابلہ کرکے ایسے قوانین دریافت کرتا ہے جن کا عام طور پر اطلاق ہو سکے ۔ اگر، جیسا کہ کہا جاتا ہے، آکسفورڈ میں ایسے اشخاص کی ترقی کرنے والی جماعت قائم ہوئی ہے جو معاشی خیال کے بارے میں بعینہٖ وہی حیثیت رکھتی ہے جیسی کہ ٹائنبی کی ہے تو ہمارے مستقبل کے لئے یہ ایک فال نیک ہے ۔

امریکہ

280

جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں ایک مدت دراز تک امریکہ نے معاشیات کے شعبے کی طرف توجہ منعطف نہ کی اور فلسفیانہ مباحث بھی عام طور پر اُس کی توجہ سے محروم رہے ۔ اُس کی بیّن وجہ یہ تھی کہ اس قوم کی قوتیں عملی میدان میں مصروف کار تھیں، اس کے ماسوا جو وجوہ ہیں وہ دو سبق آموز مضامین میں بتائے گئے ہیں ۔ ایک تو چارلس ایف ڈنبار کا مضمون ہے جو نارتھ امریکن ریویو[1] میں شائع ہوا اور دوسرا کلف لزلی کا مضمون ہے جو ۱۸۸۰ء میں فارٹ نائٹلی ریویو[2] کے اکتوبر کے نمبر میں نکلا ۔

الکزنڈر ہملٹن نے مصنوعات کے متعلق جو کیفیت لکھی تھی ہم اُس کا ذکر کر چکے ہیں ۔ البرٹ گیلیٹن نے (۱۸۳۲ء میں) محصول میں اصلاح و ترمیم کرنے کی غرض سے ایک یادداشت تیار

[1] North American Review (1876)

[2] Fortnightly Review

کر کے فیلاڈلفیا کنونشن[لہ] کی طرف سے کانگریس میں پیش کی۔ یہ یادداشت اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ اس میں تامین کے خلاف نہایت قابلیت کے ساتھ دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ "دولت اقوام" امریکہ میں تین مرتبہ سنہ ۱۷۸۹ء و سنہ ۱۸۱۱ء اور سنہ ۱۸۱۸ء میں شائع ہوئی اور ریکارڈو کی خاص تصنیف وہاں دوبارہ سنہ ۱۸۱۹ء میں طبع ہوئی۔ ڈینیل ریمانڈ (سنہ ۱۸۲۰ء) ٹامس کوپر (سنہ ۱۸۲۶ء) ولرڈ فلپس (سنہ ۱۸۲۸ء) فرانسس ویلنڈ (سنہ ۱۸۳۷ء) اور ہنری ویتھیک (سنہ ۱۸۳۸ء) نے اپنے اپنے تصانیف میں وہی اُصول پیش کئے ہیں جو آدم اسمتھ اور اُس کے بعض متاخرین نے مستخرج کئے تھے۔ رائے اسکاٹلینڈ کے ایک باشندے نے جو کنیڈا میں مقیم ہوگیا تھا، سنہ ۱۸۳۴ء میں ایک کتاب موسوم بہ New principles of Pol. Econ. شائع کی۔ اس کتاب کا جے یس مل بجید مداح ہے اور خصوصاً اس وجہ سے کہ فراہمی اصل کو متعین کرنیوالے اسباب سے اسمیں اچھی طرح بحث کیگئی ہے۔ دوسرے خاص خاص تصانیف جو امریکہ کی خانہ جنگی کے پہلے شائع ہوئے حسب ذیل ہیں:۔

کیفیت	مقام یا تاریخ اشاعت	نام مصنف	نام کتاب
بعد میں اس کا نام بدل کر Amerian Pol: Economy کے نام سے سنہ ۱۸۷۰ء میں شائع کیا گیا۔	سنہ ۱۸۵۶ء	فرانسس بوون[لہ]	Principles of Political Ecanomy اصول معاشیات
	سنہ ۱۸۵۹ء	جان بوسکم	۲ Pol. Ecanomy معاشیات
	سنہ ۱۸۵۹ء	اسٹیفن کالول[لہ]	۳- Way and means of payment ادائی کے طریقے اور ذرائع

لہ Philadekphia convention لہ Francis Bowen لہ Stephen Colwell

جنگ کے زمانے میں اور اس کے بعد یہ کتابیں شائع ہوئیں

نام کتاب	نام مصنف	مقام یا تاریخ اشاعت	کیفیت
۱- Science of wealth علم دولت	اماسہ واکر	۱۸۶۶ء	اٹھارھویں اشاعت ۱۸۸۳ء میں ہوئی
۲- Elements of Pol. Ecomy. دستور معاشیات	اے۔ یل پیری	۱۸۶۶ء	

اے۔ واکر اور پیری آزاد تجارت کے وکیل ہیں، پیری، بستیا کا پیرو ہے۔ کیری کے متعلق ہم اس سے قبل تفصیلی بحث کر چکے ہیں۔ کیری کے امریکی پیرو یہ ہیں:- (۱) ای پیشن اسمتھ[1] (۲) ولیم الڈر[2] اور (۳) رابرٹ ای ٹامسن[3]۔ امریکہ کے جملہ علمائے معاشیات میں جنرل فرانسس اے واکر (اماسہ واکر کا فرزند) کا مرتبہ سب سے بلند ہے۔ اس کے تصانیف حسب ذیل ہیں:- مسائل اجرت wages questions (۱۸۷۶ء میں)، زر Money (۱۸۷۸ء میں) اور اصول معاشیات Pol. Economy (۱۸۸۳ء میں) ابتداً اے۔ یس بولس نے امریکہ کی

231

[1] E. Peshine Smith اس کی کتاب بعنوان A Manual of Political Economy ۱۸۵۳ء میں شائع ہوئی۔

[2] William Elder ولیم الڈر کی کتاب موسوم بہ Questions of the day William Elder ۱۸۷۱ء میں شائع ہوئی

[3] اس کی کتاب موسوم بہ Social Science ۱۸۶۸ء میں شائع ہوئی۔

معاشی تاریخ پر یہ کتابیں تصنیف کیں :-

(1) Industrial History of the U. S. (1878)

(2) Financial History of the U. S.

مذکورالصدر ریاست ہائے متحدہ کی مالی تاریخ (از ۱۷۷۴ء تا ۱۸۸۵ء) ۱۸۷۹ء اور مابعد سالوں میں شائع ہوئی۔

حال میں امریکہ میں معاشیات کی جو زیادہ وسیع و عمیق تحقیق کی گئی اُس کی بناء پر اور بیرونی اثرات کی بناء پر یہاں بھی مثل دوسرے مقامات کے، معاشنین کے دو گروہ یعنی قدیم و جدید ایک دوسرے کے مقابل قائم ہوگئے ستمبر ۱۸۸۵ء میں بمقام سارا ٹوگا ایک جلسہ ہوا جس میں ایک انجمن بنام امریکن اکنامک اسوسیئیشن[1] قائم کی گئی اس تحریک کا مقصد معاشیات میں تحقیقات کی مزید گنجائش کے نہ ہونے کے خیال کی تردید اور معاشی سوالات کی زیادہ وسیع و منفعت بخش تحقیق کو ترقی دینا تھا۔ اسی جذبے نے کوارٹرلی جنرل آف اکنامکس[2] کے قیام کی رہبری کی جو ہارورڈ یونیورسٹی کی طرف سے بوسٹن میں شائع ہوا۔ اس سہ ماہی رسالے میں پہلا مضمون سی۔ ایف۔ دنبار کا تھا جس نے امریکہ کی صد سالہ معاشیات کی تنقید کی جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں اور اس رسالے میں اُس نے مصالحت کی خاطر قدیم و جدید مسلک کے رجحانات بھی بیان کئے۔

ایک رسالے میں جس کا نام "سائنس" تھا معاشیات کے طریق اور اساسی اُصول کے متعلق جو بحث کی جاتی تھی اُس سے مذکورۂ بالا اختلاف رائے کا نمایاں طور پر اظہار ہوتا ہے۔ اس بحث کو بعد میں ایک علحدہ مضمون[3] میں پیش کیا گیا۔ اس مباحثے میں جدید مسلک کے خیالات کی تشریح

---

[1] American Economic Association

[2] Quarterly Journal of Economics

[3] بعنوان Science Economic Discussion (New York, 1886)

اور وکالت نہایت قابلیت کے ساتھ کی گئی ہے۔ معاشی طریق کی حقیقی نوعیت، معاشی آئین و رواج اور معاشی خیال دونوں کی اضافیت (جو لازمی طور پر اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ دونوں بدلنے والے معاشری حالات کے تابع ہیں) معاشی اُصول کا معاصر اصول قانون سے قریبی تعلق معاشیات کو معاشری اخلاقیات کے ہمنوا رکھنے کی ضرورت اور مسئلۂ صَرف کے مطالعے کی اہمیت (جس سے جے۔ یس۔ مل وغیرہم انکار کرتے ہیں) یہ سب باتیں خاص قوت اور توضیح کے ساتھ پیش کی گئیں۔ ہمارے پاس اس امر کی بابت لزلی کے ہمخیال ہونے کے کافی وجوہ موجود ہیں کہ امریکہ مستقبل کے معاشی سوالات کی توضیح کرنے میں اور اُن کو حل کرنے میں کافی عملی حصّہ لے گا۔

282

233

ساتواں باب[1]

آسٹریا کا مسلک اور حال کی ترقیاں

انیسویں صدی کے ساتویں عشرے کے شروع میں آسٹریا میں معاشیات کے بعض اساسی اصول کو ایسی بنیاد پر از سر نو مرتب کرنے کی یادگار اور مسلسل کوششیں شروع ہوئیں جو اکثر صورتوں میں اس بنیاد سے مختلف تھیں جن پر قدیم علمائے معاشیات نے عمارت قائم کی تھی۔ ان کوششوں کے ساتھ ساتھ تاریخی مسلک کے خلاف بھی ویسی ہی یادگار تحریک جاری رہی۔

ان دونوں تحریکات کا محرک اور رہبر ویانا کا ایک باشندہ کارل منجر تھا۔ سنہ ۱۸۷۱ء میں اس نے ایک کتاب[2] شائع کی جس میں

[1] یہ باب ولیم اے اسکاٹ پروفیسر وسکانسن یونیورسٹی نے لکھا تھا جو اب پہلی مرتبہ اس کتاب میں شائع ہو رہا ہے۔

[2] Grundsatze der Valkswirthschaftslehre

علم المعیشت کے بعض اساسی تصورات واصول پر نئے اور اصلی
طریقے پر بحث کی اور ۱۸۸۳ء میں اس کی دوسری کتاب[1] شائع ہوئی۔
اس میں معاشیات کی نوعیت اور علم کے مختلف شعبوں کی تحقیقات
کے موزوں طریقوں پر شرح وبسط کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔
اس کتاب میں جرمنی کے تاریخی مسلک پر جو نکتہ چینی کی گئی تھی اسکا
جواب جامعۂ برلن کے ایک پروفیسر شمولر نے اپنی ایک تنقید
میں دیا۔ یہ تنقید Zur methodologie der staats und sozial
Wissenschaften کے عنوان سے Jahrbuck for Gesetzgebung,
Verwaltung und Volkswirthschaften in deutschen Reich.
میں شائع ہوئی۔ منجر نے مسلسل خطوط کی شکل میں اسکا جواب الجواب
دیا۔ یہ خطوط بہ عنوان Die Irrthumer des Historismus
in der deutschen National Okonomie بمقام ویانا ۱۸۸۴ء میں شائع
ہوئے۔ اس کے بعد پھر ۱۸۸۹ء میں یہی خیالات ایک مضمون کے
ذریعے سے جس کا عنوان Grundzuge
einer Klasifikation der wirthschaftswissenschaften (تھا
Jahrbuck fur National Okonomie und Statistik. میں شائع کئے گئے

منجر کا قول ہے کہ معاشی جد وجہد کی بحث سے بجائے ایک
کے کئی علوم متعلق ہیں، چنانچہ ان کو وہ تین حصوں میں تقسیم کرتا ہے (۱)
تاریخی (۲) نظری اور (۳) عملی۔ پہلی تقسیم کے تحت تاریخ اور علم الاعداد
وشمار کو لاتا ہے۔ دوسری میں معاشی نظریہ اور تیسری تقسیم میں معاشی سیاسیات
مالیات اور خانگی معیشت کو لاتا ہے۔

انفرادی وجزوی واقعات پر بہ اعتبار ان کے سکونی وحرکی

---

[1] Untersuchugen uber die methode der social Wissenschaften und der Politischen Oekonomie inhesondere.

دونوں پہلوؤں کے نظر کرنا یہ تاریخی معاشیات کا میدان ہے۔ معاشی مظاہر کی عام صورتوں، معاشی مظاہر کی قسموں اور ان مظاہر کے خاص خاص تعلقات کی تحقیق، نظری معاشیات کا میدان ہے۔ اور عملی معاشیات میں اُن ضوابط و قواعد کا مطالعہ کیا جاتا ہے جو خاص خاص مقاصد و مطالب کے لئے موزون ہوں۔

تاریخی طریق صرف پہلی قسم کے علم کے لئے اور خاص کر اس علم کی ایک شاخ یعنی معاشی تاریخ کے لئے موزون ہے۔ مجرّد و مطلق طریق کی دوسری قسم کے علم کی بحث میں ناگزیر ضرورت ہے کیونکہ اس میں ہم انفرادی واقعات سے بحث نہیں کرتے بلکہ واقعات کلی سے بحث کرتے ہیں اور واقعات کلی کی نوعیت کچھ ایسی ہوتی ہے کہ اُن کو صرف عمل تجرید سے دریافت کیا جاسکتا ہے۔ طریق استقرا، کو یا جس چیز کو منجر بالعموم "تجرید کی تجربی شکل" کہتا ہے یہاں پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اُس کے نتائج بمقابلہ اُن نتائج کے جو بقول اُس کے "صحیح طریق" سے پیدا ہوتے ہیں کم قابل اعتبار ہیں۔ جس چیز کو منجر "صحیح طریق" سے موسوم کرتا ہے اُس سے مظاہر کا اُن کے سب سے بسیط عناصر میں تحلیل کرنا اور اس بات کی تحقیق کرنا مراد ہے کہ اکیلے عنصر کے کیا صفات و خواص ہیں اور جب وہ دوسرے عناصر کے ساتھ ملتا ہے تو اُن کے کیا خواص و افعال ہوتے ہیں۔

معاشی علوم کے مختلف شعبے ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں اور ان سب کا تعلق عمل سے ہے۔ تاریخی علوم بقیہ دونوں علوم کو مدد پہنچاتے ہیں اور اسی لئے اُن کو موزونیت کے ساتھ علوم معاون[1] کا لقب دیا گیا ہے۔ بایں ہمہ تاریخی علوم

[1] Hilfswissenschaften

وہ تمام سواد بہم نہیں پہنچاتے جن کا بقیہ دونوں علوم میں استعمال کرنا ضروری ہے۔ ان میں عام مشاہدہ اور روزمرہ کے تجربوں کا اضافہ بھی ضروری ہے۔ عملی معاشی علوم اُن واقعات کو کام میں لاتے ہیں جن کو بقیہ دونوں علوم بہم پہنچاتے ہیں اور نظری معاشیات بھی، تاریخی معاشیات کے عالم اور اعداد و شمار کے ماہر کی رہبری کرتی ہے۔ عملی آدمی خواہ وہ اپنی ذات کے لئے عمل کرتا ہو یا عامۃ النّاس کے لئے عمل کرتا ہو تمام علوم سے مدد حاصل کرے گا۔ لیکن غالباً اُس کو سب سے زیادہ مدد اُن واقعات سے ملے گی جو عملی علوم سے متعلق ہیں، اگرچہ ان واقعات سے وہ اپنے سوالات کا حل نہ کر سکے گا۔ عملی علوم کا مقصد عمل کیلئے مشورہ یا رائے دینا نہیں ہے بلکہ یہ دکھانا اُن کا منشاء ہے کہ مختلف مفروضہ یا ممکنہ حالات کے تحت بعض مقاصد کس طرح حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ کسی مفروضہ مقصد کو حاصل کرنے کے ذرائع مختلف مفروضہ حالات کے لحاظ سے مختلف ہوں گے اور یہ ممکن ہے کہ یہ مختلف مفروضہ واقعات حقیقت امر کے مطابق نہ ہوں۔

منجر اور شمولر کے بحث مباحثے سے بعض اساسی چیزیں رونما ہوئیں جو دونوں اشخاص میں مشترک تھیں اور جن کو عام طور سے تو نہیں مگر بڑی حد تک علمائے معاشیات نے تسلیم کر لیا ہے۔ وہ اساسی چیزیں یہ ہیں کہ:- تاریخی اور عددی تحقیقات اور مجرّد طریقہائے تحقیق (یعنی استقرار اور معاشی زندگی کے سب سے بسیط عناصر کی جداگانہ تحقیق کی دونوں صورتیں) معاشیات میں نہ صرف اپنی جگہ رکھتے ہیں بلکہ اُس کے نشو و نما کے لئے ضروری ہیں۔ بمقابلہ اُن امور کے جن کی حد تک ان دونوں میں موافقت ہے ان کے اختلافات زیادہ قابل لحاظ نہیں معلوم ہوتے۔

شمولر تاریخی و عددی تحقیقات پر اس لحاظ سے زور دیتا ہے کہ یہ نظریاتیوں کو مواد حاصل کرنے کا اور اس پر عمل کرنے کا موقع بہم پہنچاتی ہے اور یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ موجود الوقت واقعات سے جو قدیم علمائے معاشیات کے زمانے میں موجود تھے تمام ممکنہ نتائج نکالے جا چکے ہیں۔ منجر تاریخ اور اعداد و شمار کے مرتبے کو تو تسلیم کرتا ہے۔ لیکن اس بات سے انکار کرتا ہے کہ واقعات بہم پہنچانے کا صرف یہی ایک ذریعہ ہے اور اس امر پر زور دیتا ہے کہ جو معطیات[1] قدیم علمائے معاشیات کو مل سکے تھے ان پر محض نامکمل طریقے سے اور جنبہ داری کے ساتھ عمل کیا گیا تھا اور ان میں اتنی صلاحیت ہے کہ ان پر اعلیٰ درجے کی اور صحیح طریق کی تحلیل و تحقیق کا عمل کرنے سے نہایت بیش بہا اور قابل قدر نتائج مترتب ہوں۔ شمولر بمقابلہ منجر کے نظریئے کو بنفسہٖ بہت کم اہمیت دیتا ہے اور منجر سے اس کے نام نہاد "عملی معاشی علوم" کی نوعیت کے بارے میں اور ان کے عمل سے متعلق ہونے کے بارے میں بظاہر متفق نہیں معلوم ہوتا۔ مگر یہ اختلافات زیادہ تر دونوں کے طبائع کے بین اختلافات کا نتیجہ تھے۔ ان معاشی نظریات کی اہمیت کا اندازہ کرنا جن سے عملی سوالات کے حل کرنے میں براہ راست مدد نہیں لی جا سکتی بہت مشکل ہے اور ان نظریات کی طرف کسی شخص کا رجحان کیا ہے یہ یقیناً بڑی حد تک اس کی فطرت و طبیعت پر منحصر ہے۔ ان نظریات کی کم وقعتی کا بلاشبہ اس وجہ سے احتمال ہے کہ ایک تو علم المعیشت کی عمر بہت کم ہے اور دوسری بات یہ کہ جن معطیات[1]

236

[1] معطیات جمع ہے معطیہ کی۔ ان کو انگریزی میں ڈیٹا Data کہتے ہیں۔ یہ ایسے واقعات ہیں جو کسی علم میں بطور اساس کے تسلیم کرلئے جائیں اور ان پر علم کی تعمیر ہو۔ مترجم ۱۲۔

سے یہ نظریات مستخرج ہیں ان کی نوعیت اور اُن معطیات کی نوعیت کے مابین اختلافات موجود ہیں جن سے علوم طبیعی میں انہیں کے مماثل نظریات مستخرج کئے جاتے ہیں اور جنکی اہمیت زمانے نے ثابت کردی ہے۔

جب ان اشخاص کے خیالات کی تہ کہ اُن کے الفاظ کی تحلیل کی جاتی ہے تو وہ چند اختلافات جو ان دونوں کے درمیان دکھائی دیتے ہیں باقی نہیں رہتے یا اگر رہتے بھی ہیں تو بہت ہی خفیف حد تک۔ اس کی مثال بالخصوص "تاریخی طریق" کی اصطلاح سے ملتی ہے جس کو یہ دونوں استعمال کرتے ہیں۔ جب شمولر اس کو استعمال کرتا ہے تو اس طریق میں تجرید، تحلیل اور استقرار کا استعمال شامل ہوتا ہے اور اس کے نتائج میں اکثر وہ چیزیں بھی شامل ہیں جن کو منجر معاشی نظرئے سے موسوم کرتا ہے۔ اس کے برعکس منجر اس اصطلاح کا مفہوم بہت ہی محدود خیال کرتا ہے۔ یعنی یہ کہ اس میں سوائے محض بیان اور تحلیل کے جو اُس میں مضمر ہے اور کچھ بھی شامل نہیں ہوتا۔

منجر نے (اسلوبیات) Methodology میں جو اضافہ کیا ہے اُس پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے آخری خلاصے میں شمولر یہ نہایت صحیح بات لکھتا ہے کہ منجر کے طریقہائے تحقیقات کی قدر و قیمت کا اندازہ اُن کے نتائج سے کرنا چاہئے۔ منجر کے اکثر بنیادی نتائج اُس کی کتاب موسوم بہ Grundsatze میں موجود ہیں جو بقول اُسکے نظری معاشی علوم کے دائرے سے متعلق ہے۔ اس کتاب میں منجر نے وہ طریق استعمال کیا ہے جس کو وہ صحیح طریق کہتا ہے یعنی ایسا طریق جس میں معاشی زندگی کے سب سے بسیط عناصر کو علٰحدہ علٰحدہ کر کے تفصیلی تحقیق کی جاتی ہے۔

جن عناصر سے وہ ابتدا کرتا ہے وہ انسانی احتیاجات "

اشیاء اور قانون علّت و معلول ہیں۔ اشیاء احتیاجات کو پورا کرنے کے اسباب ہیں اور اشیاء خود آپس میں ایک دوسرے سے علّت و معلول کا تعلق رکھتے ہیں۔ جن اشیاء کو وہ پہلے درجے میں شمار کرتا ہے وہ معلول ہیں اور اس معلول کا سبب دوسرے درجے کے اشیاء ہیں اور دوسرے درجے کے اشیاء بجائے خود معلول ہیں جن کی علّت تیسرے درجے کے اشیاء ہیں وقس علیٰہذا۔ جو اشیاء پہلے درجے سے اوپر کسی مفروضہ درجے سے متعلق ہیں ان کی وہ ایک جداگانہ قسم قرار دیکر ان کو "اشیائے تیاری" سے اسلئے موسوم کرتا ہے کہ ان سے نیچے کے درجے کے اشیاء کی تیاری میں ان کا متفقہ و متحدہ عمل ضروری ہوتا ہے۔

اشیاء کو ایک درجے سے دوسرے درجے میں منتقل کرنے کے لئے وقت ایک نہایت ضروری عنصر ہے، جس کی مقدار مختلف حالتوں میں مختلف ہوتی ہے۔ مثلاً کسی جنگل کی تیاری و تکمیل میں ممکن ہے کہ سو یا اس سے زیادہ سال کی مدت درکار ہو۔ اس کے برعکس بعض معمولی قسم کی غذاؤں کی تیاری میں صرف ایک منٹ لگتا ہے۔ اکثر صورتوں میں عدم تیقن کا عنصر بھی موجود ہوتا ہے اور اس کی مقدار بھی ویسی ہی مختلف ہوتی ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ عمل پیدائش کے بعض حصے انسان کے حیطۂ علم یا قبضۂ قدرت سے باہر ہیں۔ بایں ہمہ سائینس کی ترقی اس عنصر کی مقدار کو بتدریج گھٹا رہی ہے اور ہمارے معلومات کے دائرے کو وسیع کر کے ہماری دسترس اور قدرت کو بڑھا رہی ہے۔

انسان کی خوشی اور خوشحالی احتیاجات کی تسکین پذیری کا نتیجہ ہے، یہ تسکین پذیری اشیاء کے حاصل کرنے پر مشروط و منحصر ہے۔ اور اکتساب و حصول اشیاء ایک طرف اشیاء

اور احتیاجات کے مابین اور دوسری طرف مختلف درجوں کے
اشیاء کے درمیان جو علائق عامہ ہیں ان کے علم و عمل پر منحصر ہے۔
ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے خیال، توجّہ، اور کوشش کی
ضرورت ہے۔ کیونکہ رفع احتیاجات کے لئے جن اشیاء کی موزوں
اور تیار شکل میں ضرورت پڑتی ہے اُن کو قدرت کافی مقدار
میں اور مفت بہم نہیں پہنچاتی۔ اُن کو حاصل کرنے کے لئے جو معاشی
جدّ و جہد کرنی پڑتی ہے اُس کی نوعیت انفرادی بھی ہوتی ہے اور
اجتماعی بھی۔ اس لئے کہ ادنیٰ ترین احتیاجات کے علاوہ جتنے احتیاجات
ہیں اُن کی تسکین پذیری کے لئے انسانوں میں باہمی اتحاد نہایت
ضروری ہے۔ اس طرح ہر شخص کے ملکی اشیاء ان ذرائع کا صرف
ایک حصّہ ہوتے ہیں جن سے وہ خود اپنے احتیاجات پورے
کرتا ہے اور اسی طرح یہ اشیاء دوسرے انسانوں کے احتیاجات
پورا کرنے میں بھی مدد دیتے ہیں۔ اسی لئے قوم کی معیشت ایک
مخلوط چیز ہے جس میں ہر شخص کے املاک اور قوّتیں دوسرے
اشخاص کے املاک و قوّتوں سے باہمی سببی علاقہ رکھتی ہیں۔
یہ امر کہ قدرت احتیاجات کو براہ راست رفع کرنے کیلئے
موزوں اشیاء مفت اور کافی مقدار میں مہیّا نہیں کرتی مثلاً ہر قدر
و قیمت کی بھی توجیہ کرتا ہے، کیونکہ اس قسم کی ہر حالت میں
تسکین پذیری کی کچھ مقدار رسد کی ہر یکائی پر منحصر ہوتی ہے۔ ایک
یکائی کی تخفیف سے تسکین پذیری ایک معیّن مقدار میں گھٹ
جاتی ہے اور ایک اکائی کے اضافے سے تسکین پذیری میں
ایک معیّن مقدار کا اضافہ ہوتا ہے اس طرح تسکین پذیری کی مقدار
جو کسی شے کی رسد کی یکائی پر منحصر ہوتی ہے اُس شے کی معاشی
اہمیت یا قدر کا پیمانہ ہوتی ہے۔ اس قدر کی مقدار ایک تو اس
احتیاج کی اہمیت پر منحصر ہوتی ہے جس کو شے زیر بحث پورا کرتی ہے

اور دوسرے رسد کی وسعت پر منحصر ہوتی ہے اور اسی قدر کی مقدار
میں اوّل الذکر یعنی طلب کے تغیّر کے ساتھ ساتھ مستقیم تغیّر ہوتا ہے
اور موخر الذکر یعنی رسد کے تغیّر کے ساتھ تغیّر معکوس ہوتا ہے ۔
اس طرح خواہ کسی قسم کے اشیاء ہوں اگر ان کی رسد کم مقدار میں ہو
مثلاً سو یکائیاں تو ہر یکائی کی قدر و قیمت زیادہ ہو گی۔ اس کے
برعکس اگر مقدار زیادہ ہو مثلاً ہزار یکائیاں تو بہ نسبت پہلے کے
ہر یکائی کی قدر و قیمت کم ہو گی۔ کیونکہ پہلی صورت میں تسکین پذیری
کی جس مقدار کا رسد کی یکائی پر انحصار ہے وہ دوسری صورت
کی بہ نسبت زیادہ ہے۔ اگر تسکین پذیری کی مقدار کو، جو رسد کی
واحد یکجائی پر منحصر ہوتی ہے، اس رسد کا افادۂ مختتم کہو تو یہ کہا جا
سکتا ہے کہ ایک شے کا افادۂ مختتم اس شے کی قیمت کو متعین کرتا
ہے، اور افادۂ مختتم میں رسد کے ساتھ معکوس تغیّر ہوتا ہے ۔
چونکہ جن احتیاجات کو ہم کسی وقت محسوس کرتے ہیں ان کے
مختلف انواع جہاں تک ہماری خوش حالی و بہبود کا تعلق ہے۔
اہمیت کے مختلف مدارج رکھتے ہیں اس لئے بمقابلہ کم اشد
احتیاجات کے زیادہ اشد احتیاجات میں قدر و قیمت پیدا کرنے
کی زیادہ قوت ہوتی ہے ۔

جہاں تک ان اشیاء کا رفع احتیاجات سے جس پر ان کی
قدر و قیمت کا انحصار ہے، تعلق ہے، پہلے درجے کے اشیاء
اور دوسرے درجے کے اشیاء میں اہم فرق ہے۔ اوّل الذکر
اشیاء احتیاجات کو براہ راست پورا کرتے ہیں اور موخر الذکر
اپنے سببی علاقے کے ذریعے سے، جو نیچے کے درجے کے
اشیاء کے ساتھ وہ رکھتے ہیں، بالواسطہ احتیاجات پورا کرتے
ہیں مثلاً روٹی براہ راست بھوک کی احتیاج کو پورا کرتی ہے۔ اسکے
برعکس آٹا اس احتیاج کو بالواسطہ اپنے اس سببی علاقے کے توسط سے

جو اُس کو روٹی کے ساتھ سے پورا کرتا ہے۔ گیہوں آٹے کے ساتھ جو علاقہ علی رکھتا ہے اس توسّط سے ضرورت پوری کرتا ہے۔ اور زمین و محنت جو سببی علاقہ گیہوں کے ساتھ رکھتے ہیں اس ذریعے سے بھوک کو رفع کرتے ہیں۔ چنانچہ سلسلۂ اسباب میں جن پر قدر و قیمت کا انحصار ہے نیچلے درجے کے اشیاء احتیاجات سے راست تعلق رکھتے ہیں اور ایک ایسے ذریعے کا کام دیتے ہیں جن کے توسّط سے اوپر کے درجے کے اشیاء کی قیمت کا تعین ہوتا ہے۔ اس اُصول سے مصارف اور قیمت کا ایک تعلق واضح ہوتا ہے اور یہ اس اُصول کا ضد ہے جو قدیم علمائے معاشیات نے دریافت کیا تھا۔ کیونکہ اس کی رو سے اشیائے تیاری کی قیمت تیار شدہ اشیاء کی قیمت کی بناء پر متعین ہوتی ہے نہ کہ اُس کا برعکس۔

اشیائے تیاری نیچے کے دوسرے درجے کے اشیاء کی پیدائش میں بالعموم متحدہ طور پر عمل کرتے ہیں نہ کہ آزادانہ طور پر علیٰحدہ علیٰحدہ۔ پس قدر و قیمت کے سمجھنے کے لئے جو یکائی مقرر کی جائے اُس میں بجائے ایک شئے کے متعدد اشیاء شامل کرنا چاہیئے۔ بایں ہمہ چونکہ مختلف اقسام و صفات کے اشیاء کی پیدائش میں صرف ایک سامان یا چیز صرف نہیں ہوتی بلکہ اس سامان یا چیز کے ساتھ متعدد اور گوناگوں چیزیں شریک و متحد ہوتی ہیں، اس لئے اس کے اتحاد کے نتائج ظاہر ہوتے ہیں اور اس کی علیٰحدہ اور آزاد قدر و قیمت متعین ہونے کی بنیاد قائم ہو جاتی ہے۔ ہر صورت میں قانون یہ ہے کہ اشیائے تیاری کی قدر کی پیمائش اس پیداوار کی قیمت سے ہوتی ہے جس کی تیاری کے لئے تجربہ ان اشیاء کو ناگزیر ثابت کرتا ہے۔ مثلاً اگر الف ب اور ج اشیائے تیاری ہوں اور لا، ما اور ری علی الترتیب

289

ان کے آخری جرعوں کو ظاہر کریں تو تجربے سے عمل پیدائش میں ان کا یہ رجحان ظاہر ہوگا کہ ان میں سے کسی ایک کو ایک ترکیب سے دوسری ترکیب میں منتقل کرنے سے نقصان واقع ہوگا اور ہر ایک جرعہ جو اشیائے صارف کی پیدائش میں شریک ہوتا ہے ان اشیاء کی رسد کی زیادتی کی لازمی شرط ہوگا۔ لہٰذا ان اشیائے صارف کی مقدار کی قیمت، جرعۂ زیر بحث کی قیمت کو متعین کرے گی۔ چونکہ زمین اصل اور محنت اور ان میں سے ہر ایک کے اقسام و انواع محض سامان پیدائش ہیں، اس لئے یہ قانون، تقسیم دولت کے سوال کی کنجی ہے۔

احتیاجات کی تسکین پذیری یا احتیاجات کا بہتر طریقے پر پورا ہونا جس طرح پیدائش کا محرک ہے اسی طرح مبادلے کا بھی محرک ہے۔ ایک شخص الف دوسرے شخص ب سے اس صورت میں اشیاء کا ایک دوسرے سے مبادلہ کرتا ہے جب کہ اس کے اشیاء کے مقابلے میں ب کے اشیاء اس کی احتیاج کو زیادہ بہتر طریقے پر پورا کرسکیں۔ پس مبادلے کی ایک ضروری شرط یہ ہے کہ جن لوگوں کے درمیان مبادلہ ہوسکتا ہو وہ لوگ اشیاء کی قیمتوں کا علیحدہ علیحدہ اور مختلف تخمینہ لگائیں اور یہی اختلافات ان ممکنہ نسبتوں کے حدود کو معین کرتے ہیں جن کی بناء پر ہر مفروضہ حالت میں مبادلہ ہوسکتا ہے۔ مثلاً فرض کرو کہ الف ایک شئے کا کی قیمت ۲۰ اور ما کی ۵ قائم کرتا ہے اور ب لا کی قیمت ۳ اور ما کی ۵ قائم کرتا ہے تو ان دو اشخاص کے مابین ان اشیاء کے مبادلے میں لا کی جو ممکنہ قیمت ہوسکتی ہے اس کے اعظم و اقل حدود علی الترتیب ۲۰ اور ۳ ہوں گے۔ علیٰ ہٰذا ما کے ۱۵ اور ۵ ہوں گے۔ اگر ان دو اشیاء کے متعدد خریدار اور فروشندے ہوں اور قیمتوں کے متعلق ان کے تخمینے بھی ان دونوں حدود کے اندر اندر بے حد مختلف ہوں تو بیش ترین اور اقل ترین مبادلے کی

قیمت کا فرق بھی مقابلے کی وجہ سے گھٹ کر بہت ہی خفیف رہجائیگا۔
اس تشریح سے قانون رسد و طلب کی مختصر مگر نہایت مفید تشریح
ہو جاتی ہے۔

240

منجر نے ۱۸۸۸ء میں اصل کے تصوّر کی ایک مکمل تشریح
و تنقید شائع کی۔ یہ مضمون Zur Theorie des Kapitels کے
عنوان سے Jahrbucher für National Okonomie und Statistic
میں شائع ہوا۔ لیکن اس میں اُس نے مسئلۂ سود سے تفصیلی بحث
نہ کی بلکہ اپنی تصنیف Grund satze میں جس حد تک اس مسئلے
کی تشریح کی تھی اُسی پر اکتفا کیا۔ اپنے مضمون اور اپنی تصنیف
دونوں میں اُس نے اس امر پر زور دیا کہ اشیائے پیدائش کی قدر
کا تخمینہ، اس اصول کے مطابق جس کو اوپر بیان کیا گیا، وہ حقیقی
بنیاد ہے جس پر مسئلۂ سود کی تشریح کرنا ضروری ہے۔ یہاں
صرف یہ مسئلہ حل طلب رہ جاتا ہے کہ اس قسم کے اشیاء کی
قیمت کیوں اس شئے کی قیمت کے مجموعے کے برابر نہیں ہوتی
جس کی پیدائش میں وہ شریک ہوتے ہیں، جیسا کہ بظاہر اس
اصول کی رو سے ہونا ضروری ہے۔ اس واقعے کے متعلق
خود منجر کی تصریح یہ ہے کہ چونکہ وقت کا عنصر عمل پیدائش میں
دخل رکھتا ہے اور اشیائے پیدائش کو اپنے اپنے موقع سے
بہم پہنچانے میں کچھ نہ کچھ وقت کی ضرورت ہے لہذا وقت
کی کمی خود اس بہم رسانی کو ایک قیمت دے دیتی ہے اور اس
زائد قیمت کو بھی اشیائے تیاری کی مالیت میں شریک کرنا ہوگا
کیونکہ یہ عمل بھی پیدائش کے عمل کے لوازم میں داخل ہے۔

منجر کی تصنیف Grund satze میں جن نظریات کی تشریح
کی گئی تھی عامۃ الناس کی طرف سے ان کی قابل لحاظ تائید کی
شہادت اس کتاب کی اشاعت کے دس سال سے زیادہ کی مدت

کے بعد ملتی ہے۔
ان نظریات کے مقبول ہونے میں جو تاخیر ہوئی اُس کا باعث غالباً یہ تھا کہ جرمنی میں تاریخی مسلک مسلط تھا۔ بہرحال جب منجر نے تاریخی مسلک پر تنقید لکھ کر ۱۸۸۳ء میں شائع کی اُس وقت اُس کے ان نظریات کی تشریح و توجیہ اور ترمیم کے سلسلے میں کتابیں اور مضامین شائع ہونے لگے جن میں سے اہم حسب ذیل تھے:-

نمبر	نام مصنف	نام کتاب	سنہ تصنیف
(۱)	فریڈرش فان ویزر	(1) Uber den Ursprung und die Hauptgsetze des Wirth schaftlichen Werthes (1383) (2) Der Naturliche Werth 1883)	
(۲)	یوجن فان بام باورک	(1) Geschichte und Kritik. der Kapitalism Theorien (2) Grundzuge der Theorie des Wirthschaftlichen Guterwerths ahrbucher fur National Okonomie und Statislik, 1886. (3) Positive Theorie des Kapitales 1888.	
(۳)	ایمل سیکس	(1) Grundlegung der theoritschen Staat Wirthschaft 1887.	

چنانچہ Grund satze میں جو اُصول پیش کئے گئے تھے انہیں مذکورہ بالا

کتابوں کے ذریعے سے بہت کچھ اضافہ ہوگیا۔

فان ویزر نے خاص طور پر اشیائے پیدائش کی قدر کے سمجھنے کے اصول کا اضافہ کیا اور تقسیم دولت کی تشریح میں ان اصول کا اطلاق کیا۔ اس نے منجر کے پیش کردہ اصول سے ابتدائی یعنی یہ کہ اشیائے پیدائش کی قدر تیار شدہ اشیاء کی قدر کی بناء پر طے پاتی ہے اور اسی اصول کے تحت کی یوں تشریح کی کہ ایک ہی قسم کی شئے یا اشیائے پیدائش سے جو مختلف اشیاء تیار ہوتے ہیں ان میں سے سب سے اختتامی یا سب سے کم قدر رکھنے والی شئے کی بناء پر اشیائے پیدائش کی قیمت قرار پاتی ہے اور وہ اسکے بعد اس اصول میں اور قدیم علمائے معاشیات کے مصارف پیدائش والے اصول میں جو صحیح تعلق ہے اس کو ثابت کر دکھاتا ہے۔ اسی سلسلے میں وہ اس قضیے کی تشریح کرتا ہے کہ اشیائے پیدائش یا پیداآور اشیاء کی اس طرح جو قیمت قرار پاتی ہے اسی کی بناء پر فوق اختتامی پیداوار کی قیمت طے پاتی ہے۔ اس لیے ایک لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ فوق اختتامی پیداواروں کی قیمت اُن کے مصارف کی بناء پر متعین ہوتی ہے، جیساکہ قدیم معاشیین کا دعویٰ تھا۔ اس مسئلے کی بحث میں قدیم معاشیین کی جو کمزوری تھی وہ یہ تھی کہ وہ اشیائے پیدائش کی قدر و قیمت کی کافی تشریح کرنے کی ضرورت کو محسوس کرنے میں بظاہر ناکام رہے ہے اور اس قسم کی کوئی تشریح ہی پیش نہ کی۔

منجر نے یہ قضیہ پیش کیا کہ اشیائے صرف یا پہلے درجے کے اشیاء کی قیمت انکے افادۂ مختتم سے متعین ہوتی ہے۔ اسکے ثبوت میں اسنے جو استدلال کیا تھا فان ویزر کا بھی بعینہٖ وہی استدلال ہے۔ چنانچہ اس کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ تسکین پذیری کے بعض اقسام اور مقداروں کا انحصار بعض اشیاء کی تملیک پر

241

سکی تشریح کیلئے دیکھو صفحہ ۳۴۲ تا صفحہ ۳۴۴۔ Supra Margiual products

ہوتا ہے ۔ اس انحصار کو قائم کر لینے کے بعد ان اشیاء کی قدر کا سبب اور اُن کی قدر کی مقدار دریافت ہو جاتی ہے ۔ اشیائے پیدائش کی صورت میں یہ انحصار صرف اُن کی اختتامی پیداواروں کے ذریعے سے قائم ہو سکتا ہے، کیونکہ اس قسم کی اختتامی پیداواروں کا وجود اس امر پر مبنی ہوتا ہے کہ اشیائے تیاری کتنی مقداروں میں حاصل ہو سکتے ہیں اور معاشی عمل کا تقاضا یہ ہے کہ اس قسم کے اشیاء کی رسد میں تخفیف ہونے سے جو نقصان ہو وہ سب سے کم اہم نقطے یعنی اس قسم کے اشیاء کی سب سے کم قدر رکھنے والی پیداوار کی طرف منتقل کر دیا جائے ۔ بایں ہمہ جب اشیائے تیاری کی قدر ایک مرتبہ قائم ہو جاتی ہے تو وہ فوق اختتامی پیداوار کی رسد میں ایک متعین کرانے والا عامل بن جاتی ہے ۔ کیونکہ فوق اختتامی پیداوار کی رسد میں اُس وقت تک اضافہ ہوتا رہے گا جبتک اس پیداوار کے اختتامی افادے گھٹ کر مذکورہ بالا اشیائے تیاری کی قدر کے مساوی نہ ہو جائیں۔

242

اس استدلال کی حسب ذیل طریقے پر تشریح کی جا سکتی ہے:۔

فرض کرو کہ لا، ما، ی اشیائے صرف ہیں جن کی واحد اکائیوں کی قیمت علی الترتیب ۲۰، ۱۸ اور ۱۶ ہے اور فرض کرو کہ ان اشیاء کی تیاری میں ایک شئے الف کو استعمال کرنا پڑتا ہے جسکی صرف چھ یکائیاں مہیا ہو سکتی ہیں ۔ یہ بھی مان لو کہ الف کی ایک یکائی لا، ما، یا ی کی ایک اکائی تیار کرے گی اور یہ کہ لا، ما، یا ی کی رسد میں ہر یکائی کا اضافہ اُس کی قیمت میں دو درجوں کی تخفیف کردے گا۔ یعنی اگر بجائے ایک کے لا کی دو اکائیاں بازار میں بھیجی جائیں تو لا کی قیمت بحساب فی اکائی بجائے ۲۰ کے ۱۸ ہوگی اور اگر تین اکائیاں بازار بھیجی جائیں تو اُس کی قیمت بجائے ۱۸ کے ۱۶ ہوگی وقس علیٰ ہذا۔

ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ الف کی چھ اکائیوں کو سب سے زیادہ کفایت کے ساتھ کس طرح استعمال کیا جاسکتا ہے۔ بظاہر تو ان سب یکائیوں کو لا، ما، یا ی کی چھے یکائیوں کی تیاری میں استعمال کیا جاسکتا ہے یا ان میں سے ایک شئے کی تیاری میں چند اکائیوں کو کام میں لاکر بقیہ یکائیوں کو دوسرے اشیار کی تیاری میں صرف کیا جاسکتا ہے۔ ان دونوں طریقوں میں زیادہ فائدہ بخش وہ طریقہ ہوگا جس پر عمل کرنے سے مجموعی پیداوار کی قیمت بیش ترین ہو۔

اگر جملہ ۶ یکائیاں لا کی پیدائش میں لگائی جائیں تو پیداوار کی مجموعی قیمت ۶۰ ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں لا کی ہر یکائی کی قیمت ۱۰ ہوگی۔ اگر سب یکائیوں کو ما کی پیدائش میں لگایا جائے تو مجموعی قیمت ۴۸ ہوگی اور اگر ی کی تیاری میں سب یکائیوں کو صرف کیا جائے تو مجموعی قیمت ۲۶ ہوگی۔ اس لئے یہ ظاہر ہے کہ اگر ان تینوں اشیاء میں سے صرف ایک تیار کی جائے تو وہ لا ہوگی۔ اگر الف کی تین یکائیوں کو لا کی تین یکائیوں کی پیدائش میں لگایا جائے اور دو یکائیوں کو ما کی دو یکائیوں میں لگایا جائے اور ایک یکائی کو ی کی ایک یکائی کی پیدائش میں صرف کیا جائے تو مجموعی پیداوار جس کی قیمت ۹۶ ہوگی، حاصل ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں بازار میں رسد کے حساب سے تینوں اشیار کی آخری یکائیوں کی قیمت ۱۶ ہوگی اور تینوں اشیار کی مجموعی مقدار جو بازار میں فروخت کی غرض سے بھیجی جائے گی وہ چھے یکائیاں ہوگی۔

اب الف کی چھے یکائیوں کی تقسیم کا کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہے جس پر عمل کرنے سے مذکورۂ بالا قیمت سے زیادہ قیمت حاصل ہو۔ مثلاً ی کی پیدائش میں الف کی جو یکائی لگائی گئی اگر

و رتی میں نہ صرف کیجائے بلکہ تا یا ھا کی مزید یکائی کی پیدائش میں صرف کیجائے تو اس سے قیمت میں تخفیف واقع ہوگی۔ اگر زائد یکائی جو تیار کیجائے وہ ھا کی ہو تو اس صورت میں نتائج حسب ذیل ہوں گے:۔ تا کی تین یکائیوں کی قیمت بحساب فی یکائی ۱۶، ۴۸ ہوگی اور ھا کی تین یکائیوں کی قیمت بحساب ۱۴ فی یکائی ۴۲ ہوگی۔ ان دونوں کی میزان ۴۸ + ۴۲ = ۹۰ ہوگی۔ گویا تین تی کی ایک یکائی تیار کرنیکی صورت کی نسبت ۶ کا نقصان ہوگا۔ اور اگر زائد یکائی جو تیار کیجائے وہ ھا کی بجائے تا ہو تو نتیجہ حسب ذیل ہوگا:۔ تا کی چار یکائیوں کی قیمت بحساب ۱۴ فی یکائی ۵۶ ہوگی اور ھا کی دو یکائیوں کی قیمت بحساب ۱۶ فی یکائی ۳۲ ہوگی۔ ان دونوں کی میزان ۵۶ + ۳۲ یعنی صرف ۸۸ ہوگی۔

ایسی صورت میں شئے تیاری یعنی الف کو سب سے زیادہ کفایت سے استعمال کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ الف کی ایک یکائی ی کی ایک یکائی کی تیاری میں صرف کی جائے جو تینوں اشیائے صرف میں سب سے کم اہمیت رکھتی ہے۔ اور اسی لئے اسکو مناسبت کے ساتھ اختتامی پیداوار کہا جاتا ہے۔ تا اور ھا کو الف کی فوق اختتامی پیداوار کہا جا سکتا ہے۔

ان حالات میں الف کی قیمت ۱۶ ہوگی جو اس کی اختتامی پیداوار کی قیمت ہے کیونکہ یہی وہ پیداوار ہے جس کے وجود کے لئے الف کی ایک یکائی (جبکہ یہ یکائی ۵ یکائیوں کی سابقہ رسد کے ساتھ جمع ہو) ناگزیر ہے۔ اور یہی قدر کا وہ تخمینہ ہے جو تا اور ھا کی اکائیوں کی سب سے زیادہ نفع بخش تعداد کو متعین کرتا ہے اور بناء بریں ان کے اختتامی افادے اور قیمت کو بھی متعین کرتا ہے۔ اسی لئے ان معنوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ تا اور ھا کی قیمت ان کے مصارف یعنی شئے تیاری الف کی قیمت کی بناء پر متعین ہوتی ہے۔ بہرنہج یہ فراموش نہ کرنا چاہئے کہ شئے تیاری

یعنی الف نے اپنی فوق اختتامی پیداوار یعنی لا اور ما کی جو قیمت متعین کی وہ قیمت خود اُس شئے یعنی الف نے اپنی اختتامی پیداوار یعنی یا کی قیمت سے حاصل کی۔

اشیائے پیدائش کی قدر کے تخمینے کی تشریح کا جہاں تک تعلق ہے فان ویزر، منجر سے اختلاف رکھتا ہے۔ اس قسم کی قدر کے تعین کے بارے میں منجر نے یہ طریقہ اختیار کیا :—

اشیائے پیدائش سے ایک شئے گویا شئے کے ایک حصے کو باری باری اس ترکیب یا گروہ میں سے تخفیف کرنے سے جو نقصان واقع ہو اس نقصان کے برابر ہر شئے پیدائش کی قیمت اس نے مقرر کی۔ فان ویزر منجر کے اس طریق کی حسب ذیل طریقے پر نکتہ چینی کرتا ہے :[1]

فرض کرو کہ تین پیداآور عناصر سے، جن کو بہترین طریقے پر کام میں لایا گیا ہو، متحدہ طور پر ایسی پیداوار کی توقع ہے جس کی قیمت ۱۰ ایکائیاں ہیں۔ اگر ان تینوں عناصر کو دوسرے طریقے پر اور دوسری ترکیب سے استعمال کیا جائے تو یقیناً اُن سے زائد ماحصل پیدا ہوگا۔ لیکن یہ ہمارے مفروضے کے خلاف ہے یعنی مفروضہ یہ ہے کہ پیدائش کے بہترین طریقے پر اُن کو صرف کیا جائے تاکہ ماحصل کی قیمت ۱۰ ایکائیاں ہو، ورنہ پہلے کی ترکیب جس کا انتخاب کیا گیا وہ سب سے بہتر ترکیب نہ رہے گی۔ عناصر زیر بحث کو گروہوں میں تقسیم کرنے کے متعدد طریقے ہوتے ہیں، لیکن ہمیشہ صرف ایک ہی ایسی تدبیر ہوتی ہے جو سب سے بہتر ہوتی ہے اور اُسی پر عمل کرنا چاہیئے۔ اگر اس تدبیر پر عمل نہ کیا جائے اور کوئی دوسری تدابیر اختیار کئے جائیں تو نتیجہ پہلے سے کم مقدار میں حاصل ہوگا خواہ وہ کتنا ہی قلیل کیوں نہ ہو۔

" دوبارہ یہ فرض کرو کہ تینوں عناصر کا بہترین تدبیر کے مطابق

حاشیہ [1]۔ دیکھو اسکی کتاب Der Naturliche Werth
مترجم اسمارٹ (Smart) ۸۳

استعمال نہیں کیا گیا بلکہ کسی دوسرے طریقے پر کیا گیا۔ یہ یاد رہے کہ بہترین طریقے پر ان عناصر کو ایک دوسرے سے متحد کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اُن کا ایک جداگانہ اور نمایاں گروہ اور ترکیب بن جائے۔ مثلاً فرض کرو کہ اگر ہر یکائی کو کسی نئی ترکیب سے کسی دوسرے گروہ میں استعمال کیا جائے تو ان تینوں گروہوں میں ہر ایک کا ماحصل بڑھ کر تین اکائیاں ہو جاتا ہے اور اسی کے مطابق تینوں عناصر اب اتنا ماحصل پیدا کرتے ہیں جسکی قیمت ۹ یکائیاں ہیں۔

"اس صورت میں منجر کے اُصول کے مطابق ہر منفرد جزو کی قدر کا تخمینہ کس طرح کیا جائے گا؟ ماحصل کی تخفیف سے کیا جائے گا جو نقصان کی صورت میں پیدا ہوتی ہے۔ اس صورت میں تخفیف کی مقدار ۱۰ اکائیاں ہے (جو بہترین طریقے پر استعمال کرنے کی صورت میں ماحصل کی قیمت ہے) جن میں سے ۶ یکائیاں بقیہ دو عناصر کو از سر نو لگانے سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ اس لئے کل نقصان ۱۰ - ۶ = ۴ ہوگا اور یہ بات تینوں اشیاء میں سے ہر ایک پر یکساں صادق آتی ہے۔ اس طرح تینوں کی مجموعی قیمت بارہ ۱۲ ہوگی۔ مگر یہ ناممکن ہے کیونکہ بہترین طریقے پر صرف کرنے کی صورت میں تو قیمت صرف ۱۰ اکائیاں ہو سکتی ہے۔"

بقول فان ویزر، منجر کا طریق استدلال غلط تھا اور وہ خود ایک دوسرا طریق یعنی ہر شئے تیاری کا صحیح حصہ متعین کرنے کا طریق جبر و مقابلہ کے مساوات کے سلسلے کے ذریعے سے پیش کرتا ہے۔ اس ذریعے سے ہر ایک شئے تیاری جس ترکیب میں شامل ہوتی ہے اُس کی نوعیت اور اس کے نتائج صحیح طور پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ مثلاً فرض کرو کہ الف، ب، ج بحیثیت اشیائے تیاری حسب ذیل نسبتوں میں تین اشیاء لا، ما، اور یا کی پیدائش میں شریک

245

ہوتے ہیں۔ لا، ما اور یا کی قیمت علی الترتیب ۱۴۵، ۱۶۰، ۲۶۰ ہے۔ لا میں ۲ الف + ۳ ب + ۴ ج شریک ہوتے ہیں۔ ما میں ۳ ا + ۶ ب + ۲ ج اور یا میں ۷ ا + ۲ ب + ۸ ج۔ اس طرح حسب ذیل جبری مساواتیں قائم ہو سکتی ہیں:۔

۲ ا + ۳ ب + ۴ ج = ۱۴۵۔
۳ ا + ۶ ب + ۲ ج = ۱۶۰
اور ۷ ا + ۲ ب + ۸ ج = ۲۶۰۔

ان مساواتوں کی تحلیل سے حسب ذیل نتائج حاصل ہوتے ہیں: الف = ۱۰، ب = ۱۵، ج = ۲۰۔ چونکہ اشیائے تیاری حقیقتاً متعدد و مختلف ترکیبوں میں عمل پیدائش میں شریک ہوتے ہیں جو ہر وقت جاری رہتا ہے اس لئے اہل کار وبار معمولی حسابی طریقوں سے مساواتوں کی ضروری تعداد قائم کر سکتے اور اس طرح پر آسانی کیساتھ یہ تخمینہ کر سکتے ہیں کہ پیداوار میں ہر ایک شئے تیاری کا کیا حصہ ہے۔ حصے سے مراد طبعی حصہ نہیں ہے کیونکہ وہ دوسرے باہمی عمل کرنے والے عاملین کے طبعی حصوں سے علحدہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ قیمت میں اُس کا حصہ مراد ہے۔

Der Naturaliche Wirth میں فان ویزر نے ایسے قوانین مرتب و پیش کیے ہیں جن کے مطابق اشیاء کی رسد طلب اور خوبی کے مختلف حالات کے تحت عاملین پیدائش کی قدر متعین ہوتی ہے۔ سب سے پہلے وہ یہ بیان کرتا ہے کہ اشیائے پیدائش کا، جو بجائے منفرد طور پر ملنے کے مخلوط طریقے سے مل سکتے ہیں، جہاں تک تعلق ہے، قیمت قانون مختتم کی بناء پر قرار پاتی ہے۔ اور وہ قانون یہ ہے کہ ہر ایک واحد جزو یا مقدار کی جو اقل ترین اعانت کسی مخصوص حالات کے تحت کفایت شعارانہ طریق پر پیدائش میں ہو رہی اعانت اس جزو یا مقدار کی قدر کی بناء ہے۔ اس کا نتیجہ

یہ ہے کہ شئے تیاری کی رسد کے اضافے سے اس شئے کی قدر میں تخفیف ہوگی۔ کیونکہ یہ اضافہ اُس کی اختتامی پیداوار کو گھٹا دے گا اور اُس شئے کی رسد میں تخفیف کرنے سے برعکس نتیجہ حاصل ہوگا۔ ایسی شئے کی طلب میں تبدیلیاں ہونے سے پیدا آور ترکیبوں کے اقسام و تعداد (جس میں اس شئے کی ضرورت ہوتی ہے) میں خواہ اضافہ ہو یا تخفیف اس کی قیمت میں بھی اسی طرح تبدیلیاں واقع ہوں گی۔ ایسے اشیاء کی قیمتیں مختلف ہوں گی جو ایک ہی قسم کے ہوں مگر خوبی کے مختلف مدارج رکھتے ہوں۔ اس لئے کہ اگر اعلیٰ درجے کی شئے کسی پیدا آور اشیاء کی ترکیب میں شریک ہو تو ماحصل میں زیادتی ہوگی اور اس قسم کی زیادتی صرف اس شئے کی خوبی کیساتھ منسوب کی جاسکتی ہے۔

248

مجر کا دعویٰ ہے کہ ان قوانین کو زمین، اصل و محنت کے بارے میں استعمال کرنے سے لگان، منافعۂ خام، اور اجرت کی تشریح ہوتی ہے۔ جب کسی خاص قسم کی زمین نسبتہً کمیاب ہو جائے تو اُن قوانین کے مطابق پیداوار کا ایک حصّہ اس کمیاب زمین کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے اور جب سب زمینیں نسبتہً کمیاب ہو جائیں تو ہر زمین کی پیداوار کا ایک حصّہ ان سب زمینوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ مختلف زرخیزی رکھنے والی زمینوں کے ساتھ آمدنی کی جو مقداریں منسوب کی جاتی ہیں وہ اُن کی خوبیوں کے مدارج کے لحاظ سے مختلف ہوں گی اور یہ ریکارڈو کے قانون جزئیت یا فرقی قانون کے عین مطابق ہے۔ لیکن کاشت مختتم والی زمینوں سے بھی جبکہ وہ نسبتہً کمیاب ہو جائیں لگان وصول ہوگا۔ چنانچہ بقول مجر ریکارڈو کا یہ نظریہ کہ لگان اجارے کی بناء پر حاصل ہوتا ہے صرف اس معنی میں صحیح ہے جس معنی میں اجرت اور منافع بھی اجارہ کی بناء پر حاصل ہوتے ہیں۔ یعنی یہ کہ مشترکہ پیداوار میں عاملین پیدائش میں سے

کسی ایک کی طرف صرف اُس وقت حصّہ منسوب کیا جاتا ہے جبکہ اُس کی رسد بمقابلہ اُس کی طلب کے نسبتاً محدود ہو۔ اسی طریقے سے تینوں عاملین کی مشترکہ پیداوار میں محنت اور اصل کے حصّے اُن کی اختتامی پیداوار کی بنا پر اور مزدوروں کی مختلف جماعتوں کی اجرت شئے اختلافات کی بنا پر قرار پاتے ہیں۔ اجارے کا جو اثر رسد پر پڑتا ہے اس کی وجہ سے اجارہ قیمت کا تعین کرتا ہے اور اس طرح سے تقسیم دولت پر اثر ڈالتا ہے۔

سود کی تشریح سے ایک نیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ قوانین تعین قیمت سے بظاہر اس امر کی تو تشریح ہوتی ہے کہ پیداوار کا ایک حصّہ اصل کے ساتھ کیوں منسوب کیا جاتا ہے لیکن یہ امر واضح نہیں ہوتا کہ یہ منسوبہ حصّہ خود پیداوار اور اشیاء کی جملہ قیمت سے ہمیشہ کیوں زائد ہوتا ہے۔ یہ سوال زمین اور محنت کے بارے میں نہیں پیدا ہوتا کیونکہ وہ اصلی اور قدرتی عاملین ہیں اور انسان کے پیدا کئے ہوئے نہیں ہیں۔ اس سوال پر فان ویزر نے جو بحث کی ہے وہ کسی حال اطمینان بخش نہیں خیال کی جا سکتی۔ اس کی اہمیت اس سے بڑھکر کچھ نہیں کہ اُس نے محض تجربے اور مشاہدے پر اپنے بیان کو مبنی کیا ہے۔ چنانچہ وہ یوں لکھتا ہے کہ: ”اس میں شک نہیں کہ بحیثیت مجموعی تینوں عاملین پیدائش زمین، اصل، و محنت کی کل پیداوار اتنی کافی ہوتی ہے کہ اس سے نہ صرف صرف شدہ اصل وصول ہوتا ہے بلکہ اس کے علاوہ خالص پیداوار بھی حاصل ہوتی ہے۔ یہ ایک کھلا ہوا معاشی واقعہ ہے جس طرح سے اشیاء کے وجود اور اُن کی پیدائش کے ثبوت کی ضرورت نہیں اسی طرح واقعۂ مذکور بھی کسی ثبوت سے بے نیاز ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ کبھی کبھی اصل کے صرف سے نقصان واقع ہو اور صرف شدہ مقدار وصول نہ ہو۔ واقعہ بھی یہ ہے کہ اکثر قسم کے

کاروبار میں کارآمد اشیا رتیار نہیں ہوتے۔ لیکن یہ مستثنیات ہیں۔ اُصول یہ ہے کہ خالص پیداوار حاصل ہوتی ہے اور فی الحقیقت اس قدر بڑی مقدار خالص پیداوار کی حاصل ہوتی ہے کہ اس سے نہ صرف لاکھوں انسانوں کے ضروریات کی کفالت ہوتی ہے بلکہ ماحصل زائد کی بدولت اصل کی مقداریں بھی آئے دن اضافے کا سلسلہ جاری رہ سکتا ہے۔

"پس صرف ایک سوال دریافت طلب رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ آیا اس یقینی خالص پیداوار میں اصل کی طرف بھی کوئی حصّہ منسوب کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ لیکن اس سوال پر خاص طور پر زور نہیں دیا جا سکتا۔ سوال یہ ہے کہ صرف اصل کی طرف ہی اس قسم کا کوئی حصّہ کیوں منسوب نہ کیا جائے؟ جب یہ بات ثابت اور مسلّم ہے کہ اصل پیدائش کے معاشی عاملین میں سے ایک عامل ہے جس کی طرف دوسرے عاملین کے ساتھ تیار شدہ پیداوار کا ایک حصّہ منسوب کیا جاتا ہے تو یہ امر بھی ثابت و مسلّم ہے کہ اصولاً خالص پیداوار میں، جو پیداوار خام کا ایک جزو ہے، اصل کا ایک حصّہ شریک ہوتا ہے۔ کیا ہم ہمیشہ یہ فرض کر سکتے ہیں کہ اصل کا جو ماحصل ہوگا وہ خود خرچ شدہ اصل کو واپس وصول کرنے سے کم ہوگا؟ یہ بظاہر ایک مہمل اور بیقاعدہ مفروضہ ہوگا۔ ہم یہ بھی فرض نہیں کر سکتے کہ اصل کے لگانے سے جو پیداوار حاصل ہوگی اُس سے صرف اصل وصول ہو سکیگا، فاضل پیداوار نہ ملے گی۔ یہ بھی نہایت ہی مہمل اور خلاف عقل مفروضہ ہوگا۔ پس جو کوئی اصل کی طرف خالص پیداوار منسوب کرنے سے انکار کرتا ہے وہ صرف اسی وقت ایسا کر سکتا ہے جبکہ وہ اصل کی طرف کسی قسم کا ماحصل منسوب کرنے سے انکار کردے۔"

اس بحث اور مسئلۂ سود کے تمام دوسرے مسائل کی بحث

بوہم باورک کا خاص کارنامہ ہے۔ اپنی کتاب Geschichte und Kritik der Kapital Zins Theorien وہ مسئلۂ سود کی تشریح کرتا ہے۔ اس سلسلے میں مسئلۂ سود کو حل کرنے کے بارے میں جو سابقہ کوششیں کی گئی تھیں وہ یکے بعد دیگرے اُن سے بحث کرتا اور اُن پر نہایت کامل اور دقیق تنقید وتبصرہ کرتا ہے۔ اور اس طرح سے میدان صاف کر لینے کے بعد اس مسئلے کا اپنا حل وہ اپنی کتاب Positive Theorie des Kapitals میں نہایت شرح وبسط کے ساتھ کرتا ہے[1]

مسئلۂ سود کی جن اہم ترین تشریحات پر اُس نے اپنی تاریخی وتنقیدی تحقیقات کے دوران میں نظر ڈالی اُن کی اس طرح پر تقسیم کی گئی ہے:۔ نظریۂ پیدا آوری، نظریۂ استعمال، نظریۂ اجتناب، نظریۂ محنت اور استحصال۔

نظریۂ پیدا آوری — باورک اس نظریے کے پیش کرنے والوں کو قوت تشریح میں کمزور پاتا ہے۔ یہ اشخاص حقیقی مسئلۂ سود کو سمجھنے سے قاصر رہے اور ان میں سے کسی نے بھی قابل اطمینان طریقے سے اس کی تشریح نہیں کی۔ بعضوں نے اصل کی مادی پیدا آوری کو ثابت کرنے کی کوششوں پر اکتفا کیا اور بعضوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اصل سے قدر وقیمت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن ان میں سے کسی نے بھی اس امر کی تشریح نہیں کی کہ جو پیداوار اصل سے منسوب یا متصف کی جاتی ہے اس کی قیمت کیوں خود اصل کی قیمت یا لاگت سے ہمیشہ زائد ہوتی ہے۔

248

[1] یہ کتابیں اُس کی تصنیف Kapital und Kapilalizins کی جلد اول ودوم کی حیثیت سے شائع ہوئیں اور ولیم اسمارٹ گلاسکو کے ایک باشندے نے انگریزی زبان میں ان دونوں کا ترجمہ کیا جسکو میکملن اینڈ کو نے شائع کیا پہلی کتاب ۱۸۹۰ء میں بعنوان Capital & Interest ("اصل وسود") شائع ہوئی اور دوسری بعنوان Positive Theory of Capital ("اصل کا ایجابی نظریہ") ۱۸۹۱ء میں شائع ہوئی۔

نظریۂ استعمال

اس نظریئے کی یوں تشریح کی جاتی ہے کہ سود اصل کے استعمال یا خدمات کا معاوضہ ہے۔ اسکے موجدین میں سے بعض اشخاص ان خدمات اور استعمال میں اور خود اصل کے صرف میں امتیاز قائم کرتے ہیں اور بعض نہیں کرتے مقدم الذکر گروہ سود کے اصلی مظاہر کی تشریح پیش کرتا ہے لیکن یہ بھی بقول بیوہم باورک اس لحاظ سے ناقص ہے کہ جس قسم کے استعمال اور خدمات کا دعویٰ کیا گیا ہے اُس کے وجود کو ثابت کر دکھانے سے وہ گروہ قاصر ہے۔ بیوہم باورک یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ "تمام مادی اشیار اپنی مادی قوتوں کے ذریعے سے جو اُنکے اندر ودیعت کی گئی ہیں بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچاتے ہیں اور اس لئے اشیار کا کام سوائے اس کے کسی اور بات پر مشتمل نہیں ہے کہ وہ اپنی قوت کو یا اُس کے ایک حصّے کو دوسرے میں منتقل یا دوسرے کے لئے پیش کریں۔ چنانچہ جو کچھ قوت مہیا ہو سکتی ہے وہی کام میں منتقل ہوتی ہے اور اسی وقت انسان کو اشیار کا فائدہ حاصل ہوتا ہے" پس پیدا آور اشیار کے استعمال کی قیمتوں کا تخمینہ کرنا خود پیداوار کی قیمتوں کا تخمینہ کرنا ہے۔ لہٰذا پیدا آور اشیار کے استعمال کی قیمت کی تشریح سے اُس ماحصل زائد کی تشریح و توجیہ نہیں ہوتی جس کو سود کہتے ہیں۔

نظریۂ اجتناب

بقول بیوہم باورک سود کا مسئلہ اجتناب قیمت کے نظریۂ مصارف پیدائش کی اس شکل پر مبنی ہے جو مصارف کی تشریح ایثار کے معنوں میں کرتی ہے۔ پیدا آور اشیار کی پیدائش میں محنت کا جو ایثار کیا جاتا ہے وہ ان اشیار کی قیمت کی توجیہ کرتا ہے اور ان کی فراہمی میں اجتناب کا جو ایثار ہے وہ سود کی تشریح کرتا ہے۔ اُسکی دانست میں قیمت کے نظریۂ مصارف پیدائش کی جگہ اختتامی افادے کا نظریہ رکھنے سے خود اس نظریۂ سود کی تردید ہوتی ہے۔ لیکن وہ

نکتہ چینی کا دوسرا طریقہ بھی اختیار کرتا ہے۔ یعنی وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اس نظریئے کے وکیل ایک چیز کو دو مرتبہ شمار کرنے کی غلطی کرتے ہیں۔ کیونکہ اصل کے ذخیرے کی فراہمی میں جو ایثار شامل ہوتا ہے اُس کی مجموعی مقدار میں وہ ایک طرف تو محنت کا ایثار شریک کرتے ہیں اور دوسری طرف اجتناب کا ایثار۔ اُس کا اعتراض یہ ہے کہ ایثار کی ان شکلوں کو ساتھ ساتھ شمار نہ کرنا چاہیئے بلکہ علیٰ سبیل البدل شمار کرنا چاہیئے یعنی یا تو اسی ایثار کو شمار کرنا چاہیئے جس کی ذخیرۂ اصل کی فراہمی میں ضرورت ہوتی ہے مثلاً پیدا آور اشیا کی پیدائش میں محنت درکار ہے یا یہ کہ ایک شئے سے فوری افادہ حاصل کرنے سے اجتناب کر کے اس استفادے کو آئندہ پر ملتوی کرنے میں جو ایثار کرنا پڑتا ہے اُس کو شمار کرنا چاہیئے۔ لیکن ان دونوں کو ایک ساتھ ملا کر شمار نہیں کرنا چاہیئے۔

وہ کہتا ہے: ۔ "تمثیلاً ایک دیہاتی آدمی کی مثال لو جو اس بات پر غور کرتا ہے کہ اُس کو دن بھر اپنا وقت کس قسم کی محنت میں صرف کرنا چاہیئے۔ یقیناً اُس کے لئے صدہا راستے کھلے ہوئے ہیں مثلاً چند کام یہ ہیں:۔ مچھلی پکڑنا۔ شکار کرنا یا جنگل سے پھل توڑ لانا۔ ان تینوں قسم کے پیشوں میں ایک بات مشترک ہے یعنی اُسی دن شام تک محنت کا معاوضہ مل جاتا ہے۔ فرض کرو کہ ہمارا دیہاتی دوست مچھلی کے شکار کا تہیہ کرتا ہے اور رات ہونے تک اپنے گھر تین مچھلیاں پکڑ لے جاتا ہے۔ ان مچھلیوں کے پکڑنے اور حاصل کرنے میں کتنی تکلیف اور محنت اٹھانی پڑی؟

"اگر ہم مچھلی پکڑنے کے سامان کی فرسودگی کو نظر انداز کر دیں تو اُس کا صرفہ صرف ایک دن کی محنت ہے۔ اس کے سوائے کچھ نہیں۔ بایں ہمہ یہ ممکن ہے کہ وہ اس ایثار اور محنت پر دوسرے

نقطے سے نظر ڈالے۔ یہ ممکن ہے کہ وہ اس کا تخمینہ اس تسکین پذیری سے کرے جو اُس کو اپنا وقت کسی دوسرے کام میں صرف کرنے سے حاصل ہوتی، اور جس تسکین پذیری سے اُس کا اب محروم رہنا ضروری ہے۔ ممکن ہے وہ اس طرح سے حساب کرے: "اگر میں اپنا دن بجائے مچھلی کے شکار کے دوسرے جانوروں کے شکار میں صرف کرتا تو مجھے مثلاً تین خرگوش مل جاتے اور ان خرگوشوں سے میرے جو احتیاجات پورے ہوتے اُن سے اب محروم رہنا پڑے گا"

اس کے بعد وہ حسب ذیل فرضی مثال سے کام لیتا ہے:۔

"میں تمام دن ایک کھیت پر اس امید میں کام کروں کہ مجھے دس سال کے بعد اپنے لگائے ہوئے درختوں سے پھل حاصل ہوں گے۔ دوسری ہی شب کو ایک طوفان نمودار ہوتا ہے اور پودوں کو برباد کر دیتا ہے۔ میں نے اس قدر جو محنت کی اور اُس میں اس قدر جو ایثار کیا اُس کا کیا نتیجہ حاصل ہوا؟ میرے خیال میں ہر شخص یہی جواب دے گا کہ دن بھر کی محنت اکارت گئی اور کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ اور اب میں یہ سوال کرتا ہوں کہ اگر طوفان نہ آئے اور درخت کسی مزید مشقت کے بغیر دس سال کے بعد پھل پیدا کریں تو کیا میرا ایثار مقابلتہً زیادہ ہو جاتا ہے۔ اگر میں ایک دن کام کروں اور اُس محنت کا ماحصل پانے کے لئے دس سال ٹھہرنا پڑے تو کیا مجھے اس میں اس سے زیادہ ایثار کرنا پڑتا ہے جبکہ میں ایک دن کام کروں اور طوفان کے نازل ہو جانے کی وجہ سے اس محنت کا ثمرہ پانے کے لئے ابدالآباد تک ٹھہرا رہوں۔ اس قسم کا دعویٰ کرنا یا اُس کو منوانا ناممکن ہے۔"

مختلف نظریات محنت کا سود کی تشریح کے بارے میں اس امر پر اتفاق ہے کہ سود اصل دار کی محنت کی اجرت ہے۔ ان میں اگر اختلاف ہے تو زیادہ تر اس بارے میں ہے کہ اصل دار کو اس قسم کی اجرت کا مستحق

طریقوں سے حقدار ثابت کیا گیا ہے۔ اس لئے ان مختلف دلائل
پر ایک ہی طریقے سے نکتہ چینی نہیں کی جا سکتی۔ بوہم باورک
ہر ایک کی جداگانہ تحلیل و تنقید کر کے اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ بعض
صورتوں میں جواز سود کو اس کی تشریح سے مخلوط کر دیا گیا ہے اور
جو تشریح پیش کی گئی ہے وہ کسی صورت میں بھی تشفی بخش نہیں۔
وہ حسب ذیل الفاظ پر اپنے استدلال کو ختم کرتا ہے:۔ "اس طرح
سود کے نظریۂ محنت کی کوئی نظری تشریح تنقید اور جانچ کی متحمل
نہیں معلوم ہوتی۔ کوئی غیر جانب دار شخص بھی اس کے سوائے کسی
اور نتیجے کی توقع نہیں رکھ سکتا۔ سوائے اس شخص کے جو بعید از
قیاس تشریحات میں دل چسپی لیتا ہو کسی کو بھی ایک لمحے کے لئے
اس بات کا شبہہ نہیں ہو سکتا کہ اصل کی معاشی قوت کا انحصار
اصل دار کی محنت کے علاوہ کسی اور چیز پر ہے۔ اس میں
شک و شبہہ کی گنجائش ہی نہیں کہ سود نہ صرف بظاہر بلکہ حقیقۃً بھی
ہرگز محنت کی اجرت نہیں ہو سکتا بلکہ کچھ اور ہی چیز ہے۔"

نظریۂ استحصال نظریۂ استحصال پر اس نے جو تنقید کی ہے اس کا
خلاصہ ایک آدھ صفحے میں نہیں سما سکتا۔ راڈبرٹس
اور مارکس نے جو مختلف دلائل استعمال کئے ہیں یہ تنقید ان پر
ایک بسیط اور جامع نظر ڈالتی ہے۔ وہ باتیں جن پر وہ تنقید کرتا ہے ان دونوں اشخاص
یعنی راڈبرٹس اور مارکس میں مشترک ہیں۔ ان کو یہاں پر پیش کیا جا
سکتا ہے۔ پہلی بات تو اس امر کا دعویٰ ہے کہ معاشی حیثیت سے
دیکھا جائے تو اشیاء کو محنت اور محض محنت کی پیداوار سمجھنا ضروری
ہے۔ بوہم باورک اس خیال کی الفاظ ذیل میں تردید کرتا ہے:۔
"یہ خیال سراسر غلط ہے۔ خالصاً قدرتی اشیاء بھی جن کی رسد
بہ نسبت طلب کے کم ہو معاشی اشیاء ہیں اور ان کی بھی قیمت ہوتی
ہے۔ اگر ایک شخص کے کھیت پر سونے کا ٹکڑا شہاب ثاقب

251

کی شکل میں کرے تو کیا اُس کی کوئی معاشی قدر و قیمت نہ ہوگی یا اگر اُسی شخص کی جاگیر میں کسی مقام پر محض اتفاقیہ طور پر چاندی کی کان برآمد ہو تو کیا اس چاندی کی معاشی قدر و قیمت نہ ہوگی ؟ کیا کھیت کا مالک اس سونے اور چاندی کی حقیقت میں بالکل پرواہ نہ کرے گا جو قدرت نے اُس کو عطا کئے ہیں یا اُن کو محض اس لئے ضائع یا خیرات کردے گا کہ یہ چیزیں قدرت نے اُس کو مفت اور بغیر محنت کے عطا کی ہیں ؟ کیا وہ اس مفت عطیے کی اُسی قدر حفاظت نہیں کرے گا اور اُن کو اُسی قدر عزیز نہیں رکھے گا جس قدر کہ وہ اُس طلا اور نقرے کی حفاظت و نگرانی کرے گا جو اپنی گاڑھی کمائی سے خریدے ۔ یا اُن کو باحتیاط بازار میں فروخت کرکے روپیہ حاصل نہیں کرے گا یا بالفاظ مختصر اُن کی معاشی لحاظ سے قدر نہیں کریگا ؟ اور کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ معاشی لحاظ صرف انھیں اشیار کے ساتھ کیا جاتا ہے جن کے لئے کچھ محنت صرف ہوئی ہے خواہ وہ محنت قدرت کے کام کو تکمیل تک پہنچانے کی حد تک ہی ہو ؟ اگر یہ صحیح ہو تو لوگوں کی نظروں میں بہترین رہائن کی شراب اور دیہات کی عمدہ مگر متعابلتہً ادنیٰ درجے کی شراب برابر ہوگی ۔ کیونکہ دونوں کے لئے تقریباً اتنی ہی محنت صرف ہوئی ۔ مگر باوجود اس بات کے کہ دونوں میں مساوی محنت خرچ ہوئی ہم دیکھتے ہیں کہ رہائن کی شراب کی قیمت دیہاتی شراب کی معاشی قیمت کی دس گنی ہوتی ہے اور یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس سے راڈبرٹس کے نظریے کی روزمرہ کے تجربے سے کامل تردید ہو جاتی ہے ۔"

دوسری بات جس پر بیوہم باورک شدومد کے ساتھ حملہ کرتا ہے وہ نتیجہ ہے جس کا راڈبرٹس اور مارکس نے متذکرۂ بالا قضیے سے استخراج کیا اور وہ یہ ہے کہ "محنت کو اسکی پیداوار کی پوری قیمت ملنی چاہئے" بیوہم اس نتیجے پر حسب ذیل الفاظ میں

نکتہ چینی کرتا ہے :-

" اس کامل اور صحیح قضیے سے کہ " مزدور کو اُس کی پیداوار کی کل قیمت ملنی چاہیئے " دو مطالب لئے جا سکتے ہیں ۔ ایک تو یہ کہ مزدور کو اسوقت اس کی پیداوار کی موجودہ قیمت ملنی چاہیئے اور دوسرے یہ کہ اس کی پیداوار کی مستقبل قیمت آئندہ زمانے میں ملنی چاہیئے۔ لیکن راڈبرٹس اور اشتراکئین اس کی اس طرح پر تشریح کرتے ہیں کہ گویا مزدور کو اس وقت اس کی کل پیداوار کی مستقبل قیمت ملنی چاہیئے اور وہ اس طرح پر بیان کرتے ہیں کہ گویا یہ مسلم الثبوت امر ہے اور اصول کی واحد ممکنہ تشریح ہے "

بیوہم باورک کا استدلال یہ ہے کہ حال کے اشیاء مستقبل کے اسی قسم اور خوبی کے اشیاء سے زیادہ قیمت رکھتے ہیں اور یہ کہ اسی واقعے میں جس کو راڈبرٹس، مارکس اور دوسرے اشتراکئین نے کلیۃً نظرانداز کیا ہے سود کی تشریح مضمر ہے۔ ان قضیات کو ثابت کرنے کے لئے اُس نے دوسری جلد موسوم بہ Positive theorie des Kapitals تصنیف کی۔

252

اس تصنیف میں وہ اصل کی تعریف اور اُس کے افعال کی تشریح سے ابتدا کرتا ہے ۔ کیونکہ سود کا مسئلہ اساسی طور سے پیدائش کے اسی عامل سے متعلق ہے ۔ وہ اشیاء و پیدائش کی نوعیت اور انسان و قدرت کے تعلقات کی نہایت واضح اور عمدہ بحث کرتا ہے اور اصل کے متعدد تصورات پر تاریخی اور تنقیدی تبصرہ کرتے ہوئے وہ اصل کی حسب ذیل تعریف ترتیب دیتا ہے :-

" اصل کو ہم بالعموم پیداوار کی ایسی قسم کہیں گے جو اکتساب اشیاء کا ذریعہ ہو ۔ اس عام تصور کے تحت ہم معاشری اصل کا محدود تصور قائم کریں گے ۔ معاشری اصل کو پیداوار کی ایسی قسم کہہ سکتے ہیں جو اکتساب اشیاء کا معاشری و معاشی ذریعہ ہے یا چونکہ

یہ اکتساب صرف پیدائش کے ذریعے سے ممکن ہے ہم اس کو پیداوار کی ایسی قسم کہیں گے جس کو مزید پیدائش کا کام انجام دینا پڑتا ہے یا مختصراً اس کو وسطی پیداوار کی قسم نہیں گے - اول الذکر وسیع مفہوم یعنی اکتسابی اصل کے مرادف نہایت مناسبت کے ساتھ یا کم مناسبت کے ساتھ مگر رسم ورواج کے زیادہ مطابق شخصی اصل کی اصطلاح استعمال کرسکتے ہیں اور معاشری اصل کو مناسبت و اختصار کے ساتھ پیدا آور اصل کہہ سکتے ہیں۔"

اصل کا کام یہ ہے کہ وہ عمل پیدائش میں محنت کو اُن قدرتی قویٰ سے کام لینے کے قابل بناتا ہے جو صرف بہت سا وقت خرچ کرنے سے مل سکتے ہیں - اس لئے وہ پیدائش کا اصلی نہیں بلکہ درمیانی یا وسطی عامل ہے - اپنی احتیاجات کو پورا کرنے کی غرض سے یہ ضروری ہے کہ انسان قدرتی قویٰ کو اپنے قابو اور اختیار میں لائے - بعض قدرتی قویٰ بآسانی اور بہت جلد دستیاب ہوسکتے ہیں مگر بعض کی مدد حاصل کرنے کے لئے مشینوں کلوں اور دوسرے تدابیر کو جن کے بنانے اور اور استعمال کرنے میں وقت درکار ہے کام میں لانا پڑتا ہے - علاوہ بریں قدرتی قویٰ سے کسی شکل میں کامل استفادہ کرنے کے لئے ایسے تدریجی عمل کی ضرورت ہوتی ہے جس میں وقت صرف کرنا پڑتا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ یہ عمل جس قدر طویل اور اس میں جس قدر وقت صرف ہوگا اُسی قدر انسان کو اس کی دستکاری کا معاوضہ زیادہ ملے گا - جو اشیاء کہ انسان اور قدرت کے اس درمیانی عمل میں استعمال کی جاتی ہیں وہی اصل ہیں - اصل کیا ہے ؟ - وہ پیدائش اور پس اندازی دونوں کا نتیجہ ہے لیکن پس اندازی کا عمل اُن اشیاء پر جو صرف میں آکر اپنا مقصد پورا کرتی ہیں نہیں ہوتا

253

بلکہ اصلی پیدا آور قوتوں یعنی قدرت اور محنت پر جو اس عمل کے ذریعے سے بجائے قریب کے بعید مقاصد کے لئے ہوتا ہے صرف کیجاتی ہیں۔ وہ اشیاء جو اصل شمار کئے جاتے ہیں اس معنی میں مستقبل اشیاء ہیں کہ ان سے صرف مستقبل میں احتیاجات پورے ہوتے ہیں۔ وہ صرف ہونے والے اشیاء ہیں جو ابھی پورے طور پر تیار نہیں ہوئے ہیں اور صرف ایک مدت گزرنے کے بعد مکمل پیداوار کی شکل حاصل کرتے ہیں۔ جب اُن کا اشیائے صرف سے (جن کو موجودہ اشیاء کہا جاسکتا ہے کیونکہ ان سے فوری احتیاجات پورے ہوتے ہیں) مبادلہ کیا جاتا ہے تو ان کی قیمت کم پڑتی ہے یا اُن پر بٹہ کٹتا ہے۔ یہ کچھ تو اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اکثر لوگوں کو اس بات کا خیال لگا رہتا ہے کہ بمقابلہ حال کے مستقبل میں انکے احتیاجات پورے کرنے کے لئے اشیاء کا زیادہ ذخیرہ درکار ہوگا یا اس وجہ سے کہ مستقبل غیر یقینی ہے اور اس کا پہلے سے کامل علم ہونا دشوار ہے یا اس وجہ سے کہ موجودہ اشیاء بمقابلہ مستقبل اشیاء کے عملاً قابل ترجیح ہیں۔ کیونکہ وہ پیدائش کا کام انجام دینے والے کو اس قابل بناتے ہیں کہ وہ زیادہ طویل اور چنانچہ زیادہ پیدا آور عمل اختیار کرے۔ یا ان وجوہ میں کے پہلے دو وجوہ کی بناء پر ان اشیاء پر بٹہ کٹتا ہے۔

اصل کے اشیاء کی اس طرح پر جو کم قیمت قائم ہوتی ہے وہ سود کی اُس کی تمام شکلوں میں توجیہ و تشریح کرتی ہے جب ایک شخص دوسرے شخص کو ۱۰۰ ڈالر ایک سال کے لئے قرض دیتا ہے تو وہ گویا موجودہ اشیاء کا مستقبل اشیاء سے مبادلہ کر رہا ہے اور جو سود اُس کو ملے گا وہ بٹہ ہے جو موجودہ بازار کے حالات کے تحت ایک سال بعد ملنے والے اشیاء پر لگایا گیا ہے۔ جب ایک صناع اشیائے خام، کلیں، محنت اور زمین، اشیاء تیار کرنے کی غرض سے

خریدکرتا ہے (اور یہ اشیاء صرف مستقبل میں استعمال ہو سکتے ہیں) تو وہ موجودہ اشیاء کا مستقبل اشیاء سے مبادلہ کر رہا ہے۔ اور یہاں بھی اسی طرح بٹے کا عمل ہوگا۔ اس طرح پر سود اس تخمینۂ قیمت کے عمل کا نتیجہ ہے جو انسان کی فطرت پر اور پیدائش میں جو معاشی عمل ہوتا ہے اس پر مبنی ہے۔ یہ عمل (تخمینۂ قیمت) اشتراکی مملکت یا سوسائٹی کی کسی شکل میں بھی، جس میں احتیاجات کی تسکین پذیری کے لئے قدرتی قوی کے ذریعے سے معاشی جدوجہد ضروری ہو، 254 واقع ہوگا۔

جس طرح سے اصل کے بارے میں بازاروں میں موجودہ اشیاء کا آئندہ اشیاء سے مبادلہ ہوتا ہے محنت اور زمین کے بارے میں بھی ان کے بازاروں میں کسی طرح مبادلہ ہوتا ہے۔ کیونکہ معاشی لحاظ سے غور کیا جائے تو یہ بھی مستقبل اشیاء ہیں۔ اس لئے ان کی قیمت کے تخمینے میں بھی وہی بٹہ کا عمل رونما ہوگا جو اصل کے بارے میں ہوتا ہے۔

قوانین قیمت یا بقول فان ویزر "قوانین قدرتی قیمت" کا اطلاق مجموعی معیشت پر بشمول معیشت مملکت ایمل سیکس کا خاص کام ہے جس کو اس نے اپنی تصنیف Grundlegung der theoritischen Statswirthshaft میں انجام دیا ہے۔ چونکہ ہر قسم کی معاشی جدوجہد انہی قوانین کے مطابق ہوتی ہے مملکت اور افراد دونوں ان کے تابع ہونے چاہئیں۔ مثلاً سرکاری اور شخصی معیشت کے مابین سوسائٹی کی کل آمدنی کی تقسیم میں اسی اصول کی پیروی کرنی چاہئے جو قیمتوں کے تمام تخمینوں کے عمل میں اساسی حیثیت رکھتا ہے یعنی یہ کہ اشیاء کو اسی کاروبار میں لگانا چاہئے جس میں کہ وہ مفید ترین ثابت ہوں۔ بالفاظ دیگر جس میں اُن سے رفع احتیاجات کے لئے بیشترین ماحصل پیدا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مملکت کو وہ اشیاء اپنے کام میں نہ لگانے چاہئیں جو افراد کی ملکیت میں رہنے کی صورت میں

زیادہ ما حصل پیدا کریں۔ اس کو سیکس وہ افراد کے احتیاجات اور حکومت کے احتیاجات کے متناسب انتظام کا اصول" کہتا ہے۔

سیکس نظریۂ تقرر محصول کے جملہ خاص لوازم کو احتیاجات اشیا، معیشت اور قدر کے اُن اصول میں بھی پاتا ہے جن کو منجر اور فان ویزر نے پیش کیا تھا۔ ہر شہری حکومت کے خدمات کا اسی طرح تخمینہ کرتا ہے جس طرح کہ اشیا کا۔ چنانچہ جو ٹکس وہ ادا کرتا ہے وہ اُس کے اندازے میں اُن خدمات کی قیمت سے زائد نہ ہونا چاہئے جو حکومت سے اُس کو حاصل ہوئی ہیں۔ دولت کی غیر مساوی تقسیم اور افراد کے احتیاجات کے اختلافات کی وجہ سے ان خدمات کی قیمت کے تخمینے، جب اُن کی پیمائش آمدنی کی یکائیوں کے لحاظ سے کی جائیگی، بہت مختلف ہوں گے۔ اور اسی لئے ہر فرد کی جانب سے جو رقم بطور ٹکس ادا کی جاتی ہے اس میں بھی اختلاف ہونا ضروری ہے۔ پس محصول کی مقدار اور ان کا تعین کرنے میں حکومت کو ہر شخص کی احتیاج، آمدنی اور تمول کا خیال رکھنا چاہئے۔

آسٹروی مسلک نے نظری تحقیقات میں نئی روح پھونکی اور معاشی مباحث کا معیار بلند کر دیا۔ قدیم اصول کی محض تنقید و ترمیم کرنے کے بجائے حال حال میں بہت بڑی حد تک حقیقی تعمیری کام ہوا ہے۔ نئے اُصول پر جو انتقادات کئے گئے ہیں اُن سے تحقیقات اور خیال آرائی میں مزید جان پڑگئی ہے اور اس بات کی قابل قدر کوششیں کی جارہی ہیں کہ قدیم و جدید اُصول سے جو عناصر اخذ کئے گئے ہیں اُن کو ملا کر بالکلیہ جدید نظام قائم و مرتب کیا جائے۔

تاریخی مسلک کا مسلسل اثر اس امر سے مترشح ہے کہ ہر سال تاریخ و اعداد و شمار سے متعلق کئی تصانیف اور مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں اور اس قسم کی تحقیقات میں علمائے معاشیات اپنا بہت سا وقت اور اپنی بہت سی محنت صرف کر رہے ہیں۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں

255

یں معاشیات کے طلبہ اسی میدان میں تحقیقات کا عمل انجام دے رہے ہیں اور متعدد انجمنیں بھی اسی غرض کو بوجوہ احسن پورا کرنے کی غرض سے قائم ہوتی جا رہی ہیں۔ بایں ہمہ جو عالم معاشیات اپنا بہت سا وقت اس قسم کے مطالعوں میں صرف کرتا ہے وہ ہمیشہ نظریے کا استعمال کرتا اور اسکی اہمیت سے واقف ہوتا ہے۔ نظری مطالعوں کی جانب اسکا جو طرز ہے وہ کم از کم غیر متعصبانہ ضرور ہے اور بعض اوقات حوصلہ افزا بھی ہوتا ہے۔ جس طرح تاریخی مسلک کے ابتدائی پیرو انتہا پسند تھے اُس طرح کا انتہا پسند یہ عالم معاشیات نہیں ہوتا۔

موجودہ زمانے کے اکثر علمائے معاشیات کو کسی مسلک کا پیرو نہیں قرار دیا جا سکتا۔ یہ گروہ تاریخی و نظری دونوں قسم کی تحقیقات کی اہمیت کو اور علم المعیشت کی ترقی و تکمیل ایں ان سے اشتراک کو تسلیم کرتا ہے۔ اور اکثر معاشیین اپنے مساعی کو ان دونوں شعبوں میں تقسیم کر کے تعامل کرتے ہیں۔ یہ گروہ استخراجی استقرائی، تجریدی اور تجربی طریقوں کی اہمیت کو بھی تسلیم کرتا اور نت نئے اصول کو بسر و چشم قبول کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ لیکن ساتھ ساتھ تنقید کی کسوٹی بھی اپنے پاس رکھتا ہے اور تحلیل و ترکیب دونوں کا استعمال کرتا ہے۔

تمام قسم کے معاشی مباحث میں ہماری معاشی زندگی کے سریع نشو و نما نے نئی روح پھونک دی ہے اور اس نشو و نما سے جو دقیق اور حل طلب مسائل و سوالات رونما ہوئے ہیں اُن سے یہ مباحث اور زیادہ وسیع ہو گئے ہیں۔ کارخانے عموماً بڑے پیمانے پر قائم کئے جا رہے ہیں، بڑی بڑی تجارتی انجمنیں اور اجارہ دار کمپنیاں قائم ہونے لگی ہیں۔ قوموں کے درمیان باہمی مسابقت و مقابلہ زیادہ ہو گیا ہے، طلا کی رسد بڑھنے سے اسکی قیمت گر گئی ہے اور اس کی وجہ سے نہ صرف عام قیمتوں میں اضافہ ہو گیا ہے بلکہ ضروریات کی قیمتوں میں

بھی زیادتی ہوتی جارہی ہے، اجر و مزدور دونوں اپنی اپنی انجمنیں قائم کررہے ہیں، اور دونوں جماعتوں کا باہمی حسد و عناد روز افزوں ترقی پر ہے۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ معاشیات کی طرف روز بروز زیادہ توجہ کی جارہی ہے جس کی وجہ سے اس کا حلقۂ اثر وسیع ہوتا جارہا ہے۔ جو ضروری اور حل طلب مسائل ہمارے سامنے مسلسل پیش ہوتے رہتے ہیں ان سے نہ صرف علمائے معاشیات کی مستعدی اور کوششوں میں اضافہ اور ترقی ہوتی اور انکی تعداد نئی بھرتیوں کے باعث گوناگوں بڑھتی جارہی ہے بلکہ یہ لوگ کشادہ دلی اور خندہ پیشانی کے ساتھ کسی مشورے یا تجویز کو بھی سننے کے لئے تیار ہیں اور استدلال و تحقیقات کے ان تمام طریقوں کو اختیار کرتے ہیں جن کے استعمال سے کامیابی کی توقع ہو۔

مذکورۂ بالا متعدد محرکات کی بنا پر جو علمی جد و جہد رونما ہوئی ہے اُسکے نتائج کو شرح و بسط کے ساتھ پیش کرنا ایسا بڑا اور وسیع کام ہے جو ہماری تصنیف کی وسعت سے باہر ہے۔ ہم صرف حال کی اُن ترقیوں کے بعض خصوصیات کا خاکہ پیش کرنے کی کوشش کریں گے جو دنیا کے بڑے بڑے ممالک خاص کر جرمنی، فرانس، انگلستان اور ریاستہائے متحدہ میں رونما ہوئی ہیں۔

جرمنی

جرمنی میں تاریخی مسلک کا اثر اب بھی بڑی حد تک باقی ہے اور جو مضامین و تصانیف تاریخی و عددی نوعیت کی ہر سال یہاں شائع ہوتی رہتی ہیں ان کی تعداد بھی خاصی ہے۔ اس قسم کی اکثر تحریریں مفصلۂ ذیل رسائل اور اخباروں میں شائع ہوئیں:۔

(۱) کانراڈ کا رسالہ:۔ Jahrbucher fur National okonomie

und statistik.

(۲) شمولر کا رسالہ :- Jahrbuch fur Gesetzgebung, Verwaltung und Volkswirthschaft im Deutschen Reich.

(۳) شانفلے کا رسالہ :- Zeitschrift fur die gesamti staatswissenschaft'

(۴) برآن کا رسالہ :- Archiv fur soziale Gesetzgebung und statistik.

(۵) شانز کا رسالہ :- Finanzarchiv

(۶) ہرتھ کا رسالہ :- Annalen des norddeutschen Bundes und des deutschen Zollvereins (later. Annalen des Deutschen Reichs fur Gesetzgebung, verwaltung und Volkswirthschaft)

ان کے علاوہ انجمن معاشری سیاسیات[1] اور دوسری انجمنوں، اعداد و شمار کے محکمہ جات، اور ریاستوں کے شعبہ جات کے مطبوعات میں بھی اسی قسم کے مضامین شائع ہوئے۔ جامعات کے تالیفات میں ابرلن کے پروفیسر شمولر کا بڑا حصہ ہے۔ اس نے دوسرے تصانیف کے منجملہ کئی قابل قدر کتابوں کا سلسلہ بعنوان staats und Sozial Wissenschaftliche Forschungen شائع کیا۔ اس سلسلے میں ان متعدد اعداد و شمار سے متعلق رسائل وخاص اخبارات کا تذکرہ بھی ضروری ہے جن میں تجارت خارجہ، سیاسیات، نوآبادیات، بیمہ، محنت کے سوالات وغیرہ پر مضامین لکھے جاتے تھے۔

ان ہی تحریروں نے یورپ کی معاشی تاریخ کی بنیاد ڈالی اور اور ان ہی پر عمارت کا کچھ حصہ بھی قائم کیا گیا۔ نیز ان سے موجود الوقت

[1] Der Verein fur Sozialpolitik

معاشی اداروں کے ضوابط و رواج اور ان کی نوعیت تنظیم کے متعلق بیش بہا معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ان تحریروں کے مصنفین کی تعداد خاصی بڑی ہے جن میں سے پروفیسر شمولر کے علاوہ سب سے مشہور یہ ہیں:۔ نوجو برنٹانو، اے۔ واگنر جے، جے ہیلفریک، جی۔ وی شانبرگ، کے بیوشر، یم۔ اسٹیڈ۔ نی گیرنگ، جی۔ یف۔ کنیب، یم۔ ویبر، جی شانتز، اے۔ ہیلڈ، یم۔ زیرنک، جی کوہن، ڈبلیو لیک سس، ای، ناسی، او۔ ارنٹ، جے۔ ای لیش، او، اے، سونٹ بیر۔ جرمنی اور انگلستان کی معاشی تاریخ اور آئین و رواجات پر ان محققین کی بہت زیادہ توجہ مبذول ہوئی اور دوسرے ممالک پر بشمول ریاست ہائے متحدہ امریکہ قدرے کم توجہ کی گئی۔ حسب ذیل تصانیف سے ان تحریروں کی وسعت و نوعیت کا پتہ چلے گا:۔

نمبر	نام تصنیف	نام مصنف	سنہ اشاعت	[illegible]
۱	Zur Gesechichte der dentschen Klemgewerbe in 19 Jahrhundert.	شمولر	سنہ ۱۸۷۰	
۲	Die Strassburger Tucher und Weberzunft.	"	سنہ ۱۸۷۹	
۳	Die that Sachen der Arbeitsteilung	"	سنہ ۱۸۷۹	
۴	Das Wesen der Arbeitsteilung und der Socialen Klassenbildung.	"	سنہ ۱۸۸۹	
۵	Die Geschicht liche Entwickelung der unter nehmung	"	سنہ ۱۸۹۰ تا سنہ ۱۸۹۳	
۶	Zur Social und Gewerbe politik der Gegenwart.	"	سنہ ۱۸۹۰	
۷	Ueber Einige Grundfragen der Social Poli-	"	سنہ ۱۸۹۸	

نمبر	نام تصنیف	نام مصنف	تاریخ تصنیف	کیفیت
	tik und der Volks wirth Schaftslehre.			
۸	Mumrisse und unter Suchungen Zur Verfassungs Verwaltungs und wirth Schaftsgeschichte.	شمولر	۱۸۹۸	
۹	Fivan Zuerhaltuisse der Stadt Basel in 14 und 15 Jahrhundert.	شانبرگ	۱۸۷۹	
۱۰	Die Autstande der unfrein Arbeiter 143 129 v christ.	بیوشر	۱۸۷۴	
۱۱	Die Bevolkerung von Frank furt a. m. in 14 and 15 Jahrhundert	"	۱۸۸۶	
۱۲	Die Eutstehung der Volks wirth Schaft Vortrage und Versuche.	"	۱۸۹۳	
۱۳	Zur Entstehung des deutschen Tunft weseus	اسٹیڈا	۱۸۷۴	
۱۴	Handel und Industrie cler Stadt Basel.	گیرنگ	۱۸۸۶	
۱۵	Die Bauernb Freiung und der Ursprung der Landarbeeiter in den alteren Theilen Preussens.	کینب	۱۸۸۷	
۱۶	Die Arbeitergilden der Gegenwart.	رنٹانو	۱۸۷۷	
۱۷	Das Arbeitsverhaltnis Gemassdeun heutigen Recht.	"	۱۸۷۷	
	Die Arbeiterversicherung Gemass der neutigen Wirtschaftsordnung.	"	۱۸۷۹	
۱۸	Agrarpolitik	"	۱۸۹۷	

نمبر	نام تصنیف	نام مصنف	سنہ تصنیف	کیفیت
۱۹	Die Englische Handels Politik Gegen ende des Mittelalters	شانتز	۱۸۸۱ء	
۲۰	Zwei Bucher Zur Social Geschichte Englands	ہلڈ	۱۸۸۱ء	
۲۱	Ueber Parlamentarische Untersuchungen in England.	کوہس	[illegible]	
۲۲	Das Englisch Arbeiterversicherungswesen	جیمس ہاشر	[illegible]	
۲۳	Die Englischen Landarbeiter in den letzen 100 Jahren und die Einhe Gungen	"	[illegible]	
۲۴	Die Franzosischen Ausfulir Pramien.	لیکس	[illegible]	
۲۵	Gewerkvereine und Unter Nehmerverbaude in Frankreich.	"	[illegible]	

تاریخی اور عددی مواد کی فراہمی اور موجودہ زمانہ ... کے آئین و رواجات کی تاریخ نویسی اور تحلیل و بیان کے ساتھ ساتھ چھوٹی چھوٹی کتابوں اور تصنیفوں کی تیاری بھی ہوتی رہی جن میں سب سے مشہور یہ ہیں:- واگنر کی تصنیف :- Lehr. und Handbuck
شانبرگ کی تصنیف:- Handbuck der Politischen Oekonomie
اور شمولر کی تصنیف:- Grundriss der Politischen Oekonomie
der Allgemeinen Volkswirthschaftslehre

واگنر کی کتاب کی پہلی جلد ۱۸۷۶ء میں شائع ہوئی جو راؤ کی تصنیف Lehrbuck پر نظر ثانی کی شکل میں تھی، اس کی دوسری اشاعت ۱۸۷۹ء میں خالص تصنیف کی شکل میں اور تیسری ۱۸۹۲ء ہوئی

اس نے پروفیسر ایڈون ناسے کی مدد سے ایک خاکہ مرتب کیا،
جس میں معاشیات پر ایک جامع کتاب تصنیف کرنے کا اعلان
کیا گیا تھا۔ لیکن یہ کام ابھی تک مکمل طور پر پورا نہیں ہوا ہے۔
۱۹۰۸ء میں جب پروفیسر ناسے کا انتقال ہوا تو خاکے میں ترمیم ہوگئی
اور کے بیوخر اور ریچ ڈیتزل، واگنر کے مددگار مقرر ہوئے۔ چند
سال بعد ڈیتزل نے علٰحدگی اختیار کی اور فرنکفورٹ کے پروفیسر
پوہل کا اسکی جگہ پر انتخاب عمل میں آیا۔ Grundlegung کی تیسری
اشاعت میں جو آخری خاکہ ترتیب دیا گیا تھا حسب ذیل حصوں پر مشتمل تھا۔
پہلا حصہ:۔ Grundlegung (دو جلدوں میں از واگنر)
دوسرا حصہ:۔ Theoretische Volkswirthschaftslehre (از ڈیتزل)
تیسرا حصہ:۔ Practische Volkswirth Schaftslehre (چار ذیلی حصوں میں)
(الف) Verkehrswesen und Verkehrs politik (از واگنر)
(ب) Agrarwesen und Agrarpolitik (از بیوشن برگر)
(ج) Fortswesen und Forst politik (از بیوخر و بیوشن برگر)
(د) Gewerbe und Handelswesen und Politik (از بیوخر)
چوتھا حصہ:۔ Finanzwissenschaft (چار جلدوں میں از واگنر)
پانچواں حصہ:۔ Litteraturgeschichte der Politischen Ockonomie

دوسرا حصہ جس کو پروفیسر ڈیتزل نے تیار کیا تیسرے حصے کا
مقدمہ اور پہلی کتاب تیسرے حصے کا پہلا تیسرا اور چوتھا جزو اور
پانچواں حصہ ابھی تک نامکمل ہے۔ دوسرا حصہ اور تیسرے
حصے کے پہلے جزو کے عوض میں دو جلدیں (۱۹۰۷ء تا ۱۹۰۹ء) میں
بعنوان Allgemeine und Theoretische Volkswirthschaftslehre
oder Sozial okonomik شائع ہوئیں۔ یہ واگنر کے لکچروں کا مجموعہ
ہے جو اس نے جامعۂ برلن میں ان ہی مضامین پر دئے تھے۔
Grundlegung میں واگنر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ انگلستانی

259

کا قدیم علم المعیشت جس کو اُس نے اور جرمنی کے دوسرے متعدد علماء نے (Smithianismus) نظام اسمتھیا Okonomische Individualismus und Liberalismus کا لقب دیا تھا نقادوں کی نکتہ چینی کی وجہ سے متاصل ہوگیا تھا جن میں سب سے زیادہ مہلک ضرب اشترائیین کی تھی اور یہ کہ اسی لئے علم المعیشت کے اساسی اصول کو کرر جانچنے اور بنیاد سے لیکر بالائی عمارت تک از سر نو تعمیر کرنے کی ضرورت ہے۔ اس مہم کو سر کرنے کی غرض سے ابتدائی کام Grundlegung میں انجام دیا گیا۔ اسنے قدیم علمائے معاشیات اور اشترائیین کے مقدمات اور طریقہ ہائے تحقیقات کی گہری تنقیدی جانچ کی اور موجودہ سوسائٹی کی بڑی بڑی خصوصیات مثلاً قانونی حقوق و تعلقات، قومی صنعتوں کی تنظیم، شخصی و اجتماعی معیشت کا باہمی تعلق، اور آزادی ملکیت پر اُن کے معاشی و معاشری پہلوؤں میں محققانہ نظر ڈالی۔ اسنے ان انتقادات و تحقیقات کی بنیاد پر وہ چیز قائم کی جس کو وہ حقیقی اجتماعی معیشت کہتا ہے اور تین مسائل پر خاص طور سے توجہ کرتا ہے۔ وہ مسائل یہ ہیں:۔

(ا) انسانی جذبات اور معاشی زندگی کی محرک قوتوں کی ترتیب میں نفسیاتی اور خالص معاشی و صنعتی قوتوں، اخلاقی و مذہبی اثرات اور عادت و رسم و رواج کے کیا باہمی تعلقات ہیں اور ان میں کس طرح تعامل ہوتا ہے۔

(ب) خالص معاشی نقطۂ نظر میں اور تاریخی و قانونی نقطۂ نظر میں نیز مطلق و خالص معاشی مسائل میں اور تغیر پذیر نوعیت کے تاریخی و قانونی مسائل میں کیا کیا فرق ہیں اور (ج) پیدائش دولت و تقسیم دولت کے مسائل کے مابین کیا اختلافات و تعلقات ہیں اور ان مسائل اور اُن کے صحیح حل کے طریقوں کا اُن مختلف معاشری حالات پر کس درجہ انحصار ہے جو قانونی تعلقات، ذاتی آزادی کے استعمال، شخصی و اجتماعی ملکیت کے باہمی تعلقات، اور قانونی معاہدہ وغیرہ

کے اختلافات کی بنا پر پیدا ہوتے ہیں۔
واگنر قدیم علمائے معاشیات اور اشتراکیین کے بین بین جو راستہ ہے اُس پر چلتا ہے۔ اُس کی دانست میں معاشیات میں ہر چیز کا دار و مدار فرد و جماعت کے باہمی تعلق پر ہے اور یہ کہ جو حقیقت اس تعلق کے بارے میں ہے وہ نہ تو اشتراکیت کیطرف لے جاتی ہے اور نہ انفرادیت کی طرف بلکہ دونوں کے بین بین۔ وہ یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ حقیقی علم اور معقول و سنجیدہ عمل سے اس قسم کی افراط و تفریط کی حفاظت ہو جائے گی۔ لیکن "ہمیں یہ بات ضرور تسلیم کرنی ہے کہ اشتراکی اصول ہی غالب اصول ہے اور اسی کو غالب ہونا چاہئے۔" (دیکھو اسکی کتاب (Grundlegung 3rd ed P. 23 تاریخی مسلک کا قدیم معاشیات کیطرف جو طرز خیال تھا وہ اسکو کبھی پسند نہ کرتا تھا۔ وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ قدیم معاشیات کے اغلاط، استعمال کردہ طریقوں کی بنا پر اس قدر نہیں ہیں جس قدر اُس کے مقدمات کی نامکمل نوعیت کی بنا پر۔ اس میں جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ نہیں ہے کہ طریقوں کو بدل دیا جائے بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ انہی طریقوں کا بہتر استعمال کیا جائے۔ وہ تاریخی طریق کے فائدے کو تسلیم کرتا تھا اور تاریخی مسلک کے کام سے ہمدردی رکھتا تھا لیکن اس بات کا معتقد نہ تھا کہ اصول کی تحقیقات کے لئے فراہمی مواد اور واقعات کے انتظار کی ضرورت ہے۔ تاریخی مسلک کے خلاف جو انقلاب اہل آسٹریا کی سرکردگی میں ہوا اُس سے وہ صرف اس حد تک ہمدردی رکھتا ہے کہ طریقہائے تحقیقات کے بارے میں اُن کے جو خیالات تھے اُن کا پرزور حامی ہے۔ لیکن اُس نے بھی تاریخی مسلک کے کام کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھا اور نہ اسکے ساتھ تعاون کرنے میں کوتاہی کی۔

۱۸۸۲ء میں جامعۂ ٹیوبنگن کے پروفیسر شونبرگ کے زیر ادارت

ایک کتاب[1] کا پہلا ایڈیشن جس کو خود شونبرگ اور پچیس[25] دوسرے علمائے معاشیات نے تصنیف کیا تھا شائع ہوا۔ دوسرا ایڈیشن بہت کچھ اضافے کے ساتھ ۱۸۸۵ء میں اور تیسرا ۱۸۹۰ء میں شائع ہوا۔ اس تصنیف کا مقصد یہ تھا کہ اس زمانے میں علم معاشیات نے جہاں تک ترقی کی تھی اس حد تک اس کے تمام شعبوں کی مکمل تشریح کی جائے۔ اس تصنیف کے مصنفوں اور مددگاروں کی تعداد بڑی ہونے کی وجہ سے یہ سہولت ہوئی کہ کتاب پہلی اشاعت میں دو ضخیم جلدوں میں طبع ہوئی اور اس کے بعد تین جلدیں شائع کی گئیں اور اسی لئے اسکو واگنر کی تصنیف پر جو آہستہ آہستہ اٹھارہ بیس سال میں جاکر شائع ہوئی اور ابھی تک مکمل نہیں ہوئی ہے، ترجیح حاصل ہے۔ بایں ہمہ واگنر کی تصنیف میں جو شرح و بسط اور وحدت بحث ہے اول الذکر اس سے عاری ہے اور واگنر کی تصنیف میں علم کی نوعیت و وسعت اور بنیادوں اور اصول کے متعلق جو خاص نقطۂ نظر اختیار کیا گیا ہے وہ اس کتاب میں اسی حد تک موجود نہیں ہے۔ یہ کوئی واحد تصنیف نہیں ہے بلکہ معاشیات کے تمام شعبوں سے متعلق ماہرین فن کے تحریر کردہ مختلف و منتخب مضامین کا مجموعہ ہے۔

یہ کتاب تین حصوں پر تقسیم ہے:۔ (۱) معاشیات قومی Volkswirthschaftslehre (۲) مالیات Finanzwissenschaft.
(۳) نظم و نسق حکومت Verwaltungslehre

علم معاشیات قومی کے دو جزو ہیں:۔

الف۔ عام :۔ جس کے تیرہ[13] باب حسب ذیل ہیں:۔

(۱) شونبرگ : National Economy (قومی معیشت)
(۲) فان شیل (Political Economy as a science (معاشیات بحیثیت علم کے)

---

[1] Handbuck der Politischen Oekonmie.

(۳) فان شیل: Socialism and communism: (اشتراکیت و اجتماعیت)
(۴) نیومن: Economic concepts: (معاشی تصورات)
(۵) کلین واٹر: Economic Production in general; (عام معاشی پیدائش)
(۶) نیومن: Formation of Prices: (قیمتوں کی ترتیب)
(۷) جولی: Weights and measures: (اوزان و پیمانے)
(۸) ناسے: Money and coinage: (سکہ و زر)
(۹) واگنر: Credit and Banks: (قرض اور بنک)
(۱۰) سیکس: Transportation and communication (باربرداری و ذرائع آمد و رفت)
(۱۱) میتھاف: Distribution: (تقسیم دولت)
(۱۲) لیکسس: Consumption (صرف دولت)
(۱۳) روملین: Doctrine of Population (مسئلۂ آبادی)

ب۔ خاص: جس کے چودہ باب حسب ذیل ہیں:۔
زراعت: تین بابوں میں۔ پہلا باب از فان ڈر گولٹز، دوسرا از میٹزن اور تیسرا از کا نراڈ۔
(۴) جنگلات از ہیلفریک (۵) شکار از لورے و جولی (۶) ماہی گیری از بیوشن برگ (۷) معدنیات از شنکل (۸) صنعت تین بابوں میں (۹) پہلے دو باب از شونبرگ اور (۱۰) آخری باب از کوہلر (۱۱) تجارت از لیکسس (۱۲) بیمہ از واگنر (۱۳) شخصی خدمات از شونبرگ (۱۴) آبادی از جیفکن۔

فن مالیات اس کے گیارہ باب ہیں:۔
(۱) جفکن: مالیات کی نوعیت و تاریخ اور مالی سوالات
The nature, Problem and History of Finance.
(۲) جفکن: سرکاری اخراجات State Expenses

شخصی کاروبار کی آمدنی۔ Income derived from self conducted enterprises

(۴) شل: فیس Fees

(۵) محاصل پانچ بابوں میں از ہلفریک (۶) واگنر (۷) لیہر (۸) ریکہ اور (۹) شل علی الترتیب۔

(۱۰) واگنر: تنظیم مالیات و قرضۂ عامہ Organization of Public Finance and Public Credit

(۱۱) فان ریٹ زین اشائن: مقامی مالیہ Local Finance

نظم و نسق سلطنت

اس کے سات باب ہیں:۔ Statistics

(۱) میئر: نظم و نسق کے مسائل کی نوعیت اور اس کے اساسی تصورات۔

(۲) روملین: اعداد و شمار

(۳) میئر: امور داخلہ کا نظم و نسق Organization of the Administration of the Interior

(۴) سیڈل: امن عامہ کا انتظام Security Police

(۵) جولی: صحت عامہ Public Health

(۶) لوننگ: امداد غربا Poor Relief

(۷) لوننگ: اخلاقی نگرانی Moral Police

(۸) جولی: تعلیم Education

تاریخی مسلک کا ایک ابتدائی اصول یہ تھا کہ عام تصانیف اس وقت تک ملتوی رکھنے چاہئیں جب تک کہ واقعات کی مفصل تحقیق و تعیین تعمیمات کے لئے بہت زیادہ وسیع بنیاد نہ قائم کردے، برخلاف اس اصول کے پروفیسر شمولر نے اصول معاشیات پر ایک کتاب تصنیف

کی[1] جس کی اشاعت سنہ ۱۹۰۰ء میں شروع ہوئی۔ مگر چونکہ مصنف تاریخی فرقے میں ممتاز و نمایاں حیثیت رکھتا تھا اس لئے اس کی یہ تصنیف خاص دلچسپی رکھتی ہے۔ وہ مقدمے میں لکھتا ہے کہ "مجھ کو مختلف واقعات نے اس کام کے سرانجام دینے پر آمادہ کیا جس میں سے ایک اس بات کی خواہش تھی کہ دفتر پارینہ کا کئی سال تک مطالعہ کرنے کے بعد علم المعیشت کے بڑے بڑے عام مسائل کی تہ کو پہنچوں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے ان معاملات میں صفائی حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ دفتر پارینہ کی تفصیلی تحقیقات سے بہترین نتائج حاصل ہوں فلسفیانہ اور نفسیاتی مطالعے کے لئے اس کا جبلی شوق، اس کی سابقہ تصنیف کی نوعیت، جو اس قسم کے کام کے لئے ایک وسیع بنیاد کا کام دیتی ہے اور خصوصاً یہ واقعہ کہ وہ چھبیس سال تک ان مباحث پر جامعۂ برلن کے طلبا کے سامنے تقریریں کرتا رہا، ان تمام امور نے اس کی اس تصنیف پر گہرا اثر ڈالا۔ یہ تصنیف غالباً اس کے تمام دوسری تصانیف سے بہتر طریقے پر اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ علم کی موجودہ حالت میں ایک جامع تصنیف کے بارے میں تاریخی مسلک کے سربرآوردہ ارکان کا کیا معیار ہے اور اس سے ان کا یہ خیال بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس قسم کی تصنیف کیسی ہونی چاہئے۔

یہ کتاب ایک مقدمہ اور چار حصوں پر مشتمل ہے۔ مقدمے میں علم کی نوعیت و تعریف، اس کی نفسیاتی و اخلاقی بنیادوں، اسکے طرق اور علم پر جو کتابیں لکھی گئی تھیں ان کی بحث ہے۔ کتاب کے پہلے حصے کا عنوان "زمین، آبادی اور فنون" ہے۔ دوسرے کا عنوان "قومی معیشت کی معاشرتی تنظیم" تیسرے کا "اشیاء کی گردش اور آمدنی کی تقسیم کا معاشرتی عمل" اور چوتھے کا "عام قومی معاشی زندگی کا نشو و نما" ہے۔

[1] Grundriss der Allgemeinen Volkswirthschaftslehre

مقدمے کے دوسرے حصے میں نو۹ باب ہیں جن کی نوعیت زیادہ تر عمرانی ہے اور ان مسائل پر بحث کی گئی ہے (۱) معاشری زندگی کے مقاصد و ذرائع (۲) انسانوں میں باہمی مفاہمت کو ترقی دینے کے نفسیاتی و طبعی ذرائع یعنی زبان اور تحریر (۳) روحانی احساس اور مجتمعہ قوتوں کا حلقۂ اثر (۴) انفرادی احساسات و ضروریات (۵) انسانی جذبات (۶) اکتسابی محرکات و معاشی محاسن (۷) اخلاق کی نوعیت اور معاشری زندگی، رسم و رواج اور عدل کے اخلاقی قوانین اور (۸) معاشی و اخلاقی زندگی کے مابین عام تعلقات۔

کتاب کے پہلے حصے کے چار بابوں میں ان مسائل سے علی الترتیب بحث کی گئی ہے:۔

(۱) فطرت خارجی پر قومی معیشت کا انحصار (۲) اقوام اور فرقے (۳) آبادی کے عناصر اور اُسکی نقل و حرکت (۴) فنون کے نشو و نما کی معاشی اہمیت۔

دوسرے حصے میں یہ مضامین ہیں:۔ انتظام امور خانہ داری، معاشری جماعتوں کی دیہاتی و شہری زندگی کا طرز اور انتظام مملکت اور دیگر سیاسی جماعتوں کی معیشت، معاشری و معاشی تقسیم عمل، ملکیت کی نوعیت اور اُسکی تقسیم کے خصوصیات متاثرہ، معاشری جماعتوں کی ترتیب، تجارتی اولوالعزمی اور کاروبار کی شکلوں کا نشو و نما۔

تیسرا حصہ نو ابواب پر مشتمل ہے جن کے مضامین علی الترتیب حسب ذیل ہیں:۔ مبادلۂ بازار و تجارت (۲) معاشی مقابلہ (۳) اوزان، پیمانے، سکہ اور زر (۴) قدر و قیمت (۵) بلک، اصل و قرضہ، لگان اور سود (۶) قرضے کا اہتمام اور حال کی ترقیات بشمول بینک کاری (۷) مزدوروں کے تعلقات، قوانین محنت، معاہدۂ محنت اور اُجرت (۸) اہم ترین جدید معاشری ادارے بشمول اُن انجمنوں کے جو خیرات، بیمۂ ملازمت، اتحاد مزدوراں اور عدالتی پنچ سے متعلق ہیں (۹)

آمدنی اور اُس کی تقسیم منافع، لگان، اجرت اور جائداد کی آمدنی کی ذیلی مدوں میں۔

264

چوتھے حصے میں یہ مضامین ہیں:۔ قومی معیشت کے انقلابات و آفات، فرقہ واری مناقشات، فرقہ واری تسلط اور اس کا انسداد بذریعہ حکومت، قانون اور اصلاح، حکومتوں کے باہمی معاشی تعلقات و مناقشات بشمول تجارتی حکمت عملی، نوع انسان اور منفرد اقوام کا معاشی اور عام نشو و نما بشمول اُن کی ابتداء، ترقی و زوال کے۔

پروفیسر شمولر نے ان مضامین و مسائل پر نہایت وسیع نظر ڈالی ہے اُسکے خصوصیات جامعیت، فصاحت، سلاست، خارجیت اور صفائی بیان ہیں۔ بجز خاص معاشیات کے شعبے کے جس پر قلم اُٹھانے کی اُسنے کوشش ہی نہ کی۔ اسنے اپنی عام بحث میں وہ تمام مضامین شریک کئے ہیں جنکا معاشیات کے موضوع سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور رہے اور ہر ایک مضمون پر اسطرح سے بحث کی ہے جس سے اس تعلق کا صحیح طور پر پتا چلتا ہے۔ اُس نے نہ صرف اس واقعے کی طرف توجہ منعطف کرائی کہ عمرانیات، قانون، نفسیات وغیرہ معاشیات سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اپنی بحث اور تشریح میں ان علوم کے بعض حصوں کو جن پر معاشیات کی بنیاد قائم ہے یا جو اُسکی نظر میں معاشیات کا جزو ہیں، شریک کیا ہے۔

تقریباً تمام مباحث میں اُسکی حیثیت کسی جانبدار یا کسی خاص نقطۂ نظر یا نظرئے کے وکیل کی نہیں بلکہ ایک شارح و مورخ کی ہے وہ بحث طلب سوالات میں اُن صورتوں میں بھی انصاف سے کام لیتا ہے جبکہ وہ بحث مباحثے میں بذاتِ خود شریک رہتا ہے۔ وہ نہ صرف منجر اور دوسرے آسٹروی مصنفین کی قابلیت کو تسلیم کرتا ہے بلکہ اُن کے خیالات کو حقیقتاً اختیار کرتا ہے۔ اُس کے نتائج اور فیصلے بالعموم قدامت پسندانہ ہیں اور استقلال و قطعیت سے معرا ہیں۔ اور آنسے اُسکا یہ خیال صاف طور سے معلوم ہوتا ہے کہ علم حالت تغیر میں ہے اور

اس شخص کے لئے جو حقیقت کو پہنچنا چاہتا ہو کشادہ دلی اور بے تعصبی لازمی چیز ہے۔ مباحث کی ترتیب و تنظیم منطقیانہ ہے اور پوری بحث کی خصوصیت وضاحت و صفائی ہے!

بحیثیت اس کے کہ اس کتاب میں معاشیات کو عمرانیات کا ایک شعبہ قرار دیا گیا ہے اور تاریخی نقطہ نظر سے معاشیات کے نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے یہ کتاب ایک نایاب تقلید نمونہ ہے۔ شمولر اس امر سے غافل نہیں ہے کہ انسان مدنی الطبع مخلوق ہے اور جب وہ ہم نوع سے ملتا جلتا اور ان میں رہتا سہتا ہے تو اس کے احساسات، خیالات اور اقوال و اعمال بھی متاثر ہوتے ہیں۔ وہ معاشری آئین و رواج کی نوعیت اور اس کے ارتقائی عمل کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کرتا اور اس رسم و رواج کے اثر کو ہمیشہ پیش پیش رکھتا ہے۔ اسی طرح یہ امر کہ موجودہ زمانے کی قومی معاشیات ایک طویل عمل ارتقا کا نتیجہ ہے جو اب بھی جاری ہے مساوی طور سے نمایاں کیا گیا ہے لیکن متواتر بیانات یا تاریخی حوالوں کے ذریعے سے ایسا نہیں کیا گیا ہے بلکہ ہر مضمون کی بحث کے طرز سے اور اخذ کردہ نتائج کی نوعیت سے یہ امر مترشح ہوتا ہے۔

اس تصنیف کی اشاعت نے تاریخی مسلک اور معاشئین کے دوسرے گروہوں کے درمیان کسی بحث مباحثے کی گنجائش ہی باقی نہ رکھی۔ البتہ صرف انتہاپسند فرقہ علم کے اساسی مسائل کے بارے میں پروفیسر شمولر کے طرز خیال کو یا ان کی بحث میں اس کے استعمال کردہ طرق کو غلط بتاتا ہے۔ اسمیں اور دوسرے مشہور علمائے معاشیات میں جو اختلافات ہیں وہ اب بظاہر بڑی حد تک کم معلوم ہوتے ہیں اور جن باتوں میں موافقت ہے وہ بہت زیادہ اہم ہیں۔

چھوٹی چھوٹی کتابوں اور تصانیف کی فہرست میں گستاو کوہن کی کتاب[1]

---

[1] System der National ökonomie

265

بھی شریک کرنی چاہیئے۔ اس کتاب کی پہلی جلد بعنوان Gundlegung der National okonomie ۱۸۵۴ء میں شائع ہوئی اور دوسری بعنوان مالیات Finazwisnenschaft ۱۸۸۹ء میں شائع ہوئی۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں موخرالذکر کا انگریزی ترجمہ ۱۸۹۵ء میں شائع ہوا۔

جرمنی کے معاشئین جامعات کی پروفیسری کی جائداد وں پر متقرر ہونے کی وجہ سے اُن کا اثر بہت بڑھ گیا ہے۔ یہ جامعات ایسی درسگاہیں ہیں جن میں دُنیا کے تمام حصوں سے طالب علم آکر تعلیم پاتے ہیں اور جس میں سلطنت کے بااثر اور سربرآوردہ حیثیت رکھنے والے اشخاص بھی تربیت حاصل کرتے ہیں۔ واگنر، شمولر، کوہن، برنٹانو اور دوسرے متعدد مستفین بڑے پائے کے محققین اور اہل قلم ہی نہیں ہیں بلکہ فاضل اساتذہ بھی ہیں۔

برنٹانو کا اساسی تصور انفرادی ہے۔ وہ معاشری اصلاح کا صدق دل سے موید ہے لیکن وہ ایسی اصلاح کی، ذہین اور ہوشیار افراد کی جد وجہد سے توقع رکھتا ہے نہ کہ حکومت کے جبر وتعدی سے۔ چونکہ ازمنۂ سابقہ میں بعض خودغرض افراد نے حکومت کا بُرا استعمال کیا اور جمہور کے مقاصد کو ترقی دینے کا جھوٹا دعوی کرکے اپنی قوت وقدرت سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور صرف ذاتی مفاد کو پیش نظر رکھا اس لئے برنٹانو کی رائے ہے کہ براہ راست حکومت کا وضع آئین وقوانین کرنا مضرت رساں ہے۔ یہی سب سے بڑی وجہ تھی جس کی بنا پر وہ بیمہ کے سرکاری انتظام پر یہ کہ سوالات حل کرنے میں انجمن اتحاد مزدوساں کی نیم خانگی جد وجہد کو ترجیح دیتا اور اسی سبب سے تجارت آزاد کا وکیل ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ باقاعدہ طور سے محصول تامین حائد کرنے کی پالیسی سے جو عظیم تغیرات ظہور پذیر ہوسکتے ہیں اُن کو وہ تسلیم کرتا ہے۔ لیکن

یہ بھی بخوبی جانتا ہے کہ اصول تامین کی ضرورت قومی مقاصد کی بنا پر نہیں بلکہ فرقہ واری اغراض کی بنا پر ہوتی ہے اور وہ یہ خوف ظاہر کرتا ہے کہ محصول تامین کی وجہ سے حقوق یافتہ اور ذی اقتدار جماعتیں پیدا ہو جائیں گی۔

برنٹانو کا سب سے کامیاب کارنامہ اس کے تصانیف نہیں ہیں بلکہ اُس کی تقریریں اور رسائل میں اُس کے مضامین ہیں۔ وہ کئی سال تک جرمنی کا سب سے ممتاز مقرر رہا اور دُنیا کے تمام حصوں کے بے شمار طلبہ کو اُس نے تعلیم دی۔ ان میں کے اکثر طلبہ اُس کے شاگرد رشید ہیں، تصنیف و تالیف کے کام میں اُس کا ہاتھ بٹاتے اور اُس کے خیالات کی دُنیا بھر میں اشاعت کرتے ہیں۔

اُس کے خاص خاص تصانیف و تالیفات کی فہرست حسب ذیل ہے:۔

(1) Die Arbeitergilden der gegenwart 1871-1872 (2) Uber die Verhaltnisse von Arbeitslohn und Arbeitszeit Zur Arbeitsleistung, 1893.

(3) Die Arbeiterversicherung gemass der heutigen wirthschafts ordnung 1879. (4) Der Arbeiterversi cherungs zwang 1881.

(5) Die Gewerbliche Arbeiterfrage 882.(6) Die christlichn soziale Bewegung in England, 1883. (7) Die classische National Okonomie 1888. (8) Uber die Ursachen der heutigen Sozialen not 1889. (9) Die Stellung der Gebil deten Zur Socialen Frage, 1890(10) Arbeitseinstellungen und Fortbildung des Arbeits vertrags 1890. (11) Agrar Politik 1897.

(12) Die Grundlage der deutschen Weber Kraft 1897.

(13) Gesammelte Aufsatze 1899.

(14) Der Schutz der Arbeitswilligen 1899 & 1912.

(15) Reaktim Oder Reform ? 1899.

(16) Der Freihandelsargument, 1900.

(17) Die Schrecken des Uberwiegenden Industriestaats, 1901.

(18) Ethik und Volkswirthschaft in der Geschichte, 1901.

(19) Die Wirthschaftlichen Lehren des christlichen Altertums, 1902.

(20) Die Getreidezolle als mittel gegen die not der Landwirte, 1903

(21) Wohnungs-Zustande und Wohnungs-Reform in munchen 1904.

(22) Die Eutwickelung der Wirthlehre 1908.

(23) Versuch- einer Theorie der Bedurfnisse 1908.

(24) Die Malthussche Lehre und Die Bevolkerungsbewegungen der letzen Dezenien 1909.

(25) Die deutschen Getreidezolle. 1911.

(26) Uber Syndikalismus und Lohnminimum 1913

برطانیہ

برطانیہ میں گزشتہ صدی کے ربع حصّے کے دوران میں معاشیات کی جو نشو و ترقی ہوئی وہ تاریخی مسلک و آشروی مسلک دونوں سے

متاثر ہوئی ۔ مگر ان دونوں میں سے کسی نے بھی اس پر غلبہ و تسلط نہیں پایا۔ چند مصنفین، جن میں سے وکسٹیڈ اور اسمارٹ قابل ذکر ہیں، موخر الذکر مسلک کے تحت شمار کئے جاسکتے ہیں اور بعض مصنفین مثلاً ایشلے اور کننگھم اول الذکر مسلک کے تحت، لیکن کثیر تعداد کسی گروہ میں تقسیم نہیں ہوسکتی اور قدیم معاشئین کا اثر بڑی حد تک مسلط ہے۔

اسمارٹ نے، جس کا تعلق جامعۂ گلاسگو سے ہے، بیوہم باورک کی تحریرات کو اپنے ترجموں کے ذریعے سے انگریزی داں عوام سے روشناس کرایا۔ اس طرح سے بیوہم باورک کی دو کتابوں[۱][۲] کے ترجمے علی الترتیب سنہ ۱۸۹۰ء اور سنہ ۱۸۹۱ء میں شائع ہوئے۔ اسمارٹ نے سنہ ۱۸۹۱ء میں آسٹروی نظریۂ قیمت کی تشریح بھی ایک چھوٹی سی کتاب کی شکل میں جس کا عنوان مقدمۂ نظریۂ قدر[۳] تھا شائع کی۔ سنہ ۱۸۹۵ء میں اس کی ایک کتاب[۴] مباحث معاشیات شائع ہوئی اور تقسیم آمدنی[۵] سنہ ۱۸۹۹ء میں شائع ہوئی۔ اس کی کتاب مباحث معاشیات اجرت، سکہ اور صرف وغیرہ مضامین کا مجموعہ ہے جس کا اکثر حصہ پہلے رسائل و اخبارات میں چھپ چکا تھا۔ اس کے بعد والی کتاب میں قومی آمدنی کی اشیا اور زر دونوں کے نقطۂ نظر سے صاف اور صحیح طور پر تشریح کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور آمدنی کی تقسیم کے طریقوں کو واضح کیا گیا ہے۔ اس کی بحث موجودہ عمل تقسیم کی خوبیوں پر روشنی

۱؎ Geschichte und Kritik der Kapitalzius

۲؎ Positive Theorie des Kapitals

۳؎ An Introduction to the Theory of Value

۴؎ Studies in Economics

۵؎ Distribution of Income.

ڈالتی ہے اور اس نتیجے پر پہنچاتی ہے کہ آجکل دولت کی تقسیم اس قدر خراب نہیں ہے جیسی کہ بالعموم خیال کی جاتی تھی۔ اُس نے اپنی کتاب مباحث" کے مقدمہ میں بالفاظ ذیل آسٹروی مسلک سے اپنے تعلق کا اعلان کیا:۔

"میں نے آسٹروی مسلک کے کام کو انگریز ناظرین سے روشناس کرانے کی حال میں جو خوشگوار کوشش کی اُس نے میرے پہلے خیالات کو مٹا دیا اور اس اساسی اُصول کا قائل بنادیا کہ نظریۂ قدر علم المعیشت کی بناء اور ابتداء ہے اور اس نظریے کی روشنی میں مجھے اپنے تمام نتائج پر نظر ثانی کرنے پر مجبور کردیا"

پروفیسر اسمارٹ کی دوسری کتابیں یہ ہیں: "محصول اراضی اور محصول منفرد[1] 1900 " "تامین"[2]۔ "انیسویں صدی کے معاشی حالات[3]"

وک اسٹیڈ نے بھی جیونس اور آسٹریا والوں کے اصول کی انگلستان میں بہت کچھ اشاعت کی۔ اُس نے ۱۸۸۸ء میں اپنی کتاب The Alphabet of Econonlic Science کی اشاعت شروع کی جس میں اُن اشخاص کے اُصول کی نہایت واضح تشریح کی اور سنہ ۱۹۱۰ء میں اُن اشخاص کے اُصول کی پہلے سے زیادہ قابل لحاظ تشریح بعنوان The common sense of Political economy includinga study of thehuman basis of Economic Law شائع کی۔ وہ اس کتاب کو اس بحث کے ساتھ شروع کرتا ہے جسکو وہ "نفسیات انتخاب" کہتا ہے اور اس مضمون کی تائید کرتا ہے کہ اختتامی افادے کا اُصول صرف صنعتی و تجارتی معاملات کے بارے میں ہی استعمال نہیں ہوسکتا

[1] Taxation of Land Values and the single Tax

[2] Protection

[3] Economic Annals of the 19th Century

268

بلکہ ہمارے تمام ذرائع کے انتظام و اہتمام میں وہ ایک عام اور پُرزور قوت رکھتا ہے۔" وہ اپنی پہلی کتاب کے بقیہ حصے میں انہی اصول کا تجارتی و صنعتی زندگی پر اطلاق کرتا ہے اور یہ آٹھ بابوں میں منقسم ہے :-

(۱) اختتامی افادہ (۲) تقلیل نفسیاتی ماحصل (۳) معاشی نظم و نسق اور اس کی مشکلات (۴) زر و مبادلہ (۵) تجارت اور معاشی تعلق (۶) بازار عام (۷) بازار: سود، آلات اور زمین کی بحث (۸) آمدنی اور تقسیم۔

پہلی کتاب میں اس طریقے پر تشریح کی گئی ہے جس سے ناواقفین معاشیات کے نہ جاننے والوں کی بھی تفہیم ہوسکے۔ اس کے برعکس دوسری کتاب میں ان ہی میں سے اکثر مضامین پر بہت زیادہ اصطلاحی طریقے پر نقشوں اور منحنیات کے ذریعے سے بحث کی گئی ہے اور بعض قدیم نظریات مثلاً تکثیر و تقلیل حاصل، زر اور قیمتوں کا تعلق، بین الاقوامی تجارت اور بنک کے بعض مسائل پر تنقیدی بحث کی گئی ہے۔

تیسری کتاب میں وِک اسٹیڈ نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ پہلی دو کتابوں میں "جو اصول پیش کئے گئے ہیں اُن سے سیاسی و معاشری اصلاح کے طلبہ کو ایک قسم کا آلۂ پیش بینی دستیاب ہوتا ہے جس کی بناء پر وہ روزمرہ کی زندگی کے واقعات اور مختلف تحریکات اور مشوروں کی جو معاشی بہبود و اصلاح کے لئے پیش کیے جاتے ہیں تحلیل کرسکتے ہیں۔" اس کتاب میں وہ حسب ذیل مضامین کی تحلیل نمونتاً پیش کرتا ہے :-

"قمار بازی"، "مسئلۂ مکانات"، بے روزگاری، کساد بازاری و آفات، غرباء کی امداد کی کوششوں یا اخراجات میں تغیرات کے فوری و دیرپا نتائج و اثرات، قومی آمدنی کی تعریف، اور در صورت دولت کی

مساوی تقسیم ہونے کے ہر فرد کا اشیاء اور خدمات پر مساوی قابو" "محاصل کی عام نوعیت" "غیر پیدا آور اخراجات کے لئے قرض کا لینا" "آلات پیدائش کو عام طور پر یا زمین کو خاص طور پر قومی بنانے کی تجاویز" "مسئلہ اتحاد مزدوراں"

ایف-جی-ایجورتھ بھی" "جو جامعہ آکسفورڈ میں تھورولڈ روجرس کا جانشین تھا اور جو اپنے تصانیف (1) Mathematical Psychics 1885
2. On the Application of Mathematics to Political Economy 1889 کی وجہ سے ریاضی داں معاشی کی حیثیت سے مشہور و معروف ہے آسٹروی مسلک کا پیرو خیال کیا جاتا ہے۔

ایک صدی کے ربع حصے کے دوران میں انگلستان کے علمائے معاشیات نے بھی معاشی تاریخ میں قابل لحاظ اور معقول اضافہ کیا۔ پروفیسر ڈبلیو-جے-ایشلے (برنگھم کا باشندہ) اور ڈبلیو کننگھم، (جامعہ کیمبرج کا پروفیسر) جن کے متعلق بیان ہو چکا ہے کہ یہ تاریخی مسلک کے پیرو ہیں، معاشی تاریخ کے میدان میں سربرآوردہ حیثیت رکھتے ہیں - اول الذکر کی کتاب An introduction to English Economic History and Theory. میں جو دو حصوں میں تقسیم ہے (پہلا حصہ The middle ages 1892 اور دوسرا The end of middle ages 1898) حسب ذیل مضامین پر نظر غائر ڈالی گئی ہے اور اس سے ناظرین کے معلومات میں یک گونہ اضافہ ہوتا ہے:۔ گاؤں اور دیہات کے باشندے، تاجروں اور اہل حرفہ کے جتھے، معاشی نظریات و آئین و قوانین، (من ابتداءے گیارھویں صدی لغایت چودھویں صدی) شہروں کی افضلیت، دستکار، اون کی صنعت، جاگیری انقلاب، امداد غربا، گرجا کے قوانین - پروفیسر ایشلے کے دوسری تصنیفات یہ ہیں:۔
(1) The early History of the English woollen Industry 1887

(2) Edward III and his wars 1327—1360 (1887)

(3) The English manors, 1891.

(4) Surveys, Economic and Historic 1900.

(5) Fendalism, 1901. 6.

(6) The Adjustment of wages

(7) A study in the Coal and Iron Industries of Great Britain and America 1903

(8) The Tariff Problem 1911, (H. Ed.)

(9) The Progress of the German Working Classes in the last quarter of a century, 1004.

(10) The Rise in Prices, 1912

(11) Gold & Prices, 1912

پروفیسر کننگھم کی خاص تصنیف Growth of English History & Commerce. ہے جس کی اشاعت ۱۸۸۲ء میں شروع ہوئی۔ قرون اولیٰ و وسطیٰ سے متعلق پہلی جلد کا دوسرا اور بہت زیادہ بڑا ایڈیشن ۱۸۹۰ء میں شائع ہوا۔ دوسری جلد زمانۂ جدید سے متعلق ۱۸۹۲ء میں شائع ہوئی۔ پروفیسر کننگھم کی تصنیف کا خاکہ اور مقصد حسب ذیل عبارت سے ظاہر ہوتا ہے جو پہلی جلد کے پہلے ایڈیشن کے مقدمہ سے ماخوذ ہے: "میں نے انگلستان کی صنعت و تجارت کی ترقی کا حال اس طرح سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس کو ملک کی تاریخ سے ناواقف ناظرین بھی بہ آسانی پڑھ سکیں اور معاشیات کا علم نہ رکھنے والے بھی بخوبی سمجھ سکیں۔ طلبہ کو حواشی میں بھی بہت کچھ اہم مواد ملے گا۔ کیونکہ ان میں نہ صرف مصنفوں کا پورا حوالہ موجود ہے بلکہ متنازعہ فیہ مسائل کی بحث اور دوسرے اقوام کے تجربے کے لحاظ سے دلچسپ

تمثیلات کے اشارے اور حوالے بھی موجود ہیں۔ اگر ان معاملات کا سرسری حوالہ نہ دیا جاتا بلکہ تفصیلی بحث کی جاتی تو جو تسلسل انگلستان کی قومی زندگی کے اوائل حالات اور سب سے آخر حالات میں موجود ہے اس سے اور جو انحصار باہمی اور لگاؤ انگلستان کی تاریخ و معاشیات میں ہے اُس سے توجہ منحرف ہو جاتی۔

پروفیسر کننگھم کے دوسرے تصانیف یہ ہیں:—

(1) The Path towards knowledge, 1891.

(2) The use & abuse of money, 1891.

(3) Modern Civihzation in some of its Economic Aspects, 1896.

4. Essay on Western Civilization in its Economic Aspects 1901.

(5) The Rise & decline of Free Trade, 1904.

271 دوسرے انگریز علماء نے معاشی تاریخ میں جو قابل لحاظ اضافے کئے اور جو عہد زیر بحث کے دوران میں طبع ہوئے حسب ذیل ہیں:—

(۱) فرڈرک سیباہم:۔ The English Village Community Examined in its Relations to the Manorial & Tribal systems and to the Common or open Field system of Husbandy 1883

(۲) رسل۔ یم۔ گارنیر:۔ Amuals of the British Plasantry, 1895.

(۳) فرڈرک۔ ولیم میٹ لینڈ:۔ Doomsday Book & Beyond, 1897.

(۴) آر۔ ای پرد تھیرو:۔ The Pioneers & Progress of English Farming, 1888.

(۵) آر۔ وہیٹلی کاک ٹیلر:-

1. Introduction to a History of the Factory system 1886
2. The Modern Factory system, 1891.
3. The Factory system & the Factory Acts; 1894

(۶) سڈنی اور بیٹرس ویب:-

1. The History of Trade Unionisom 1894.
2. The Industrial Democracy, 1897.

(۷) جان۔ اے۔ ہابسن:-

1. The Evolution of Modern Capitalism, 1894
2. The Crisis of Libralism:new issues of Democracy, 1909,

(۸) جی۔ انون:-

Industrial organisation in the 16th & 17th Centuries, 1904

اسی سلسلے میں "اکنامک ریویو" اور "اکنامک جورنل" بھی قابل ذکر ہیں۔ یہ دونوں ۱۸۹۱ء سے شائع ہونے شروع ہوئے۔ پہلا رسالہ جامعۂ آکسفورڈ کی مسیحی انجمن اتحاد[1] کی طرف سے شائع ہوتا رہا اور موخرالذکر برٹش اکنامک ایسوسیشن کا آرگن تھا۔ ان دونوں رسالوں میں معاشیات کے تمام شعبوں اور خصوصاً معاشی تاریخ کے متعلق اہم مضامین شائع ہوتے رہے۔

مارشل — اگر انگلستان میں معاشیات کی نشو و ترقی کو ایک دریا کے مماثل قرار دیا جائے تو گزشتہ ربع صدی کے دوران میں اس کی اصلی رو کا منبع اس قسم کے اشخاص جیسے الفرڈ مارشل، جے۔ شیلڈ نکلسن، جیمس بونر اور ایڈورڈ کینن کی تحریروں کو قرار دینا ضروری ہے۔ رہے وہ اشخاص جن کا ذکر

[1] Christian Social Union

اوپر آچکا ہے تو اُن کو اُس دریا کی شاخیں قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ وہی دریا ہے جس کے پہلے راستے کا نقش اسمتھ کی " دولت اقوام " اور ریکارڈو اور مل کے " اُصول " کی تصانیف ڈال چکی ہیں۔ پروفیسر مارشل اپنی کتاب " اُصول معاشیات " کی پہلی اشاعت کے مقدّمے میں قدیم مسلک کے کام میں اور خود اپنے زمانۂ جدید کے کام میں جو تعلق ہے اُس کو یوں بیان کرتا ہے :۔ " بادی النظر میں موجودہ نسل کا بہترین کام قدیم مصنفین کے بہترین کام کے متضاد نظر آتا ہے۔ لیکن چھوٹے چھوٹے اختلافات کو نظر انداز کیا جائے اور نظر غائر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جدید کام، پہلے سے جو نشو و نما ہو رہی ہے اُسی کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ جدید اُصول نے قدیم اُصول میں اضافہ کیا ہے، اُن کو وسعت دی، اور نشو و نما دیا ہے اور بعض اوقات ان میں ترمیم بھی کی ہے اور بعض معاملات میں جداگانہ طریقے سے خاص زور دیکر نت نئی شکلیں بھی پیدا کی ہیں۔ لیکن جدید اُصول نے قدیم اُصول کی جگہ نہیں لے لی اور نہ اُن کو بالکل پلٹ دیا " ڈاکٹر مارشل اپنی کتاب کا مقصد یوں بیان کرتا ہے :۔ " یہ کتاب اس امر کی کوشش ہے کہ ہمارے زمانے کے موجودہ کام کی مدد سے اور نئے مسائل و سوالات کے حوالے سے قدیم اُصول کو جدید شکل و ہیئت میں پیش کیا جائے "

پروفیسر مارشل نے قدیم معاشیات کو اپنے زمانے کے جدید حالات کے ہم آہنگ بنانے کی جو کوشش کی اُس کے اوّلین نتائج ۱۸۷۹ء میں ایک چھوٹی کتاب The Economics of Industry کی شکل میں دنیا کے سامنے پیش ہوئے۔ اس کتاب کی تیاری میں مسز مارشل کی مدد بھی شامل تھی اور یہ کتاب جامعۂ کیمبرج کے توسیعی مقرروں[1] کی

[1] Extension Lecturers

فرائض پر لکھی گئی۔ اس میں قدر و قیمت، اجرت، اور منافع کے مسائل پر بحث کی گئی ہے اور مصنف کا قصد تھا کہ بنک، تجارت خارجہ، اور محصول پر دوسری جلد میں بحث کرے۔ سنہ ۱۸۹۹ء میں ایک جدید اشاعت بعنوان Elements of Ecan mics of Industry Vol. I طبع ہوئی۔ سنہ ۱۸۹۰ء میں بڑی تصنیف (Principles of Ecanomics) کی پہلی جلد پہلی مرتبہ شائع ہوئی اور ۱۸۹۱ء اور سنہ ۱۸۹۸ء میں اسی کی مزید اشاعتیں ہوئیں۔ مگر اس جلد کے بعد کی جو جلدیں طبع ہونے والی تھیں وہ اب تک شائع نہیں ہوئی ہیں۔

پروفیسر مارشل کے اکثر عجیب و غریب اور نمایاں خصوصیات کی کنجی وہ چیز ہے جس کو وہ "اصول تسلسل" کہتا ہے یعنی ایک واحد اصول یا قانون کا (جو بالعموم قدیم معاشئین کا پیش کردہ ہے) واقعات کی ایسی مختلف قسموں پر اطلاق جو بادی النظر میں ایک دوسرے سے بے تعلق اور مختلف قوانین کے تحت معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً وہ ثابت کرتا ہے کہ اخلاقی قوی تمام قسم کے آدمیوں پر شمول "معاشی انسان" کے اثر ڈالتے ہیں۔ اور اسی طریقے سے "معمولی قیمت کے نظریے کا اطلاق غیر کاروباری جماعتوں کے عمل پر کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ اس نظریے کا اطلاق غیر کاروباری جماعت کے عمل پر اس تفصیل اور تحقیق کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا جس طرح کہ تاجر یا ساہوکار کے عمل پر کیا جاسکتا ہے اور جسطرح اس عمل میں جو معمولی ہے اور اس عمل میں جسکو غیر معمولی ہونیکی وجہ سے نظرانداز کرنا پڑتا ہے کوئی موٹا فرق نہیں ہوتا۔ اسیطرح معمولی قیمتوں اور مروجہ بازاری یا عارضی قیمتوں میں بھی کوئی فرق نہیں ہوتا۔

اس اصول سے اس کتاب کے خاکے کی اور خاص مضامین میں اس کے طریق بحث کی تشریح ہوتی ہے۔ کتاب اول میں ابتدائی تبصرہ ہے جس میں وہ آزاد صنعت و کاروبار کے فروغ، علم المعیشت کی ترقی، معاشیات کی وسعت، معاشی قوانین کی نوعیت

اور طرق ہائے استدلال پر بحث کرتا ہے۔ کتاب دوم میں اساسی تصورات، دولت، پیدائش، صرف، محنت، ضروریات، اصل و آمدنی کی بحث ہے۔ اس کے مباحث کی تنظیم و ترتیب قانونِ طلب و رسد کے مطابق کی گئی ہے۔ کتاب سوم کا عنوان طلب و صرف ہے۔ کتاب چہارم کا رسد و پیدائش۔ کتاب پنجم کا نظریۂ توازن طلب و رسد۔ کتاب ششم کی سرخی قدر و قیمت یا دولت و مبادلہ ہے۔ ذیلی مباحث میں قانون طلب و رسد کا عنصر غالب ہے۔ اکثر بابوں میں محنت کی رسد و طلب، زمین کی رسد و طلب اور اصل کی رسد و طلب وغیرہ پر بحث کی گئی ہے۔

پروفیسر مارشل نے اپنا اساسی خیال اپنی تصنیف Economics of Industry. کی پہلی اشاعت کے مقدمے میں نہایت خوبی کے ساتھ یوں ظاہر کیا ہے:۔ "نظریۂ قیمت نظریۂ اجرت، اور نظریۂ منافع کے تمام مختلف شعبوں کے اندر وحدت پوشیدہ ہے۔ ہر قسم کے کام کا معاوضہ خواہ وہ اصل کا سود ہو یا اشیاء کی قیمتیں ہوں، آخر میں مقابلے کی بناء پر متعین ہوتا ہے۔ اور ایک ہی قانون کے تابع ہے۔ اس قانون یعنی معمولی قیمت کے قانون کی متعدد فروع اور مختلف شکلیں ہیں۔ لیکن ہر شکل میں یہی ظاہر ہوتا ہے کہ قیمت رسد و طلب کے بعض تعلقات کی بناء پر متعین ہوتی ہے اور جو اسباب رسد کا تعین کرتے ہیں ان میں مصارف پیدائش کا اصول خاص اہمیت رکھتا ہے۔"

پروفیسر مارشل اپنی تشریح میں قدیم معاشئین اور آسٹروی مسلک دونوں فرقوں کے تقریباً تمام اساسی اصول سے کسی نہ کسی شکل میں استفادہ اور اُن کی وکالت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اساسی اصول کے لحاظ سے وہ ان دونوں فرقوں کو ایک دوسرے کی ضد خیال نہیں کرتا بلکہ ایک دوسرے کا ضمیمہ و متمم سمجھتا ہے۔

یعنی یہ کہ کسی فرقے نے رسد کے میدان میں زیادہ اضافہ کیا اور کسی نے طلب کے میدان میں زیادہ اضافہ کیا۔ جہاں پر ایسے اختلافات پائے جاتے ہیں جن میں موافقت نہیں پیدا کی جاسکتی وہاں پر وفیسر مارشل کا رجحان غالب بالعموم بجائے آسٹروی مسلک کے قدیم مسلک کی طرف ہوتا ہے۔ لیکن اُس کی عادتی کشادہ دلی اور وسعت نظر میں رمق برابر فرق نہیں آتا۔ وہ اُصول اور نظریات کے ضروری اور غیر ضروری اجزا میں نہایت سلیقے سے امتیاز کرتا ہے اور پورے معاشی واقعات کے میدان میں ان اُصول کے اطلاقات کا نہایت عمدگی کے ساتھ پتہ چلاتا ہے۔

ڈاکٹر مارشل ایک دقت کو جو اُس کے طریق میں مضمر ہے ہٹانے میں پوری کامیابی حاصل نہ کرسکا۔ اسے قدیم اُصول کو زندگی کے جدید حالات کے مطابق اور جدید نظریات کے ہم آہنگ بنانے کی کوشش تو کی لیکن اس طرح سے ان کو اپنی جبلی اصلیت سے معرّا اور بڑی حد تک اُن کے فائدے کو کم کر دیا۔ بعض صورتوں میں اُس نے اساسی نتائج اور اُن سے جو دقتیں پیدا ہوتی ہیں اُن سے بچنے کا یہ طریقہ نکالا کہ ان کی بحث کو کلّیۃً نظر انداز کر دیا۔ مثلاً یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ پروفیسر مارشل نے ہر چیز کو اُصول رسد و طلب کے ذریعے سے سمجھانے کی جو کوشش کی ہے کیا اس سے علم کے دقائق حل ہو جاتے ہیں۔ اُس کا کارنامہ اس سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا کہ اُس نے اہم واقعات اور ان دقتوں کے باہمی تعلقات کو جو مظاہر کا حل دریافت کرنے میں پیش آتی ہیں دوسروں سے زیادہ توضیح کے ساتھ بیان اور پیش کیا۔ باقی اُس نے نہ تو ان دقتوں کا کوئی حل دریافت کرنے کی کوشش کی اور نہ دوسروں کی اس قسم کی کوشش میں کوئی اعانت ہی کی۔ اس سے کم درجے میں مگر پھر بھی بڑی حد تک یہی اعتراض اُس کے معمولی قیمت اور مصارف پیدائش والے اُصول کے استعمال پر بھی

صادق آتا ہے ۔موخر الذکر کو اصول کے بارے میں قدیم معاشیین اور آسٹروی مسلک کے درمیان جو اساسی اختلافات ہیں اُن کا خاطر خواہ حل کرنا تو کیا معنیٰ اُن کا ذکر بھی نہیں کیا ہے ۔لیکن صرف اپنی کتاب سوم کے دوسرے باب میں احتیاجات اور جِدّ وجہد کی بحث کے سلسلے میں اس مسئلے کے قریب آتا ہے اور پھر بھی اصل مطلب سے بہت دور رہتا ہے ۔اس بحث میں احتیاجات کی اس قدر محدود و تنگ تعریف کی گئی ہے کہ جس سے مسئلۂ زیر بحث پر روشنی پڑنے کے بجائے وہ مسئلہ اور زیادہ تاریکی میں چلا جاتا ہے۔

275 نکلسن پروفیسر جوزف شیلڈ نکلسن نے جو ایک زمانے میں جامعات کیمبرج، لندن، وکٹوریہ میں ممتحن تھا اور اب جامعۂ ایڈنبرا میں پروفیسر معاشیات ہے معاشیات قدیم کو موجودہ نسل سے روشناس کرانے کی قابل لحاظ کوشش کی ۔اگرچہ وہ اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ تاریخی طریق کی" قدر و منزلت نے جیسا کہ انگلستان میں تھورولڈ روجرس اور کلف لیزلی کے ہاتھوں اور جرمنی میں ہیلڈ کینز، روشر، ناسے اور برنٹانو کے ہاتھوں ظاہر ہوئی اُس کو بے حد متاثر کیا" اور اگرچہ اُس نے ان اشخاص کی تعلیمات سے متاثر ہو کر ایک کتاب The Effects of Machinery on wages (1878) بھی لکھی ۔ بایں ہمہ وہ قدیم مسلک اور خصوصاً آدم اسمتھ اور جان اسٹورٹ مل کا برابر مقلد اور پیرو رہا۔

اس کی اکثر تحریروں مثلاً حسب ذیل کتابوں سے عام ناظرین کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں:—

1. Historical Progress & Idrul Socialism, 1894.
2. Strikes & Social Prolelems, 1896.
3. A treatie on Money and Essays on Monetary Problems 1901

4. The Tariff Question with Special reference to wages & Employment. 1908.
5. The History of the English Corn Laws, 1904.
6. Rates & Takes as Affecting Agriculture, 1905.
7. The Relations of rents, Wages, and Profits in Agriculture and their bearing on rural Depopulation, 1906.

لیکن اس کی اصول معاشیات کی تین جلدیں اور مندرجہ ذیل کتابیں ماہرین فن کی نظرمیں وقعت رکھتی ہیں:-

1. A Project of Empire.
2. A Critical Study of the Economics of Inperialism With Special Reference to the Ideas of Adam Smith, 1909

اس کی کتاب Principles of Pol. Econy مل کی تصنیف Principles of Pol. Econy پر مبنی ہے۔ نکلسن نے نہ صرف مباحث کی ترتیب میں بلکہ اصول و نظریات کی تشریح میں بھی مل کی پوری پوری تقلید کی ہے۔ بایں ہمہ اس میں اور مل کی تصنیف میں اس قدر اہم اختلافات پائے جاتے ہیں کہ اُس کو مل کی تصنیف کی تصحیح یافتہ اشاعت نہیں قرار دیا جاسکتا لیکن یہ اختلافات اس قدر کافی بھی نہیں کہ نکلسن کی کتاب کو ایک باقاعدہ تصنیف کہا جائے۔ اس لحاظ سے اس میں اور مارشل کی کتاب Principles میں، جس کو علم میں ایک جدید و اہم اضافہ سمجھنا ضروری ہے، نمایاں تضاد پایا جاتا ہے۔ بایں ہمہ مارشل کے مثل نکلسن نے نئے نئے نظریات کو استعمال کیا اور اُن نئے حالات پر بھی نظر ڈالی ہے جو مل کے زمانے کے

بعد سے رونما ہوئے ہیں۔

276 A Project of empire عنوان سے جسطرح ظاہر ہے اُسنے اپنی کتاب میں آدم اسمتھ کے خیالات کو، جو اسمتھ نے اپنے تصانیف (۱) Theory of moral sentiments اور (۲) Wealth of Nations میں ظاہر کئے ہیں، برطانوی سلطنت و مقبوضات کی تعمیر نو یا تنظیم جدید کے مسئلے پر استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلے میں اسمتھ کے بارے میں وہ لکھتا ہے: "معاشیات شہنشاہیت کے مختلف پہلوؤں اور عناصر پر اسمتھ نے جس طرح وسیع نظر ڈالی ہے کوئی اور مصنف اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا" ان میں سے سب سے اہم عناصر یہ ہیں:- قومیت اور قومی مدافعت کی اہمیت، قوم کی معیشت میں اصل و محنت کا فعل اور انکا باہمی تعلق، مختلف طریقوں سے اصل کو مشغول رکھنے کی اضافی اہمیت، تجارت خارجہ کے حقیقی فوائد، اصول تامین، پیدا کرنے والوں اور صرف کرنے والوں کا تعلق، اور تجارت کا حکومت سے تعلق۔ پروفیسر نکلسن کی رائے ہے کہ ان مباحث پر اور دوسرے متعلقہ مباحث پر اسمتھ کے خیالات اصولاً نہایت صحیح تھے اور جو سوالات آجکل انگلستان کے باشندوں کے سامنے ہیں اُنکے حل کرنے کے لئے ان ہی خیالات سے مدد مل سکتی ہے۔

اس مسئلے کی بحث کے سلسلے میں پروفیسر نکلسن، اسمتھ کے متعلق دوسری غلط فہمیوں کو بھی رفع کرتا ہے۔ مسئلۂ قومیت، تامین اور تجارت آزاد کے بارے میں اسمتھ کے خیالات عام طور پر غلط سمجھے جاتے تھے۔ وہ اُن کو غلط ثابت کرتا ہے۔ وہ دعویٰ کرتا ہے کہ نام نہاد قوم پرستوں نے اسمتھ کے متعلق غلط رائے قائم کی اور اُس کو عالم پرست شخص بتلایا حالانکہ واقعہ اس کے برعکس تھا۔ اسمتھ نے اپنے متاخرین سے زیادہ تجارت داخلہ

کی اہمیت اور ملک کے اصل کو ملک کے اندر لگانے کے فائدے پر زور دیا۔ نکلسن ان خیالات کو بھی کام میں لاتا ہے جن کو وہ آدم اسمتھ کے متروک خیالات سے نامزد کرتا ہے۔ ان میں سے سب سے اہم یہ ہیں: ۔ صرف زائد اصل ملک سے باہر بھیجنا چاہئے اور سب سے پہلے داخلی ضروریات پوری کرنی چاہئیں اور یہ کہ "تجارت خارجہ صرف اسی وقت چل سکتی ہے جبکہ اصل کی کچھ مقدار ملک سے باہر بھیجی جائے۔"

جیمس بونر ۱۸۸۵ء میں ایک کتاب Malthus and his Work لکھ کر جیمس بونر نے معاشیات کی اور ایک بیش بہا خدمت انجام دی۔ اس کتاب میں اس نے "آبادی کے مضمون" کا ارتقاء بیان کیا اور اس مسئلے اور دوسرے مسائل کے متعلق مالتھس کے جو خیالات تھے ان پر اور اس کے واقعات زندگی پر ایک تنقیدی بحث کی۔ دو سال بعد اس نے ایک کتاب موسوم بہ David Ricardo's Letters to Thomas Robert Malthus شائع کی۔ اس کے بعد ۱۸۹۹ء میں ایک کتاب پروفیسر جیکب ایچ ہالینڈر (متعلقہ جامعۂ جانس ہاپ کنس۔ بالٹی مور) کی مدد سے شائع کی اس کا نام David Ricardo's Letters to Hutches Trower and others ہے۔ ۱۸۹۳ء میں ایک کتاب Philosophy and Political Econy in some of their Historical Relations شائع کی۔ یہ نہایت قابلیت سے لکھی گئی اور اس میں فلسفہ اور معاشیات کا تعلق تاریخ وار پیش کیا گیا ہے۔ ۱۹۰۱ء میں اس کی کتاب Disturbing Elements in Pol. Econy شائع ہوئی اور دوسری بنام Pol. Econy ۱۹۱۱ء میں شائع ہوئی۔

ایڈون کینن پروفیسر ایڈون کینن، جو بڑا نقاد اور ایک ممتاز محقق و مبصر تھا اور جس کی تصنیف قدیم مسلک پر

277

مبنی ہے، حسب ذیل تصانیف کا مصنف ہے:-

1. Political Economy, 1888.
2. A History of the theories of Production and Distribution in English Political Economy from 1776 to 1848 (1893)
3. The History of the Local Rates in England (1896 and 1912)
4. The Economic Outlook, 1912.

آخری ربع صدی کے دوران میں معاشیات کے دوسرے مشہور انگریز معاونین یہ تھے:-

(۱) پروفیسر بیسٹبل: (متعلقہ جامعۂ ڈبلن) انکے تصانیف حسب ذیل ہیں:-

1. Public Finance, 1892, 1895.
2. The Commerce of Nations, 1899.
3. The Theory of International Trade, 1900.

(۲) ایل-ایل پرائس:-

1. Industrial Peace: Its Advantages, Methods and Difficulties, 1887.
2. West Barbary: or Notes on the System and Work and Wages in the Cornish Mains, 1891.
3. A Short History of Political Ecanomy in England, 1891
4. Money and its Relations to Prices, 1896.
5. Economic Science and Practice, 1899.
6. A Short History of English Commerce and Industry, 1900.

7. The Present Position and Future Prospects of the Study of Economie History 1908.

(۳) آر-پیچ-انگلس پالگریو:-

1. The Local Taxation and Great Britain and Ireland. 1871
2. Notes on Banking in Great Britain and Ireland Sweden, Denmark, and Hamburg. 1873.
3. An Analysis of the Transactions of Bank of England for the years 1844-72. (1874)
4. The Bank Rate in England, France, and Germany 1844-78, (1880)
5. Bank Acts and Bank Rate, 1845-91, (1892)
6. Dictionary of Political Ecanomy.
7. An Enquiry in to the Ecanomic Condition of the Country 1904.

278

(۴) جان-اے-ہابسن نے معاشی تاریخ پر مذکورۂ بالا کتابیں لکھنے کے علاوہ اے-یف-ممری[1] کی مدد سے حسب ذیل کتابیں تصنیف کیں:-

1. The Physiology of Industry, 1889.
2. Problems of Poverty, 1891.
3. The Problem of the Umployed, 1896.
4. John Ruskin Social Reformer, 1898.
5. The War in South Africa, 1900.
6. Ecanomics of Distribution, 1900.

[1] A. F. Mummery

7. The Social Problem, 1901.
8. International Trade, 1904.
9. The Industrial System, 1909.
10. The Science of Wealth, 1911.
11. Gold, Prices and Wages, 1913.

ریاستہائے متّحدہ امریکہ

ریاست ہائے متحدہ میں معاشی خیال کی رفتار اپنے نشو ونما کے اولین مراحل میں بظاہر خاص کر قوم کی معیشت کے عجیب وغریب خصوصیات کی بنا پر متعین ہوتی رہی۔ ملک کے پھیلاؤ اور قدرتی ذرائع، زرخیزی، آبادی کی قوت، ذہانت، رجائیت، اختراعی قابلیت، اور حکومت کی عدم مداخلت کی پالیسی کی بنا پر، آزاد اور اعلیٰ سیاسی نظام کی موجودگی کی وجہ سے یہاں دولت کی اوسط پیدائش فی کس شروع ہی سے روز افزوں بڑھتی اور ترقی کرتی رہی۔ اور بظاہر آئندہ کے لئے بھی یہی توقع تھی کہ اس خوش حالی کا سلسلہ ایک مدت دراز تک جاری رہے گا۔ ان حالات کے نظر کرتے یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں کہ ریکارڈو کی معاشیات کے بعض اساسی اصول نکتہ چینی سے نہ بچے۔ قانون تقلیل حاصل، مالتھس کا نظریۂ آبادی، اور تقلیل منافع کا قانون وغیرہ بظاہر اس ملک پر صادق نہیں آتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ، جیسا کیری، ریمانڈ، لسٹ اور دوسرے مصنفوں نے ثابت کرنے کی کوشش کی، ان قوانین کے بالکل برعکس نہیں تو کم ازکم ان سے بہت مختلف قوانین اس ملک کی حقیقی حالت کو زیادہ صحیح طریقے پر ظاہر کرتے تھے۔

انیسویں صدی کے ساتویں عشرے کے آخر اور آٹھویں عشرے کے اوائل میں علم المعیشت کی نشو ونما میں نئی جان پڑگئی۔ نوجوانوں کے ایک گروہ نے، جس نے جرمنی میں معاشیات کی تعلیم حاصل کی تھی اور بعد میں اس مضمون کے پروفیسروں کی حیثیت سے امریکہ کے جامعات میں جگہ پائی نشو ونما کی اس تحریک کو نئے سانچے میں ڈھال دیا اور اس میں بہت اصلاح وترمیم بھی کی۔ اس گروہ کے سب سے مشہور افراد پروفیسر رچرڈ ٹی ایلی، پروفیسر جان بی کلارک، پروفیسر سائمن ین پیاٹن، پروفیسر ایڈمنڈ جے جیمس اور پروفیسر ہنری۔سی۔ایڈمس تھے۔

279

ان اشخاص کی تعلیم نہ صرف باقاعدہ اور وسیع پیمانے پر ہوئی تھی بلکہ ان اشخاص کے دل تحقیقات کے جذبات سے پُر تھے اور وہ تاریخی مسلک کے مقاصد اور طریقوں سے پوری ہمدردی رکھتے تھے۔ ان ہی کی سرکردگی میں اور ان ہی کی ہدایات کے تحت ۱۸۸۵ء میں ایک انجمن موسوم بہ امریکن اکنامک ایسوسیشن[1] کا قیام عمل میں آیا۔ اس میں نہ صرف بحث مباحثے ہوا کرتے تھے بلکہ یہ خیالات کی اشاعت وترویج کا ذریعہ بھی تھی۔ اکثر قدیم معاشئین بھی اس انجمن میں شریک ہوگئے اور شروع ہی سے اس سے تعامل وتعاون کرتے رہے۔ اسی طبقے کا سب سے مشہور فرد فرانسس۔اے۔واکر اس انجمن کا سب سے پہلا صدر نشین تھا۔ اس علمی مجلس کے بعض حامیوں کی بے اعتدالیوں اور غالباً بے شعوری اور بے ہنگام جوش وخروش کی وجہ سے بعض حلقوں اور بعض صورتوں میں انجمن کی شروع میں جو مخالفت کی جارہی تھی وہ بتدریج دب گئی اور انجمن بہت جلد ایک قومی اور کاملاً نمائندہ جماعت بن گئی اور اب تک اسی حالت میں ہے۔ انجمن کے متعدد تصنیفات وتالیفات کے علاوہ حسب ذیل رسائل اور میعادی اخبارات بھی قابل ذکر ہیں:—

[1] American Economic Association

(۱) ہارورڈ یونیورسٹی کی طرف سے Quarterly Journal of Economic سن ابتداء ۱۸۸۶ء شائع ہوتا رہا۔
(۲) سن ابتداء ۱۸۸۶ء جامعۂ کولمبیا کے شعبۂ سیاسیات کی جانب سے Political Science Quarterly.
(۳) Annals of the American Academy of Political and Social Science فلاڈلفیا میں ۱۸۹۰ء سے شائع ہونا شروع ہوا۔
(۴) The Yale Review ۱۸۹۲ء سے شائع ہوا۔
(۵) The Journal of Politlcal Econy جامعۂ شیکاگو کی طرف سے ۱۸۹۲ء سے ۱۹۱۳ء تک شائع ہوتا رہا۔ اس کے بعد Western Economic Society نے اس کی اشاعت اپنے ہاتھ میں لی۔ ان کے علاوہ دوسرے متعدد جامعات کے سہ ماہی یا اس سے کم میعاد کے رسائل اور خصوصاً جامعۂ جانس ہاپ کنس کی تصنیفات نے سیاسیات اور تاریخ و معاشیات کے میدان کا احاطہ کر لیا۔ شیکاگو کی Western Economic Society اور فلاڈلفیا کی Amerienn Academy of Political and Social Science بھی معاشی مضامین پر بحث کرنے کی غرض سے اپنے اجلاس منعقد کرتی ہیں۔ مگر یہ دونوں انجمنیں قوم کی نمائندہ صدر انجمن کی کسی حال میں حریف نہیں ہیں۔

280 آسٹروی مسلک کے سربرآوردہ ارکان اور خصوصاً بوہم باورک بھی اس ملک میں قوی اثر رکھتے تھے۔ ساتویں عشرے کے آخر اور آٹھویں عشرے کے اوائل میں پروفیسر جان۔بی۔ کلارک نے، جو جرمنی سے تعلیم پاکر تازہ تازہ آیا ہوا تھا اور کارل کینز کا خاص شاگرد اور مقلد تھا، رسالہ (New England Review) میں سلسلہ وار مضامین لکھنے شروع کئے جن میں اس نے نظریۂ قدر کا ایسا خاکہ پیش کیا جو بڑی حد تک منگر کے نظرئے کے مشابہ تھا۔ پروفیسر پاٹن

کی شروع کی تصانیف یہ ہیں:۔

1. The Premises of Political Economy, 1885.

2. The Consumption of wealth, 1889.

3. The Theory of Dynamic Economics, 1892.

اور یہ اسی اصول کے ہم آہنگ تھیں۔ بیوہم باورک کی کتاب Kapital and Kapital Zins اور خصوصاً اس کا اسمارٹ کا ترجمہ اس ملک میں بے حد مقبول عام ہوا اور کالجوں اور جامعات کے لکچروں میں طلبہ کے سامنے عام طور سے اسی کتاب کا حوالہ اور سبق دیا جاتا تھا۔ تقریباً اسی زمانے میں پروفیسر کلارک، پروفیسر پیاٹن اور ایس۔ این۔ میکوین نے اسی کے مماثل خیالات ظاہر کئے (دیکھو کلارک کی تصنیف Capital and its earnings 1888. اور حسب ذیل رسائل کے مضامین):۔

1. Quarterly Journal of Economics, January 1889.

2. Anuals of the American Academy, July 1890.

3. The Yale Review, November 1893.

پیاٹن کا مضمون "اصل کا اساسی تصور" Quarterly of Economics میں اور اسی رسالے میں میکوین کا مضمون Analysis of Cost of Production (مصارف پیدائش کی تحلیل) اور بٹہ[1] اور بڑھوتری کے نظریئے پر ان رسائل میں کافی بحث کی گئی اور کچھ ترمیمات کے بعد اور خفیف اختلافات کے ساتھ اس نظریئے کو تسلیم کرکے عام طور پر بڑی بڑی نصاب کی کتابوں میں شریک کرلیا گیا ہے۔

ان ابھارنے والے اثرات اور ان دقیق معاشی سوالات کے اثر کے تحت، جو ملک کی اچانک ترقی کی وجہ سے پیدا ہو گئے

---

[1] اجیو تھیوری Angio Theory

تھے، معاشیات کے متعلق جو تصانیف اور تحریریں لکھی گئیں اُن کی تعداد بہت بڑی اور معتد بہ ہے۔ ان تحریرات کا بڑا حصّہ قومی مسائل سے متعلق ہونے کی وجہ سے قبولِ عام رکھتا ہے اور ان کا خاصہ بڑا حصّہ ادق اور زیادہ وسیع مسائل سے متعلق ہے اور اس سے علم کی ترقی میں بیش بہا اضافہ ہوا ہے۔ ان تحریروں کے بعض سربرآوردہ مصنّفین اسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جس کا حیثیت بانی American Economic Association اوپر ذکر آچکا ہے۔

پروفیسر ایلی کی سب سے مشہور تصانیف یہ ہیں:—

281 1. French and German Socialism in Modern Times, 1883.

2. Monopolies and Trusts, 1883.

3. Labour Movement in America, 1883.

4. Taxation in American States and Cities, 1888.

5. Socialism and Social Reform, 1894.

6. Outlines of Economics

(جس کے متعدد ایڈیشن ہیں) اور تصحیح یافتہ اور بڑا ایڈیشن پروفیسر ٹی۔ین۔ آڈمس، پروفیسر اے۔ اے۔ ینگ اور ڈاکٹر یم۔ اولارنز کی مدد سے ۱۹۱۶ء میں شائع ہوا:—

7. Studies in the Evolution of Industrial Society, 1903.

8. Property and Contract in their Relations to the Distribution of wealth, 1914.

ان کتابوں کی اشاعت کے ذریعے سے اور جامعۂ جانس ہاپ کنس اور جامعۂ وسکانسن میں بحیثیت پروفیسر کے کئی سال تک طلبہ کے روبرو لکچروں کے ذریعے سے پروفیسر ایلی نے اُن معاشی سوالات کے متعلق جو ریاست ہائے متحدہ کے لوگوں کے سامنے ایک صدی کے آخری ربع حصّے کے دوران میں پیش ہوتے رہے عامۃ الناس

کی صحیح رائے قائم کرانے میں اور علم کو مقبول بنانے اور اس کو ترقی دینے میں بہت بڑا حصہ لیا۔ اُس کی اجاروں اور اشتراکیت کے متعلق تحریرات اور ملکیت اور معاہدے کے متعلق سب سے حال کی تصنیف خاص طور پر قابل لحاظ ہے۔ اوّل الذکر میں اجارہ دار صنعتوں کے ضروری خصوصیات، قیمت اجارہ کے قوانین، اور اشتراکیت کے محاسن و نقائص پر بحث کی گئی ہے اور موخر الذکر میں ملکیت اور معاہدے کی معاشی اہمیت و تعلقات پر بحث کی گئی ہے جو انگریزی زبان میں مکمل ترین بحث خیال کی جاتی ہے۔ یہ کتاب "تقسیم دولت کے ان قوی اور اثرات پر خاص طور پر زور دیتی ہے جنکو انگلستان اور امریکہ کے معاشئین نے کلیۃً نظر انداز کر دیا تھا اور اس مسئلے کے زیادہ اہم اور اساسی پہلوؤں پر امریکہ یا انگلستان کے سابق تصنیفات سے زیادہ روشنی ڈالتی ہے۔

مذکورۂ بالا مضامین کے علاوہ پروفیسر جان۔ بی۔ کلارک نے

1. The Philosophy of wealth 1885.

2. The Distribution of wealth, 1889.

شائع کی۔ اوّل الذکر کتاب میں اُن ہی مضامین پر نظر ثانی کی گئی ہے جو New England میں شائع ہوئے تھے اور جن کا ذکر کیا جا چکا ہے اور پیدائش اور تقسیم دولت کی نوعیت پر بھی بحث کی گئی ہے "تقسیم دولت" نظری معاشیات میں اُس کی سابقہ تصنیف کا تتمہ ہے۔ بایں ہمہ اس کی تکمیل کے لئے حرکیات تقسیم پر ایک دوسری جلد کی ضرورت ہے جو اب تک شائع نہیں ہوئی ہے۔

مقدمہ میں مصنف لکھتا ہے کہ:۔ "اس کتاب کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ سوسائٹی کی آمدنی کی تقسیم فطری قانون کے تحت عمل میں آتی ہے اور اس قانون کی رو سے اگر اس کے عمل میں کوئی رکاوٹ نہ ہو تو ہر عامل پیدائش کو دولت کی اتنی ہی مقدار ملے گی جتنی اس عامل نے

282

پید اکی۔ اس قانون کے وجود کو ثابت کر دکھانے کی کوشش میں اُس نے جو استدلال کیا ہے اس کے دوران میں وہ محنت اور اصل کو دائمی اور ایک جنس کے معاشری فنڈ یا ذخیرے خیال کرتا ہے اور اُن پر قانون تقلیل حاصل کا اطلاق کرتا ہے۔ مثلاً اگر اصل کے معاشری ذخیرے میں محنت کے معاشری ذخیرے کے جرعوں کا مسلسل اضافہ کیا جائے تو اُس کی دانست میں ہر اضافے کا جو ماحصل ہوگا وہ بتدریج تخفیف ہوتا جائے گا اور آخری جرعے کی پیداوار سے شرح اجرت متعین ہوگی اور سابقہ جرعوں سے جو زائد پیداوار حاصل ہوگی وہ مجموعی سود کی مقدار ہوگی۔ اسی طریقے سے معاشری اصل کے ذخیرے کو بھی معاشری محنت کے مجموعی ذخیرے میں یکے بعد دیگرے جرعوں کی شکل میں لگانے سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں ان پر بھی غور کیا گیا ہے۔ یہاں بھی پہلے کی مانند ہر مابعد جرعے کی پیداوار بہ نسبت سابق جرعے کے گھٹتی رہے گی اور آخری جرعے کا ماحصل شرح سود کو متعین کریگا اور سابقہ جرعوں کی جو زائد پیداوار ہوگی وہ مجموعی اجرت فنڈ ہوگا۔ اس طرح پر محنت و اصل کی آخری اکائیوں کی پیداوار علی الترتیب شرح اجرت و شرح سود کا تعین کرتی ہے اور مجموعی اجرت فنڈ اور سود فنڈ کی پیمائش اُصول لگان کے مطابق کی جاتی ہے یعنی اختتامی مصارف کے اوپر جو ماحصل زائد ہو اُس حساب سے۔ اس بحث میں زمین ایک ایسی مقرون شئے خیال کی گئی ہے جس میں اصل کا معاشری فنڈ شامل ہے۔

پروفیسر کلارک کے اُصول اور فان تھیونن کے اجرت اور سود کے "نظریۂ اختتامی پیداآوری" کے بعض خصوصیات میں نمایاں مماثلت ہے لیکن اختلافات بھی بہت ہیں اور ان دونوں نے اپنے نظریے جداگانہ نقطۂ نظر سے اور آزادانہ طور پر پیش کیے ہیں۔

پروفیسر کلارک کی جدید تصنیف میں عملی پہلو کا بہت زیادہ

خیال رکھا گیا ہے۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں اُس نے ایک کتاب The Control of Trusts اور سنہ ۱۹۰۴ء میں The Problem of Monopoly شائع کی۔ سنہ ۱۹۱۱ء کی ابتداء سے وہ Carnegie Endowment for International Peace کے شعبۂ معاشیات و تاریخ کا ناظم ہے۔

پیٹن | پروفیسر پیٹن کی بعد کی تصنیف میں معاشی مسائل کے علاوہ عمرانی مسائل پر بھی بحث کی گئی ہے۔ آپ اُس کے حسب ذیل تصانیف قابل ذکر ہیں:۔

(۱) سنہ ۱۸۹۶ء میں The Theory of Social Forces, 1896.
(۲) سنہ ۱۸۹۹ء میں Development of English Thought
(۳) سنہ ۱۹۰۲ء میں Theory of Prosperity
(۴) سنہ ۱۹۰۳ء میں Heredity and Social Progress
(۵) سنہ ۱۹۰۷ء میں The New Basis of Civilization
(۶) سنہ ۱۹۰۹ء میں Product and Climax
(۷) سنہ ۱۹۱۱ء میں The Social Basis of Relegion
(۸) سنہ ۱۹۱۲ء میں Reconstruction of Economic Theory

اور اُس کے ابتدائی تصانیف میں The Eco : Basis of Protection قابل ذکر ہے جو سنہ ۱۸۹۰ء میں شائع ہوئی۔

پروفیسر پیٹن امریکن معاشئین میں خاص رتبہ رکھتا ہے۔ وہ نہایت باریک اور چبھتی ہوئی تنقید کرتا ہے اور اس کے تعلیمات و نظریات نہایت جدید اور اصلی ہوتے ہیں اور اس قدر کثیر ہیں کہ بہت کم اشخاص اس کی رفتار تخیل کا ساتھ دے سکتے اور تسلسل خیالات کا خاطر خواہ پتا چلا سکتے ہیں۔ اس کے تصانیف خیالات کا بیش بہا ذخیرہ ہیں جن کے مطالعے سے شگفتگی اور وسعت نظر اور دماغ میں جولانی پیدا ہوتی ہے۔ لیکن جہاں اُس کے خیالات جدید اور جامع تھے وہاں اُس کے پیروؤں کی تعداد زیادہ نہ تھی اور

اُن کی تعداد میں اضافہ کرنے کی کوشش کبھی کامیاب نہ ہوئی۔

آڈمس اور سیلگمن | پروفیسر ہنری سی۔ آڈمس اور ای۔ آر۔ اے سیلگمن نے مالیات کے موضوع پر قابل لحاظ تحریرات کا اضافہ کیا۔ اوّل الذکر نے Science of اور Public Debts (1887) Finance 1883 نامی کتابیں لکھیں اور موخّر الذکر مصنّف نے حسب ذیل کتابیں لکھیں:۔

1. Shifting and Incidence of Taxation, 1910.
2. Progressive Taxation in Theory and Practice, 1908.
3. Essays in Taxation, 1913
4. The Income Tax, 1911.

پروفیسر آڈمس نے ان کتابوں کے علاوہ یہ کتابیں بھی تصنیف کیں:۔

1. State in relation to Industrial Action, 1887.
2. Statistics of Railways 1888. 1910.
3. Economics and Juris Prudence, 1897

اور پروفیسر سیلگمن نے مالیات پر اپنی متذکرۂ بالا کتابوں کے علاوہ حسب ذیل کتابیں شائع کیں:۔

1. Two Chapters on the Mediaeval Guilds of England. 1887
2. The Economic Interpretation of History, 1907.
3. Principles of Economics, 1914.

جن مصنّفین کا ذکر آچکا ہے اُن ہی کے سلسلے میں پروفیسر فرنک ڈبلیو تاسگ (ہارورڈ یونیورسٹی)، ایل یونیورسٹی کے پروفیسر آرتھر ٹی۔ ہیڈلی اور شکاگو یونیورسٹی کے پروفیسر جے سالرس لافلن کا بھی ذکر ضروری ہے۔ یہ سب پروفیسر تقریباً اُن ہی مصنّفین کے معاصر ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ یہ بہ نسبت اُن کے زیادہ قدامت پسند

اور قدیم مسلک کے بتلائے ہوئے نشو و ترقی کے راستے کو بہ نسبت
ان کے بہت زیادہ اختیار کرنے کی طرف مائل ہیں - ان تینوں نے
معاشی تاریخ پر کتابیں لکھیں - ٹاسگ کے تصانیف
یہ ہیں :-

1. Tariff History of the United States. 1886.

2. The Silver Situation in the United States. 1892.

اور پریزیڈنٹ ہیڈلے کی تصنیف یہ ہے :-

1. Railroad Transportation, Its History and Laws, 1885.

اور پروفیسر لافلن نے History of Bimetallism in the United States
لکھی - مذکورۂ بالا کتابوں کے علاوہ پروفیسر ٹاسگ نے یہ
کتابیں بھی شائع کیں :-

1. Wages and Capital, 1896.

2. Principles of Economics, 1911.

پریزیڈنٹ ہیڈلے نے Economics an account of the
Relations between Private Property and Public Welfare
(1896) اور پروفیسر لافلن نے حسب ذیل کتابیں

1. Elements of Political Economy 1887.

2. Gold and Prices Since 1873 (1887)

3. Principles of Money (1902)

شائع کیں :-

پروفیسر ٹاسگ نے اپنی کتاب Wages and Capital
اصول اجرت فنڈ کی تنقیدی تاریخ لکھی ہے - اس کی رائے ہے
کہ اس اصول میں بڑے بڑے حقائق پوشیدہ ہیں جن کو وہ صحیح
شکل میں از سر نو واضح کرنا اور پیش کرنا چاہتا ہے - اس نے
Principles of Economics میں معاشی اصول کی نہایت خوبی کیساتھ

تشریح کی ہے اور عام خوشحالی اور موجودہ زمانے کے سوالات پر ان اصول کا اطلاق کیا ہے۔ اُس نے معاشی اُصول کے مجموعے میں توکسی قسم کا اضافہ نہیں کیا لیکن معمولی قابلیت کے اشخاص کے لئے اتنی سہولت ضرور پیدا کردی ہے کہ وہ ان اصول کو جو مرور زمانہ اور تنقید کے پورے طور پر متحمل ہوئے ہیں سمجھ سکیں اور اس طرح سے اپنی معلومات میں بیش بہا اضافہ کرسکیں۔ جدید نظریات کے متعلق ٹاسگ کا طرز عمل تنقیدی اور قدامت پسندانہ ہے۔ پریزیڈنٹ ہیڈلے کی کتاب Economics بھی نظریہ اور عمل کو متحد کرنے کی ایک کامیاب کوشش ہے۔ لیکن وہ بہ نسبت عام ناظرین کو فائدہ پہنچانے کے طلبہ کے استعمال کے لئے زیادہ موزوں ہے۔ مصنف کا مقصد یہ نہ تھا کہ کسی نئی حقیقت کا انکشاف کرے، بلکہ جیسا کہ اُس نے مقدمے میں لکھا ہے، مصنف کی غرض وغایت یہ تھی کہ "موجودہ زمانے کے ناظرین کے لئے وہی سہولتیں پیدا کرے جو مل نے نصف صدی پیشتر نہایت کامیابی کے ساتھ پیدا کی تھیں" یعنی جدید معاشیات کے سوالات پر شرح وبسط کیساتھ جامع بحث کرے۔ پروفیسر ٹاسگ کے مانند اُس نے اپنی عمارت قدیم مسلک کے اصول پر براہ راست قائم کی اور جدید نظریات کی طرف اُس کا طرز عمل قدامت پسندانہ ہے۔

پروفیسر لافلن نے معاشیات میں خصوصاً مسئلہ زر پر بیش بہا تصانیف کا اضافہ کیا۔ وہ قیمتوں کے نظریۂ قدر اور دو فلزی طریق کے مخالفین میں سے ایک زبردست مخالف ہے اور ان دونوں مباحث پر اپنی کتابوں میں نہایت جامع اور غائر نظر ڈالی ہے۔ اُس نے ریاست ہائے متحدہ کے نظام زر اور نظام بنک کی اصلاح میں بھی بہت بڑا حصہ لیا۔ ۱۸۹۷ء میں مسئلۂ زر پر غور کرنے کے متعلق جو کمیشن مقرر ہوا تھا (Indianapolis Monetary Conference) اُسکا

وہ ایک رکن تھا اور کمیشن کی رو داد اسی نے تیار کی - اس کے علاوہ سنہ ۱۹۰۰ء میں قانون معیار طلائی کی منظوری و نفاذ میں بھی اس کی کوششیں بڑی حد تک شریک تھیں - بنک کاری کے عمدہ نظام کو قائم کرنے اور ترقی دینے کی غرض سے جو انجمن قائم تھی (National Citizem's Liague for the Promotion of asound Banking System) اس کی مجلس عاملہ کا وہ صدر نشین اور ناظم تھا - اور ریاست ہائے متحدہ میں بنک کاری کے نظام کی جو اصلاح بذریعۂ فڈرل رزرو ایکٹ ہوئی اُس کے کارکنوں میں سے ایک یہ بھی انجمن تھی -

موجودہ نسل کی ایک بڑی تعداد کو جن میں سے تقریباً سب مذکورۂ بالا مصنفین کے شاگرد ہیں موجودہ زمانے کے مشہور امریکی معاشئین میں شامل کرنا ضروری ہے - ان میں سے بعض کے تصانیف قابل ذکر ہیں :—

(۱) ایڈورڈ - ڈبلیو بیمس :—

1. Municipal Ownership of gas-works in the United States 1891.
2. Municipal Mono Polies, 1899.

(۲) چارلس - بُلک :—

1. The Finances of the United State 1775-89, (1895)
2. Introduction to the Study of Economics, 1900.
3. Essay on the Monetary History of the U. S. 1900.
4. Finances of Massachusetts, 1780-1905, (1907)

تامس - ین - کارور :—

1. The Distribution of wealth, 1904.
2. Sociology and Social Psogress 1905.
3. Principles of Rural Economics, 1911.

(۴) جان-آر-کامنس:-

1. The Distribution of wealth, 1893.
2. Social Reform and Church, 1893.
3. Proportinal Representation, 1896,
4. Trade Unionism and Labour Problems, 1905.
5. Races and Immigrants in America, 1907.

(۵) ہربرٹ-جے-ڈیون پورٹ:-

1. Outlines of Economic Theory, 1896.
2. Elementary Economic Theory, 1898.
3. Value and Distribution. 1908.
4. Tne Economics of Enterprise, 1913.

(۶) ڈیوس-آر-ڈیوی:-

1. Financial History of the United States, 1902.
2. Employees and Wages Special Report, 1902.

(۷) فرنک-اے-فیٹر:-

286

1. Versuch einer Bevolkerungslehre, 1899.
2. Relationsbetween Rent and Interest, 1904.
3. The Principies of Economics, 1904.

(۸) اروِنگ فشر:-

1. Mathematical Investigations in the Theory of Value and Prices 1892.
2. The Nature of Capital and Income, 1906.
3. The Rate of Interest, 1907.
4. The Purchasing Power of Money, 1911.

1. The Cincinati Southern Railway, A Study in the Municipal Activity, 1894
2. The Financial History of Baltimore, 1899.
3. Editor, Letters of David Ricardo to J. R. Mccullock and Letters of David Ricardo to Hutches Trower
4. Studies in State Taxation with Particular Reference to the Southern States, 1900.
5. Report on Taxation in the Indian Territory, 1904.
6. Report in the debt of San Domingo, 1906.
7. David Ricardo, A Centenary Estimate, 1911.

(۱۰) جوزف فرنچ جانسن :-

1. Money and Currency 1905.
2. Report on the Canadian Banking System, 1910.

(۱۱) الون-ایس-جانسن :-

1. Rent in Modern Economic Theory, 1903.
2. Introductions to Economics, 1909

(۱۲) ڈیوڈ کنلے :-

1. The Independent Treasury of U. S., 1893.
2. Money, 1904.

(۱۳) ولیم-اے-اسکاٹ :-

1. Repudiation of State Debts, 1893.
2. Money and Banking, 1908.
3. Revised Edition, 1910.
4. Bohm Bawerk's recent Literature on interest in Collaboration with Seigmund Feeilbogen translated in

1903.

5 Money, 1914.

6 Banking, 1914.

(۱۴) ہنری۔ آر۔ سیگر:۔

1. Introduction to Economics, 1904.

2. Social Insurance, 1910.

(۱۵) الیوریم۔ ڈبلیو۔ اسپریگ:۔

1. History of Crises under the National Banking System 1910.

(۱۶) ہنری۔ پارکر ولس:۔

1. History of the Latin Monetary Union, 1901.

فرانس

فرانس و پروشیا کی جنگ کے بعد تقریباً دس بارہ سال تک نام نہاد "آزاد مسلک" کا فرانس میں دور دورہ رہا۔ اس مسلک کا ماخذ فطرآئین طبقہ اور آدم اسمتھ ہے۔ اور خصوصاً بستیا اور اُسکے پیرووں کے اثر سے اس میں بعض ایسی رجحانی خصوصیات پیدا ہو گئی تھیں جو اُس کو قدیم مسلک سے ممتاز و ممیز کرتی تھیں۔ اُس کا خاص ترجمان ایک اخبار Journal des Economistes تھا اور اس کی اشاعت ایک عظیم الشان مطبع Guilaumin et Cie میں ہوتی تھی۔ جہاں تک معاشی معاملات اور متعلقہ مباحث کا تعلق تھا فرانس کا مشہور ادارہ Institute of France اسی مسلک کے زیر اثر تھا۔

اس مسلک کے سربرآوردہ نمائندے حسب ذیل ہیں:۔

287

(۱) فریڈرک پاسے[1] اس نے شخصی ملکیت کے حق کی شد و مد کے ساتھ حمایت کی، امن عامّہ کے قیام پر زور دیا اور عامّۃ النّاس میں معاشیات کی تعلیم کی نشر و اشاعت کے لئے نہایت جوش و انہماک کے ساتھ کام کیا۔

(۲) گسٹاو۔ڈی۔مولیناری[2] یہ ۱۸۸۲ء تا ۱۹۰۹ء میں

---

[1] اس کی چار کتابیں حسب ذیل ہیں:—

1. Lecons d'economie politique, 1861
2. Melanges economiques, 1857
3. Conference sur la paix et la guerre, 1867
4. Pour la Paix, 1909

[2] اس کے تصانیف حسب ذیل ہیں:—

1. Cours d'economie politique, 1855-63 ;
2. Questions d'economie politique et de droit public, 1861 ;
3. L'evolution economique au 19 eme Siecle, 1881 ;
4. Les lois naturelles de l'economie politique, 1887 ;
5. Notions fondamentales d'economique politique, 1891 ;
6. Les bourses du travail, 1893 ;
7. Comment se resoudra la question sociale, 1896 ;
8. Grandeur et decadence de la guerre, 1898 ;
9. Esquisse de l'organization politique et economique de la societe future, 1899 ;
10. Les problemes du XX ieme Siecle, 1901 ;
11. Questions economiques a l'ordre du jour, 1906 ;
12. Theorie de l'evolution, 1908 ;

Journal des Economistes کا مدیر رہا۔ اور نصف صدی سے زیادہ مدت تک انفرادیت کے وکیلوں کا اُس کی انتہائی شکل میں سرگروہ تھا اور کیری اور بستیا نے علم میں جن خصوصیات کا اضافہ کیا تھا اُن کے مؤیدین میں بھی سب سے پیش پیش تھا۔

(۳) ایمائل لیواسیور[1] یہ خاص کر معاشی تاریخ، جغرافیہ اور اعداد و شمار میں دخل رکھتا تھا۔ اور کالج فرانس[2] میں لکچرار رہا۔ اسکے تصانیف یہ ہیں:۔

1. Precis d'economie politique, 1867, 4th ed., 1883 ;
2. Histoire des classes ouvrieres en France depuis la conquete de Jules Cesar jusqu'a la revolution, 1859. 2nd edition with altered title, Histoire, des classes ouvrieres et de l'industrie en France avant 1789 Histoire des classes ouvrieres et de l'industrie en France de 1789a 1870, 2d ed., 1903.
3. La population francaise, 1889-92
4. Apercu de l'histoire economiqe duela valeur et du revenue de la terre en France du XIIIea la fin due XVIIIe siecle, 1893 ;
5. L'ouvrier Americain, 1898 ;
6. Comparaison du travail a la main et du travail a la machine 1900

288

۱۸۶۸ء میں جامعات فرانس کے شعبہ ہائے قانون کے نصاب

[1] Emile Levasseur
[2] College de France

و امتحانات میں علم معاشیات اختیاری مضمون اور بعد میں چل کر لازمی مضمون قرار دیا گیا۔ اور اس ملک کی علمی تاریخ میں یہ واقعہ نہایت اہم کارنامہ خیال کیا جاتا ہے۔ اس سے قبل معاشیات کی تعلیم صرف چند درسگاہوں تک محدود تھی جن میں سب سے مشہور یہ ہیں:—

1. Conservatoire des Arts et Metiers,

2. Ecole des Ponts et Chaussees,

3. College de France.

آزاد مسلک کے سرگروہ ان نئی جائدادوں کے تقررات کو اپنے قابو اور اختیار میں نہ رکھ سکے جس کی زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ ان کے امیدوار کافی قانونی دستگاہ نہ رکھتے تھے۔ (دیکھو Political Science Quarterly. جلد پنجم صفحہ ۲۰۳ - ۶۳۵ میں چارلس جیڈ کا مضمون The Economic Schools and the Teaching of Political Economy in France) نئے منتخب شدہ پروفیسر نسبتۃً نوعمر اشخاص تھے جنھوں نے ابتداً کچھ قانونی تعلیم بھی حاصل کی تھی مگر یہ اشخاص محسوس کرتے تھے کہ بمقابلہ جرمنی اور دوسری بڑی سلطنتوں کے فرانس معاشیات کی ترقی میں پیچھے تھا۔ اور اس بات کے خواہاں و آرزومند تھے کہ ملک کو، جس نے علم کے اوائل ترقی کے زمانے میں کارنمایاں انجام دیا تھا، دوبارہ ایسی علمی عظمت حاصل ہوجائے جس کا وہ مستحق تھا۔

یہ نوعمر اشخاص ان دوسرے نوجوانوں کے برعکس جو معاشئین بننے کی خواہش رکھتے تھے قبولیت عامہ یا شہرت حاصل کرنے اور ذریعہ معاش پیدا کرنے کے لئے ان اداروں یا جماعتوں کے دست نگر یا محتاج نہ تھے جو آزاد مسلک کے زیر اثر و نگرانی تھے۔ ان کی حیثیتیں مستحکم تھیں، ان کے بہترین ممکنہ سامعین تھے

یعنی یہ ایسے نوجوان لوگ تھے جو سرکاری خدمات اور مقتدر عہدوں پر مامور ہونے کے لئے زیر تعلیم تھے - اس لئے ان اشخاص کا آزاد خیال اور کشادہ دل رہنا ممکن تھا -

اس آزاد خیالی اور کشادہ دلی کا نتیجہ کسی ایسے جدید مسلک یا ایسے اشخاص کے گروہ کی نشو و ترقی کی صورت میں رونما نہیں ہوا جن میں آپس میں اصولی اور دوسرے معاملات کے متعلق کامل موافقت ہو - لیکن اس کی وجہ سے علم میں نئی جان پڑ گئی اور سرگرم جدّ و جہد اور بڑی بڑی توقعات کے دور کا افتتاح ہو گیا -

289

اس دور جدید کے سرگروہوں اور خاص نمائندوں میں پال کاویس اور چارلس جیڈ خاص طور پر قابل ذکر ہیں - اوّل الذکر قانون اور تاریخ میں کافی دستگاہ رکھتا تھا اور اس کا رجحان طبع جرمانی تاریخی مسلک اور فرڈرک لسٹ کے خیالات کی طرف تھا - اس نے اصول عدم مداخلت اور تجارت آزاد کی مخالفت اور معاشی و معاشری معاملات میں سرکاری مداخلت کی پُر زور وکالت کی - جامعہ پیرس کے شعبۂ قانون سے متعلق ہونے کی وجہ سے اُس کو متعصب حلقوں میں ہلچل مچانے کا موقع ملا اور مروّجہ خیالات کی ترمیم کے سلسلے میں اُس نے قوی اثر ڈالا - اسکی خاص تصنیف Precis du cours d'economie Politique (دو جلدوں میں ۱۸۷۸ء تا ۱۸۸۰ء) اور چوتھی اشاعت ۴ جلدوں میں (۱۸۹۴ء) ہے -

چارلس جیڈ کا ابتدائی زمانہ جنوبی فرانس میں گزرا - مگر کئی سال تک پیرس میں شعبۂ قانون میں وہ پروفیسر بھی رہا - قدیم معاشئین کے نقطۂ نظر سے وہ ایک انتہا پسند شخص بھی خیال کیا جاتا ہے اور اُس پر اشتراکی رجحانات کا الزام قائم کیا جاتا ہے - اُس کے تحریرات کو بیرون و اندرون فرانس دونوں میں قبولیت حاصل ہوئی اور اُسکے تصانیف موجودہ زمانے کے معاشئین کے بہترین تصانیف

میں سے شمار کئے جاتے ہیں ۱۸۸۳ء میں اس نے ایک نصاب کی کتاب (Principes d'economie politique,) تصنیف کی جو کئی بار شائع ہوئی اور کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ اور ۱۹۰۹ء میں چارلس رسٹ کی مدد سے ایک کتاب Histoire des doctrines economiques depuis les physiocrates jusqu'a nos jours. شائع کی جو معاشی اصول کی تاریخ پر بہترین کتابوں میں سے خیال کی جاتی ہے۔ اس سے پیشتر کسی زبان میں بھی اس پایہ کی کتاب شائع نہ ہوئی تھی۔ جیڈ اتحاد باہمی کا پر زور وکیل ہے۔ اس نے اس مضمون پر ایک کتاب La co-cperation لکھی اور ایک دوسری کتاب بھی L'economie sociale 1907 فرانس کی معاشری وضع آئین وقوانین کی حالت پر سنہ ۱۹۰۰ء کی نمائش کے سلسلے میں لکھی۔ اپنی تحریروں میں اس نے معاشی سوالات کو مسیحیت کے عقائد کی بنا پر حل کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔

۱۸۸۷ء کی ابتدا سے کاویس اور جیڈ نے بورڈو کے لیون ڈیوگا اور بعد میں بورڈو کے ہنری سنٹ میر پیرس کے راول جالی اور لیون کے آگسٹ سوچن اور ڈیجان کے جرمین مارٹن اور ویانا کے ایوجن شویڈلینڈ کی مدد وتعاون سے ایک رسالہ Revue d'Economie Politique, کی ادارت واشاعت کی۔ یہ نہایت عمدہ رسالہ تھا جس میں علم کے تمام شعبوں کو جگہ دی جاتی تھی اور جوان ہی کی ترقی کے لئے وقف تھا۔ اس میں متعدد علمی طبقوں کے قابل افراد مضامین بھیجا کرتے تھے۔ ان اشخاص سے، ارکان جامعہ ہونے کی حیثیت سے، جن اشخاص کو تعلق تھا اُن میں سے چند حسب ذیل ہیں، اگرچہ نظریہ یا عملی معاملات کے بارے میں موخر الذکر اول الذکر سے یا آپس میں کامل موافقت نہیں رکھتے تھے:۔

(۱) الفرڈ جورڈن (ایکس اور مارسلیس کا باشندہ) جو ۱۸۴۹ء

290

میں فوت ہوا:—

1. Cours analytique d'economie Politique

(۲) ایڈمنڈ ولی آف کین:—

1. Principles d'economie politique

(۳) جوزف رمبا ڈ۔ جو لیون میں کیتھولیکی شعبۂ قانون سے متعلق تھا:—

1. Histoire de doctrines economiques, 1898

(۴) اے۔ ڈو باسے آف پائیٹرز:—

1. Precis de l'histoire des doctrines economiques dans leurs rapports avec les faits et avec les institutions, 1903.

جب سے معاشیات جامعہ کے نصاب میں شریک کرائی گئی معاشی اُصول کی تاریخ پر فرانس میں غیر معمولی توجہ صرف کی جا رہی ہے ۱۹۰۸ء کی ابتدا سے ایک خاص رسالہ Revue d'Histoire des Doctrines Economiques et Sociales, جامعۂ پیرس کے شعبۂ قانون کے پروفیسر اے۔ ڈے کیس اور اے۔ ڈو باسے کے زیر ادارت اسی بحث سے متعلق شائع ہوتا رہا۔ ان دونوں کے ساتھ ساتھ ۱۹۱۱ء سے پیرس کا ایڈ گارڈ ڈیٹیری اور جامعۂ لیئل کے شعبۂ قانون کے پروفیسر اے۔ شاٹز نے بھی کام کیا۔ اس شعبے میں متذکرۂ بالا کتابوں کے علاوہ حسب ذیل تحریرات و کتب بھی قابل ذکر ہیں:—

(۱) ایچ۔ ڈینیس:—

1. Histoire des Systemes economiques et socialistes Vol. II., 1907

(۲) بیڈٹ:—

1. Frederic Bastiat

(۳) جی - شل:—

1. Du Pont de Nemours et l'ecole physiocratique, 1888
2. Vincent de Gournay, 1897
3. Le Docteur Quesnay, Chirurgien, medecin de Madame de Pompadour et de Louis XV, physiocrate, 1907;
4. Turgot, 1909.

(۴) جے - ٹولیمارس:—

1. Un precurseur d'Adam Smith en France, 1900.

(۵) شاطز:—

1. L'aeuvie economique de David Hume, 1902;

نئے دور کی تحریک و ترقی کے زیر اثر قدیم مسلک نے بعض مشہور مصنفین پیدا کئے۔ ان میں سے سب سے مشہور پال لیروے بیولو ہے جو رسالہ L'Economiste Francais, کا قابل مدیر اور College de France کا پروفیسر اور متعدد کتابوں کا مصنف ہے۔ اس کے تصانیف یہ ہیں:—

1. Traite de la science des Finances, 1877, New Edition, 1892;
2. Essai sur la repartition des richesses, 1881-1887
3. Le collectivisme, 1884-1885;
4. Precis d economie politique, 1888
5. L'etat moderne et ses fonctions. 1890;
6. Traite theorique et pratique d'economie politique, 1896;
7. De la col onisation chez les peuples modernes, 1907
8. L art de placer et gerer sa fortune, 1907

اور دوسرے مصنف یہ ہیں:—

291

(۱) ویس گیوٹ[۱] جو مولیناری کا پیرو اور رسالہ Journal des Economistes کا مدیر تھا:—

1. La science economique, ses lois inductives, 1907;
2. La democratic individualiste;
3. Sophismes socialisted et faits economiques, 1907;
4. Les chemins de fer et la greve;
5. L'A B. C. du libre-echange;
6. La gestion par l'etat et les municipalites

(۲) الفرڈ ڈی فاول، جو ماہر اعداد و شمار ہونے کی حیثیت سے خاص شہرت رکھتا ہے: — La France Economique ایک سالنامہ تھا جو ۱۸۸۱ء کے بعد سے کئی سال تک شائع ہوتا رہا۔

(۳) الفرڈ نے مارک:— یہ ایک رسالہ Le Rentier کا مدیر تھا اور دو کتابوں کا مصنف ہے:—

1. Finances contemporaines, 5 Vols., 1871—1907
2. Vocabulaire manual d'economie politique

(۴) رفائل جارج لیوی:— بنک کاری اور زر کے بازار کے مسائل کے بارے میں اس کی قابلیت نہایت مستند ہے۔ اسنے یہ کتاب تصنیف کی 1. Melanges financiers.

موجودہ زمانے کے فرانسیسی معاشیین نے زر اور بنک کے شعبے میں خاص طور پر قابل تعریف کام انجام دیا۔ چنانچہ متذکرہ بالا مصنفوں کے علاوہ مندرجۂ ذیل بھی قابل ذکر ہیں:—

(۱) اے۔ ای۔ سیوس[۲]:—

---

[۱] Yves Guyot

[۲] A. E Seyous

1. Les banques de depot, les banques de credit et les societes financieres 1901.
2. La crise allemande de 1900--1902.

(۲) ایم-پیٹرن :-

1. La Banque de France et le credit national et inter-national, 1908.

(۳) پی-لو-گارو:-

1. Le role de la monnaie dans le commerce international et la theorie quantitative, 1904.
2. L'arbitrage obligatoire, etude economique et juridique 1906.

(۴) اے-لیسی :-

1. Portraits de financiers, 1908

(۵) ایچ-فیور :-

1. Les changes deprecies, etudes theoriques et pratiques, 1906.

(۶) جی-ڈلورش :-

1. L'expansion des banques allemandes a l'etranger, 190?.

(۷) اے-ڈیبٹر :-

1. Les caisses de liquidation des operations a terme sur marchandises, 1907

(۸) ای-برانڈری :-

1. La theorie de la monnaie au XIV siecle, Nicole Oresme 1906

(۹) بیرٹی :-

1. L'evolution des banques locales en France et en Allemague, 1908

(۱۰) اے - آپیٹ :-

252 1. Essai sur la theorie generale de la monnai, 1901

فرانس میں معاشی نظریہ نظرانداز کیا گیا - آسٹروی مسلک کے مصنفین کا بہت ہی خفیف اثر پڑا - ان کے بارے میں چارلس جیڈ لکھتا ہے :-

(دیکھو اس کی کتاب Histoire des doctrines economiques)

"موجودہ زمانے تک فرانس نے ان اشخاص کے لئے اپنے دروازے بند رکھے - یہی نہیں کہ اس مسلک کے رہنما والراس کو مجبوراً فرانس سے جلاوطن ہو کر بیرونی ممالک میں اپنی تعلیمات کے لئے زیادہ موافق فضا تلاش کرنی پڑی بلکہ موجودہ زمانے میں بھی یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص جامعہ کی چار دیواری کے اندر یا باہر کسی ایسی کتاب یا نصاب کا حوالہ دے سکے جس میں ان اصول کی تشریح یا ان پر نکتہ چینی بھی کی گئی ہے" اگرچہ اڈالفی لانڈری کی کتاب L'interet du capital and Manuel d'economie, سی - کولسن کی کی ضخیم کتاب Colours d'economie politique اور خود جیڈ کی کتابوں سے اس بیان میں خفیف سی ترمیم ضروری ہو جاتی ہے - تاہم یہ بات بالکل صحیح ہے کہ فرانس کے معاشیین عجیب وغریب طریقے سے علم المعیشت کے اس اہم باب سے ناآشنا اور اسکے فائدوں سے محروم رہے -

اٹلی

گزشتہ پچیس سال کے دوران میں اطالوی معاشیین نے علمی کے تصنیفات میں خاصہ اضافہ کیا - سابق دوروں کے مثل انھوں نے بیرونی اثرات کا کشادہ دلی سے خیر مقدم کیا اور نہایت سرعت

کے ساتھ نئے نئے خیالات کا جہاں کہیں سے دستیاب ہو سکے، اپنے ہاں لیے۔ اسی وجہ سے تاریخی مسلک و آسٹروی مسلک دونوں کا اثر موجودہ نسل کی رفتارِ خیال اور جدّوجہد پر پڑا۔ مندرجۂ ذیل مصنّفین کے تصانیف میں آسٹروی مسلک کا اثر خاص طور پر نمایاں ہے:۔

(۱) گریزیانی:۔

1. Storia critica della theoria del valore in Italia
2. Istituzioni di Economia politica, 1904
3. Istituzioni di scienza delle finanze, 1911

(۲) یم۔ نیپٹالیونی

1. Manuele di Economia
2. Scritti varii di Economia

تین سلسلوں میں علی الترتیب سنہ ۱۹۰۹ء، سنہ ۱۹۱۰ء اور سنہ ۱۹۱۲ء میں شائع ہوئیں۔

(۳) جی۔ رکا سیلنو:۔

1. Scienza delle Finanze, 1890

(۴) سی۔ کانی گلیانی:۔

1. Teorica..............imposte, 1890

(۵) یو۔ مزولا:۔

1. Dati Statistici...............Publica, 1890

(۶) جی۔ انٹی مارٹیلی:۔

1. La teorica..............Marginali

اطالیہ میں موجودہ زمانے کا سب سے زیادہ اصلی اور قوی اور نیز سب سے زیادہ انتہا پسند عالمِ معاشیات اچلی لوریہ ہے جو پیڈوا میں معاشیات کا پروفیسر تھا۔ اُس نے متعدد مباحث پر متعدد کتابیں تصنیف کیں:۔

1. La rendita..................naturale, 1880
2. Le legge..................Sociale, 1882
3. Carlo Darwin................Politica, 1884
4. Annalisi.............. ...capitalista, 1889
5. Studi moneta,1891
6. La terra................sociale 1892
7. La sociologia, 1900
8. La constituzione.................odierna, 1900
9. Il Capitalismo..................polemiche, 1901
10. Le Basi.................sociale, 1902
11. Marx.................dottrina, 1902
12. Il.........operaio, 1903
13. La.........sociale Paris, 1905
14. Verso.........sociale, 1904
15. La sintesi economica, 1905

لیکن اس کا خاص مضمون "معاشرے کے ارتقاء اور موجودہ زمانے کے معاشی، معاشری اور سیاسی سوالات پر زمین کا اثر اور اسکی تقسیم" ہے۔ وہ یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ ہر ملک کے قوانین میں اس بات کی گنجائش ہونی چاہیئے کہ ہر شخص کا زمین کے کچھ حصے پر حق تسلیم کیا جائے اور یہ کہ اگر غیر منقولہ جائداد کی مناسب طریقے پر تقسیم عمل میں لائیجائے تو اکثر بڑے بڑے معاشی نقائص کی اصلاح ہو سکتی ہے۔

موجودہ زمانے کے قابل ذکر مصنف یہ ہیں:—

(۱) اے۔ اگنیلی:—

1. Il problema..............operaia, 1909

(۲) بیرون:—

1. Principii............politica
2. La espansione........moderul, 1906

(۳) یمل - فانشانا رسو:—

1. Trattato............commerciole, 1907

(۴) انجی:—

1. Scienza de fumaza, 1904
2. La Italia all........XX, 1901

(۵) سی - سوپلینو:—

1. Le........economiche, 1907
2. Principii........politica, 1908

(۶) جی - تانیولو:—

1. Trattato........sociale

(۷) ویلنٹی:—

1. Principii........economia, 1909

Giornale degli economisti اطالیہ کا سب سے بڑا رسالہ ہے جس کی ابتدا ۱۸۷۵ء میں ہوئی اور جو ۱۸۸۶ء سے مسلسل شائع ہو رہا ہے۔

294

آٹھواں باب

خاتمہ[1]

ہم اس باب میں سابقہ تاریخی تجربے کی روشنی میں اس بات پر مختصراً غور کریں گے کہ علم معاشیات کی تجدید کے سلسلے میں کونسے تدابیر اس وقت فوراً قابل عمل ہیں اور کن تدابیر پر عمل کرنا ضروری ہے۔

(۱) معاشی تحقیق اب تک زیادہ تر قانون دان اور اہل قلم طبقے کے ہاتھ میں رہی اور جس گروہ کو حقیقی عالمانہ جماعت کہا جا سکتا ہے اُس نے اس میدان میں تگ ودو ہی نہیں کی۔ معاشیات کی تہذیب میں حصہ لینے والے عام طور سے غیر نامیاتی اور مادی علوم میں ایسی صحیح مہارت و دستگاہ ہی نہ رکھتے تھے جو کیا بلحاظ

[1] اس باب میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں انہیں سے اکثر کی ترمیم ان ترقیات کی روشنی میں کر لینا ضروری ہے جو باب ہفتم میں درج ہیں۔ خواہ یہ بیانات اُس زمانے کے حالات کا جیسے کہ وہ تحریر کئے گئے تھے کتنا ہی اچھا آئینہ کیوں نہ ہوں وہ پھر بھی موجودہ زمانے کے حالات کی صحت کیساتھ ترجمانی نہیں کرتے ڈاکٹر انگرم نے بہا بعض تغیرات کی سفارش کی ہے انپر حسبِ عمل کر دیا گیا ہے اور بعض ابھی زیر غور ہیں۔ لیکن ڈاکٹر انگرم نے جن خیالات کا اظہار تاریخ معاشیات مرتب کرنے میں کیا ہے انکو بلا ترمیم اصلی حالت میں چھوڑ دیا گیا ہے تاکہ علم معاشیات کے بعض اساسی سوالات کے متعلق انکا جو رجحان تھا اس کی روشنی الئے میں پیارہ آمد ثابت ہوں۔ ولیم اسکاٹ۔

اصول کی بنیادوں کے بہم پہنچانے کے اور کیا بلحاظ طریقہائے تحقیقات
مہیا کرنے کے نہایت ضروری ہے۔ اُنھوں نے محض مابعد الطبعی
علوم کی تعلیم حاصل کی تھی۔ اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بلحاظ صورت و معنی
معاشیات کی وہی نوعیت رہی جو سترھویں اور اٹھارھویں صدی
میں اُن کی تھی۔ نہ تو علم میں مرور زمانہ کے ساتھ کوئی تغیر واقع ہوا اور نہ
وہ کوئی حقیقتہً ایجابی شکل و نوعیت اختیار کر سکا۔ یہ علم مسالک منطق،
مجرد غیر تاریخی اصول قانون، اور ملی اخلاقیات و سیاسیات اور دوسرے
قدیم و فرسودہ نظام ہائے خیال کے مماثل ہے اور یہ معلوم ہو گا کہ
جو اشخاص معاشیات کی تاریخی نوعیت کے قیام و بقا پر شدومد
کے ساتھ زور دیتے ہیں انہوں نے متذکرۂ بالا متروک نظریات کے
میدان سے عادتاً مواد حاصل کیا۔ ہم اس طرح پر سمجھ سکتے ہیں
کہ معاشیات کے متعلق حقیقی اہل علم کا کیا طرز عمل رہا اور ہو سکتا ہے۔ حقیقت
یہ ہے کہ یہ طبقہ ہمارے علم کو چھپی ہوئی نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے
اور اُس کے ماہروں کو اپنی برادری میں شامل نہیں کرتا یا اگر اپنے حلقے
میں داخل کرتا بھی ہے تو بہ اکراہ تمام۔

معاشیات کی اس غیر علمی نوعیت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے
کہ اُس کے مسائل کی بحث بالکلیہ انفرادی اور ذہنی نقطۂ نظر سے
کی جاتی ہے۔ دولت کو خواہشیں اور احتیاجیں پورا کرنے کا ذریعہ
تو تصوّر کیا جاتا ہے مگر ان معین و مشخص خواص و صفات پر جو بعض
طبعی قوت بہم پہنچانے والے اور عضوی نظام کی اصلاح کرنیوالے
اشیاء میں پائے جاتے ہیں، نظر نہیں ڈالی گئی ہے۔ ہر شے کا اندازہ
ذہنی تصورات اور خواہشوں کے معیار سے کیا جاتا ہے اور تمام
خواہشوں کو مساوی طور پر جائز اور درست خیال کیا جاتا ہے۔ اور جو
چیز ہماری خواہشات کو پورا کرے اُس کو مساوی طور پر دولت خیال
کیا جاتا ہے۔ قدر و قیمت کو خالص دماغی تصور کا نتیجہ خیال کر کے

295

اشیاء کی معاشری قیمت کو اُن کے خارجی افادے کے اعتبار سے نظرانداز کیا جاتا ہے، اور کلیتہً اشیاء کے مبادلے کی نسبت کا لحاظ کیا جاتا ہے حالانکہ خارجی افادے کی پیمائش علمی اعتبار سے بیشتر ممکن ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دولت کو سوسائٹی اور قوم کی بقا و ارتقاء کا مقصد قرار دینے کا خیال تمام معاشی تحقیقات کی تہ میں رہنا ضروری ہے اور اگر ہم اس کو نظرانداز کر دیں تو معاشیات بجائے عمرانی علوم میں اضافہ کرنے کے محض منطق کا کھیل یا عامیانہ قسم کی اور بازاری کتاب رہ جائے گی۔ اور اگرچہ بظاہر مکمل ہو گی مگر حقیقتہً ایک سطحی اور یک طرفہ علم ہو گی۔ معاشیات اس چیز سے بہت بڑی اور بدرجہا وسیع چیز ہے جس کو بعض اشخاص نے مبادلیات[1] تک ہی محدود رکھنا چاہا ہے۔

فطرآئیینوں کا یہ مبہم تصور تھا کہ اُن کی تحقیق اور اُن کا موضوع خارجی فطرت سے بہت قریب ہے اور بظاہر یہی اُن کے خصوصیات متمائز میں سے ایک خصوصیت تھی اور اس حد تک تو ہمارا اُن کے نقطۂ نظر سے متفق ہونا ضروری ہے اور طبیعیات اور حیاتیات پر (ان علوم نے ہمارے زمانے میں جس درجے تک ترقی کی ہے اس درجے تک) معاشیات کی بنیاد قائم کرنی چاہیئے[2]۔ اس کے علاوہ یہ ضروری ہے کہ معاشیات کو ان مذہبی و مابعد الطبیعی عناصر یا رجحانات سے بالکل پاک و صاف کر دیا جائے جو اب تک علم کے چہرے پر ایک بدنما داغ بنے ہوئے ہیں۔ اور ایک طرف تو علل اشیاء کی تحقیق و اجائیت کو اور دوسری طرف "فطری آزادی" اور "ناقابل انفکاک حقوق" کی

[1] Catallactics

[2] اس مسئلے پر مشہور ماہر حیاتیات پی۔ گیڈیس نے اپنے مضامین میں قابلیت کیساتھ بحث کی ہے جو رائل سوسائٹی آف ایڈنبرا کے جلسوں میں متعدد موقعوں پر پڑھے گئے تھے۔

فضول بکواس یک قلم ترک دینا ضروری ہے۔
ہم ان سہل ضابطوں کو بھی جو پہلے متعدد مرتبہ استعمال ہو چکے ہیں مثلاً یہ کہ "تمام انسانوں کو دولت کی خواہش اور محنت سے نفرت ہوتی ہے" بطور عام مقدمات کے جن سے معاشی حقایق کو بطریق استخراج اخذ کیا جا سکتا ہے فرض نہیں کر سکتے۔ اس قسم کے مبہم قضیوں کو جو معاشری مشاہدات کی پیش بینی کا اور ان پر غالب آنے کا دعوے کرتے ہیں اور جو اضافیت کی جگہ پر مطلق و مجرد کا استعمال خواہ مخواہ لازمی بنا دیتے ہیں، قطعاً نظر انداز کر دینا ضروری ہے۔ قوانین دولت (اگر بکل کے ایک جملے کو منقلب کرو) کا استخراج واقعات دولت سے کرنا ضروری ہے نہ کہ انسانی خود غرضی کے اُصول موضوعہ سے۔ ہم کو سنجیدگی سے ٹھیک اسی طریقے کی تحقیق کرنی چاہیے جس کی طرف سوسائٹی نے اپنے کو حقیقت میں متوجہ کیا یا جس کی طرف اپنی مادی خواہشوں کے پورا کرنے اور اپنی بقاء اور ارتقاء کے لئے اب متوجہ ہے۔ سوسائٹی نے اس مقصد کے لئے کن اعضاء و ذرائع کو نشو و ترقی دی، ان کو کس طرح استعمال کیا اور یہ جس ماحول میں کام کرتے ہیں اس سے اور اُن ہمعصر اعضاء سے جو دوسرے اغراض کو پورا کرتے ہیں کس طرح متاثر ہوتے اور خود اُن پر کس طرح اثر ڈالتے ہیں اور ان میں اور اُن کے افعال میں مرور زمانہ کے ساتھ بتدریج کس طرح ترمیم ہوتی ہے، یہ سب سوالات خواہ سکونی ہوں یا حرکی، واقعات سے متعلق ہیں جن کی تحقیق مشاہدے اور تاریخ کے ذریعے سے اُسی طریقے پر کی جا سکتی ہے جس طرح پر کہ انسان کی زبان یا مذہب کی نوعیت و تمدنی یا عمرانی مظاہر کے کسی دوسرے شعبے کی تحقیق ہو سکتی ہے۔ اس قسم کی تحقیقات میں یقیناً مشاہدے کے نتائج کی مسلسل "تحلیل تحلیل" کرنی ہوگی اور اگرچہ تمام غیر پختہ یا خام مفروضات کو ترک کرنا پڑے گا بہ نہم فطرت انسانی کے بارے میں چند صحیح حقائق

ہیں اُن کو واقعات کی تشریح و تحقیق میں بطور رہبر و ممد استعمال کرنا ہوگا اور جو مفروضات عمداً قائم کرکے استعمال کئے جائیں گے اُن کا استعمال درست اور جائز ہوگا لیکن صرف بطور عارضی منطقی حیلے کے۔

(۲) معاشیات کو عمرانیات کے وسیع علم کی ہمیشہ صرف ایک شاخ سمجھنا ضروری ہے جو دوسرے عمرانی علوم و نیز اخلاقی ترکیب سے جو تمام عقلی نظام کا سرتاج ہے گہرا تعلق رکھتی ہے ہم اُن فلسفیانہ بنیادوں کی کافی تشریح و توضیح کرچکے ہیں جن پر یہ نتیجہ قائم ہے کہ سوائے چند صورتوں کے سوسائٹی کے معاشی مظاہر دوسروں سے علیحدہ نہیں کئے جاسکتے یعنی فی الحقیقت تمام ابتدائی معاشری عناصر پر اُن کے باہمی انحصار اور باہمی عمل کے اعتبار سے عادتاً غور کرنا چاہئے۔ ہم کو خاصکر اُن اعلیٰ اخلاقی اثرات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے جن کے تابع معاشی تحریک ہے اور جنکی عدم موجودگی میں معاشیات نہ تو کبھی پورے طور پر جلیل القدر فلاسفہ کو اپنی طرف متوجہ کراسکتی ہے اور نہ صحیح دماغ والوں کی دلچسپی حاصل کرسکتی ہے انفرادی نقطۂ نظر کو اجتماعی نقطۂ نظر کے تابع کرنا ہوگا اور ہر فرد کو سوسائٹی کا بلکہ پورے نسل انسانی کا ایک عضو ماننا پڑیگا۔ جیسا کہ جارج ایلیٹ نے بہت خوب کہا ہے:۔ اغراض کی بجائے اعمال کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔ استحقاق کا قدیم اُصول جو ''فطری آزادی'' کے نظام کی بنیاد تھا اپنا عارضی کام انجام دے چکا، اس کے عوض میں اُصول فرض شناسی کو رکھنا ہوگا اور ہر جماعت اور قوم کے ہر فرد کے معاشری اتحاد باہمی کی نوعیت کو قطعی طور پر معین کرنا ہوگا اور تعامل کے صحیح اور مفید طریقے کے متعلق قواعد مرتب کرنے ہوں گے۔

اب جبکہ ہم معاشیات کے نظری نظام سے بالفعل قطع نظر کرکے اس علم پر اس لحاظ سے نظر ڈالتے ہیں کہ ساری حکمت عملی پر اس کا کیا اثر ہے تو موجودہ زمانے میں اس خیال کی تردید میں وقت ضائع

297

کرنے کی ضرورت نہیں کہ "معاشی چیزیں عدم حکومت یا مزاج ایک طبعی نظام اشیاء ہے"، اصول عدم مداخلت، جو ہم تک فطری آزادی کے نظام سے پہنچا ہے، ایک مدت دراز تک قدیم معاشئین کا اصول عمل اور مقولہ رہا۔ یہ اصول انگلستان میں قانون غلہ کی تنسیخ کی کشمکش کی وجہ سے خاص طور پر مقبول رہا۔ اور اس پر شدّ و مد کے ساتھ زور دیا جاتا تھا اور اسی وجہ سے انگلستان میں تجارت آزاد بہتیر بحث مباحثہ کا مرکز بنی رہی۔ یہ صورت حالات دول خارجہ کی تامینی حکمت عملی میں ترمیم کرنے کی کوششوں کے ساتھ مسلسل جاری رہی لیکن اب تھوڑے عرصے سے اس اصول کی احترامی و تقدیسی نوعیت، جو پہلے اس سے منسوب تھی، مفقود ہو گئی ہے۔ یہ بات علمی خیال کا نتیجہ اس قدر نہیں ہے جس قدر کہ عملی ضروریات کے دباؤ کا۔ اور یہ ایسا سبب ہے جس نے معاشی آراء کی یکے بعد دیگرے آنیوالی شکلوں میں بہت زیادہ ترمیم کر دی ہے۔ گو کہ نظریاتی معاشئین اس تبدیلی کے قائل نہیں ہیں۔ مدبرین سلطنت معاشری ضروریات کے لحاظ سے عمل کرنے پر مجبور ہو جائیں گے، خواہ مجرد ضابطوں کے وہ کتنے ہی پابند ہوں۔ چنانچہ ماہران سیاست نے اصول عدم مداخلت سے عمداً بے اعتنائی برتنی شروع کر دی ہے۔ حکومت نے بڑی حد تک اور خاص اثر کے ساتھ مفاد عامہ اور معاشری مساوات کے مقاصد کے مدّنظر شخصی اغراض کے عمل کو منظم کرنے کا کام جاری رکھا ہے۔ خود معاشئین کا بھی اس بارے میں مذہب تبدیل ہو گیا ہے۔ نظریاتیوں میں ہربرٹ اسپنسر نے اس چیز کے خلاف جس کو وہ سرکاری مداخلت کی "نئی غلامی" کہتا ہے، جو احتجاج کیا وہ صدا بصحرا ثابت ہوا۔ معاشی معاملات میں سرکاری عدم مداخلت کے قدیم اصول مطلق کو از سر نو قائم و رائج کرنے کا جہاں تک تعلق ہے اسپنسر کا احتجاج محض فضول ہے۔ لیکن یہ یقیناً ممکن ہے کہ اس اصول کے خلاف جو انقلاب ہوا اسکی طاقت

298

کے اثر سے مقابل کی سمت میں بہت ہی زیادہ انتہائی رجحان پیدا ہو جائے ممکن ہے کہ پیدائش اور مبادلے کے عمل میں فی نفسہ انگلستان میں مداخلت نہ ہو لیکن دنیائے محنت کی غیر معین حالت سے جو خطرات و مشکلات رونما ہوتے ہیں اُن کی وجہ سے انگلستان دیگر ممالک کے مثل میں بلاشبہہ وقتاً فوقتاً تنظیم کی کوششیں قبل از وقت شروع ہو جائیں گی۔ بایں ہمہ اُن نقائص کی اصلاح کے قطع نظر جن سے مزدوروں کی صحت خراب ہونے اور امن عامہ میں رخنہ پڑنے کا اندیشہ ہے اور اُن عارضی تدابیر کے علاوہ جن سے معاشری دباؤ کو کم کرنے میں سہولت ہو مزدوروں کے متعلق دوسرے معاملات میں حکومت کی صحیح حکمت عملی موجودہ زمانے میں غیر مداخلت ہوگی۔ اس میں یقیناً کوئی شک نہیں کہ صنعتی طبقہ ہمیشہ کے لئے باقاعدہ تنظیم سے محروم نہ رہے گا محض شخصی اغراض کا تنازع ہرگز مزدوروں کی منتظم جمہوریت پیدا نہ کریگا "آزادی فی نفسہ کوئی حل نہیں ہے" (مقولہ در زبان جرمنی) سوسائٹی کے لئے آزادی عملی سوالات کو حل کرنے کی ایسی ہی ضروری ابتدائی شرط ہے جیسی کہ افراد کے لئے خواہ وہ آزادی قدرتی قویٰ کو نشو و نما دینے کے لحاظ سے ہو یا اُن کے قویٰ کے قدرتی رجحانات کو ظاہر کرنے کے اعتبار سے۔ لیکن بجائے خود یہ کوئی حل نہیں ہے۔ اگرچہ مرور زمانہ کے ساتھ صنعتی عالم کی تنظیم کے وجود میں آنے کی توقع کی جاسکتی ہے، بریں ہم ایک فرضی نظام کے قیام کی کوشش کرنا بڑی غلطی ہوگی ہم اس وقت تعلیمی دور میں ہیں، ہماری حکمران قوتیں ابھی تک نامکمل و مبہم سی نوعیت رکھتی ہیں اور صنعتی زندگی سے حقیقی ہم آہنگی نہیں رکھتیں۔ اور ان میں زمانۂ حال کی روح غیر مکمل طریقے پر سمائی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ نظام جدید کے حالات ابھی تک کافی طور پر سمجھ میں نہیں آئے ہیں۔ زمانۂ مستقبل کے آئینی اداروں کی بنیاد جذبات و عادات پر قائم کرنا ضروری ہے اور یہ چیزیں فقط خیال

299

وتجربے کی آہستہ وتدریجی ترقی سے پیدا ہو سکتی ہیں حقیقت یہ ہے کہ سوالات کو ہمیشہ اخلاقی نقطۂ نظر سے حل کرنا چاہئے۔ صنعتی زندگی کی طرف جو نقائص منسوب کئے جاتے ہیں ان میں سے اکثر کی اصلاح وترمیم کرنے کا فطری ذریعہ مادّی قوت سے زیادہ روحانی قوت ہے۔[1] حقیقت میں اگر کوئی ایسا رجحان ہے (اور ہم اقرار کرسکتے ہیں کہ اس قسم کا رجحان فی الواقعی ہے یا قریب الوقوع ہے) جو حکومت کو قیام وبقائے معاشری مساوات کی غرض سے اپنے معمولی حدود سے تجاوز کرنے اور اس عمل کو وسیع کرنے کے لئے مجبور کرتا ہے تو اس کی وجہ بلا شبہہ ایک حد تک یہ واقعہ ہے کہ مہذب اقوام میں مذہبی مسائل سے تنفر ادر بے دینی عام طور پر روز بروز بڑھنے سے کلیساؤں کا اقتدار کمزور پڑگیا ہے اور اُن کی معاشری عمومیت وقبولیت کا اثر زائل ہوگیا ہے۔ اس وقت جو چیز سب سے زیادہ ضروری ہے وہ یہ نہیں کہ صنعتی معاملات میں بڑے پیمانے پر آئینی مداخلت کی جائے بلکہ صنعتی عالم کے اعلیٰ وادنیٰ دونوں شعبوں میں فرض کی انجام دہی کے متعلق صحیح اور سنجیدہ خیالات ترتیب دئے جائیں اور ان خیالات کی نشو واشاعت اور اُن کے اطلاق کا پہلے سے زیادہ موثر طریق اختیار کیا جائے۔ اس مسئلے پر ہم یہاں

---

[1] اس امر سے بے اعتنائی اور اس کے نتیجے کے طور پر سرکاری مداخلت کی اہمیت پر ناواجب زور دینا ہی انتظار ر وہ خطرۂ عظیم ہے جس میں معاصر جرمانی مسلک معاشیات گھرا ہوا ہے۔ سرکاری مداخلت جائز ہے لیکن مملکۃ اسی پر انحصار مناسب نہیں۔ جب شمولر یہ کہتا ہے کہ مملکت ہی نسل انسانی کی تعلیم وتربیت کا سب سے بڑا اور عظیم الشان موجود الوقت اخلاقی ادارہ ہے، تو وہ گویا مملکت سے کے تفویض وہ اعمال وافعال کر رہا ہے جو کلیسا سے متعلق ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ حکومت کی تعلیمی پالیسی صرف بالواسطہ طریق پر عمل میں آنی چاہیئے۔

تفصیلی بحث نہیں کر سکتے، لیکن اتنا کم از کم کہا جا سکتا ہے کہ اس زمانے میں جو جماعتیں صحیح طور پر ضروریات وقت کو بظاہر محسوس کرتی یا اُن کو کافی طور پر سمجھتی ہیں وہ صرف وہ جماعتیں ہیں جو ایک طرف تو قدیم روحانی طاقت کی بحالی کو اپنا مقصد بنائے ہوئے ہیں یا دوسری طرف جدید روحانی طاقت قائم کرنا چاہتی ہیں اور اس سے اس نتیجے کی طرف رہبری ہوتی ہے کہ ایک قسم کی سرکاری مداخلت ایسی ہے جس کو عدم مداخلت کے وکیلوں نے ہمیشہ ناپسند نہیں کیا ہے اور جواب بھی سب سے زیادہ جدید صنعتی و عمرانی نظام کی تاریکی اور بڑا امن ترقی کو روکنے کی جانب مائل ہے یعنی سرکاری طور پر فلسفیانہ اصول پیش کرکے اور خیالات کے اظہار اور بحث مباحثے پر قیود اور بندشیں عائد کرکے روحانی آزادی میں مداخلت کرنا۔

یہ معلوم ہوگا کہ معاشی عمل کے بارے میں ہمارا خاص نتیجہ معاشی مظاہر کی نظری بحث کے نتیجے سے ہم آہنگ ہے۔ اس لئے کہ، جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ نظری بحث اُس وقت تک کامیابی کے ساتھ نہیں کی جا سکتی جب تک کہ اس کو عمرانیات کے وسیع علم کا ایک ذیلی شعبہ قرار نہ دیا جائے۔ اسی طرح ہماری دانست میں عملی انسانی معاملات میں جزوی ترکیب ممکن نہیں بلکہ سوسائٹی کی معاشی تنظیم جدید سے مراد عام تجدید اور اصلاح ہے اور اس میں مادی اصلاح جس قدر مراد ہے اسی قدر ذہنی اور اخلاقی اصلاح بھی مراد ہے۔ صنعتی اصلاح جس کے لئے مغربی یوروپ پریشان اور فغاں برلب ہے اور جس کے آغاز کے بہت سے آثار پائے جاتے ہیں (اگرچہ یہ اصلاح صرف مسلسل اور انتھک کوششوں کا نتیجہ ہوگی) کوئی منفرد اور تنہا واقعہ

نہ ہوگی بلکہ عملی فن حیات کا ایک جزو ہوگی جس سے ہمارے پورے ماحول پر اثر پڑے گا، ہماری پوری تہذیب متاثر ہوگی اور ہمارا طرز عمل منظم ہوگا۔ مختصر یہ کہ یہ اصلاح ہمارے تمام ذرائع اور قوتوں کو نسل انسانی کی ترقی و تحفظ کے واحد مقصد عظیم کی طرف متوجہ کردے گی۔

تمت
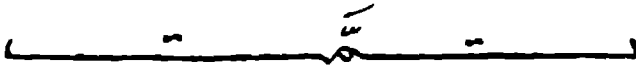
تعلیقات

تاریخ معاشیات

از

انگرام

مقدمہ

صفحات انگریزی صفحات اردو

xii ص ۸ ۔امریکن انجمن معاشیات اور برطانوی انجمن معاشیات

American Economic Association and British Economic Association.

کے متعلق واقعات کے بارے میں دیکھو ڈٹ۔ ایلی کا خطبہ موسوم بہ

The American Economic Association (1885-1909), with Reference to its Origin and Development, a Historical Sketch.

جو امریکہ کی انجمن معاشیات کے بائیسویں سالانہ جلسے کی رویداد اور کاغذات سے اخذ کر کے دوبارہ طبع کیا گیا۔

باب ۱

تمہید

2 ص ۲ ۔ جے ، بی ، سے ۔ دیکھو اس کی کتاب
Econ. Pol. Pratique IX me Partie.
اس کتاب کے ساتھ جو تعلیق منسلک ہے اس میں بھی سے کے متذکرہ متن قول کی ترمیم نہیں کی گئی ہے ۔
سے کے قول کے بارے میں دیکھو روشر کی کتاب
Geschichte der National-œkonomik in Deutschland,

Vorrede.

باب ۲

18 ص ۲۷ ۔ پلینی ، دیکھو اس کا قول
Liv. VI, 12 اور **Tac. Ann. III, 58** میں ۔

16 ص ۲۷۔ سسرو ۔ دیکھو اس کا قول
Cicero de Off I, 42 اور Liv. XXI, 63 میں

21 ص ۳۳۔ قدما کے معاشی نظریوں اور قضیوں کے بارے میں دیکھو
روشر کا مضمون
Ueber das Verhaltniss der Nationalokonomie zum
klassischen Alterthume
جو اس کی کتاب
Ansichten der Volkswirthschaft (1861)
میں موجود ہے ۔

26 ص ۴۰۔ سود خواری کے مقدمات کے فیصلے کے بارے میں دیکھو
روشر کی کتاب
Geschichte der N.O. in Deutschland, p. 5.

27 ص ۴۲ De Regimine Principum اس مسئلے کے بارے میں
دیکھو جورڈین کی کتاب
Philosophie de S. Thomas Vol I, p. 141-9 and 400.

29 ص ۴۶۔ دور وسطی کے معاشی تصانیف و تحریرات کے متعلق مزید
معلومات ہیچ کونٹ زن کی کتاب
Geschichte der Volkswirthschaftlichen Literatur in
Mittelalter (2nd Edition 1872).
اور وی کیوسومانو کی کتاب
Dell' Economia Politica nel Medio-evo (1876)
میں ملیں گے ۔ نیز دیکھو ڈبلیو، جے، ایش لے کی کتاب

Introduction to **English Economic History and Theory** (1888) Vol. I Chapter III.

84 ص ۵۴ ۔ نکول آرسم کے لئے دیکھو

Comptes rendus de l'Academie des Sciences morales et politiques, LXII 435, sqq.

84 ص ۵۴ نکول آرسم کے بارے میں روشر نے جو رائے ظاہر کی ہے اس کے لئے دیکھو خود روشر کی کتاب

Geschichte der N.O. in Deutschland, p. 25.

85 ص ۵۶ ۔ تجارئین کی تعریف کے بارے میں دیکھو روشر کا قول خود اس کی کتاب

Geschichte der N.O. in Deutschland p 228, sqq. میں۔

89 ص ۶۲ ۔ ریلے، من، چائلڈ وغیرہم کے بارے میں روشر کے خیالات کے لئے دیکھو روشر کی کتاب

Geschichte der N.O. in Deutschland, p. 227.

89 ص ۶۲ کولبیر کے خط موسومہ یم، وی، پومپون کے لئے دیکھو کلیمنٹ کی کتاب

Histoire de la vie et de l'administration de Colbert 1846), p. 184.

41 ص ۶۶ ۔ رومیو بو کی ۔ حاشیۂ متن میں " بو کی " کے بجائے " بولو " چھپ گیا ہے صحت کر لی جائے ۔ اس کی ایک تصنیف

Della guista universale misura e suo typo

ہے ۔ جس کی جلد اول کا عنوان ۔

Anima della Moneta

اور جلد دوم کا عنوان

Corpo della Moneta.

ہے جس کا پورا تبصرہ یوگابی کی کتاب

Economia politica negli Scrittori Italiani del Secolo XVI- XVII (1889)

میں موجود ہے۔

42 ص ۶۷ ۔ مان ٹین اور بودن دیکھو

Essais liv I, Chapter 21.

42 ص ۶۸ ۔ بودن یا باڈن ایک اور مصنف جس کی علمی قابلیت بودن کی علمی قابلیت سے ملتی جلتی ہے اور جو بظاہر بودن کے بہت کچھ زیر اثر معلوم ہوتا ہے اطالیہ کا باشندہ جیو یا گیووانی بوٹرو ہے (۱۵۴۰ء تا ۱۶۱۷ء) اس کی ایک کتاب

Delle cause della grandezza delle citta, 1588

جس کا ترجمہ انگریزی زبان میں روبرٹ پیٹرسن نے ۱۶۰۶ء میں کیا اس کی اصل تصنیف

Della Ragion di Stato, libri X (1589)

کی تمہید ہے جس میں مصنف نے میکیاولی کے اصول کی مخالفت کی ہے۔

46 ص ۷۳ ۔ من کے اصول اور قضیوں کے بارے میں دیکھو اسمتھ کی کتاب دولت اقوام کتاب چہارم باب (۱)۔

ص ۷۳ ۔ من۔ اس سے کم اہمیت کے مصنف جن کا رجحان اسی سمت میں ہے یہ ہیں۔

(۱) سر تامس کل پیپر جو دو کتابوں کے مصنف ہیں :-

(a) **A Tract against the High Rate of Usury, 1623. and**

(b) Useful Remark on High Interest, 1641.

(۲) سر ڈڈلے ڈگس جو

Defence of Trade, 1615

کا مصنف ہے۔

(۳) جی، میلانس جو

Consuetudo vel Lex Mercatoria 1622.

کا مصنف ہے۔

(۴) ای، مسل ڈین جو

Circle of Commerce, 1623

کا مصنف ہے۔

(۵) سمیوئل فورٹ رے جو

England's Interest and Improvement 1663 and 1673

کا مصنف ہے۔

(۶) جان پالکس فین جو

England and India inconsistent in their Manufacturers, 1697 کا مصنف ہے۔

51 ص ۸۲۔ سر ڈڈلے نارتھ۔ پھر بھی یم یوجین ڈیر اپنی کتاب موسوم بہ

Œvres de Turgot, I, 322

میں لکھتا ہے کہ "ہیوم اور ٹکر ہی دو شخص ہیں جنھوں نے انگلستان میں تجارتین کے اصول کو اہمیت دی اور ان کو نمایاں کیا۔"

52 ص ۸۴۔ اونیٰ درجے کے انگریز مصنفین جنھوں نے نئے معاشی رجحان کی متابعت کی یہ تھے:۔

(۱) لوئی رابرٹس جو

Treasure of Traflick, 1641 کا مصنف ہے۔

(۲) رائس واگہن جو
Discourse of Coin and Coinage 1675. کا مصنف ہے ۔
(۳) نکولس باربن جو
Discourse concerning Coining the new money lighter, 1696. کا مصنف ہے' اس کتاب میں لاک کے بعض اغلاط کو نمایاں کیا گیا تھا ۔
(۴) ایک گمنام مصنف جس کی تصنیف کا نام
Considerations on the E. India Trade, 1701. ہے ۔
اس زمانے میں جن عملی سوالات پر بہت کچھ بحث مباحثہ ہوا کرتا تھا وہ بنک کاری سے متعلق مسائل تھے ۔ چنانچہ ان پر طویل مباحثات کا سلسلہ جاری رہا اور ہیس لیمب' ڈبلیو پوٹر' ہیف کریڈک' ہیم لوی' ہیم گوڈ فرے' آرمرے' ہیو چیمبرلین اور ڈبلیو پیٹرسن موسس بنک آف انگلینڈ نے اس موضوع پر متعدد کتابیں اور رسائل تحریر کئے ۔ اور دوسرا عملی سوال نقلس کا انتظام تھا جس پر لاک' سر میتھیو ہیل' آرہین' ٹی فرمن اور دوسرے مصنفوں نے مضامین لکھے ۔

باب ۵

57 ص ۹۳ Projet d'une dixme Royal کا انگریزی ترجمہ ۱۷۰۸ء میں شایع ہوا ۔

58 ص ۹۶ ۔ دیکھو رچرڈ کن ٹلن کا حال ایک مضمون بعنوان
"Richard Cantillon and the Nationality of Political Economy" جو کنٹمپوررری ریویو Contemporary Review

جنوری ۱۸۰۸ء میں شایع ہوا ۔ کن ٹلن کا حوالہ "دولت اقوام" کتاب یکم باب (۸) میں دیا گیا ہے ۔

58 ص ۹۶ ۔ گورنے نے اپنے دوستوں سے کن ٹلن کی کتاب کی بہت پرزور سفارش کی کہ وہ نہایت عمدہ کتاب ہے جو نظر انداز نہیں کی جا سکتی ۔ دیکھو

Memoires de Morellet, I., 38.

59 ص ۹۷ ۔ قانون فطرت کے تصور کی ابتدا کے بارے میں دیکھو کلف لزلی کی کتاب

Essays in Political and Moral Philosophy, p. 151.

61 ص ۹۹ ۔ محصول ارضی ۔ پروفیسر رکاسالیمو جو

Le Dottrine Finanziarie in Inghilterra. کا مصنف ہے

اس واقع کی جانب توجہ مبذول کراتا ہے کہ واحد محصول ارضی کی تجویز جو فطر آئینوں کے پیش کردہ اصول کے مماثل نظری اصول پر مبنی ہے، ۱۷۳۴ء کی قدیم دنیا میں بھی پیش کی جا چکی ہے، چنانچہ ایک انگریز جیکب وان ڈرلنٹ نے اپنی تصنیف موسوم بہ

Money answers all things

میں اس کی وکالت بہت کچھ شد و مد اور توضیح کے ساتھ کی ہے

63 ص ۱۰۳ ۔ کوئنے کی ایک کتاب

Œuvres economiques et philosophiques

۱۸۸۸ء میں اونکن نے شایع کی ۔

64 ص ۱۰۴ ۔ میرابو اعظم کے متعلق آدم اسمتھ کے قول کے لئے دیکھو ۔ "دولت اقوام" کتاب چہارم باب (۹)

64 ص ۱۰۴ ۔ کوئنے ۔ اس کے خیال یعنی زمیندار اور قوم کے اغراض کی وابستگی کے متعلق دیکھو اسمتھ کی کتاب "دولت اقوام" کتاب چہارم باب ۱۔

64 ص ۱۰۴ ۔ گورنے ۔ گورنے کے خیالات کے محرک بلاشبہ بیشتر انگریزی تصانیف تھے چنانچہ مورلے اپنی کتاب Memoires, I, 38

میں لکھتا ہے کہ "مورلیے کے پیش نظر بہترین انگریز مصنف تھے جیسے کہ پیٹی، ڈیو نانٹ، کنگ اور چائلڈ وغیرہ۔

66 ص ۱۰۷ ۔ قانون فطرت ۔ اس فرقہ کے دوسرے کم اہم ارکان لٹ روسنی اور ایبٹی بوڈو تھے۔

67 ص ۱۰۸ ۔ مورلیے ۔ مورلیے کی کتاب کو کنٹرولر جنرل ٹرگو نے ممنوع قرار دیا۔ اگرچہ وہ گیلیانی کی کتاب کے چند ماہ بعد ۱۷۷۰ء میں طبع ہو گئی تھی، مگر ۱۷۷۵ء سے پیشتر شائع نہ ہو سکی۔ آدم اسمتھ مورلیے کے متعلق لکھتا ہے کہ "وہ نہایت بلند پایہ فرانسیسی مصنف ہے اور معاشی معاملات میں خاصہ تبحر رکھتا ہے۔" دیکھو کتاب پنجم باب "دولت اقوام"۔

68 ص ۱۰۹ ہیوم، مورلیے کے نام موسومہ خط مورخہ ۱۷۶۹ء میں اس جماعت کے متعلق لکھتا ہے کہ "یہ لوگ موجودہ زمانے کے سب سے خیالی، وہمی اور مدعی قسم کے لوگ ہیں۔" بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مورلیے کا اس جماعت یعنی فرقۂ فطرآئین سے جو گہرا تعلق تھا اس کو ہیوم نے ارادۃً نظرانداز کیا۔

68 ص ۱۰۹ معاشری نشوونما ۔ ترگو کا قول ہے کہ "تاوقتیکہ ہم ان مختلف سیاسی حالات و مراحل کو پیش نظر نہ رکھیں جو مختلف زمانوں اور صورتوں میں مرتب ہوئے معاشی مسائل کی بحث ہی ناممکن ہے۔" دیکھو اس کا خط مے مائنرل لس پی ناسی کے نام ۱۷۷۰ء۔

72 ص ۱۱۱ ۔ ویری ۔ جے ۔ ایس ۔ مل اپنی کتاب

Principles, book I, Chap. I.

میں اس چیز کی تمثیل و توضیح پیدائش کے تعلق سے پہلی مرتبہ کرنے کے امتیاز کا سہرا اپنے والد کے سر باندھتا ہے جس کو وہ حیرت انگیز طریقہ پر معاشیات کا اساسی اصول قرار دیتا ہے یعنی یہ کہ "انسان سوائے اس کے کہ ایک شئے کو دوسری شئے میں

منتقل کرے یا اس سے علیحدہ کرے مادہ میں اور کوئی رد و بدل نہیں کر سکتا۔" لیکن اسی چیز کو نہایت واضح طور سے ویری نے اپنی کتاب meditazioni, sect. 8. میں بیان کیا ہے۔

76 ص ۱۲۶ ۔ رو برٹ سن ۔ دیکھو اس کی کتاب History of America, note 198.

77 ص ۱۲۶ ۔ کونت ۔ دیکھو اس کی کتاب Philospphie Positive, Vol. V, p. 759

79 ص ۱۳۱ ۔ شمالتز ۔ دیکھو روشر کی کتاب Geschichte der N.O. in Deutschland, p. 408.

80 ص ۱۳۴ ۔ پیٹر ڈی لاکورٹ کی اس سے قبل کی تصنیف Interest van Holland ofte Gronden van Hollands-Welvaren (1662)

سترھویں صدی میں بہت مقبول رہی ۔ اس کتاب کے انگریزی میں ایک اور جرمن میں تین ترجمے ہوئے ۔

85 ص ۱۴۴ ۔ آدم اسمتھ، پل نے ٹی کے نام موسومہ خط مورخہ ۱۷۷۶ء میں لکھتا ہے کہ "سر جیمس اسٹورٹ کی کتاب کے متعلق تمہاری جو رائے ہے میری بھی وہی رائے ہے ۔ اس کو بیان کئے بغیر میں نہایت فخر کے ساتھ یہ کہوں گا کہ ان کی کتاب میں جو جو غلط اصول پیش کئے گئے ہیں ان کا رد اور ابطال میری تصنیف میں بہت ہی واضح اور نمایاں طریقے پر کیا جائے گا۔"

90 ص ۱۵۲ ۔ فرگوسن اپنی تصنیف History of Civil Society میں مان ٹسک کے متعلق لکھتا ہے کہ "صدر مان ٹسک نے جو کچھ لکھا ہے وہ مجھے جب یاد آتا ہے تو میں یہ کہنے سے قاصر رہتا ہوں کہ میں انسانی معاملات سے کیوں بحث کروں ۔ لیکن مجھ کو بھی میرے خیالات وجذبات ابھارتے ہیں اور

میں ان کا اظہار زیادہ تر معمولی قابلیت رکھنے والوں کی فہم کے
مطابق کر سکتا ہوں اس لئے کہ میں زیادہ تر معمولی اشخاص
کی سطح پر ہوں اِس فاضل سیاست داں اور ہر دلعزیز ماہر
اخلاقیات نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے اس کی جانب
ناظرین کی توجہ مبذول کرانی ضروری ہے (Part I, Sect. 10).
ہیوم، مان ڈسک کے متعلق لکھتا ہے کہ وہ بلند پایہ اور مشہور
مصنف ہے جس نے سیاسی معلومات کا ایسا نظام قائم کر دیا
جو نہایت درخشاں اور ہنر مندانہ خیالات سے مملو ہے، اور
جو اس کے علمی تبحر کو ظاہر کرتا ہے۔ دیکھو ہیوم کی کتاب
Principles of Morals, sect. 8 and note.

98 ص ۱۵۶۔ لگان زمین کے بارے میں اسمتھ نے جن خیالات کا اظہار
کیا ہے ان کا پیرایہ نہایت مبہم ہے، جیسا کہ نام نہاد ریکارڈین
نظریۂ لگان کا تبصرہ کرتے وقت آئندہ معلوم ہوگا۔

98 ص ۱۶۳۔ سود کی بازاری شرح اور قانونی شرح۔ بنتھم کے بارے میں
دیکھو صفحہ ۱۱۰

101 ص ۱۶۷۔ آدم اسمتھ پروفیسر بیسٹے بل مصنف کی توجہ اس دلچسپ
واقع کی جانب منعطف کراتا ہے کہ اُون پر محصول برآمد عائد
کرنے کی تجویز اور مشترک سرمایہ دار کمپنیوں کو عارضی اجارہ
دینے کو حق بجانب قرار دینے کی تجویز پہلی مرتبہ تیسرے ایڈیشن
۱۷۸۴ء میں رونما ہوئی۔

107 ص ۱۷۶ History of Civil Society. "عوام کے سامنے قومی معاشیات
کا نظریہ غالباً بہت جلد پیش ہوگا جو اس علم کے کسی موضوع
کے نظریئے سے کمتر نہ ہوگا" جزو (۳) فصل (۴)۔

107 ص ۱۷۶۔ "دولت اقوام" اس کے پانچ ایڈیشن خود مصنف کی زندگی
میں شایع ہوئے۔ پہلا ۱۷۷۶ء میں، دوسرا ۱۷۷۹ء میں،

تیسرا ۱۷۸۴ء میں، چوتھا ۱۷۸۶ء اور پانچواں ۱۷۸۹ء میں تیسرے ایڈیشن کے بعد اسمتھ نے خود متن میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ اس تصنیف کو دوسرے جن مصنفوں نے اضافے یا شرح کے ساتھ شایع کیا وہ یہ ہیں:۔ (۱) ولیم پلے فیر حواشی کیساتھ ۱۸۰۵ء میں، (۲) ڈیوڈ بوکانن حواشی کے ساتھ ۱۸۱۴ء میں، (۳) جے۔ آر۔ یم۔ کلاک مصنف کے سوانح حیات، تمہید، حواشی اور مختلف مباحثات و مضامین کے اضافہ کیساتھ ۱۸۲۵ء میں اور مزید اضافوں کے ساتھ ۱۸۳۹ء میں (۴) England and America کے مصنف یعنی ایڈورڈ گبن ویک فیلڈ نے "دولت اقوام" کو شرح کے ساتھ شایع کیا، لیکن یہ شرح صرف کتاب دوم تک محدود ہے ۱۸۳۵ء تا ۱۸۳۹ء۔ (۵) جیمس، ای، تھورولڈ پروفیسر معاشیات آکسفورڈ نے دیباچے میں مصنف کے سوانح لکھکر اسمتھ کے تمام حوالہ جات کی تصدیق کی ہے ۱۸۶۹ء۔ (۶) جے۔ایس۔ نکلسن پروفیسر ایڈنبرا نے تمہیدی مضمون اور حواشی کے ساتھ ۱۸۸۴ء میں۔ (۷) ڈبلیو پی، ایمرٹن نے بہت ہی احتیاط کے ساتھ ۱۸۸۰ء میں خلاصہ شایع کیا جو جریمیا جائس کی ابتدائی کتاب Analysis (1821) پر مبنی ہے۔

107 ص ۱۷۶۔ پل ٹینی۔ دیکھو
Parliamentary History Vol. XXXIII, p. 778.

108 ص ۱۷۷۔ سود کی بہترین قانونی شرح۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ۱۷۶۹ء کے قدیم زمانے میں بھی یہ اصول پیش کیا گیا تھا اور اس کی وکالت ترگو نے اپنی کتاب
Memoires sur les prets d'argent.
میں نسبتاً کچھ کم قابلیت کے ساتھ نہیں کی ہے۔

108 ص ۱۷۷۔ کونت۔ دیکھو Lettres d'A. Comte a J. S. Mill, p. 4

111 ص ۱۸۲۔ ترگو۔ دیکھو اس کے مباحثات و تقاریر سار بو نے میں ۱۷۵۰ء

Sur les progres successifs de l'esprit humain.

112 ص ۱۸۳۔ مالتھس کی کتاب

An Essay on the Principle of Population

پانچ ایڈیشن خود مصنف کی زندگی میں شایع ہوئے۔ یعنی ۱۷۹۸ء، ۱۸۰۳ء، ۱۸۰۶ء، ۱۸۰۷ء، ۱۸۱۷ء اور ۱۸۲۶ء میں۔

115 ص ۱۸۷۔ قوت تولید کے اختلافات کے اسباب وغیرہ۔ اس موضوع کے لئے دیکھو ہربرٹ اسپنسر کے خیالات اس کی کتاب

Principle of Biology, Part VI, Chaps. XII-XIII. میں

115 ص ۱۸۷۔ مالتھس۔ خود مالتھس نے کہا تھا کہ "اغلب یہ ہے کہ کمان کو ایک جانب بہت زیادہ خما ہوا دیکھکر مجھے ترغیب ہوئی کہ میں اس کو دوسری جانب بہت زیادہ خم کروں تاکہ وہ بالکل سیدھی ہو جائے۔

123 ص ۱۹۹۔ ڈاکٹر جیمس انڈرسن۔ لگان کی نوعیت کے بارے میں انڈرسن کا بیان

Select. Collection of Scarce and Valuable Economical Tracts. میں مکرر طبع ہوا ہے جس کی ادارت لارڈ اورسٹون کی جانب سے جے، آر، میکلاک نے ۱۸۵۹ء میں کی۔

127 ص ۲۰۵۔ بوکانن کا قول جس کا ریکارڈو نے اسمتھ کے جواب میں حوالہ دیا۔ لیکن سینیر نے یہ ثابت کیا ہے کہ اسمتھ ایک حد تک حق بجانب ہے۔ گو یہ صحیح ہے کہ لگان اس لئے طلب کیا جاتا ہے کہ قدرت کی پیداآور قوتیں محدود ہیں اور زائد آبادی یہ چاہتی ہے کہ اجرت کے سلسلے میں جو مصارف ہوں وہ کم ہوں تاکہ مطلوبہ رسد حاصل ہو سکے۔ دوسری جانب

دراصل وہ قوت ہے جو اکثر زمینوں میں کاشت کرنے والے اشخاص کی مطلوبہ تعداد سے زائد اشخاص کے اشیائے خورد و نوش تیار کرنے کے بارے میں پائی جاتی ہے۔ اور یہی وہ ذخیرہ یا فنڈ ہے جس سے لگان ادا کیا جاسکتا ہے۔

180 ص ۲۱۰ ۔ پروفیسر نکلسن ۔ دیکھو اس کی کتاب
Tenant's Gain not Landlord's Loss 1888 ; p. 88

182 ص ۲۱۳ ۔ ہلڈ ۔ دیکھو اس کی کتاب
Zwei Bucher zur Socialens Geschichte Englands, p. 194.

184 ص ۲۱۶ ۔ ریکارڈو ۔ اس کے ذاتی حالات کی سرگزشت اور زر کے مسایل پر اس کے تحریرات کا بیان یہاں عدم گنجایش کے باعث درج نہ کیا جاسکا، اس کا حال ان سائیکلوپیڈیا بریٹانیکا نویں ایڈیشن میں ریکارڈو کے نام کی ذیل میں ملیگا۔

186 ص ۲۱۹ ۔ آدم اسمتھ ۔ اس کی کتاب "دولت اقوام" کتاب یکم باب (۸) میں یہ فقرے موجود ہیں:۔ (۱) "وہ فنڈ جو اجرت ادا کرنے کے لئے رکھا گیا ہو" (۲) "وہ فنڈ جو مزدوروں سے کام لینے کے لئے رکھا جائے"۔ (۳) "وہ فنڈ جو ملازمین کے قیام و انتظام کے لئے مختص ہو"۔ وغیرہ۔

187 ص ۲۱۹ ۔ سینیر ۔ دیکھو اس کے
Four Introductory Lectures on Political Economy
(1852) میں سے آخری تقریر ۔

187 ص ۲۲۰ ۔ Essays on Unsettled Questions. لیکن مل ان مضامین کے مقدمہ میں لکھتا ہے ۔ کہ اس بارے میں اس کے جو ذاتی خیالات تھے وہ ٹارنس کے اسی قسم کے خیالات کے شائع ہونے سے پیشتر قایم اور تحریر میں ظاہر کئے گئے تھے ۔

188 ص ۲۲۲ ۔ آئرلینڈ کے مصنف سیموئل کرمپ یم ، ڈی نے ۱۷۹۳ء میں

بمقام ڈبلن ایک مضمون بنام

An Essay on the Best Means of Providing Employment for the People

شایع کیا تھا جس پر رایل آئرش اکاڈمی کی جانب سے اس موضوع پر بہترین مضمون لکھنے کی غرض سے پیش کردہ انعام مصنف کو ملا۔ یہ نہایت بلند پایہ تصنیف ہے جس میں آدم اسمتھ کے بعض اہم اصول نہایت عمدہ پیرائے میں بیان کئے گئے ہیں۔ جان ہیلی ہچن سن کی کتاب

Commercial Restraints of Ireland (1779)

آئرلینڈ کی معاشی تاریخ پر نہایت اہم تصنیف ہے۔

142 ص ۲۲۹۔ الکزنڈر بیرنگ۔ یہ بعد میں لارڈ ایشبرٹن ہو گئے۔ ان کے مختصر کے لئے دیکھو یم کلاک کی کتاب

Literature of Political Economy, p. 57:

یا سینیر کے تقاریر

Lectures on the Transmission of the Precious Metals, etc. 2nd Ed. p. 78

145 ص ۲۳۴۔ مل۔ ریاستہائے متحدہ میں مل کی تصنیف کا خلاصہ جے، لارنس لاف لن نے کالجوں کے نصاب کے لئے نہایت عمدگی اور خوبصورتی کے ساتھ شایع کیا، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ عمرانیات کے عنوان کے تحت جو چیزیں موزونیت کے ساتھ درج ہونی چاہیئے تھیں انھیں حذف کر دیا گیا ہے اس طرح گویا خود مل کے تصور کو نظر انداز کر دیا گیا ہے، اور اس کی کتاب معمولی قسم کی کتاب بن کر رہ گئی ہے۔

148 ص ۲۳۸۔ مل۔ نیز دیکھو **Fortnightly Review 1870** میں اس کے مضامین

Chapters on Socialism 1879

155 ص ۲۴۹ ۔کیرنس، ل کی تقلید سے انکار کرتا ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ جیونس اپنی کتاب

Theory of Political Economy, 2nd Edition.

کے مقدمے میں لکھتا ہے کہ "اجرت فنڈ کے قضیے کو اکثر انگریز معاشیین نے منجملہ دوسرے اشخاص کے کیرنس کے حملوں اور اعتراضات کے باعث ترک کردیا ہے۔" واقعہ یہ ہے کہ کیرنس اس قضیے کا موئد تھا۔

158 ص ۲۵۳ ۔اسمتھ۔ "دولت اقوام" کا پہلا فرانسیسی ترجمہ بلاویت نے کیا جو

Journal de L'Agriculture, du commerce, des Finances

et des Arts 1779-80.

میں شایع ہوا۔اس کے نئے ایڈیشن ۱۷۸۱ء، ۱۷۸۶ء اور ۱۸۰۰ء میں شایع ہوئے۔ یہ ترجمہ اسٹرڈم میں بھی ۱۷۸۰ء میں طبع ہوا خود اسمتھ نے اپنے تیسرے ایڈیشن میں اس ترجمے کی خوبی کا اعتراف کیا ہے۔ ۱۷۹۰ء میں روچر نے دوسرا ترجمہ شایع کیا، جس پر کندارسے کا ارادہ حواشی لکھنے کا تھا۔ اور ۱۸۰۲ء میں کونٹ جرمین گارنیر کا ترجمہ شائع ہوا جو اس نے اپنی خارج البلدی کے زمانے میں انگلستان میں مقیم رہ کر کیا تھا۔ یہی ترجمہ بہترین خیال کیا جاتا ہے، چنانچہ اس کو حواشی کے اضافہ کے ساتھ سے، اسمنڈی اور بلنکوی وغیرہ نے

Collection des Principaux Economistes.

میں دوبارہ شائع کیا۔

166 ص ۲۶۵ ۔الکزنڈر ہیملٹن۔

Hamilton's Works, edited by H. C. Lodge, Vol. III,

p. 294

171 ص ۲۷۰ - کیری - کیری کے دوسرے تصانیف Social Science. کے ماسوا یہ ہیں :-

(1) Essay on the Rate of Wages (1885).

(2) Principles of Political Economy (1888—1840)

(8) Past, Present and Future (1848)

(4) Unity of Law (1872).

178 ص ۲۷۳ چارلس کونٹ (۱۷۸۲ء تا ۱۸۳۷ء) جے بی اسے کا داماد تھا۔ کونٹ اپنے سیاسی تحریرات کی حد تک ونویر سے وابستہ تھا اور ونویر کے مثل اس نے اپنے آپ کو باعزت آزادی کے لئے ممتاز کیا۔ وہ

Trait de Legislation

کا مصنف تھا جو بلند پایہ اور مفید تصنیف ہے لیکن جس سے اس کا تعمق وتبحر ظاہر نہیں ہوتا۔

174 ص ۲۷۵ - فرڈرک بستیا کا خیال لگان کے بارے میں - بم لیر آبولو اپنی کتاب Essai sur La Repartition des Richesses (2nd Edition, 1882) میں یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ یہ اگرچہ پوری طرح نہیں لیکن تقریباً صحیح ہے کہ معاشی لگان حقیقی لگان کا بہت ہی قلیل جزو ہوتا ہے

174 ص ۲۷۵ - کیرنس - دیکھو اس کی کتاب

Essays oh Political Economy, p. 334.

176 ص ۲۷۷ - آگستن کورنا - ہرمان ہنریش گاسن کی تصنیف

Entwickelung der Gesetze des menschlichen Verkehrs

جس کی تعریف وتوصیف جیونس نے اپنی کتاب

Theory of Political Economy, 2nd Edition.

کے مقدمے میں کی ہے، ۱۸۵۴ء میں شایع ہوی۔

باب ۶

192 ص ۳۰۳۔ کونت۔ وہ ۱۸۲۲ء ہی میں اپنے اساسی، اصول ایک چھوٹے سے رسالے میں بیان کرچکا تھا جو اس کی کتاب
Politique Positive
کے ضمیمہ میں دوبارہ طبع کئے گئے

194 ص ۳۰۶۔ کونت۔ کونت کے ان خیالات کے اثر کے تحت جے یس مل نے اپنی کتاب Political Economy جزو چہارم میں معاشی حرکیات پر بحث کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کی تصنیف کے سب سے کم اطمینان بخش حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔

196 ص ۳۰۸ فلسفیانہ طریق ...... یہ فقرہ غالباً اس بحث مباحثے سے حاصل کیا گیا ہے جو اصول قانون کے طریق کے بارے میں ایک جانب تھی باٹ اوسوتینی یا سیوگنی اور دوسری جانب ہیوگو کی جماعت کے مابین رونما ہوا تھا۔

208 ص ۳۲۰۔ دیکھو جرمنی کے تاریخی مسلک کا خیال حکومت کی مداخلت کے بارے میں "لیکن بہرصورت یہ جانچنا ضروری ہوگا کہ آیا بہترین عمل مرکزی حکومت کی جانب سے ہوگا یا مقامی حکومت کی جانب سے" (مصنف)

206 ص ۳۲۴۔ شافلے۔ اس کا یہ خیال کہ موجودہ اصلداری کے دور کی یابجائی اشتراکی تنظیم سے ہوجائے گی جو معاشری انتخاب کے عمل پر مبنی ہوگا۔ یہ ضروری ہے کہ اس خیال کو یم لیورا بیولو کی تصنیف دوبارہ اجتماعیت Collectivision (1884) کے ناظرین ذہن نشین رکھیں۔ اس کتاب میں لیورا بیولو

شافلے کو اس قسم کی اشتراکیت کا سب سے بڑا نظری نمایندہ قرار دیتا ہے۔

207 ص ۳۲۵۔ حاشیہ نمبر (۳) اس کتاب کا مصنف انگرم ہے۔ یہ دراصل وہ خطبہ تھا جو انگرم نے برطانوی انجمن کے شعبۂ معاشیات و اعداد و شمار میں اسکے اجلاس منعقدۂ ڈبلن میں ۱۸۷۸ء میں پڑھا تھا۔

210 ص ۳۳۲ جیونس۔ اس کے مشورے سے بیوگی کا ساکی کتاب Guida کا ترجمہ انگریزی زبان میں ہوا جس کا نام Guide to the Study of Political Economy, 1880. ہے۔ نیز دیکھو کا ساکی کتاب Primi Elementi di E. P. Vol I 8th Edition, 1888

مصنفین، تصانیف وغیرہ کی تاریخ کے بارے میں۔

ص ۳۳۳۔ ای نظانی۔ دیکھو اس کی کتاب

Saggi di Economia Politica, 1881

218 ص ۳۴۵۔ بیجہٹ۔ بیجہٹ کو بظاہر جونس کے تحریرات کا علم نہ تھا لیکن جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے جونس نے اپنی تشریح میں بیجہٹ سے بیشتر ہی اس خیال کا اظہار کر دیا تھا۔

224 ص ۳۵۳۔ لزلی۔ اس نے نظریۂ اجرت فنڈ کو سطحی ثابت کر دکھایا تھا مگر وہ ایسا کرنے کے قابل تھی لیف، ڈی، لونگ کی کتاب

Refutation of the Wage Fund Theory of Modern Political Economy 1866.

کے باعث ہوا۔ لزلی نے اس موضوع پر جو بحث کی وہ جولائی ۱۸۶۸ء کے Fraser's Magazine کے ایک مضمون میں موجود ہے۔ یہی بحث اس کی کتاب

Land-Systems and Industrial Economy of Ireland, England and Continental Countries, 1870.

کے ضمیمہ میں دوبارہ طبع کی گئی۔

229 ص ۲۶۱ ۔ آرنلڈ ٹائنبی ۔ دیکھو اس کی کتاب

Lectures on the Industrial Revolution in England, with Memoir by the Master of the Balliol, 1984, 2nd Edition, 1887

231 ص ۲۶۶ ۔ رسالۂ سائنس کے مضمون نگاروں میں جو جدید مسلک کے
232 پیرو تھے حسب ذیل قابل ذکر ہیں :۔

(۱) ڈاکٹر ایڈ ون، آر اے سیلگمن،
(۲) پروفیسر ای، جے، جیمس
(۳) پروفیسر رچرڈ، ٹی، ایلی،
(۴) ہنری سی آڈمس ۔
(۵) رچمنڈ میئو اسمتھ، اور
(۶) سائمن، این پیٹن ۔

قدیم مسلک کے نمایندوں میں قابل ذکر یہ ہیں :۔

(۱) پروفیسر سائمن نیوکامب،
(۲) ایف، ڈبلیو، ٹاسگ ۔ اور
(۳) آرتھر ٹی ہیڈلے

باب ۷

256 ص ۲۰۴ ۔ جرمنی ۔ بحث کے لئے ملکوں کا انتخاب کرنے میں مصنف کی رہبری زیادہ تر اس خواہش کی بنا پر ہوئی کہ موجودہ زمانے تک ریاستہائے متحدہ کے معاشی خیال کی تاریخ کا سراغ لگایا جائے اور انگرام نے پوری کتاب میں جو صورت اختیار کی ہے یعنی زیادہ تر انگلستان، جرمنی اور فرانس کی

جانب توجہ کی جائے اس کی اتباع کی جائے۔ چنانچہ ان ملکوں کا انتخاب قدرتی طور سے اس واقعے کا تابع ہے کہ کتاب اساسی طور سے انگلستان اور ریاستہائے متحدہ کے ناظرین کے افادے کی غرض سے لکھی گئی ہے۔

286 صفحہ ۴۷۵۔ فرانس۔ فرانس میں جو حالیہ تغیرات و ترقیات ہوئے ان کے تبصرے میں مصنف کو ویانا کے سیگمنڈ فیس بوگن کے بلند پایہ مضامین سے بڑی حد تک مدد ملی جو

Revue. d'Histoire des Doctrines Economiques et Sociales,

ل p: 1 to 46 and 347 to 372.

بہ عنوان

L'Evolution des Ides Economiques et Sociales en France depuis 1870. شائع ہوئے۔

اشاریہ

Index

(نوٹ) صفحات کے حوالے بلحاظ صفحات کتاب انگریزی مندرجہ حاشیہ دئے گئے ہیں۔

01

804

309

810

تمت

صحت نامہ

(تاریخ معاشیات (انگرام))

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۲ مقدمہ	۱۲	توقعات" پر	توقعات[1] پر	۱۳۶	۲۵	فصانیف	تصانیف
۱۷	۱۳	کردے لی	کردے گی	۱۴۵	۳	یہ یہ	یہ
۳۲	۲۳	یارے میں	بارے میں	۲۱۷	۵	معاشات	معاشیات
۳۷	۱۶	حاصں	حاصل	۲۲۱	۷	مکاطلے	مکالمے
″	۱۹	زرعی	زرعی	۲۳۳	۲	تواآبادیات	نوآبادیات
۴۵	۲۱	فرقعہ	فرقہ	″	۱۶	شدو کے ساتھ	شدومد کے ساتھ
۵۷	۹	ناگریز	ناگزیر	۲۳۶	۱	تدمذ	تذبذب
۸۰	۶	سرڈڈے نارتھ	سرڈڈلے نارتھ	۳۲۱	۱	سامئن	سائبن
۹۱	۵	تہایت	نہایت	۳۵۷	۲۰	اِن	اُن
۹۶	۲۴	باقی	بانی	۳۶۲	۱۹	۱۳۳۲ء	۱۸۳۳ء
۹۷	۳	منظم	منتظم	۳۶۵	۷	بیروقی	بیرونی
۹۸	۱۹	آئینی	فطرآئینی	۳۶۹	۲۴	تاریجی	تاریخی
۱۱۱	۶	۷۷	۷۵			ان کی وہ ایک	ان کی وہ جداگانہ
۱۲۹	۲۳	بستی	آبتی	۳۷۳	۸	جداگانہ تقسیم قرار دیکر	تقسیم کرکے
۱۳۱	۲۳	۱۷۶۰۵ء	۱۷۶۱ء	۳۷۳	۹	کرتاہے دان	کرتا ہے کہ ان
۱۳۴	۱۱	ڈیوٹ	ڈی وٹ	۳۷۴	۲	علم وعمل پر منحصر ہے	علم وعمل پر مشروط و منحصر ہے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۸۱	۴	کیونکہ اس قسم	کیونکہ صرف اس قسم
۳۸۴	۱۲	بہتر میں	بہترین
۳۸۵	۴	نئی ترکیب	نئی ترتیب
۳۸۹	۲۵	سائل کی بحت	مسائل کی بحث
۳۹۰	۲	وہ مسئلہ سود	میں وہ مسئلہ سود
"	۱۱	بادرک	بیوہم باورک
۳۹۴	۱۲	اور چیز پر ہے	اور چیز پر بھی ہے
۳۹۶	۱۸	نوعیت اوراسان	نوعیت اور انسان
۴۱۷	۲۲	مزدوسال	مزدوران
۴۲۲	۳۰	مختلف حکات	مختلف تحریکات
۴۲۴	۲۴	متنارعہ	متنازعہ
۴۳۲	۸	ماہرین فن کی نظرین	ماہرین فن کی نظر میں
"	۸	مباحث	مباحث
۴۳۹	۱۲	تفتیقات	تصنیفات
۴۴۰	۱۷	میکون	میکوین
۴۴۲	۱۸	تقسم دولت	تقسیم دولت
۴۴۸	۲۲	تا حس	تامس
۴۵۰	۹	Report in	Report on
"	۶	Introductions	Introduction
"	۱۸	Treasury of U.S.	Treasury of the U.S.
۴۵۳	۳	جن خصوصیات	جن رجحانی خصوصیات
"	۱۶		
۴۵۶	۱۹	اور جوان ہی	اور ان ہی
"	"	وقف	یہ وقف
۴۵۷	۸	پائیٹرز	پائیٹیزر
۴۵۸	۱۰	L'œuvie	L'œuvre
۴۶۱	۱۴	سی کولسن کی کی ضخیم کتاب	سی۔ کولسن کی ضخیم کتاب
"	۱۵	Colours	Cours
"	۱۸	علم المعیشت	تاریخ علم المعیشت
"	۲۳و۲۴	علمی کے تصنیفات	علم کے تصنیفات
۴۶۳	۲۰	مناسب طریقے پر	مناسب طریقے سے
۴۶۶	۱۰	انھوں نے متذکرہ بالا	وہ متذکرہ بالا
"	۱۱	حاصل کیا	حاصل کرتے تھے
۴۷۴	۳	منظم ہوگا	منتظم ہوگا